علامہ اقبال اور مجلّہ "صوفی"

مقالہ برائے ایم-فل اقبالیات

ریسرچ سکالر:

صبغہ فاروق

رجسٹریشن نمبر:

92-PLE-1109

نگران:

پروفیسر ڈاکٹر سہیل احمد خاں

صدر شعبہ اردو

پنجاب یونیورسٹی، لاہور
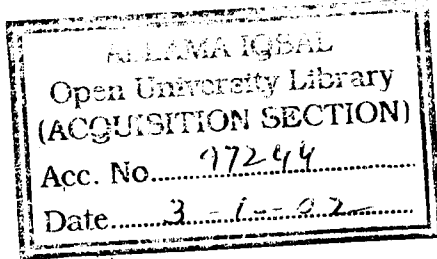
شعبہ اقبالیات

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

۲۰۰۰ء

بسم الله الرحمٰن
الرحيم

ترتیب

دیباچہ

فکر اقبالؔ کی اہمیت وافادیت مسلّم ہے۔ اقبالیات میں اقبالؔ کے فکروفن کے مختلف گوشوں کو زیادہ واضح کرنے اور حتمی وقطعی صورت عطا کرتے کے لئے فکری وفنی حوالوں سے حقیقی پس منظر فراہم کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ حقیقی پس منظر تک رسائی حاصل کرنے کی غرض سے عصر اقبالؔ کا گہری نگاہ سے تجزیہ بہت ضروری ہے، جس سے اس زمانے میں اقبال کے کردار وافعال اور شعری ونثری اظہار کی روشنی میں ان کے حقیقی اسلوب زندگی اور فکروفن کے سلسلوں کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ زیرنظر مقالہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اقبالیات کے نقطہ نظر سے مجلّہ ''صوفی'' کے مطالعے کی ضرورت ایک عرصے سے محسوس کی جارہی تھی کیونکہ کلام اقبالؔ کے کئی جائزہ نگاروں اور ناقدین کی تحریروں کے ذریعے مجلّہ ''صوفی'' کے تذکرے تو سامنے آچکے تھے، تاہم مجلّہ ''صوفی'' کے بارے میں تسلی بخش اور مستند معلومات قارئین تک نہ پہنچ سکی تھیں۔ جس کے باعث مجلّہ ''صوفی'' خود ایک سوال بن کر ابھرا۔ اس سوال کو سب سے پہلے ڈاکٹر محمد عبدالغنی نے الفاظ کا روپ دیا۔ انہوں نے اقبال صدی کے موقعے پر مارچ، اپریل ۱۹۷۷ء کے ''صحیفہ'' میں اقبال کے ایک قطعہ تاریخ کو موضوع بناتے ہوئے ''صوفی'' کے سلسلے میں یہ حاشیہ تحریر کیا کہ ''خیال ہے کہ ''رسالہ صوفی اور علامہ اقبال'' ایک معنی خیز موضوع ہے۔ بیسویں صدی کے ثلث اول میں اس رسالے نے علم وادب کی شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ اس کی فائلوں کو نظر غائر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔'' (ص ۲۴) پھر ۱۹۹۲ء میں پروفیسر ڈاکٹر رحیم بخش شاہین (مرحوم) نے اس موضوع میں دلچسپی لی اور ایم۔فل اقبالیات کے طالب علم خواجہ عبدالرؤف مہتہ جو گورنمنٹ ڈگری کالج منڈی بہاؤالدین میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے کی رضامندی سے یہ موضوع انہیں تفویض کر دیا۔ تاہم سالوں تک اس موضوع کو اپنے پاس رکھنے کے بعد مواد کے حصول میں دشواریوں، بعض لوگوں کی طرف سے اس موضوع کے سلسلے میں حوصلہ شکنی اور عدم تعاون کے علاوہ بعض ذاتی معذوریوں کے باعث انہوں نے یونیورسٹی سے معذرت کر لی۔

قدرت کی طرف سے یہ کام راقمہ کے ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچنا تھا لہٰذا دوسری بار یہ موضوع راقمہ کے سپرد ہوا۔ پروفیسر ڈاکٹر رحیم بخش شاہین نگران مقرر ہوئے۔ جنہوں نے بڑی مہارت سے اپنے فرائض انجام دیئے اور مقالے کے مواد کے حصول میں بہترین راہنمائی فراہم کی۔ راقمہ نے آغاز کار میں اس موضوع کو واپس کرنے والے طالب علم خواجہ عبدالرؤف مہتہ سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے مقالے کے لئے جو لازمہ اکٹھا کیا تھا وہ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ ان سے لے گئے ہیں جسے بعد میں ڈاکٹر موصوف نے اپنی تصنیف ''اقبال اور گجرات'' کی زینت بنایا۔ تاہم راقمہ مایوس نہیں ہوئی اور ''صوفی'' کی تلاش وجستجو میں سرگرداں رہی۔ جن لوگوں نے راقمہ سے قبل اس موضوع پر کام کرنے والے طالب علم سے عدم تعاون کیا اور اس موضوع پر کام کرنے کی حوصلہ شکنی کی ان کا رویہ راقمہ کے ساتھ بھی کچھ مختلف نہ تھا، لیکن اس حوصلہ شکنی سے راقمہ کے ارادے مزید مستحکم ہوئے۔

مواد کے حصول کا مرحلہ کچھ آسان نہ تھا۔ یہ بجائے خود ایک طویل داستان ہے، جس کا بیان لاحاصل ہے۔ راقمہ کے نگران پروفیسر ڈاکٹر رحیم بخش شاہین چونکہ خود محقق تھے اس لئے تحقیق میں انتظار اور صبر کی اہمیت سے آگاہ تھے۔ ان کے ہمت بندھانے سے راقمہ تلاش کی منزلوں میں آگے بڑھتی چلی گئی۔

پھر اچانک ایک روز پروفیسر ڈاکٹر رحیم بخش شاہین کے انتقال کی خبر پہنچی۔ خدا تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ پروفیسر ڈاکٹر رحیم بخش شاہین کے بعد گو کہ راقمہ مواد کی تلاش کے عمل میں تنہا تھی لیکن ڈاکٹر رحیم بخش شاہین کے دکھائے ہوئے راستے اس کے راہنما تھے۔ تلاش کے اس طویل سفر میں راقمہ کو ''صوفی'' کے کل تین سو ستائیس شمارے دستیاب ہوئے، جن میں بیس شمارے دو ماہ کی اکٹھی اشاعتوں پر مشتمل ہیں۔ تلاش مواد کے دوران راقمہ کی کوشش خصوصاً یہ رہی کہ ''صوفی'' کے آغاز سے لے کر علامہ اقبال کے سال وفات یعنی ۱۹۳۸ء تک کی تمام اشاعتیں اسے مل جائیں، خواہ ''صوفی'' اس کے بہت بعد تک اشاعت پذیر ہوتا رہا، تاہم ایسا نہ ہو سکا اور ''صوفی'' کے آغاز یعنی جنوری ۱۹۰۹ء سے لے کر دسمبر ۱۹۳۸ء تک کی اشاعتوں میں سے کوشش کے باوجود نومبر ۱۹۰۹ء، مارچ ۱۹۱۲ء، اپریل، مئی ۱۹۱۴ء، جولائی، اگست ۱۹۳۰ء، مئی ۱۹۳۵ء، اپریل ۱۹۳۶ء، اپریل، مئی، دسمبر ۱۹۳۷ء، فروری تا اکتوبر اور دسمبر ۱۹۳۸ء کے کل اکیس مہینوں کے شمارے دستیاب نہیں ہوئے۔ ان میں سے دس شمارے ایسے ہیں جن کا اندراج مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی ''اردو رسائل کی ڈائریکٹری'' (۱۹۷۳ء) مرتبہ سید محمد حسین رضوی اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ' اسلام آباد کی ''فہرست رسائل'' (۱۹۷۶ء) میں موجود ہے۔ مثلاً نومبر ۱۹۰۹ء، دسمبر ۱۹۳۷ء، مارچ، اپریل، ستمبر، دسمبر ۱۹۳۸ء کے شماروں کا تذکرہ مسلم یونیورسٹی کے رسائل میں ہے۔ اسی طرح مارچ ۱۹۱۲ء، اپریل ۱۹۳۶ء، اپریل، مئی ۱۹۳۷ء، کا ذکر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ، اسلام آباد کی فہرست میں ہے لیکن تلاش بسیار کے باوجود ان تک رسائی ممکن نہ ہوئی۔ راقمہ آئندہ بھی ان نہ ملنے والے شماروں کی تلاش میں رہے گی اور اگر ان شماروں سے کوئی نیا مواد حاصل ہوا تو اسے منظر عام پر لانا اپنا خوشگوار فریضہ تصور کرے گی۔

پروفیسر ڈاکٹر رحیم بخش شاہین کی وفات کے بعد یونیورسٹی نے ۱۰؍ستمبر ۱۹۹۹ء سے پروفیسر ڈاکٹر سہیل احمد خان، صدر شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور کو اس مقالے کا نگران مقرر کیا۔ جنہوں نے اس قدر رہبر پور انداز سے راہنمائی کی کہ راقمہ کے لئے مواد کے بے ترتیب اور وسیع انبار میں سے چند مہینوں میں سلیقے کے ساتھ اس مقالے کو پیش کرنا ممکن ہو گیا۔ راقمہ ڈاکٹر سہیل احمد خان کی شکر گزار ہے کہ انہوں نے اس تحقیقی کام کو انجام تک پہنچانے میں سرگرمی سے اپنا کردار ادا کیا۔ اس مقالے کی تمام تر خوبیاں پروفیسر ڈاکٹر سہیل احمد خان کی بدولت ہیں اور تمام تر خامیاں راقمہ کی کوتاہیوں کا نتیجہ ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی، صدر شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کی ہمدردانہ توجہ بھی راقمہ کو حاصل رہی۔ جس کے نتیجے میں ڈاکٹر سہیل احمد خان جیسے موزوں نگران و راہنما کا تقرر عمل میں آیا۔ راقمہ اس کے لئے سراپا سپاس ہے۔

مقالے کے کام کو اصول تحقیق کی روشنی میں انجام دیا گیا ہے۔ ہر باب کے حوالہ جات و حواشی مسلسل نمبر کا طریق اپناتے ہوئے ہر باب کے آخر میں درج کئے گئے ہیں۔

یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں مجلّہ ''صوفی'' کی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں مجلّہ ''صوفی'' کے آغاز و ارتقاء کے سلسلوں کو مستند حوالوں سے نمایاں کیا گیا ہے گویا یہ باب مجلّہ ''صوفی'' کا ایک جامع تعارف نامہ ہے۔

باب دوم مدیر ''صوفی'' ملک محمد الدین اعوان کی شخصیت کو اجاگر کرتا ہے- کسی بھی مدیر کی شخصیت، اس کے رجحانات و میلانات، اس کے افعال و کردار زیرادارت مجلّے پر کسی حد تک ضرور اثر انداز ہوتے ہیں- یوں سمجھ لیجئے کہ یہ باب بھی مدیر ''صوفی'' کی وساطت سے مجلّہ ''صوفی'' کو جاننے اور سمجھنے کی ایک کوشش ہے-

باب سوم علامہ اقبال کے مجلّہ ''صوفی'' سے روابط اور ان کی نوعیت سے متعلق ہے- اس میں مدیر ''صوفی'' اور علامہ اقبال کے بعض بزرگان و احباب سے مراسم کی روشنی میں کچھ نتائج اخذ کرتے ہوئے ابتدائی آشنائی سے لے کر گہرے روابط تک کی تلاش کی گئی ہے-

باب چہارم میں ''صوفی'' میں شائع ہونے والے کلام اقبال کے جائزے پیش کئے گئے ہیں- اس باب کو اردو اور فارسی کلام کے حوالے سے دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے- دونوں میں زمانی ترتیب کی پابندی کی گئی ہے- یہ جائزے اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے بلند پایہ ہیں کیونکہ ''صوفی'' میں شائع ہونے والے کلام اقبال کے متن کا تجزیہ دیگر دستیاب نمونوں سے کیا گیا ہے- اس عمل میں بہت سے مفید نتائج اخذ ہوئے اور ماضی میں اس سلسلے میں ہونے والی کئی غلطیوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح بھی ہوگئی ہے-

باب پنجم ''صوفی'' میں شائع ہونے والی اقبالؔ کی نثر کا احاطہ کرتا ہے- اس میں اقبالؔ کی اردو نثر کے ساتھ ساتھ اقبال کی انگریزی نثر کے اردو تراجم کے جائزے بھی شامل ہیں- ایسے نمونے جو اقبالؔ کی نثر کے کسی مجموعے میں شامل نہیں انہیں واوین میں درج کردیا گیا ہے-

باب ششم اقبالیاتی ادب کے نمونوں پر مشتمل ہے- اس باب میں اقبالؔ کے شخصیت وفن کا مثبت اور منفی انداز میں احاطہ کرنے والے منظوم اور نثری نمونوں کو پیش کیا گیا ہے- جو نمونے اقبالیات کے مجموعوں میں جگہ پا چکے ہیں ان کو درج نہیں کیا گیا- ان پر مفید تعارفی نوٹ بھی تحریر کئے گئے ہیں، جن سے ان کے پس منظر و پیش منظر پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے- ان نمونوں کو واوین میں درج کیا گیا ہے جبکہ اختلافات واغلاط کی نشاندہی حواشی یا قوسین میں کردی گئی ہے-

مقالے کے آخر پر ماحصل بھی پیش کیا گیا ہے، جس میں مجلّہ ''صوفی'' کو اہمیت و وقعت کے اعتبار سے علم اقبالیات میں ناگزیر حیثیت کا حامل قرار دیا گیا ہے-

مواد کے حصول میں جن کتب خانوں اور شخصی ذخیروں سے استفادہ کیا گیا ان میں مسلم یونیورسٹی لائبریری' علی گڑھ- اورینٹل کالج لائبریری، لاہور- پنجاب پبلک لائبریری، لاہور- لاہور میوزیم لائبریری، لاہور- دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور- پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور- اقبال اکادمی پاکستان لائبریری، لاہور- سپیشل برانچ لائبریری، لاہور- پنجاب آرکائیوز، لاہور- سول سیکرٹریٹ لائبریری، لاہور- ذخیرۂ میاں محمد عالم مختار حق، لاہور- ذخیرۂ ملک محمد اشرف خان نبیرۂ مدیر ''صوفی''، لاہور- نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ لائبریری، اسلام آباد- علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی لائبریری، اسلام آباد- قائداعظم یونیورسٹی لائبریری، اسلام آباد- اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لائبریری، اسلام آباد- ادارہ غالب

لائبریری، کراچی- کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی- بیدل ٹرسٹ لائبریری، کراچی- پشاور یونیورسٹی لائبریری، پشاور- اسلامیہ کالج لائبریری، پشاور- فیضانی ملّی لائبریری، ایبٹ آباد- سرحد اردو اکیڈمی لائبریری، قلندر آباد، ایبٹ آباد- ذخیرہ پیر غلام حیدر شاہ، جلالپور شریف- بگویہ لائبریری، بھیرہ- میرا کتب خانہ، حضرو، اٹک- ذخیرۂ ارشد محمود ناشاؔد، اٹک- خلافت لائبریری، ربوہ- عبدالمجید کھوکھر میموریل ریسرچ لائبریری، گوجرانوالہ- ذخیرہ ملک حسن علی جامعی، شرقپور شریف- ذخیرۂ سلطان علی مینیجر ''صوفی'' منڈی بہاؤالدین- ذخیرۂ سیدہ توقیر شاہ، منڈی بہاؤالدین اور ذخیرۂ بشیر احمد ساجد، منڈی بہاؤالدین شامل ہیں- راقمہ ان تمام علمی و ادبی خزانوں کے منتظمین کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہے کہ انہوں نے انتہائی فراخدلی سے گرانقدر دُر و جواہر سے فیض اٹھانے کا موقع فراہم کیا-

استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر آغا سہیل جو راقمہ کے ایم- اے اردو کے مقالے ''شاہد نقوی- شخصیت وفن'' کے نگران رہے، اس مرتبہ بھی راقمہ ان کی شفقت سے محروم نہ رہی- ان کے مخلصانہ مشورے مقالے کی تسوید میں کارآمد ثابت ہوئے- خدا تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے-

قومی دانشور سید سبط الحسن ضیغم جنہیں پنجابی زبان و ادب کے حوالے سے خطہ پنجاب سے خاص لگاؤ ہے، نے ''صوفی'' اور مدیر ''صوفی'' کی شخصیت کے حوالے سے نجی معلومات فراہم کر کے تحقیق کی راہوں پر چلنا آسان بنا دیا- خدائے بزرگ و برتر ان کے حافظے کو جلا بخشے-

راقمہ خود کو خوش قسمت تصور کرتی ہے کہ ڈاکٹر وحید قریشی، مشفق خواجہ، ڈاکٹر مظفر حسن ملک، ڈاکٹر وحید عشرت اور ڈاکٹر صابر حسین کلوروی جیسے اقبال شناسوں کا تعاون اسے حاصل رہا- راقمہ صمیم قلب سے ان سب کا شکریہ ادا کرتی ہے-

راقمہ پروفیسر خواجہ عبدالحمید یزدانی، سید وحید الحسن ہاشمی، ضیاء الدین لاہوری، پروفیسر جعفر بلوچ اور پروفیسر ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی ممنون احسان ہے کہ انہوں نے بعض مشکل مراحل میں اس کی دستگیری فرمائی-

سید انیس حیدر شاہ سجادہ نشین، جلالپور شریف اور احسان الحق سیکرٹری سی- بی- آر، اسلام آباد نے مقالے میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور ممکنہ مواد فراہم کیا- راقمہ ان کی بے حد شکر گزار ہے-

بعض صاحب علم اور قدر شناس ہستیاں خصوصیت سے راقمہ کے شکریے کی مستحق ہیں، جن کے تعاون، راہنمائی اور حوصلہ افزائی کے بغیر منزل تک پہنچنا انتہائی دشوار تھا- ان ہستیوں میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری (مرحوم)، میاں محمد عالم مختار حق، ضیاء اللہ کھوکھر، صاحبزادہ ابرار احمد بگوی، ڈاکٹر محمود فیضانی، ایس-ٹی شاہ، راشد علی زئی، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی اور مولانا محمد شفیع رضوی کے اسمائے گرامی شامل ہیں-

پنجاب آرکائیوز کے ڈپٹی ڈائریکٹر (ریسرچ) محمد عباس چغتائی نے سرکاری ریکارڈ کی تلاش میں غیر معمولی سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور محمد رمضان انور ڈپٹی ڈائریکٹر (ایڈمن) نے مقالہ تحریر کرنے میں بعض دشواریوں کو آسانیوں میں تبدیل کیا، راقمہ خلوص نیت سے ان کا شکریہ ادا کرتی ہے-

مدیر ''صوفی'' کے لواحقین و متعلقین میں سے ملک محمد اشرف اعوان نبیرۂ مدیر ''صوفی''، ملک محمد اصغر اعوان، ملک امان اللہ، ملک غلام رسول چوہان،

محمد اکرام بھٹی (مرحوم)، حاجی مراد اور غلام حیدر نے بھرپور تعاون کیا، راقمہ ان سب کے لئے دعا گو ہے-

دیگر محسنین میں ڈاکٹر ملک محمد ذوالفقار، ڈاکٹر محمود علی ملک، ڈاکٹر احمد خان، پروفیسر مبشر احمد، پروفیسر محسن سہیل، ناصر احمد قمر، جمیل احمد رضوی، امراؤ طارق، پروفیسر انصر محمود، پروفیسر حافظ عبدالرؤف، پروفیسر محفوظ عالم، پروفیسر لیاقت علی چودھری، پروفیسر ضیاء الحسن، پروفیسر طارق اقبال، پروفیسر حافظ عبیداللہ عابد، پروفیسر میاں محمد جنید اکرم، پروفیسر افتخار احمد، پروفیسر کامران یوسف (حالیہ اے-ایس-پی پولیس)، پروفیسر میاں محمد ایوب، ممتاز احمد بھٹی، سراج قادری، حکیم افتخار حسین فخر، پیر غلام غوث مہروی، بشیر احمد ساجد اور شاہد محمود کا تعاون شامل حال رہا- راقمہ ان سب کا پرخلوص شکریہ ادا کرتی ہے-

بھابی رفعت عائشہ، حق باب بھائی جان اسلام آباد سے اور بھائی جان طارق محمود، بھائی جان جواد کوثر صدری کراچی سے مواد کے حصول میں مددگار ثابت ہوئے- راقمہ ان کی احسان مند ہے-

سنا تھا کہ والدین اولاد کے لئے آسمان سے تارے اتار لاتے ہیں، والد محترم فاروق احمد کا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے مواد فراہم کرنا ایسا لگا کہ جیسے انہوں نے آسمان کے تارے توڑ جھولی میں ڈال دیئے ہوں- والدہ محترمہ نے دن رات دعاؤں میں یاد رکھا- ابتسام، نبہان، کی شوخیاں ماحول کی ثقالت کو کم کرنے میں مددگار رہیں- شریک حیات اس سفر میں بھی شریک رہے- خدا تعالیٰ ان سب کو شاد اور آباد رکھے-

پروفیسر سید محمد عارف اقبال نے پروف خوانی میں محنت' لگن اور خلوص سے معاونت کی- اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے انجام دینے پر راقمہ تہہ دل سے ان کی شکر گزار ہے-

ناشکری ہوگی اگر راقمہ سید محمد علی انجم، منتظم، اظہار سنز اردو بازار لاہور کا شکریہ ادا نہ کرے، جن کی وساطت سے ''الاشراق'' کے مہتمم خالد علیم اور التمش مبین سے رابطہ ہوا- ان کی خوبصورت کمپوزنگ مقالے کے صوری خدوخال کو جاذب نظر بنانے میں کامیاب رہی- راقمہ ان کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتی ہے-

صبغہ فاروق،

۹ رمئی ۲۰۰۰ء

لاہور-

باب اول:

مجلّہ ''صوفی''

تاریخی تناظر میں

برصغیر میں ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان قوم انتشار کا شکار رہی، اور مخالفین کے ظلم وستم کا خوب نشانہ بنی - جنگ آزادی میں ناکامی کا زخم اس کے لئے ناقابل برداشت تھا - اس لئے وہ ذہنی طور پر بدحواسی کا شکار تھی، گوکہ سرسید احمد خاں نے قوم کے مستقبل کے پیش نظر اپنی مدبرانہ کوششوں سے مسلمان قوم کے لئے راہ نکالی لیکن مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے نے جذباتی پن کا مظاہرہ کیا - جس کے باعث برصغیر کے مسلمان تمام شعبہ ہائے زندگی میں مقابل قوموں سے پیچھے رہتے چلے گئے - نتیجۃً مسلمان تعلیمی وعلمی لحاظ سے پسماندہ اور مالی اعتبار سے مفلوک الحال طبقے میں شمار ہونے لگے - اس تناظر میں برصغیر کے صحافتی افق کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے تعلیمی، علمی اور مالی انحطاط نے اس شعبۂ حیات میں ان کی کارکردگی کو ایسا متاثر کیا کہ ہندو پریس اس میدان میں غالب آ گیا - یہاں تک کہ مسلمانوں کے ایک ایک پرچے کے مقابل میں کئی کئی ہندو اخبارات اور رسائل جاری ہوتے یعنی مسلمانوں کے پرچے کم اور مسلمان مخالف پرچے زیادہ تعداد میں جاری ہو گئے -

بیسویں صدی کے ربع اول میں تصوف اور ویدانت کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والی صحافتی کوششوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کے موضوع پر کوئی ہفت روزہ یا پندرہ روزہ تو شائع نہیں ہوتے رہے، تاہم ماہوار رسائل اشاعت پذیر ہوئے - جن میں "سادھو"، "درویش"، "مستانہ جوگی"، "الف"، "طریقت" "نظام المشائخ" "معارف"، "انوار الصوفیہ"، "طلوع آفتاب"، "پریم بیلاس"، "نظام"، "پریم"، "اسوۂ حسنہ"، "ست اپدیش" " گلدستۂ طریقت "، "القمر" اور "صوفی" وغیرہ کے نام سامنے آتے ہیں - یہ ہندو اور مسلم عقائد ومسلمات کا پرچار کرنے والے رسائل تھے جو اپنے اپنے مورچے سنبھالے ہوئے تھے - ایک دوسرے کے خلاف بھی اور اس خدشے کے خلاف بھی جو انہیں انگریزی حکومت اور اس کے ایما پر کام کرنے والے مشنریوں سے تھا - ان میں مسلم صحافت کے رسائل میں سے "نظام المشائخ"، "معارف"، "صوفی"، اور "طریقت"، خاص اہمیت کے حامل تھے اور اپنے اپنے حلقۂ اثر میں رہتے ہوئے قارئین کو بہترین راہنمائی فراہم کرتے تھے - اس خدمت کے انجام دینے میں وہ ایک دوسرے سے تعاون اور اخذ واستفادہ کرنے کی روایت بھی قائم کئے ہوئے تھے - رسالہ "صوفی" اور "طریقت" تو آپس میں بھائی بھائی تصور کئے جاتے تھے - رسالہ "طریقت" مدیر "صوفی" کے قریبی دوست محمد الدین فوق نکالتے تھے - "معارف" کے حق میں بھی یہ سب کلمۂ خیر کہتے تھے - ایک زمانے میں جب رسالہ "اردو" اور "معارف" کی چشمک شروع ہوئی تو "صوفی" نے "معارف" کے حق میں اپنا جھکاؤ ظاہر کیا -

ان رسائل میں مجلّہ "صوفی" کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے تصوف اور اہلِ تصوف کی خدمت کو اپنا شعار بنایا - مجلّہ "صوفی" نے صوفیائے کرام کی تمدنی و معاشرتی خدمات اور سرگرمیوں کو شد ومد کے ساتھ پیش کر کے مسلمانوں کے سامنے تصوف کی ایسی تصویر پیش کی جو رہبانیت سے کوسوں دور تھی - صرف یہی نہیں "صوفی" نے تصوف کے صحت مند نظری مباحث کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا اور ان جعلی پیروں فقیروں کی قلعی کھول کر رکھ دی جو تصوف اور اہلِ تصوف کے لئے بدنما داغ کا رتبہ رکھتے تھے - علاوہ ازیں "صوفی" نے برصغیر کے سیاسی عمل کو سمجھا اور بڑی ذمہ داری سے مسلمانوں کی ترجمانی اور راہنمائی کا فریضہ انجام دیا -

ماہنامہ "صوفی" کا اجراء جنوری ۱۹۰۹ عیسوی میں عمل میں آیا - اگر چہ اس کے اجراء کا منصوبہ ۱۹۰۸ء میں طے کر لیا گیا تھا اور مواد کی ترتیب و کتابت و تیاری کا کام بھی ۱۹۰۸ء میں ہی انجام دے لیا گیا تھا، تاہم "صوفی" کے پہلی جلد کے پہلے شمارے کی طباعت اور اشاعت جنوری ۱۹۰۹ء ہی میں عمل میں آئی[۱] - گو کہ پہلے شمارے کے ہر صفحہ پر تاریخ اشاعت یکم جنوری ۱۹۰۹ء درج ہے، لیکن ایسے شواہد سامنے آئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا شمارہ یکم جنوری ۱۹۰۹ء کو شائع اور تقسیم نہیں ہوا - اولاً یہ کہ یکم جنوری ۱۹۰۹ء تک "صوفی" کو ڈیکلیریشن ہی نہیں ملا تھا - اس زمانے میں حکومت کی پریس پر جتنی کڑی نگاہ ہوتی تھی، کوئی بھی شخص بغیر ڈیکلیریشن پرچہ طبع یا شائع کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور اگر ایسا کیا جاتا تو "صوفی" سے متعلق ریکارڈ میں اس بے قاعدگی کا ذکر کہیں نہ کہیں ضرور ملتا - "صوفی" کو ڈیکلیریشن ۱۱ر جنوری ۱۹۰۹ء[۲] کو ملا اور اس کے بعد طباعت و اشاعت کے تمام مراحل سر ہوئے - ثانیاً یہ کہ جنوری ۱۹۰۹ء کا جو شمارہ راقمہ کو دستیاب ہوا ہے - اس کے سرورق پر محکمہ ڈاک کی جو مہریں ثبت ہیں ان میں واضح طور پر جنوری ۱۹۰۹ء کے آخری دنوں کی تاریخیں پڑھی جا سکتی ہیں - جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ "صوفی" یکم جنوری ۱۹۰۹ء کو تقسیم نہیں ہوا بلکہ ماہ جنوری کے وسط میں کسی دن حوالہ ڈاک کیا گیا اور اسی سبب سے بعد کے شمارے ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو پیش کئے جاتے رہے - "صوفی" کے مارچ، اپریل، مئی، جون اور ستمبر ۱۹۰۹ء کے شماروں کے سرورق پر واضح طور پر لکھا ہے کہ "... ہر ایک انگریزی مہینے کی پندرہ تاریخ ـــــــ کو شائع ہوتا ہے -" اس کے علاوہ جون ۱۹۰۹ء اور جولائی ۱۹۰۹ء کے شماروں کے ہر صفحہ پر ۱۵ر تاریخ کا اندراج ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، اور چونکہ ۱۱ر جنوری ۱۹۰۹ء سے وسط جنوری تک کے مختصر عرصے میں رجسٹرڈ ایل نمبر بھی حاصل نہیں کیا جا سکا تھا، اس لئے رجسٹرڈ ایل نمبر کا کالم تو سرورق پر تیار رکھا گیا لیکن اس میں نمبر تحریر نہیں کیا گیا - گویا "صوفی" کو منظر عام پر لانے کی عجلت میں رجسٹرڈ ایل نمبر کے بغیر ہی رسالہ ڈاک کے حوالے کر دیا گیا اور فروری کے شمارے سے نمبر درج ہونا شروع ہوا - تاہم یہ عجیب بات ہے کہ مابعد اشاعتوں میں یعنی ۱۹۳۴ء کے آخر میں "صوفی" نے خود کو بہت پرانا رسالہ ظاہر کرنے کے شوق میں اس دعوے کو فخریہ پیش کرنا شروع کیا کہ وہ ۱۹۰۸ء میں جاری ہونے والا رسالہ ہے - "صوفی" کے سرورق پر یہ دعویٰ کافی دیر تک ان الفاظ میں درج ہوتا رہا کہ "صوفیانہ اور اسلامی مذاق کے پرچوں میں سب سے پرانا رسالہ جو ۱۹۰۸ء میں جاری ہوا"[۳] - "" صوفی" کے ۱۹۰۸ء کے اجراء سے متعلق دعوے سے وہ لوگ مغالطے میں آگئے جن کے سامنے "صوفی" کی ابتدائی اشاعتیں نہ تھیں یا انہوں نے بذات خود ابتدائی شماروں کا بغور مطالعہ نہ کیا - ان میں ایک تو ڈاکٹر عبدالغنی ہیں جنہوں نے اپنی ایک تحریر میں یہ تاثر دیا کہ رسالہ "صوفی" ۱۹۰۸ء میں شروع ہوا[۴] - دوسرے صاحب جن کو یہ مغالطہ ہوا کہ "صوفی" ۱۹۰۸ء میں جاری ہوا وہ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ ہیں[۵] - ان کی تحریر کے بعض حصّوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے "صوفی" کے ابتدائی شمارے خود ملاحظہ نہیں کیے، ورنہ شاید وہ اس مغالطے کا شکار نہ ہوتے - کیونکہ "صوفی" نے ابتدائی اشاعتوں میں ۱۹۰۸ء میں جاری ہونے کا اظہار نہیں کیا، بلکہ کئی تحریروں سے جنوری ۱۹۰۹ء کی تائید و تصدیق ہوتی ہے - جولائی ۱۹۰۹ء کے شمارے میں چھ ماہ کی رپورٹ درج ہے[۶] - دسمبر ۱۹۰۹ء کے شمارے میں "صوفی" کی عمر کا ایک سال بخیر و خوبی ختم ہونے کا ذکر ہے[۷] - جنوری ۱۹۱۰ء کے شمارے میں "صوفی" کے اپنی عمر کے دوسرے سال میں قدم رکھنے کا تذکرہ ہے[۸] - ان داخلی شہادتوں کے علاوہ محمد الدین فوق کی عصری شہادت بھی موجود ہے - وہ لکھتے ہیں کہ "... بسم اللہ کر کے جنوری ۱۹۰۹ء کو"

صوفی" کا پہلا پرچہ تقسیم کیا گیا[9] -امداد صابری نے بھی "صوفی" کے جنوری ۱۹۰۹ء میں وجود میں آنے کی گواہی دی ہے[10] -اسی طرح اختر راہی[11]، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری[12] اور ملک محمد اشرف[13] نبیرۂ مدیر "صوفی" نے بھی ماہنامہ "صوفی" کے جاری ہونے کا زمانہ جنوری ۱۹۰۹ء بیان کیا ہے- لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ "صوفی" کے ۱۹۰۸ء سے متعلق دعوے کی بنیاد محض یہ تھی کہ ۱۹۰۸ء میں "صوفی" نامی رسالہ جاری کرنا طے پایا اور دسمبر ۱۹۰۸ء تک اس کے پہلے شمارے کی تمام تر تیاری مکمل ہو چکی تھی-سن اجراء کے سلسلے میں مضحکہ خیز صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب سن اجراء ۱۹۰۳ء یا ۱۹۱۱ء ظاہر کیا جاتا ہے- جس کا کوئی جواز اور بنیاد نظر نہیں آتے- یہ وہ اصحاب ہیں جنہوں نے زیادہ چھان پھٹک کئے بغیر قلم اٹھایا اور ٹھوکر کھائی -ان میں ایک ڈاکٹر اجمل نیازی ہیں جنہوں نے محمد الدین فوق پر لکھتے ہوئے "صوفی" کے ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۷ء کے شماروں میں فوق کے سوانحی مضامین شائع ہونے کا ذکر کیا ہے[14]، جبکہ خود فوق نے "اخبار نویسوں کے حالات" میں "صوفی" کا اجراء واضح طور پر جنوری ۱۹۰۹ء بیان کیا ہے- دوسرے ریاض مفتی ہیں، جنہوں نے اپنے مضمون "مشاہیر ضلع گجرات" میں "صوفی" کا سن اجراء ۱۹۱۱ء تحریر کیا ہے[15] -تیسرے صاحب ایک نصابی کتاب کے مرتب ہیں جنہوں نے اس میں "صوفی" کا اجراء ۱۹۱۱ء بیان کیا ہے[16]، جو حقائق سے انحراف کے مترادف ہے-مختصر یہ کہ "صوفی" کے ۱۹۰۸ء کے دعوے اور بعض غیر ذمہ دارانہ تحریروں سے "صوفی" کے سن اجراء کے متعلق مغالطے پیدا ہوئے لیکن حقائق کی روشنی میں یہ بات طے پا جاتی ہے کہ ماہنامہ "صوفی" جنوری ۱۹۰۹ء میں منظر عام پر آیا-

ماہنامہ "صوفی" پیر سید غلام حیدر شاہ جلالپوری کی یاد میں جاری کیا گیا- پہلے شمارے میں اس بات کی صراحت کر دی گئی تھی کہ یہ پیر صاحب کی یاد میں جاری کیا گیا ہے اور اس کے اجراء میں کوئی دیگر مفاد یا مالی منفعت پیش نظر نہیں- اسی سبب سے اس کی قیمت بارہ آنے سالانہ رکھی گئی تاکہ یہ غریب غرباء کی قوت خرید سے تجاوز نہ کرے اور ایک وسیع حلقہ اس سے فیض یاب ہو سکے[17] -اس کے بعد شائع ہونے والے "صوفی" کے تمام شماروں کے سرورق پر یہ فقرہ واضح طور پر درج ہوتا کہ "یہ رسالہ بیادگار مبارک اعلیٰ حضرت سرتاج صوفیان جہان قلبہ عالم و عالمیان سید حیدر شاہ صاحب قدس سرہ جلالپوری جاری کیا گیا-" ماہنامہ "صوفی کے مدیر ملک محمد الدین اعوان پیر سید غلام حیدر شاہ کے ہاتھ پر بیعت تھے اور ان کے خاص مریدوں میں شمار کئے جاتے تھے- پیر غلام حیدر شاہ ۶ رجمادی الثانی ۱۳۲۶ھ بمطابق ۶ رجولائی ۱۹۰۸ء[18] کو رحلت فرما گئے- تاہم انتقال سے قبل ۱۹۰۸ء میں مدیر "صوفی" کی درخواست پر پیر سید غلام حیدر شاہ نے نیک تمناؤں کے ساتھ ماہنامہ "صوفی" کے اجراء کی اجازت مرحمت فرمائی - اغلب تھا کہ "صوفی" ۱۹۰۸ء میں ہی جاری ہو جاتا -لیکن مرشد کی جدائی کا صدمہ مانع رہا اور اس سبب سے "صوفی" کا اجراء بھی موخر ہو گیا-محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ "۱۹۰۸ء میں حضرت قبلۂ عالم جلالپوری سے رسالہ "صوفی" کے اجراء کے لئے آپ نے اجازت طلب کی جو ایک دعائے خیر کے ساتھ عطا کی گئی-لیکن افسوس کہ اسی منحوس سال ماہ جون[19] میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا-لیکن پھر بھی "صوفی" کے اجراء کا خیال جس کی اجازت حاصل ہو چکی تھی آپ کے دل سے محو نہ ہوا[20] -"مدیر "صوفی" کو پیر سید غلام حیدر شاہ کی ذات سے بڑا لگاؤ تھا- ان کی شبیہ مبارک دفتر "صوفی" میں آویزاں رہتی تھی[21] - مدیر "صوفی" نے پہلے شمارے میں "واقعات

عالم" کے زیرعنوان سب سے پہلے مرشد کے وصال کی خبر درج کی ہے، جو عقیدت کے رنگ میں ڈوبی نظر آتی ہے [۲۲]- مدیر "صوفی" خود تقاضے کر کر کے مرشد کی ذات پر مضامین حاصل کرتے - صوفی کرم الٰہی ڈنگوی سے کئی مرتبہ التماس کے بعد مضمون حاصل کیا اور اپریل ۱۹۰۹ء کے شمارے میں شائع کیا - یہ پہلا مضمون ہے جو پیر غلام حیدر شاہ کے بارے میں "صوفی" میں چھپا - اگست ۱۹۰۹ء میں پیر غلام حیدر شاہ پر نظم نگاری کے انعامی مقابلے کا اعلان کیا اور سب سے عمدہ نظم لکھنے والے کو اپنی گرہ سے پندرہ روپے نقد انعام دینے کا وعدہ کیا - جولائی ۱۹۰۹ء میں مدیر "صوفی" نے اعلان کیا تھا کہ آئندہ "ذکر حبیب" کے عنوان سے پیر سید غلام حیدر شاہ کے ملفوظات "صوفی" کی زینت بنتے رہا کریں گے اور دعوت عام دی تھی کہ جن صاحبان کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہو وہ اپنی تحریریں "صوفی" کی نذر کر سکتے ہیں [۲۳]- اور سب سے پہلے خود مدیر "صوفی" نے اگست ۱۹۰۹ء کے شمارے میں "ذکر حبیب" کے زیرعنوان پیر سید غلام حیدر شاہ کے ارشاد، ملفوظات اور حالات لکھ کر اس سلسلے کا آغاز کیا [۲۴]- اس کے ساتھ ہی ایک تحریک کی صورت میں "صوفی" کے صفحات "ذکر حبیب" سے مزین ہونے لگے اور "صوفی" نے رفتہ رفتہ بہت سے "عرس نمبر" شائع کر ڈالے - گویا جس بنیادی مقصد اور ضرورت کے تحت رسالہ "صوفی" جاری کرنے کا خیال مدیر کے ذہن میں آیا تھا وہ بطریق احسن پورا ہوا -

ماہنامہ "صوفی" پنڈی بہاؤالدین [۲۵] ضلع گجرات پنجاب سے جاری ہوا، جو منڈی بہاؤالدین سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے - آج کل ضلع منڈی بہاؤالدین کا حصہ ہے اور عرف عام میں "پرانی پنڈی" کہلاتا ہے - ملک محمد الدین اعوان "صوفی" کے اجراء سے تقریباً اڑھائی سال قبل یعنی ۱۹۰۶ء کے دوران کسی وقت پنڈی بہاؤالدین میں آ کر آباد ہوئے اور "کارخانہ آبحیات" کو فروغ دے کر کامیابی سے دیسی ادویات کا کاروبار کرنے لگے جس کا کچھ تجربہ وہ پہلے سے ہی رکھتے تھے - کاروبار کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ماہنامہ "صوفی" کا اجراء عمل میں آیا اور انہوں نے پنڈی بہاؤالدین میں ماہنامہ "صوفی" کا دفتر قائم کر لیا - ماہنامہ "صوفی" اگرچہ ایک قصبے سے جاری ہوا لیکن اپنے موضوع اور معیار کی بدولت اس نے خوب پذیرائی حاصل کی - محمد الدین فوق رقم طراز ہیں کہ "... خدا کے فضل سے صوفی کو ایک معمولی گاؤں میں وہ فوقیت حاصل ہوئی جو اب تک کسی بڑے سے بڑے شہر میں بھی بہت کم اردو رسالوں کو میسر ہو سکتی ہے [۲۶]-" یہی وجہ تھی کہ مدیر "صوفی" نے اپنے دفاتر دو مرتبہ لاہور منتقل کئے، لیکن پنڈی بہاؤالدین کے دفتر کو بند نہیں کیا اور اسے مرکزی دفتر کی حیثیت حاصل رہی - تیسری مرتبہ ستمبر ۱۹۳۲ء میں انہوں نے ب حیات لمیٹڈ کی ایک برانچ اکتوبر ۱۹۳۲ء سے لاہور میں کھولنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن عملاً ایسا نہ کر سکے -

پہلی مرتبہ ۱۹۱۱ء میں انہوں نے چوک متی لاہور میں ایک مکان کرایہ پر حاصل کر کے اپنے دفاتر کھولے، لیکن یہ مکان ۱۹۱۴ء کے آخر یا ۱۹۱۵ء کے آغاز میں آتش زدگی کا شکار ہو گیا اور نقصان اٹھا کر پنڈی بہاؤالدین واپس آنا پڑا - اس سانحے کا ذکر انہوں نے اپنے پیر بھائی ڈاکٹر عبدالغنی کے نام ایک خط میں کیا ہے - لکھتے ہیں کہ "... میں ۱۹۱۱ء میں اپنا کاروبار لاہور چوک متی میں لے گیا تھا اس کے بعد حضرت قبلہ عالم سید محمد فضل شاہ صاحب جب حج پر تشریف لے گئے۔ راہ میں بمقام گوجرانوالہ ارشاد فرمایا کہ تم کو اب حج کے لئے ہمراہ جانا ہوگا۔ میں نے تعمیل ارشاد کی - میرے واپسی کے ایک سال بعد لاہور میں جو مکان کاروبار

کی غرض سے کرایہ پر لیا تھا - وہ آتش زدگی سے تباہ ہوگیا اور دیگر نقصان کے علاوہ بعض اہم قیمتی عربی کتب جو میں Cairo سے خرید کر لایا تھا اور رسالہ "صوفی " کی مجلد فائل بھی جل گئے [۲۷] -" دوسری مرتبہ انہوں نے مئی ۱۹۲۷ء میں اپنے دفاتر لاہور منتقل کئے، اس سلسلے میں پتہ کی تبدیلی سب سے پہلے "صوفی" کے مئی ۱۹۲۷ء کے شمارے میں چھپنے والے کتب کے ایک اشتہار میں نظر آتی ہے جس میں لکھا ہے کہ " ملنے کا پتہ: مینیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ، پنڈی بہاؤالدین و پوسٹ بکس ۱۱۹، لاہور -" بعد میں واضح طور پر اعلان کیا کہ صوفی کمپنی کا دفتر لاہور منتقل کر لیا گیا ہے لیکن پنڈی بہاؤالدین میں بھی کام جاری رہے گا - لاہور میں صوفی کمپنی کی ہردلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ محکمہ تعلیم کے افسران اور عام لوگ دوسرے تاجروں کو چھوڑ چھوڑ کر صوفی کمپنی کی طرف مائل ہونے لگے تھے [۲۸] - اس مرتبہ بھی پہلے کی طرح صوفی کمپنی اور آبحیات کے دفاتر لاہور میں چوک متی ہی میں کھولے گئے - ماہنامہ "صوفی" کے مطابق یہ دفاتر "... چوک متی میں اس عظیم الشان چارمنزلہ عمارت [۲۹] میں کھولے ہیں جو چوک متی کی مسجد کے ساتھ ہے [۳۰] -" یہ دفاتر لاہور اس لئے کھولے گئے کہ پنڈی بہاؤالدین کی دو ہزار نفوس پر مشتمل آبادی، جہاں مقامی سطح پر کمپنی کو کاروبار کے اچھے مواقع میسر نہیں آتے تھے، سے نکل کر کسی ایسی جگہ کام کیا جائے جس جگہ کمپنی توقعات کے مطابق کامیابی اور منافع حاصل کر سکے - لیکن اس مرتبہ بھی لاہور جانا باعث نقصان ثابت ہوا - بدقسمتی سے ۱۳ رنومبر ۱۹۲۸ء کی رات یہ عمارت جس میں دفاتر کھولے گئے تھے اچانک آگ کی لپیٹ میں آ گئی اور مجموعی طور پر بارہ ہزار روپے کے نقصان کا تخمینہ لگایا گیا - سلطان علی مینیجر صوفی کمپنی لکھتے ہیں کہ " لاہور برانچ کارخانہ آبحیات وصوفی کمپنی کے لئے چوک متی میں ایک چھ منزلہ مکان قریباً ۷۵ روپیہ ماہوار کرایہ پر لیا ہوا تھا - اس کو ۱۳ اور ۱۴ رنومبر کی درمیانی رات کے وقت کسی نامعلوم وجہ سے آگ لگ گئی - مکان جس کی قیمت اسی ہزار روپیہ کے قریب تھی اور اندر کا اسباب کارخانہ آبحیات اور صوفی کمپنی کا جل کر راکھ ہو گیا - کارخانہ آبحیات کا تو ایک پیسہ کا مال بھی نہیں بچا - صوفی کمپنی کا کوئی پچیس بوری کے قریب مال بچ گیا ہے - نقصان کتب کمپنی کا اندازہ پانچ ہزار کے قریب اور کارخانہ کے اسباب وسٹور کے نقصان کا اندازہ سات ہزار کے قریب ہے - صحیح تخمینہ بعد میں بعد تیاری کاغذات لکھا جاویگا [۳۱] -" روزنامہ "سیاست" نے "لاہور میں تباہ کن آتشزدگی، صوفی کمپنی کا دفتر اور کتب خانہ جل کر راکھ ہوگیا" کی سرخی کے ذیل میں بڑے نمایاں انداز سے اس سانحے کا احاطہ کیا - خبر یوں ہے "لاہور ۱۴ رنومبر - کل شب کے گیارہ بارہ بجے چوک متی کی اس عظیم الشان سہ منزلہ عمارت کو آگ لگ گئی - جس کی بالائی دومنزلوں میں صوفی کمپنی لمیٹڈ کا دفتر اور کتب خانہ واقع ہے - آگ لگتے ہی شعلہ بلند ہونے لگے - بلدیہ کا فائر بریگیڈ ایک آدھ گھنٹہ پانی نہ ملنے سے کچھ کام نہ کر سکا - آخر اس نے وقت پر (کذا) آ پہنچا کچھ دیر شعلوں سے کشمکش کرنے کے بعد آگ فرو کرنے میں کامیاب ہوگیا - مکان کی اوپر کی تین چھتیں، کھڑکیاں اور دروازے جل کر گر پڑے - کتب خانہ اور دفتر نذر آتش ہوگیا - کہا جاتا ہے کہ صوفی کمپنی کا کوئی آدمی دفتر میں نہ تھا - کچھ عرصہ سے دفتر کو تالا لگا رہتا ہے - کبھی کبھی صوفی کمپنی کا کوئی آدمی ادھر نکل آتا ہے - ورنہ ہمیشہ مکان مقفل رہتا ہے - اس لئے اگرچہ نقصان بہت ہوا - لیکن کوئی نقصانِ جان نہیں ہوا - اہل بازار اور محلہ داروں نے مکان کی نچلی دوکانوں کے قفل توڑ توڑ کر سامان کو باہر نکالا - آگ لگنے کی وجہ معلوم نہیں ہوئی - کہا جاتا ہے کہ جب کانگریس کا دفتر یہاں تھا تو تب بھی یہاں آگ لگی تھی - اس مکان کو دوبار پہلے بھی آگ لگ چکی ہے [۳۲] -" روزنامہ سیاست نے اس عمارت کے بار بار جل جانے کی جو اطلاع دی ہے اس سے شبہ ہوتا ہے

کہ شاید ۱۹۱۱ء میں بھی مدیر "صوفی" نے اپنے دفاتر چوک متی کی اسی عمارت میں کھولے تھے جو بالآخر آتش زدگی کا شکار ہوئے تھے۔ یوں گویا مدیر "صوفی" نے دو مرتبہ پنڈی بہاؤالدین سے نکلنے کی کوشش کی لیکن پنڈی بہاؤالدین سے نکلنا انہیں راس نہ آیا اور ماہنامہ "صوفی" کا دفتر آخر دم تک پنڈی بہاؤالدین میں ہی قائم رہا۔

ماہنامہ "صوفی" جو مسلم صحافت کا ایک جز تصور کیا جاتا تھا کی پالیسی ابتدائی طور پر پیر سید غلام حیدر شاہ، جن کی یاد میں یہ جاری کیا گیا تھا، کے کردار اور تعلیمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرتب کی گئی۔ جس طرح تمام صوفیائے کرام کل انسانیت کو محبت کا درس دیتے ہیں اور دل کے شیشے کو کدورتوں سے مصفا اور پاک رکھنا چاہتے ہیں تاکہ بنی نوع انسان اپنی ذات میں گم ہو کر فلاح و اصلاح کا راستہ اپنائے اور معرفت کی منزلوں سے ہمکنار ہو سکے۔ ابتداً یہی "صوفی" کی پالیسی تھی، جس کا اظہار "صوفی" کے سرورق پر درج طالب آملی کے اس شعر سے ہوتا تھا:

ے کفر است در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن (۳۳)

یہ شعر جنوری ۱۹۰۹ء سے جون ۱۹۰۹ء تک "صوفی" کے سرورق کی زینت بنتا رہا۔ مدیر "صوفی" نے پہلے شمارے میں اپنی اس پالیسی کو واضح طور پر بھی بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ "... جس طرح حضور قبلہ عالم کے چشمہ فیض سے مسلمان، ہندو، سکھ اور عیسائی یکساں فیض یاب ہوتے تھے اسی طرح کوشش کی جاوے گی کہ اس آفتاب ہدایت یعنی رسالہ صوفی کی شعائیں ہر مذہب و ملت پر یکساں جلوہ افگن ہوں۔ تعصب، کدورت، کینہ، حسد کی بیخ کنی کی جاوے گی اور بنی آدم اعضائے یک دیگر اند کے اصول پر ہر مذہب کی خدمت، درستیٔ اخلاق کے لئے کوشش ہو۔ خداوند کریم خاکسار کی امیدوں کو پایہ تکمیل تک پہنچاوے اور رسالہ صوفی کو اس مقصد میں کامیاب کرے (۳۴)۔" اسی طرح ایک اور موقع پر مدیر "صوفی" نے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے اپنی پالیسی پر روشنی ڈالی ہے۔ کہتے ہیں کہ "... میری نظر میں سب بزرگان دین کی تعظیم واجبات سے ہے۔

آزادہ رو ہوں اور میرا مذہب ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے (۳۵)"

"صوفی" کی یہ پالیسی برائے نام یا محض نعرہ نہیں تھی بلکہ "صوفی" کے ابتدائی پرچے اسی پالیسی کی عملی تصویر بن کر سامنے آتے۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کی اردو تحریریں نمایاں ہوتیں۔ ہندو قوم کی دلچسپی کی خبریں، ہندو شخصیات مثلاً رام اور سیتا یا کسی اور شخصیت سے متعلق واقعہ کو بنیاد بنا کر اخلاقی سبق دئے جاتے۔ "گورو انگد صاحب"، "سوامی ویویکانند"، "بھگت کبیر"، "چھجو بھگت"، "بابا نانک صاحب" اور "مہاتما بدھ" پر سوانحی مضامین متفرق اشاعتوں میں شائع ہوتے رہے۔ سوامی رام تیرتھ کے مضامین جن میں "ہندو مذہب قدیم و جدید" اور "اختلاف مذاہب" وغیرہ اہم تھے، اشاعت پذیر ہوتے رہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ رسالے کے مواد کو دیکھ کر کوئی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ مسلم صحافت کا حصہ ہے۔ "صوفی" کے ایک قاری بیلی رام آریہ نے لکھا کہ "رسالہ ماہ

جنوری، مضمون "صوفی اور فلسفی" پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ رسالہ صرف مسلمانوں کا ہے مگر اگلے مضامین پڑھ کر یہ خیال رفع ہو گیا (۳۶) -" اسی طرح "صوفی" کے ایک اور قاری حکیم فیض الحسن نے لکھا کہ "... گروانگد صاحب کی لائف پڑھ کر معلوم ہوا اس رسالہ کا ایڈیٹر کوئی سکھ ہے مگر سارا رسالہ پڑھنے سے یہ خیال غلط ثابت ہو گیا (۳۷) -"، "صوفی" کے اس طرز عمل کو ابتدائی پالیسی کے زمرے میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ "صوفی" نے تقاضائے وقت، قومی ضرورتوں اور احساس ذمہ داری کے تحت اپنی پالیسی کو نیا روپ دیا اور بعد میں اس کے خاص پہلوؤں کو اجاگر کیا - "صوفی" کی ابتدائی پالیسی تقریباً ایک سال تک قائم رہی - اس کے بعد "صوفی" نے اپنی پالیسی کا رد پیش نہیں کیا بلکہ اسے نیا انداز دیا اور اس کے خاص پہلو کو نمایاں کیا جسے تصوف کا اسلامی پہلو کہا جا سکتا ہے - گویا "صوفی" اب بھی صلح کل کے عقیدے پر قائم تھا کیونکہ اس نے کسی کے خلاف محاذ آرائی کر کے کسی کی دل شکنی نہیں کی بلکہ اسلامی تصوف، توحید اور دیگر اسلامی شعائر کے احیاء پر زور دیا اور اس کے ساتھ ہی "صوفی" کے گرد مسلمانوں کا حلقہ خود بخود بڑھتا چلا گیا -

"صوفی" کی ابتدائی پالیسی اس لئے بھی نظر ثانی کی محتاج تھی کہ مختلف مذاہب کے زاویہ نگاہ سے وہ تصوف کے کسی خاص تصور کو تقویت نہ دے پاتا اور عجیب وغریب معلوبہ بن کر رہ جاتا - نظر ثانی کے بعد اب "صوفی" کی پالیسی کا محور و مرکز تصوف، اسلام، مشاہیر اسلام اور اہل اسلام بن جاتے ہیں - اب "صوفی" مسلمان قوم کی خامیاں اور کمزوریاں دور کرنے پر متوجہ ہوتا ہے - مسلمانوں میں فرقہ واریت کی نفی تو وہ پہلے سے ہی کرتا تھا، اب مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی طرف متوجہ ہوا اور مستحق نوجوانوں کی اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں متفکر نظر آیا، مسلمانوں کو بنیوں کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے عمدہ بینکاری کی طرف مائل کیا اور اشاعت اسلام فنڈ کا اجراء کیا - ابھی تک "صوفی" کی پالیسی خالصتاً مذہبی اغراض پر مشتمل تھی اور سیاست میں اسے کوئی دخل نہ تھا - تاہم اچانک وہ اگست ۱۹۱۱ء کو جشن تاج پوشی دربار دہلی کی تقریب پر اپنی وفاداری ظاہر کرتے ہوئے ساڑھے آٹھ ہزار روپے کے انعامات تقسیم کرنے اور کارخانہ آبحیات کی ادویات میں رعایت کا اعلان کرتا ہے اور مدیر "صوفی" شہنشاہ معظم جارج خامس کی خدمت میں مبارک باد کا تار بھیجتے ہیں اور "تاج اور کلاہ درویشی - دربار کی یادگار" کے عنوان سے خواجہ حسن نظامی کی تحریر بھی اظہار خوشی کے طور پر "صوفی" میں شائع کرتے ہیں - اچانک یہ سب کچھ کسی صحافتی مجبوری یا تجارتی غرض کے تحت کیا گیا ہو یا شاید اس لئے بھی کہ "صوفی" کو ابھی تک حکومت سے کوئی گلہ نہ تھا - بہر حال اس رویے کے جواب میں حکومتی اداروں نے "صوفی" کو اپنے ریکارڈ میں وفادارانہ خیالات رکھنے والے رسالے کے طور پر پیش کیا (۳۸) -

اس کے باوجود "صوفی" کی پالیسی ابھی تک مذہبی انداز ہی اختیار کئے رہی - یہاں تک کہ اگست ۱۹۱۱ء میں "صوفی" نے شذرات شائع کرنا شروع کئے تو وہ بھی مذہبی رنگ میں رنگے ہوئے تھے - شذرات یعنی ادارتی نوٹ کسی بھی رسالے کا اہم جز ہوتے ہیں - ان کی خوبی یہ ہے کہ ہلکے پھلکے اشاروں سے بہت سے متفرق موضوعات پر اپنا موقف بھی بیان کر دیا جاتا ہے - اور بحث کو بوجھل بھی نہیں ہونے دیا جاتا - ایسی صورتحال میں جب کہ کسی رسالے میں اداریہ کی روایت نہ ہو تو شذرات ہی اداریہ کا نعم البدل ثابت ہوتے ہیں اور کسی رسالے کی پالیسی اور رجحان کا پتہ اداریوں سے ہی ملتا ہے - "صوفی" میں چونکہ اداریہ کی روایت نہیں تھی، اس لئے یہ شذرات بڑی اہمیت اختیار کر جاتے ہیں - "صوفی" کے یہ شذرات مختلف ادوار میں مختلف صائب الرائے لوگوں نے تصنیف کئے

ہیں- جن میں نورالدین، محمد اسلم خاں، مدیر "صوفی"، نائب مدیرانِ "صوفی"، علامہ ابوالا رشاد مشہدی اور ضیاء الملک ملا رموزی کے نام شامل ہیں- یہ شذرات اگر چہ مختلف افراد نے لکھے ہیں لیکن ان شذرات کی اہمیت کے پیش نظر مدیر "صوفی" کی ان پر کڑی نگاہ ہوتی تھی اور جہاں کہیں خیالات کی ترجمانی صحیح نہ ہوتی وہ فوراً شذرات پر اختلافی نوٹ درج کر دیا کرتے تھے- للہٰذا ان شذرات کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ہمیں جھجک محسوس نہیں کرنی چاہئے- اگر چہ انہیں مختلف افراد نے تحریر کیا ہے لیکن کہا جاسکتا ہے کہ اپنے موقف کے اعتبار سے یہ "صوفی" کی پالیسی کے مطابق لکھے گئے ہیں- جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ ابھی تک "صوفی" کی پالیسی فقط مذہبی تھی- "صوفی" کے صفحات پر مسلمانوں کو مسلسل عبادت و ریاضت کی تلقین، حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرنے، محبت اور صبر و استقلال کا رویہ اپنانے، سستی، کاہلی، تکبر، حرص اور غیبت کو خیر باد کہنے کے مشورے نظر آتے اور کہیں یہ ثابت کیا جاتا کہ عارفوں کے مقام و مرتبے تک پہنچنا ملا کے لئے بہت مشکل ہے- اور پھر مذہبی لگاؤ اور مسلمانوں سے ہمدردی کے رویے کے باعث "صوفی" ایک ایسے مقام پر آ کھڑا ہوا کہ اسے سیاست کے زینے پر قدم رکھنا پڑا اور اپنی پالیسی میں مذہب کے ساتھ ساتھ سیاست کا پیوند بھی لگانا پڑا- یہ اس کے لئے کچھ زیادہ مشکل مرحلہ نہیں تھا کیونکہ مسلمانوں کے مذہب اور اخلاق دونوں نے اسے اس بات کی کھلی اجازت دے رکھی تھی- یہ جنگ بلقان دوم (۱۹۱۳ء) کا موقع تھا کہ جب "صوفی" نے بین الاقوامی سیاست پر اپنی رائے ظاہر کر کے میدان سیاست میں قدم رکھا- اس مرتبہ "صوفی" نے قرآن پاک کی ایک آیت "صبغة الله و من احسن من الله صبغة ونحن له عبدون ٥" (۱۳۸:۲) کو حرز جاں بنایا اور جون ۱۹۱۳ء سے رسالے کے سرورق پر درج کرنا شروع کر دیا- جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ عیسائیوں کے مقابل بیان کی گئی ہے- اسے پیش کر کے "صوفی" نے گویا عیسائی قوموں کے مقابلے میں خدا تعالیٰ کی زبان میں اپنا موقف پیش کیا- رسالے کے صفحات پر جنگ بلقان اول کے آغاز (۸/اکتوبر ۱۹۱۲ء) کے بعد سے ہی یورپی اقوام اور عیسائیت کے بارے میں شبہات کا اظہار کیا جانے لگا تھا- ایک شذرہ ملاحظہ فرمائیں- "عیسائی اس پر زور دیتے ہیں کہ ہماری سلطنت کے بڑھنے کے سبب اتباع انجیل ہے اور انجیل میں یہ نکتہ حل کیا ہوا ہے کہ شیطان نے حضرت مسیح سے کہا کہ اگر تم مجھکو سجدہ کرو گے تو میں تم کو دنیا کی تمام سلطنتیں دیدوں گا- حضرت مسیح نے کہا کہ میں نہیں لیتا تو دور ہو جا- معلوم یہ ہوتا ہے کہ یورپ والوں نے اس نکتہ کو سمجھ لیا ہے اور شیطان کے آگے سجدہ کر کے وہ سلطنتوں کے مالک ہو گئے ہیں- پھر انجیل میں لکھا ہے کہ اونٹ اگر سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے تو یہ ممکن ہے مگر یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں دولتمند کا گزر ہو- پھر ایک اور جگہ مسیح نے فرمایا کہ تم اپنا خزانہ زمین پر نہ رکھو آسمان پر سارا خزانہ رکھو وغیرہ- ان یورپین نے دیکھا کہ یوں تو بات نہیں بنتی شیطان کو سجدہ کرنے سے کام چل جاتا ہے- مسیح کی تعلیمات کے خلاف تمام معاہدات کو توڑ کر عمل کرنا شروع کر دیا [۳۹]"- اب "صوفی" نے سرورق پر عیسائیت مقابل آیت پیش کر کے گویا اعلانیہ اپنے موقف کا اظہار کر دیا تھا اور نظم و نثر میں کسی نہ کسی حوالے سے وہ اپنے موقف پر اصرار کرتا- اپنے موضوع کی حدود میں رہتے ہوئے رہبانہ زندگی اور جوگی پن کو جو عیسائیوں کی ایجاد تھے کی نفی کرتا اور بتاتا کہ اسلام نے سب سے پہلے جوگی پن اور ترک دنیا کے خیال کو مٹایا یوں اسلام اور عیسائیت کا موازنہ کر کے "صوفی" نے اسلامی نظام کی برتری کے پہلوؤں کو اجاگر کیا اور مسلمانوں میں جذبۂ حریت بیدار کرنے کی کوشش کی- ایک شذرے کا کچھ حصہ ملاحظہ فرمائیں- "ایک زمانہ وہ تھا کہ خلیفہ بغداد کو ایک مسلمان بڑھیا عورت

کی عیسائیوں کے ہاتھ گرفتاری گوارا نہ تھی اور قسم کھا کر اٹھا کہ محل حادثے پر جا کر دم لوں گا۔ مگر آج انہی مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ عیسائیوں کی مسلم کشی و عصمت دری پر گھروں میں بیٹھ کے عورتوں کی طرح روتے ہیں۔ نہ پیروں کو جنبش ہوتی ہے اور نہ ہاتھوں کو حرکت (۴۰)۔"

جنگ بلقان جولائی ۱۹۱۳ء کو ختم ہوگئی اور ۱۰/اگست ۱۹۱۳ء کورومانیہ کے دارالحکومت میں معاہدہ بھی طے پا گیا، لیکن "صوفی" کا محاذ پھر بھی کھلا رہا۔ اس کا غم وغصہ وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہا۔ بلغاریہ میں جب شدید زلزلہ آیا اور خوب تباہی مچی تو "صوفی" نے اسے معصوم مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے نتیجے میں قدرت کا انتقام قرار دیا اور سورہ آل عمران کی ایک آیت نقل کرنے کے بعد لکھا کہ "... خداوند تعالیٰ ظالم، مفسد، شریر اور بدمعاش قوموں کو اسی طرح ہلاک کرتا رہا ہے (۴۱)۔" "صوفی" نے یہ پالیسی جاری رکھی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومتی اداروں نے جس "صوفی" کو اپنے ریکارڈ میں وفادارانہ خیالات رکھنے والا ظاہر کیا تھا اب اس کو اس صف سے نکال باہر کیا، اور آزاد خیال پرچہ ظاہر کرتے ہوئے "صوفی کے بارے میں یہ تحریر کیا کہ

"Formerly this paper confined itself to religious matters; especially tents of the Sufis: but has now begun to dabble in politics as well. Lost its head and indulged inviolant language on occasions in connection with the Balkan war. Is fairly influential. (۴۲)"

جنگ بلقان کے ختم ہو جانے کے بعد "صوفی" نے اپنی روش کو اس لئے بھی تبدیل نہ کیا کہ مجموعی طور پر پوری دنیا میں امت مسلمہ پر ادبار کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ "صوفی" نے فروری ۱۹۱۵ء کے بعد سرورق پر عیسائیت مقابل آیت تحریر کرنا تو بند کر دی لیکن اس تجربے کی روشنی میں اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوا اور برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی راہنمائی کرنے کی پالیسی ترک نہیں کی۔ بلکہ اب اس نے قومی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر امت مسلمہ کی اصلاح اور فلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ گو کہ اس دوران بعض موقعوں پر "صوفی" حکومت کے حسب منشاء کام کرتے ہوئے بھی نظر آتا ہے۔ یعنی "ہندوستان کا قرضۂ جنگ" کے عنوان سے اشتہار ۱۹۱۷ء میں کئی بار چھپا۔ جس میں انگریزوں کی فتح کی نوید بھی سنائی جاتی تھی اور ۵ فیصد سود پر اپنی بچتیں جمع کرانے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ لیکن اس سب کو "صوفی" کی پالیسی سے کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ ایسا سب کچھ مجلّہ "صوفی" کو حکومت کے دباؤ سے نکالنے کے لئے مجبوراً کیا گیا۔ اس وقت پریس ایکٹ کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ حکومت کسی بھی رسالے کو کسی وقت بھی بند کر سکتی تھی۔ اگرچہ حکومت کی طرف سے کی جانے والی کئی تادیبی کارروائیوں کا "صوفی" نے سامنا کیا تاہم ایسے موقعوں پر مصلحت سے بچ نکلنے کو وہ بہتر خیال کرتا تھا اور قابل اعتراض لہجے کے مضامین پر معذرت بھی کر لیتا تھا (۴۳)۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مولانا ظفر علی خاں، کے مطبع اور اخبار کے بار بار ضبط ہو جانے کو سعی لاحاصل تصور کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اس سے مسلمانوں کو کوئی وحدت اور مرکزیت حاصل نہیں ہو سکتی (۴۴)۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے جسے تسلیم کرنا چاہئے کہ "صوفی" کی پالیسی جرات مندانہ تھی لیکن ایسی بھی جرات مندانہ نہیں تھی جیسی مولانا ظفر علی خاں کے اخبارات کی ہوتی تھی۔ دوسرے "صوفی" کاروباری نقطہ نظر سے انگریز موقف کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا جیسے برٹش فتح کی خوشی کو بہانہ بنا کر رعایتی قیمتوں کا اعلان یا پھر کمیشن حاصل کرنے کی غرض سے تمسکات قرضہ جنگ اور پریمیم بانڈ وغیرہ کی فروخت۔ یا پھر "صوفی" انگریز حکومت کا قصیدہ کہنے میں اس

وقت رطب اللسان ہوتا جب انگریز حکومت کے ہاتھوں کوئی ایسا کام انجام پاتا جس سے مسلمانوں کے کسی طبقے کو فائدہ پہنچتا ہو۔ جیسے ۱۹۳۵ء میں لارڈ کرزن نے انتقال اراضی ایکٹ پاس کرایا تو اس سے مسلمانوں کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کی املاک محفوظ ہوگئیں۔ "صوفی" نے حکومت کے اس کام کا خوب اچھی طرح استقبال کیا اور لکھا کہ اس ایکٹ کی رو سے کوئی ہندو مسلمانوں کی زمینیں اپنے نام نہیں لکھوا سکتا ورنہ مسلمانوں کی رہی سہی زمینیں بھی ہندوؤں کے پاس چلی جاتیں اور ہم ان کے غلام بن جاتے[۴۵]۔ حکومت کے اس کام پر اظہار استحسان کے لئے "صوفی" نے جارج پنجم کے جشن جوبلی جو تخت نشینی کے پچیس سال پورے ہونے پر ۶ر مئی ۱۹۳۵ء کو منایا جانا تھا پر سلور جوبلی نمبر نکالے جانے کا اعلان کیا اور طباعت کے اعتبار سے ایک عمدہ معیاری اور خوبصورت سلور جوبلی نمبر نکالا جس میں تصاویر کے ساتھ ساتھ مدیر" صوفی" کے منظوم قصیدے جارج پنجم اور دیگر حکومتی شخصیات کے نام شائع ہوئے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ سب امت مسلمہ سے ہمدردی رکھنے والے "صوفی" کی پالیسی کے ذیل میں آتا ہے۔

امت مسلمہ کی راہنمائی کے جو فرائض "صوفی" انجام دے رہا تھا اسے اس نے پوری بالغ نظری سے نبھایا۔ اسلامی اخوت پر زور دیا، مبلغین اسلام کی اصلاح کی طرف مائل ہوا۔ امریکہ میں تبلیغ اسلام کی ضرورت پر زور دیا۔ پوری دنیا میں جہاں کہیں مسلمان آزادی کے لئے کوشاں ہوئے یا دنیا کے کسی گوشے میں مسلمان مصیبت میں مبتلا نظر آئے تو "صوفی" نے اپنے صفحات کے ذریعے ان کو اخلاقی مدد فراہم کی اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اسلام کے حق میں غیر مسلموں کی تحریروں کو تلاش کر کر کے پیش کرتا۔ برصغیر میں آباد مسلم قوت کا اس نے جائزہ لیا اور اس کی کمزوریوں کو رفع کرنے کی مہم کا آغاز کیا۔ تاکہ وہ مضبوط سماجی کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ انہیں مے خواری اور اسراف سے روکا اور صنعت و تجارت کی طرف مائل ہونے کا مشورہ دیا۔ اکثر "صوفی "نے "مسلمان اور تجارت" کے عنوان سے مضمون نگاری کے انعامی مقابلے منعقد کرائے اور تاجر پیشہ لوگوں کو اپنے تجربات کی روشنی میں اس موضوع پر لکھنے کی دعوت دی کہ وہ بتائیں کہ مسلمانوں میں تجارت کو کیسے فروغ دیا جاسکتا ہے۔ مخیّر مسلمانوں کو صدقات، زکوٰۃ وغیرہ دینے کی طرف توجہ دلائی تاکہ قوم کا مستحق طبقہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو کر فعال کردار ادا کر سکے۔ عورتوں کی اسلامی ماحول میں تعلیم و تربیت کے لئے بھی وہ راہ ہموار کرتا رہا۔ طبقۂ صوفیاء سے بھی وہ غافل نہ رہا اور اس خیال کو تقویت دیتا رہا کہ شریعت کی زندگی کا انحصار طریقت پر ہے۔ اور جب تک نکلتا رہا تصوف اور اہل تصوف کی خدمت اور ان کی اصلاح کی طرف مائل رہا اور دوکاندار پیروں کے خلاف جہاد کرتا رہا۔

برصغیر میں انگریزوں کے کردار پر بھی اس کی کڑی نگاہ تھی۔ ہندوستان کے وسائل کو انگریزوں کے ہاتھوں ضائع ہوتے ہوئے وہ دیکھ نہیں پاتا تھا۔ ہندوستان کے انتظامی افسران جس طرح بھاری بھرکم تنخواہوں کے راستے ہندوستان کو جائز طریقے سے لوٹتے رہے اس کا کچا چٹھہ سب کے سامنے پیش کیا اور ایک جیسی صلاحیت رکھنے اور یکساں شرائط پر کام کرنے والے انگریز اور مقامی لوگوں کی تنخواہوں میں جو زمین آسمان کا فرق رکھا جاتا تھا اس پر سے بھی پردہ اٹھایا[۴۶]۔ ہندوستان کے فوجی مصارف بھی اسے کھلتے تھے۔ انگریزوں کے اخلاقی تفاوت کا حال بھی اسے معلوم تھا اور وہ اس بات کا بھی کھلا اظہار کرتا تھا کہ اگر خدانخواستہ انگریز یہاں ایک صدی اور حکومت کر گئے تو ہندوستان دوزخ کا نقشہ پیش کرنا شروع کر دے گا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ انگریز مخلصانہ طور پر یہاں

حکومت نہیں کر رہے۔

یوں تو "صوفی" نے اپنے شذرات میں بڑے نپے تلے تجزیات پیش کیے جن کی حقانیت بعد میں ثابت ہو گئی۔ مثلاً دسمبر ۱۹۲۱ء میں "صوفی" نے یہ پیش گوئی کی کہ جنگ عظیم دوم ہو کر رہے گی اور یہ پہلی جنگ سے زیادہ ہولناک ہوگی۔ حقیقتاً جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی بلکہ فریقین نے اپنی اپنی قوتوں کو مجتمع کرنے کے لئے مہلت حاصل کی ہے اور اب پوری قوت اور پورے وسائل سے جنگ ہوگی۔ اس سلسلے میں اس نے امریکہ کے کیمیاوی ہتھیاروں سے مسلح ہونے کا ذکر بھی کیا ہے اور بعد کو جنگ عظیم دوم کی پیش گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔ اسی طرح دسمبر ۱۹۲۱ء میں ہی "صوفی" نے یہ پیش گوئی بھی کی کہ مستقبل میں دنیاوی ترقی کا مرکز برطانیہ سے امریکہ کو منتقل ہونے والا ہے اور ایسا ہی ہو کر رہا۔ تاہم حیرت کی بات ہے کہ "صوفی" برصغیر میں مسلم سیاست کے رخ کو پہچان نہ سکا اور اس بات کا ٹھیک اندازہ نہ کر سکا کہ برصغیر میں مسلم سیاست کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ اس کی ایک وجہ تو شاید یہ ہے کہ مدیر "صوفی" تحریک خلافت سے بہت قریبی طور پر وابستہ رہے اور اسی نگاہ سے حالات کا تجزیہ کرتے رہے اور پھر واقعی برصغیر میں مسلم سیاست نے بڑے عجیب وغریب پلٹے کھائے اور اسی انداز کے پلٹے "صوفی" کی پالیسی میں بھی نظر آتے ہیں۔

گاندھی کی سرکردگی میں چلنے والی تحریک ترک موالات کا وہ حامی رہا، لیکن گاندھی کی خاطر اسلامی اصولوں سے انحراف اسے گوارا نہیں۔ جب سنگھٹن اور شدھی کی تحریکوں نے مسلمانوں کے خلاف کام کرنا شروع کیا تو "صوفی" نے ہندوؤں کی خوب خبر لی اور ان کی ہندووانہ ذہنیت کو مسلمانوں پر آشکار کیا اور ہندو انتہاپسندوں کو منہ توڑ جواب دیتے ہوئے مسلمانوں کو ان شوشوں سے نمٹنے کے لئے مفید مشورے دیئے اور کمر باندھ کر اس ذمہ داری کو نبھایا۔ ہندو مسلم فسادات پر مسلم مؤقف کو اس نے پرتاثیر انداز میں پیش کیا تاہم جب آزادی حاصل کرنے کی بات آتی ہے تو وہ مسلمانوں کو کانگرس کا میدان تجویز کرنے کا مشورہ دیتا ہے کیونکہ اس وقت کی مسلم لیگ کے وجود سے اسے کوئی امید نہیں۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ناممکنات سے ہے لیکن مشورہ دیتا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کو "اتحاد مقاصد اقوام ھند" میں تبدیل کر کے سیاسی اتحاد کو ممکن بنانا چاہئے کیونکہ کانگریس دوبارہ ہندوستان کے اندر زندگی پیدا کرنے کے لئے سرگرم ہونے والی ہے[۴۷]۔ لیکن پنجاب پراونشل ہندو کانفرنس کی کارروائیاں سامنے آنے سے جب ہندوؤں کے پس پردہ عزائم اس پر ظاہر ہوتے ہیں تو وہ مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرتا ہے اور خواب غفلت سے بیدار ہونے کو کہتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو مایوس ہونے کے بجائے سچے جذبے اور جوش ایمان کے ساتھ آزادی کی تحریک کو آخر دم تک جاری رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ نہرو رپورٹ کی اشاعت کے بعد ہندوؤں کا اردو مخالف رویہ بھی سامنے آجاتا ہے۔ پھر شاردا بل پر گاندھی مسلمانوں کو اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ لاہور میں جب گستاخ رسولؐ راجپال کو جہنم رسید کیا جاتا ہے تو "صوفی" غازی علم الدین شہید کے کردار اور عزم وحوصلے کو خوب سراہتا ہے۔ لیکن اب بھی "آل انڈیا خلافت کانفرنس" جس پر کانگرس کے اثرات نمایاں تھے کے لئے اس کا دل دھڑکتا ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اب گزشتہ حالات کے تجزیے کی بدولت وہ گاندھی کو روئے زمین کی سب سے زیادہ خطرناک مسلم آزار ہستی سمجھتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کی آڑ میں گاندھی نے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے سلسلے میں خطبہ الہ آباد کے حوالے سے وہ اقبال کی تجویز

سے ان الفاظ میں اتفاق کرتا ہے کہ ہندوستان کو "اسلامی ہندوستان" اور "ہندو ہندوستان" کے نام سے دو حصوں میں تقسیم کر دینا چاہئے [(۴۸)] - لیکن اسے اس بات کا غم ہے کہ مسلمانوں میں قومی سطح کا کوئی لیڈر موجود نہیں اور "مسلم ہندوستان" آج کل صحیح معنوں میں بے چرواہے کا گلہ ہے- پھر وہ توقع کرتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس تعلیم کا کام کرے اور اسراف اور رسوم بے جا پر جمعیت علمائے ہند کام کرے- لیکن یہ صرف ایک تجویز ہی رہتی ہے- اچانک مسجد شہید گنج کے مسئلے میں مسٹر محمد علی جناح کی شخصیت اس کی نگاہوں میں آتی ہے اور وہ ان الفاظ میں ان کی خوبیاں بیان کرتا ہے کہ "... مسٹر محمد علی جناح کی شخصیت قابل تعارف نہیں ہے- آپ کو اسلامی سیاسیات میں وہ ملکہ حاصل ہے جو کسی غیر ملکی مدبر کو بھی نہ ہوگا [(۴۹)] -" اس کے بعد وہ اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ ہندو مسلم اختلافات قیامت تک بھی ختم نہیں ہو سکتے اور وہی "صوفی" جو مسلم ہندوستان کو بے چرواہے کا گلہ کہتا تھا اس نے ہندو قوم کے لیڈروں کے مقابلے پر مسلمانوں کی طرف سے محمد علی جناح کا نام لینا شروع کر دیا [(۵۰)] - لیکن مسلم لیگ کا وہ پھر بھی قائل نہ ہوا اور اسے تپدق زدہ مجلس قرار دیتا رہا- تاہم رفتہ رفتہ مسلم لیگ نے فعال کردار ادا کیا تو "صوفی" بھی اس کی قدر و منزلت کا قائل ہو گیا- جب "صوفی" میں "بچوں کا صفحہ" لکھنے کا سلسلہ چلا جو اکثر ایڈیٹر ہی لکھتا تھا تو "صوفی" نے محمد علی جناح کو مسلمانوں کے بہت بڑے لیڈر کی حیثیت سے پیش کیا اور ان کی صفات بیان کرنے کے بعد بچوں کو تلقین کی کہ وہ بھی ان جیسی خوبیوں کے حامل بنیں- اس تحریر میں "صوفی" نے مسلم لیگ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا کہ "... مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت "مسلم لیگ" کے آپ صدر ہیں- مسلم لیگ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اتحاد و اتفاق سے آزادی حاصل کریں [(۵۱)] -" اور قیام پاکستان سے ذرا قبل وہ "مسلم لیگ وزارت کا سب سے پہلا کام کیا ہونا چاہئے-"، "ملک کی سب سے بڑی ضرورت ــــــ پاکستان کیسے بن سکتا ہے-" کے زیر عنوان تعلیم اور صنعت و تجارت میں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی ضرورت پر مسلمانوں اور مسلم لیگ کو مشورے دیتا نظر آتا ہے [(۵۲)] -

یہی نہیں "صوفی" نے مقامی سطح پر پنڈی بہاؤالدین اور منڈی بہاؤالدین کے علاقے میں مسلم تشخص کو اجاگر کرنا بھی اپنی پالیسی کا حصہ بنایا اور مدرسے، اسکول اور مساجد بنانے کے لئے وقتاً فوقتاً چندے کھولے اور علاقے میں مسلم اقلیت کے لئے ناممکن کام کر دکھائے-

مدیر "صوفی" ملک محمد الدین اعوان کو آغاز کار میں رسالہ "صوفی" کو کامیابی کے راستے پر گامزن کرنے کے لئے بہت محنت کرنا پڑی- "صوفی" سے قبل وہ لاہور سے "جلوۂ نور" نامی رسالہ چند ماہ تک جاری رکھ کر اور اخبار "ہندوستان" میں منتظم و منصرم کی حیثیت سے فرائض انجام دے کر ادارتی اور کاروباری حوالے سے تجربہ حاصل کر چکے تھے- اس لئے انہوں نے ادارتی اور کاروباری دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے رسالے کے کام کو آگے بڑھایا- پہلے ہی شمارے میں انہوں نے برصغیر کے اچھے لکھنے والوں کو اکٹھا کر لیا- مثلاً سرور جہاں آبادی، اکبرالہ آبادی، منشی دوارکا پرشاد، طالب بنارسی، سوامی رام تیرتھ اور علامہ اقبال کے نام پہلے شمارے کے قلمی معاونین میں شامل ہیں- ان کے علاوہ اس شمارے کو اور زیادہ دلچسپ بنانے کے لئے "فلسفی اور صوفی" کے عنوان سے ایک مکالمہ پیش کیا جس میں "صوفی" کے کردار میں پیر جماعت علی شاہ نے گفتگو فرمائی- اسی طرح بعد کی اشاعتوں میں "پیر طریقت اور مرید کا تعلق"، "معرفت"، "تصوف" اور عرس کی حیثیت اور جواز کے موضوعات پر معتبر مضامین شائع ہوتے رہے اور قلمی معاونین کے حلقے میں خواجہ حسن نظامی، محمد الدین فوق، حالی،

سید محمد ارتضی واحدی دہلوی (ملا واحدی)، شاکر میرٹھی، مولانا احمد حسن شوکت، حکیم فیض الحسن، مولوی سراج الدین احمد اور پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی کے اسمائے گرامی شامل ہو گئے - رسالہ "صوفی" کی طرف اچھے لکھاریوں کو مائل کرنے کے لئے مدیر "صوفی" بے دریغ روپیہ صرف کرتے تھے اور اچھے لکھنے والوں کو اچھا معاوضہ فراہم کرتے تھے - سید محمد ارتضی واحدی حلقہ نظام المشائخ کی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ "... جناب پروفیسر محمد الدین صاحب مالک رسالہ صوفی نے دبیر الحلقہ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب سے درخواست کی تھی کہ آپ رسالہ صوفی کے لئے مضمون لکھیئے ہر مضمون کا معاوضہ ایک پونڈ پیش کیا جائے گا - چنانچہ دبیر الحلقہ صاحب نے پہلا مضمون "فرید بابا" ان کو لکھ کر دیا اور معاوضہ کے پندرہ روپیہ ایڈیٹر صاحب سے لے کر حلقہ نظام المشائخ کو دے دیئے (۵۳) - "ادارتی پہلو کی طرح مدیر "صوفی" نے کاروباری پہلو کو بھی نظر انداز نہ کیا اور قارئین کی دلچسپی کو بڑھانے کے سامان پیدا کئے - اس سلسلے میں انہوں نے رسالہ "صوفی" میں "واقعات عالم"، "مراسلات"، "صوفی کلب"، "اسلامی دنیا"، "اخلاق سبق" اور "صوفیانہ خبریں" کے عنوانات سے ہلکے پھلکے انداز میں مختلف سلسلے شروع کئے - جن میں قارئین کے خطوط اور آراء کو بھی پیش کیا جاتا تھا - اسی طرح مدیر "صوفی" نے گرونانک کی سوانح عمری لکھنے کے لئے انعامی مقابلے کا اعلان کیا اور کہا کہ سب سے اچھا مضمون شائع بھی کیا جائے گا اور مضمون نگار کو مدیر "صوفی" بذریعہ منی آرڈر ایک پونڈ کا انعام پیش کرے گا (۵۴) - مدیر "صوفی" نے قارئین کو یہ ترغیب بھی دی کہ جو صاحب رسالہ "صوفی" کے پانچ خریدار مہیا کریں گے ان کو ۴ آنے کی کوئی کتاب مفت فراہم کی جائے گی اور جو صاحب دس خریدار بنوائیں گے ان کو رسالہ ایک سال تک مفت پیش کیا جائے گا -

ابتدائی چھ ماہ میں مدیر "صوفی" نے پچپن ہزار پرچے بطور نمونہ مختلف لوگوں کو بھجوائے جن میں سے صرف آٹھ سو خریدار بنے - ۵۵ ہزار پرچوں پر کل لاگت دو ہزار آئی تھی جن میں سے چھ سو کے خریدار ملے اور نو سو کے اشتہارات مل جانے کی وجہ سے نقصان کی رقم چودہ سو سے کم ہو کر پانچ سو پر آ گئی (۵۵) - لیکن مدیر "صوفی" گھبرائے نہیں حالانکہ قارئین کے مطالبے پر انہیں رسالہ "صوفی" کو ادویات کے اشتہارات سے پاک کرنا پڑا جو لاگت پوری کرنے کا ایک معقول ذریعہ تھے - قارئین کی رائے کو مدیر "صوفی" بڑی اہمیت دیا کرتے تھے - یہاں تک کہ قارئین کی رائے سے انہوں نے رسالہ "صوفی" جو پہلے ۸/۳۶×۲۳ سائز پر چھپتا تھا کو پہلے چھ ماہ کے بعد کتابی صورت میں چھاپنا شروع کر دیا (۵۶) - رسالہ "صوفی" تمام عمر ان ہی دو سائزوں میں نکلتا رہا وقفے وقفے سے بوجوہ سائز تبدیل ہوتے رہے لیکن ان دو کے علاوہ کسی تیسرے سائز میں رسالہ "صوفی" شائع نہیں ہوا - مدیر "صوفی" نے نئے خریدار حاصل کرنے کے لئے اپنی کوششیں اور ترغیباتی اسکیموں کا سلسلہ جاری رکھا - یہاں تک کہ دوسری ششماہی میں اس کا خسارہ پہلی ششماہی کی نسبت آدھا رہ گیا (۵۷) اور خریداروں کی تعداد دو ہزار سے تجاوز کر گئی (۵۸) - اس کے ساتھ ہی جلال پور شریف کے سجادہ نشین سید فضل شاہ نے بھی خریداران "صوفی" فراہم کرنا شروع کر دیئے - "صوفی" نے ترقی اشاعت کے سلسلے میں ماہانہ انعامی اسکیم جاری کر دی اور "صوفی" کے لئے مالی وسائل بڑھانے کی غرض سے "صوفی" میں اپریل ۱۹۱۰ء سے پھر سے اشتہارات چھاپنے کا فیصلہ کر لیا - مزید یہ کہ پیر سید غلام حیدر شاہ جن کی یادگار کے طور پر رسالہ "صوفی" جاری کیا گیا تھا نے مدیر "صوفی" کے ایک پیر بھائی محمد بخش کو عالم خواب میں ارشاد فرمایا کہ "صوفی کو ضرور پڑھا کرو (۵۹) - "صوفی" میں عرس جلالپور شریف اور سجادہ نشین جلالپور شریف کی

خبریں اور دیگر اطلاعات تو پہلے سے ہی شائع ہوتی تھیں، اس روحانی تلقین کا شائع ہونا تھا کہ بہت سے پیر بھائی "صوفی" کی طرف متوجہ ہوئے اور دسمبر ۱۹۱۱ء تک "صوفی" کی اشاعت تین ہزار [۶۰] تک پہنچ گئی - اکتوبر ۱۹۱۲ء سے قبل "صوفی" کے مستقل خریدار تین ہزار کے قریب تھے [۶۱] - ۱۹۱۳ء کے وسط تک اس کی اشاعت تین ہزار ہی رہی اور جب "صوفی" نے ایک لاکھ روپیہ نقد انعام کی اسکیم شروع کی تو اچانک جون ۱۹۱۳ء سے "صوفی" کی اشاعت آٹھ ہزار [۶۲] تک پہنچ گئی اور "صوفی" نے دعویٰ جڑ دیا کہ اس کی اشاعت ہندوستان کے تمام انگریزی اور اردو ماہناموں سے زیادہ ہے [۶۳] - اب "صوفی" اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا - اس کی ضخامت جو ابتدائی اشاعتوں میں بیس صفحات پر مشتمل ہوتی تھی اب بڑھ کر ۶۴ صفحات تک پہنچ چکی تھی اور دفتر کے کام کو مستعدی سے چلانے کے لئے مدیر "صوفی" نے ایک کلرک، ایک ہیڈ کلرک غلام مصطفےٰ [۶۴] ۲۵، ۲۵ روپیہ ماہوار پر، ایک سب ایڈیٹر حکیم خورشید حسن [۶۵] ۶۰ روپے ماہوار پر اور ایک مینیجر ملک برکت علی خاں [۶۶] رکھے ہوئے تھے جو بعد میں تبدیل ہوتے رہے مثلاً مینیجر کی حیثیت سے منشی محمد اسلم خاں، منشی سلطان علی اور شیخ خورشید عالم بھی دفتر میں کام کرتے رہے - دفتر میں ایک ٹائپ رائٹر بھی ہوتا تھا جس پر شیخ خورشید اکثر ٹائپ کرتے نظر آتے اور دفتر میں خوب رونق لگی رہتی تھی [۶۷] - اسی طرح مدیر "صوفی" نے مختلف شہروں میں اپنے نامہ نگار بھی مقرر کئے ہوئے تھے جن میں سے کراچی کے ایک نامہ نگار غلام محمد [۶۸] کا نام سامنے آیا ہے - یہی نہیں مدیر "صوفی" نے رسالے کی عام دستیابی کے لئے دہلی، پونا، ملتان، حیدرآباد، سندھ، کراچی، بنگلور، سورت اور امرتسر وغیرہ میں اپنے ایجنٹ بھی مقرر کئے تھے اور ابھی مزید ایجنٹوں کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی - گویا مدیر "صوفی" نے باقاعدہ اور منظم انداز سے رسالہ "صوفی" کو پروان چڑھایا کہ چاروں طرف اس کا شہرہ ہوا اور خوب نیک نامی حاصل کی - پسند تو وہ پہلے سے ہی کیا جاتا تھا - محمد الدین فوقؔ نے بیان کیا کہ "... نہ صرف پرانے خیالات کے بزرگوں نے اس کا خیر مقدم کیا، بلکہ نئی روشنی کے تعلیم یافتہ اور اس گروہ کے معززین حتیٰ کہ ہائیکورٹ کے ججوں اور کونسل کے ممبروں تک نے "صوفی" کی خریداری شوق سے قبول کی [۷۰] - "اصل میں رسالہ "صوفی" کا موضوع، مواد اور پیش کش ایسے تھے کہ بہت جلد اس نے ایک بہت بڑے حلقے کو اپنی گرفت میں لے لیا - ڈاکٹر عبدالغنی کہتے ہیں کہ "اس رسالے میں حضور (پیر سید غلام حیدر شاہ) کے ملفوظات چھپتے تھے - آپ کی کرامات کا ذکر ہوتا تھا - شعراء کی نظمیں ہوا کرتی تھیں - اولیائے کرام کے تذکرے ہوا کرتے تھے - اسلامی تاریخ کے اثر انگیز واقعات بیان کئے جاتے تھے - ایک نہایت ہی پاکیزہ اور بیدار اسلامی روح تھی جسے اس رسالہ کے ذریعے اسلامیانِ ہند کے قلوب میں منتقل کیا جاتا تھا - خواجہ محبوب سبحانی کی سیرت پاک کا تذکرہ جدید طریقۂ بیان کے ساتھ بڑے موثر پیرائیہ میں بار بار مختلف مقالہ نگار اس عمدگی سے کرتے تھے کہ تعلیمات اسلامیہ کا نچوڑ سامنے آجاتا تھا - معارف قرآنی بے نقاب ہو جاتے تھے - تعلیمات قرآنی کی تعبیر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی تھی اور اب بھی ان مقالات کو پڑھا جاتا ہے تو ہم عبدالقادر بیدلؔ کے ہم نوا ہو کر کہہ اٹھتے ہیں

وصف ایں طائفہ تفسیر کلام اللہ ہست

انہی خصوصیات کی بناء پر رسالہ "صوفی" بہت جلد ہندوستان کے تمام رسالوں سے زیادہ چھپنے لگا [۷۱] - "بعد میں اگرچہ "صوفی" کی اشاعت میں اتار چڑھاؤ آتے رہے - کبھی اشاعت پانچ ہزار [۷۲] ہو گئی تو کبھی اس سے بھی کم، لیکن "صوفی" کی شہرت ایک معیاری اور معتبر رسالے کی حیثیت سے قائم ہو چکی تھی - اس

دوران "صوفی" نے تصوف اور اہل تصوف کی جو اعلیٰ خدمات سرانجام دیں ان کے اعتراف کے طور پر خواجہ حسن نظامی نے مدیر "صوفی" ملک محمد الدین اعوان کو "قلم الفقراء"[۷۳] کا خطاب عطا کیا۔ جسے مدیر "صوفی" نے رسالے کے سرورق پر فخریہ اپنے نام کے ساتھ لکھنا شروع کر دیا۔ ویسے تو "صوفی" کے آغاز پر ہی خواجہ حسن نظامی، علامہ اقبال اور دیگر صائب الرائے حضرات کی طرف سے مدیر "صوفی" کو حوصلہ افزائی کے خطوط موصول ہوئے تھے لیکن اس خطاب نے مدیر "صوفی" کے حوصلوں کو خوب جلا بخشی۔ انہوں نے "صوفی" کی ترقی اشاعت کے لئے خوب کوشش کی اور ۱۹۱۵ء کے تقریباً وسط سے "صوفی" کے سرورق پر مینیجر کی طرف سے چیلنج کی صورت میں یہ نوٹ درج کیا جاتا رہا کہ "جو شخص یہ بات ثابت کرے کہ تمام موجودہ ماہوار صوفیانہ و دیگر رسالوں سے صوفی کی اشاعت سب سے زیادہ نہیں اس کو پانچ سو روپیہ انعام دیا جاوے گا جو بینک میں جمع کرا دیا گیا ہے۔" جنوری ۱۹۱۶ء میں "صوفی" کی اشاعت سات ہزار[۷۴] تھی جو واقعی ماہوار پرچوں میں پہلے نمبر پر تھی اور پورے پنجاب کی تمام زبانوں کے ہر طرح کے اخبارات اور رسائل کی ترتیب میں "صوفی" چوتھے نمبر پر تھا۔

مقامات مقدسہ کے فوٹو جو مدیر "صوفی" دوران حج تیار کروا کے لائے تھے مفت فراہم کرنے کی انعامی سکیم شروع کی اور رسالے میں ان تصاویر کی خوب پذیرائی ہوئی۔ جب رسالے کی ڈاک بڑھ گئی اور دیگر کاروبار میں بھی اضافہ ہوا تو رسالے، کتابوں اور دوائیوں کے پارسل گدھا گاڑیوں پر لاد لاد کر منڈی بہاؤالدین کے پوسٹ آفس لے جانے کی زحمت اٹھانا پڑتی تھی[۷۵]۔ کیونکہ پنڈی بہاؤالدین میں پہلے برانچ پوسٹ آفس تھا، کارخانہ کھلنے پر سب آفس بنایا گیا اور پھر اب مدیر "صوفی" کی درخواست پر ۱۹۱۶ء میں محکمہ ڈاک نے علیحدہ ڈاک خانہ "صوفی آبحیات"[۷۶] "پوسٹ آفس کھول دینے کی منظوری دے دی[۷۷] جو "صوفی" کے بے پناہ ہر دلعزیز ہونے اور اشاعت کثیر کی دلیل بھی ہے۔

۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۸ء میں اگرچہ "صوفی" کی سرکولیشن مختلف پرکشش اسکیموں یعنی سہ ماہی چاندی کا تمغہ تقسیم کرنے اور "صوفی" کی دس سالہ جوبلی منانے پر رعایتوں کے اعلان کے باوجود ۳۵۴۰[۷۸] رہی لیکن ماہناموں میں سب سے بہتر اور نمایاں ہونے کی بناء پر لوگوں کے دلوں پر اس کا نقش بڑا گہرا تھا اور مختلف انداز میں اس سے عقیدت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ غلام نبی صابر کے کلام کا کچھ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

صوفیوں کو ہے دل و جان سے پیارا صوفی
راحت جان ہے کیا راج دُلارا صوفی

تو ہے پیارا تیرے مضمون بھی سارے پیارے
نام بھی صل علےٰ کیسا ہے پیارا صوفی

اہل بینش تجھے آنکھوں میں جگہ دیتے ہیں
ہے سخن فہم کی تو آنکھ کا تارا صوفی

کوئی ماہوار رسالہ نہیں تیرا ثانی

سب رسالوں کا ہے سرتاج ہمارا صوفی

تو طباعت میں فصاحت میں رہا چوٹی پر

بڑھگیا سب سے اشاعت میں ہمارا صوفی (۷۹)

اس وقت رسالہ "صوفی" پنجاب کی تمام زبانوں کے اخبارات و رسائل میں تیسرے نمبر پر اور مسلم صحافت کے اخبارات و رسائل میں پہلے نمبر پر تھا- گویا مسلم صحافت کے افق پر اس کا کوئی ثانی نہ تھا- اسی امتیاز کو پیش نظر رکھتے ہوئے نظام حیدر آباد دکن نے مدیر "صوفی" کے لئے رسالہ "صوفی" کی خدمات اور کتب تصوف و اسلام کی اشاعت کے صلہ میں یکم شوال ۱۳۳۶ھ سے ماہوار سو روپے کا عطیہ بطور وظیفہ مقرر کیا (۸۰) - جس کا ذکر بعد میں ستمبر ۱۹۱۹ء سے "صوفی" کے سرورق پر مدیر کے نام کے ساتھ ان الفاظ میں کیا جاتا کہ " منصب دار سرکار آصفیہ حیدر آباد دکن خلد الله ملكه' سلطنته" اس حوصلہ افزائی کے بعد مدیر "صوفی" نے رسالے کے ادارتی اور کاروباری پہلوؤں کی طرف پھر توجہ فرمائی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ "صوفی" کی اشاعت ۱۹۲۰ء کے اختتام پر سات ہزار پانچ سو (۸۱) تک پہنچی (۸۲) اور پھر ۱۹۲۱ء کے اختتام پر ترقی کر کے آٹھ ہزار (۸۳) تک پہنچ گئی- یوں "صوفی" صرف ماہناموں میں ہی نہیں پورے پنجاب کی تمام زبانوں کے ہر طرح کے اخبارات و رسائل میں پہلے نمبر پر آ گیا اور وہ بام عروج حاصل کر لیا جس کی ہر کوئی اخبار یا رسالہ خواہش کرتا ہے- رسالے کے عروج کے زمانے میں مدیر "صوفی" نے جنوری ۱۹۲۳ء سے "صوفی" پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ کے نام سے ایک ادارے کی بناء ڈالنے کا ارادہ کیا اور رسالہ "صوفی" کو بھی کمپنی کے ماتحت چلانے کی اطلاع دی (۸۴) - البتہ رسالے کی ادارت بدستور ملک محمد الدین اعوان ہی کے پاس رہی اور رسالہ اسی انداز اور آب و تاب کے ساتھ جاری رہا-

رسالے کے سب ایڈیٹر حکیم خورشید حسن فروری ۱۹۱۹ء سے رسالے سے الگ ہو چکے تھے- ان کی جگہ روزنامہ " تنظیم" کے صحافی ملک نصر اللہ خاں عزیز کو نائب مدیر (۸۵) رکھا گیا تھا- ۱۹۲۵ء میں ملک نصر اللہ خاں کو سہ روزہ اخبار "مدینہ" کے مالک مولوی محمد مجید حسن نے بجنور بلا کر "مدینہ" کی ادارت ان کے حوالے کی- تو ملک نصر اللہ خاں کے جانے کے بعد ملک حسن علی جامعی کو "صوفی" کا نائب مدیر مقرر کیا گیا، جو نوجوان تھے اور جامعہ سے فارغ التحصیل ہو کر ابھی آئے ہی تھے- کم و بیش ایک سال تک ادارتی فرائض انجام دینے کے بعد وہ شرق پور جا کر کھیتی باڑی کرنے لگے (۸۶) - ان نائب مدیران نے "صوفی" کے شذرات بڑی ذمہ داری سے تحریر کئے- اس دور کے لکھے گئے شذرات کا علمی رتبہ بڑا بلند ہے- جس وقت ملک حسن علی جامعی "صوفی" میں کام کر رہے تھے اس

وقت بھی "صوفی" اشاعت کے اعتبار سے پورے پنجاب میں تمام رسائل و اخبارات کے مقابلے میں پہلے نمبر پر شمار کیا جاتا تھا - اس وقت اس کی سرکولیشن ۶۵۲۵ تھی[۸۷] - اور اس کی شہرت ہندوستان سے نکل کر عالمگیر حیثیت اختیار کر گئی تھی - پوری دنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد تھے وہاں وہاں "صوفی" پہنچتا تھا[۸۸] - اشاعت کے اعتبار سے گو کہ "صوفی" کی تعداد کم ہو گئی لیکن وہ اپنے ہم عصر اخبارات و رسائل کے مقابلے میں برا نہیں رہا - تاہم "صوفی" کمپنی نے رسالے کی اشاعت پچیس ہزار[۸۹] تک پہنچانے کی امید لگائی تھی جس پر یہ رسالہ کبھی پورا نہیں اتر سکا - اور اس کی اشاعت کی انتہا آٹھ ہزار تک رہی جس پر یہ رسالہ دو مرتبہ پہنچ پایا تھا - اگرچہ ستمبر ۱۹۲۶ء اور بعد کی کئی اشاعتوں میں رسالہ "صوفی" نے اپنی اشاعت دس ہزار ہونے کا دعویٰ کیا لیکن پریس برانچ اور سپیشل برانچ کے ریکارڈ سے اس کی صداقت ثابت نہیں ہوتی -

ملک حسن علی جامعی کے چلے جانے کے بعد مدیر "صوفی" نے نومبر ۱۹۲۷ء کو اپنے بڑے بیٹے ملک محمد اسلم خاں جو اس وقت بی - اے (کیمبرج) تھے کو ان کی خواہش کے مطابق اعزازی معاون مدیر[۹۰] کی حیثیت سے حلقۂ ادارت میں شامل کیا اور ادارت کا سارا بار محمد اسلم خاں کے کندھوں پر ڈال دیا - اسلم خاں کیمبرج کے تعلیم یافتہ تھے اور ادب کی طرف خصوصاً مغربی ادب کی طرف ان کا میلان تھا - اردو کے ادیبوں میں سید عابد علی عابد، نذر سجاد حیدر، حجاب امتیاز علی، سید نذیر نیازی، محمد الدین تاثیر اور خواجہ غلام السیدین وغیرہ سے ان کی شناسائی تھی - لہٰذا اپنے رجحان طبع کے لحاظ سے انہوں نے مجلّہ "صوفی" کو اس کی روایت سے ہٹانے کی کوشش کی - اس کو ہلکا سا ادبی انداز دیا اور مغربی ادب سے بعض ڈراموں اور کہانیوں کو ترجمہ کروا کر "صوفی" میں طبع کرایا اور اس مقصد کے تحت مزید مترجموں کی تلاش میں رہے[۹۱] - اور آیندہ رسول نمبر کے علاوہ "صوفی" کا ایک ایسا ضخیم ادبی نمبر نکالنے کا ارادہ کیا جو آیندہ ادبی رسالوں کے لئے نمونہ تقلید بن جائے گا[۹۲] - لیکن یہ تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے - جب مدیر "صوفی" نے اکتوبر ۱۹۲۸ء میں محمد اسلم خاں سے ادارت واپس لینے کا فیصلہ کر لیا - ہوا یوں کہ ملک محمد اسلم خاں نے جلالپور کے سجادہ نشیں سید فضل شاہ کی "حزب اللہ" کے حوالے سے انجام دی جانے والی سرگرمیوں پر ایک شذرہ "صوفی" میں شائع کیا جس میں سجادہ نشیں صاحب سے اختلاف کرتے ہوئے انہیں حزب اللہ کے انتظام کو بہتر بنانے کے لئے کچھ مشورے بھی دیئے گئے[۹۳] - جس کے جواب میں سجادہ نشیں صاحب نے تقریباً جون ۱۹۲۸ء میں اپنا موقف بیان کیا اور اپنے طریقۂ کار کی حکمت پر روشنی ڈالی[۹۴] - اس سلسلے نے طول نہ پکڑا اور بات آئی گئی ہو گئی - پھر اچانک اکتوبر ۱۹۲۸ء کا شمارہ سامنے آیا - جس کے سرورق پر مدیر کے زمرے میں صرف ملک محمد اکرم خاں اعوان کا نام درج تھا - جو مدیر "صوفی" کے چھوٹے بیٹے اور اسلم خاں کے چھوٹے بھائی تھے - اس میں مدیر "صوفی" ملک محمد الدین اعوان کا نوٹ " رسالہ صوفی کی موجودہ روش میں تبدیلی ناگزیر ہے -" کے عنوان سے طبع ہوا - جس میں مدیر "صوفی" نے لکھا کہ مجھے خود بھی محمد اسلم خاں کے خیالات اور پالیسی سے اختلاف تھا اور "صوفی" کے پرانے شیدائیوں کو بھی رسالے کا ادبی رنگ پسند نہیں آیا - دوسرے مغربی آزادی سے متاثر ہو کر "حزب اللہ" کے بارے میں بیباکی کا اظہار کیا گیا جس پر بہت سے احباب نے انہیں سرزنش کی - اس لئے پیرانہ سالی کے باوجود آیندہ ادارت وہ خود سنبھالیں گے اور اعلان کیا کہ آیندہ سے "صوفی" کی وہی پرانی پالیسی بحال رہے گی - انہوں نے پیر صاحب سے درخواست کی کہ دعا فرمائیں کہ اسلم خاں مغربیت کے گمراہ کن جال سے نکل کر سچا اور صالح نوجوان

بنے اور اسے اسلام اور بزرگان اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق حاصل ہو [٩٥] - یعنی اسلم خاں کو ادارتی فرائض سنبھالے ایک سال بھی پورا نہ ہوا تھا کہ سبکدوش کر دیئے گئے اور رسالہ "صوفی" ان کے چھوٹے بھائی ملک محمد اکرم خاں اعوان کی ادارت میں نکلنا شروع ہو گیا - یہ سلسلہ ملک اکرم کی وفات تک جاری رہا - وفات سے قبل نومبر دسمبر ١٩٢٩ء کا شمارہ ملک اکرم کی ادارت میں ہی نکلا - اس دوران رسالے میں سجادہ نشین جلالپور سید فضل شاہ کی تنظیم "حزب اللہ" کی خبروں، رپورٹوں کو اہمیت دی جاتی رہی تاکہ ملک اسلم کے اختلافی نوٹ کا کچھ مداوا ہو سکے - ملک اکرم کی وفات کے بعد جنوری سے اگست ١٩٣٠ء تک مدیر "صوفی" ملک محمد الدین اعوان کی ادارت میں رسالہ شائع ہوتا رہا اور ستمبر ١٩٣٠ء کے سرورق کے مطابق ملک محمد اسلم خاں، ایم - اے (کینٹب) فیلو آف دی رائل سوسائیٹی آف آرٹس بیرسٹر ایٹ لاء کو "ڈائریکٹر آف پالیسی" کی حیثیت سے ادارت میں شامل کیا گیا اور خود مدیر "صوفی"، "مدیر مسئول" کی حیثیت سے ادارت سے وابستہ رہے - برصغیر کی سیاست کے حوالے سے یہ زمانہ بڑا اہم تھا - علامہ اقبال کے خطبۂ الہ آباد نے گرماگرمی پیدا کر دی تھی چنانچہ اس مناسبت سے ملک محمد اسلم نے بڑا اچھا مواد فراہم کرنا شروع کیا - مثلاً "جداگانہ نیابت" کے عنوان سے حسین شہید سروردی کی تقریر کا ترجمہ پیش کیا - اور اسلم خاں کے تقاضے پر سید حسین امام نے "سرحدی اقدامی پالیسی" کے عنوان سے مضمون تحریر کیا، "سکھ اور ھندو" کے عنوان سے اسلم خاں کی فرمائش پر لکھا گیا - مولانا محمد یعقوب خان کا ایک مضمون جس میں سکھوں کے علیحدہ اقلیت ظاہر کئے جانے کو مسلمانوں کے خلاف ایک چال بتایا گیا اور اس کے علاوہ علامہ اقبال کا خطبۂ الہٰ آباد وغیرہ ترجمہ ہو کر چھپے - اس دوران خالص چاندی کی گھڑی حاصل کرنے اور رعایتی اسکیموں کا بھی اعلان کیا گیا - اس وقت یعنی ١٩٣١ء میں "صوفی" کی اشاعت چھ ہزار ہو گئی [٩٦] اور اردو ماہناموں میں "صوفی" اور "الحکیم" دونوں تعداد اشاعت برابر ہونے کی وجہ سے پنجاب بھر میں پہلے نمبر پر آ گئے -

١٩٣٢ء میں مدیر تو محمد الدین اعوان اور ڈائریکٹر آف پالیسی اسلم خاں ہی رہے - البتہ سرکاری اداروں کے دستیاب ریکارڈ کے مطابق مجلّہ "صوفی" کے پروپرائیٹر کی حیثیت سے آبحیات کمپنی کا نام پیش کیا جانے لگا - جس کے ڈائریکٹران میں محمد اسلم خاں، بیرسٹر ایٹ لاء، غلام محمد، مسز محمد دین اور عبداللہ خان کے نام شامل تھے [٩٧] - اس کمپنی کا نام پروپرائیٹر کی حیثیت سے ١٩٤٠ء تک کے دستیاب ریکارڈ میں ملتا ہے - اس کے بعد پھر پروپرائیٹر اور ایڈیٹر کی حیثیت سے محمد الدین اعوان کا نام ریکارڈ پر آنے لگا - ١٩٣٢ء سے ١٩٤٠ء تک رفتہ رفتہ "صوفی" کی اشاعت کم ہوتی جا رہی تھی - مثلاً ١٩٣٢ء میں سرکولیشن چار ہزار تھی [٩٨] تو ١٩٣٥ء تک مختلف اتار چڑھاؤ سے گزر کر تین ہزار [٩٩] رہ گئی - یہاں تک کہ ١٩٣٨ء میں اس کی اشاعت صرف دو ہزار [١٠٠] تک محدود ہو گئی اور بوجوہ ١٩٣٨ء میں ہی رسالے کی اشاعت سرکاری ریکارڈ کے مطابق بند ہو گئی - جو ١٩٤٠ء کے آغاز تک بند رہی [١٠١] - اشاعت کے بند ہو جانے کی تصدیق رجسٹرڈ ایل نمبر کے تبدیل ہونے سے بھی ہوتی ہے - "صوفی" کا رجسٹرڈ ایل نمبر ١٩٠٩ء سے ٦٥٤ تھا جبکہ اس وقفے کے بعد تبدیل ہو کر ٦٠٦٤ ہو گیا - رسالے کو اس مقام تک لانے میں دیگر وجوہات کے علاوہ ایک وجہ مالکان و مدیر کی بے توجہی بھی ہو سکتی ہے - کیونکہ ٣٥-١٩٣٤ء کے دوران بعض شمارے ڈیکلریشن داخل کئے - بغیر ہی شائع کر دیئے گئے جس پر بعد میں معذرت کرنے کی ضرورت پیش آئی - ریکارڈ پر یہ بات ان الفاظ میں درج ہے کہ

"Publisher published certain issues of the paper during 1934- 35 without filing any declaration. He apologized and the matter was dropped. [۱۰۲]"

اس کے بعد ۴/اپریل ۱۹۳۵ء [۱۰۳] کو "صوفی" نے ڈیکلریشن حاصل کر کے باقاعدہ اشاعت شروع کی۔

۱۹۳۸ء میں ماہنامہ "صوفی" سرکاری ریکارڈ کے مطابق بند ہو گیا تاہم راقمہ نے اس سال کی کئی اشاعتیں ملاحظہ کی ہیں۔ سرکاری ریکارڈ میں "صوفی" کے بند ہوتے ہی گوجرانوالہ کے مہتاب الدین بٹ ولد نواب دین بٹ نے ۲۵/اپریل ۱۹۳۸ء [۱۰۴] میں "صوفی" کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ شروع کرنے کے لئے ڈیکلریشن حاصل کر لیا۔ لیکن اس کی اشاعت پانچ سو اور دو سو سے آگے نہ بڑھی اور جلد ہی انجام تک پہنچ گیا۔ کچھ عرصہ بند رہنے کے بعد ماہنامہ "صوفی" پنڈی بہاؤالدین نے ۱۳/جنوری ۱۹۴۰ء [۱۰۵] کو ڈیکلریشن حاصل کر کے پھر سے باقاعدہ و باضابطہ اپنی اشاعت کا آغاز کر دیا اور فروری ۱۹۴۱ء سے "صوفی" کے شمارے پھر سے مدیر مسئول ملک محمد الدین اعوان اور ڈائریکٹر آف پالیسی ملک محمد اسلم خاں کی ادارت میں نکلنا شروع ہو گئے، جن میں مضامین نظم و نثر کے علاوہ زیادہ تر مقامی نوعیت کی سماجی و فلاحی سرگرمیوں کا تذکرہ ہوتا۔ رسالہ جب بند ہوا تھا تو تعداد اشاعت دو ہزار تھی لیکن دوبارہ شروع ہونے کے بعد اس کی اشاعت ۱۹۴۱ء کے آخر تک تین ہزار [۱۰۶] تک پہنچ گئی۔ کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر ۴۵-۱۹۴۴ء کے لگ بھگ ڈائریکٹر آف پالیسی کا منصب ختم کر دیا گیا اور ملک محمد اسلم خاں اعوان کا عمل دخل عملاً بھی کم نظر آنے لگا۔ اب رسالے کے سرورق پر صرف مدیر "صوفی" ملک محمد الدین کا نام ہی نظر آتا۔ ۱۹۴۵ء میں رسالے کا مواد اور انداز سرسری نظر آنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے خوبصورت سرورق کو بدل کر سادہ انداز اپنا لیا گیا۔ پہلے کبھی برصغیر کے مشہور و معروف خطاط و خوش نویس عبدالمجید پروین رقم جنہیں علامہ اقبالؔ کے کلام کی کتابت کا بھی شرف حاصل ہے کے تیار کردہ کتبہ سے "صوفی" کا سرورق مزین ہوتا تھا یا اس سے بھی قبل محمد حسین ہیڈ خوش نویس، جموں یا "صوفی" کے اپنے کاتب محمد حسین ایمن آبادی بڑے شوق سے سرورق تیار کیا کرتے تھے۔ اگرچہ سرورق مختلف انداز سے تیار کئے جاتے تھے تاہم بے دلی کا مظاہرہ نہیں ہوتا تھا، لیکن اب سرورق تیار کرنے میں کسی ذوق و شوق کا مظاہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کی ضخامت بھی کچھ زیادہ نہ تھی، کبھی ۲۰ صفحات پر مشتمل ہوتا، کبھی ۲۸ اور کبھی کبھار ۳۴ صفحات پر گویا محض روایت نبھانے کے لئے نکل رہا تھا اور زندگی کے دن گن رہا تھا، لیکن نکلتا ضرور تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سرکاری اداروں کے ریکارڈ میں ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء تک رسالہ "صوفی" اشاعت پذیر نہ ہونے کی اطلاع ملتی ہے [۱۰۷]۔ جبکہ راقمہ نے اس دورانیے کے کئی شمارے خود ملاحظہ کئے ہیں۔ گویا ماہنامہ "صوفی" کا انتظام و انصرام سنجیدگی سے نہیں چلایا جا رہا تھا۔ رسالہ تو جیسے تیسے شائع ہو جاتا تھا لیکن پریس برانچ کو اس کی کاپیاں فراہم نہیں کی جا رہی تھیں۔ بہر حال مقامی مسائل اور سوشل سرگرمیوں میں دلچسپی لینے کی بنا پر یہ رسالہ مقامی آبادی کے سہارے چل تو رہا تھا لیکن رینگ رینگ کر۔ ۱۹۵۰ء تک اس کی اشاعت صرف ایک ہزار [۱۰۸] تک محدود ہو کر رہ گئی۔ "صوفی" اس برے حال میں بھی نکلتا رہا۔ پھر ۱۷/دسمبر ۱۹۶۴ء (وفات مدیر "صوفی") سے کچھ عرصہ قبل "صوفی" کا بوڑھا مدیر ذاتی مسائل کا شکار ہوا اور رفتہ رفتہ "صوفی" غیر فعال ہو کر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

ماہنامہ "صوفی" نے برصغیر کے مسلمانوں کی ترجمانی اوران کی اصلاح وفلاح کا جوشاندار فریضہ انجام دیا وہ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے تو قابل فخر ہے لیکن اس وقت کی انگریز حکومت کے لئے بہت تکلیف دہ تھا - انگریزوں نے برصغیر کی صحافتی سرگرمیوں کو ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھا کیونکہ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ وہ برصغیر کے باشندوں کے دلوں اور ذہنوں پر حکومت نہیں کر رہے - اس لئے انہوں نے برصغیر کی صحافتی صورت حال کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے تادیبی کارروائیوں کے نظام کو فروغ دیا - انگریزوں کی اسی پالیسی کے تحت پنجاب میں "پریس برانچ، پنجاب سول سیکرٹریٹ" اور "ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پولیس سی آئی ڈی اینڈ ریلویز، پنجاب" پورے پنجاب سے نکلنے والے اخبارات ورسائل کو بڑی توجہ اور پابندی کے ساتھ مانیٹر کر رہے تھے - حکومت اور حکومت کی پالیسیوں کے خلاف ہر چھوٹے بڑے اخبار یا رسالے میں چھپنے والا سارا مواد ان کے ریکارڈ پر ہوتا تھا - جس میں سے بعض ہلکے پھلکے پہلوؤں کو اپنی پالیسی کے مطابق وہ نظرانداز کر دیتے تھے اور جو پہلو نظرانداز نہ کئے جاسکتے تھے ان پر وہ نرم یا سخت سزا تجویز کرتے تھے - یہ سزا وارننگ، دو ہزار سے پانچ ہزار تک سکیورٹی طلب کرنا، بلیک لسٹ قرار دینا، پریس ضبط اور سیل کرنا وغیرہ کی صورت میں ہوتی تھیں - ان کے علاوہ متعلقہ ضلع کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی تادیبی کارروائی کرنے کا مجاز تھا - چنانچہ "صوفی" جس کی پالیسی مسلمانوں کے حق میں ہونے کی بنا پر حکومت سے متصادم تھی کو بھی کئی حکومتی تادیبی کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑا - دو مرتبہ "صوفی" کو بلیک لسٹ کیا گیا - پہلی مرتبہ ۱۹۱۴ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۱۹ء میں - چھ مرتبہ وارننگ دی گئی، پانچ مرتبہ قابلِ اعتراض مواد شائع کرنے پر اور ایک مرتبہ امپرنٹ درست نہ ہونے پر - اسی طرح تین مرتبہ دو ہزار روپے کی سکیورٹی طلب کی گئی -

پہلی مرتبہ "صوفی" کو اگست ۱۹۱۴ء میں بلیک لسٹ کیا گیا اور پریس ایکٹ سیکشن ۳ (ا) کے تحت دو ہزار روپے سکیورٹی طلب کی گئی [(۱۰۹)] - بلیک لسٹ قرار دینے کی وجہ یہ تھی کہ "صوفی" میں مولوی محمد سعید الحق لکھنوی کا ایک مضمون "صوفی کی ضرورت" کے عنوان سے چھپا جس میں صاحب مضمون نے عوام کی مذہبی تعلیم سے پہلوتہی برتنے پر حکومت کی خبر لی تھی اور اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا تھا - ڈی - آئی - جی نے اپنی خفیہ کارروائی میں "Religious education in India" کے عنوان سے اس تحریر کی طرف توجہ دلائی [(۱۱۰)] - جس پر "صوفی" کو بلیک لسٹ کر دیا گیا - وہ اقتباس جو "صوفی" کے خلاف اس کارروائی کی بنیاد بنا، یہ تھا کہ "برٹش گورنمنٹ کی یہ نہایت ہی خطرناک غلطی ہے کہ ہندوستانی قوم کو مختلف المذہب دیکھ کر اس نے مذہب کی طرف سے بے پرواہی اختیار کر لی ہے - اس ضرورت کے پورا کرنے کے بدلے (کذا) شاید اسے تھوڑا روپیہ زیادہ صرف کرنا پڑے گا - مگر وہ رقم بہ مقابل اُن خطروں کے نہایت ہی کم اور حقیر ہے - جن کا اس تعلیم کی کمی کی صورت میں اندیشہ ہے - افسوس گورنمنٹ اس بات کا اندازہ نہیں کرتی - کہ اس بے پروائی کے نتیجے میں اپنی قلمرو کے اندر وہ ایک ایسی جماعت کو تیار کر رہی ہے جو ملک وقوم کے لئے اپنے خاندان کے لئے اور خود اپنے لئے اور آخر میں خود سلطنت کے لئے نہایت ہی اندیشہ ناک ثابت ہوگی [(۱۱۱)] - "اس اقتباس کے باعث "صوفی" تقریباً اڑھائی سال تک بلیک لسٹ رہنے کے بعد جنوری ۱۹۱۷ء میں بحال کیا گیا - جس کی وجہ سرکاری ریکارڈ میں "صوفی" کے رویے کی بہتری قرار دیا گیا ہے [(۱۱۲)] - اور یہ شاید رویے کی بہتری کے ہی آثار تھے کہ "صوفی" میں "ھندوستان کا قرضۂ جنگ" جیسے اشتہارات شائع ہونے لگے -

دوسری مرتبہ "صوفی" مئی ۱۹۱۹ء میں بلیک لسٹ ہوا اور پریس ایکٹ سیکشن ۳ (۲) کا اطلاق کرتے ہوئے دو ہزار روپے بطور سیکورٹی وصول کئے گئے اس مرتبہ بلیک لسٹ کئے جانے کی وجہ مسلمانوں کے جذبات کو ابھارنے والے دو مضامین کی اشاعت قرار دی گئی [۱۱۳] - ریکارڈ میں اس بات کا کہیں حوالہ نہیں ملتا کہ اس مرتبہ یہ کیفیت کب تک برقرار رہی - مجلّہ "صوفی" مئی ۱۹۱۹ء کا شمارہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دو مضامین جن پر مسلمانوں کے جذبات کو ابھارنے کا الزام عائد کیا گیا وہ "غدر کی سیدانی - ذکیہ بیانی" از خواجہ حسن نظامی [۱۱۴] اور "حذر الموت" از مولوی محمد ظفر [۱۱۵] تھے - پہلے مضمون میں جنگ آزادی کے حوالے سے انگریزوں کے مخصوص کردار کا ذکر آنا ضروری تھا اور دوسرے مضمون میں اسلامی حوالوں سے موت سے نہ ڈرنے اور آمادۂ جہاد ہونے کی تعلیم دی گئی تھی -

ماہنامہ "صوفی" کو بلیک لسٹ قرار دیئے جانے سے قبل وارننگ ملنے کا آغاز ہو چکا تھا - سب سے پہلی وارننگ "صوفی" کو جنوری ۱۹۱۴ء میں ملی - جس کی وجہ "صوفی" میں چھپنے والا قابل اعتراض عیسائیت خلاف اور یورپ مخالف مواد بیان کیا گیا ہے ، جسے مذہبی اور نسلی دشمنی کو پروان چڑھانے والا تصور کیا گیا [۱۱۶] - "صوفی" کو دوسری وارننگ قابل اعتراض مواد کی بنا پر ۱۹۱۸ء میں ملی [۱۱۷] - "صوفی" کے اکتوبر ۱۹۱۸ء کے شمارے میں خلیق دہلوی کی ایک نظم "صدائے پُر درد [۱۱۸] " کے عنوان سے شائع ہوئی ، جس میں "انڈین ڈیلی نیوز" کا محاسبہ کیا گیا اور روضۂ رسولؐ کے بارے میں ناپاک الفاظ استعمال کرنے پر حکومت کو تنبیہ کی گئی تھی کہ اگر حکومت نے اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہ کی تو بالآخر یہ زخم ایک رستا ہوا ناسور ثابت ہوگا جسے پھر حکومت کبھی مندمل نہ کر پائے گی - سپرنٹنڈنٹ ، پریس برانچ ، کریمینل انویسٹی گیشن ڈیپارٹمینٹ پنجاب نے اپنی خفیہ کارروائی میں اس طرف توجہ دلائی [۱۱۹] - جس پر "صوفی" کے خلاف وارننگ کے احکامات جاری کئے گئے - تیسری وارننگ "صوفی" کو مئی ۱۹۱۹ء میں بلیک لسٹ کرنے کے ساتھ ہی جاری کی گئی اور وجہ مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنے والی تحریریں شائع ہونا بیان کی گئی [۱۲۰] - "صوفی" کو چوتھی وارننگ اگست ۱۹۲۱ء کو دی گئی اور دو ہزار روپیہ سکیورٹی پریس ایکٹ سیکشن ۳ (۲) کے تحت طلب کی گئی [۱۲۱] - اس کی وجہ حافظ محمد یعقوب اوچ گیاوی کی نظم بنی ، جو "فریادِ مسلم [۱۲۲] " کے عنوان سے "صوفی" میں شائع ہوئی تھی - جس کو قابل اعتراض قرار دیتے ہوئے "صوفی" کے خلاف کاروائی عمل میں لائی گئی - اس نظم میں شاعر نے مسلمانوں کو موجودہ حالت کی ابتری کا احساس دلاتے ہوئے غیروں کے پُرغرور دعووں کا بھی ذکر کیا تھا - نظم کا کچھ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

خواب غفلت میں پڑے ہم سحر و شام رہے — دور ساغر رہا مست مئے گلفام رہے

طعنِ غیرونکے سنے موردِ الزام رہے — حیف صد حیف کہ ہر کام میں ناکام رہے

قوم مردہ کا لقب دیتے ہیں اغیار ہمیں

لیجئے جلد خبر ، کیجیے بیدار ہمیں

آج ہے غیرونکو دعویٰ کہ جہاندار ہیں ہم — عزت و جاہ و شرافت کے سزاوار ہیں ہم

دانش و علم و فراست کے علمدار ہیں ہم　　خواب غفلت میں زمانہ ہے تو بیدار ہیں ہم

سونے والے سبھی جاگنے والے ہم ہیں

ہیں الگ سب سے زمانے سے نرالے ہم ہیں

ناز ہے ان کو کہ تہذیب کے پتلے ہم ہیں　　پیچھے سب ہم سے ہیں منزل میں تو آگے ہم ہیں

عدل و انصاف و مساوات میں اچھے ہم ہیں　　جانتے سب ہیں خدائی میں کہ جیسے ہم ہیں

دور اسلام کے آثار کہن بھول گئے

ٹھوکریں کھانے کا وہ چال چلن بھول گئے

قرطبہ، قاہرہ، بغداد کے وہ دارِعلوم　　جس کے پھیلے ہوئے ہر سمت تھے انوار علوم

فیض پاتے رہے عالم کے طالبگارِ علوم　　گرم ہر مذہب و ملت سے تھا بازارِ علوم

ہائے وہ نیر اقبال تھا تاباں کس کا

ذرہ ذرہ صفت مہ تھا درخشاں کس کا

میں وہی ہوں کہ زمانے میں تھی سطوت میری　　میں وہی ہوں کہ دلوں پر تھی حکومت میری

میں وہی ہوں کہ زباں زد تھی فصاحت میری　　آج باقی نہیں وہ شان سیاست میری

اب نہ وہ خلق و مروت نہ مدارات کا نام

نہ محبت نہ اخوت نہ مساوات کا نام

پانچویں وارننگ ۱۸۶۷ء کے ایکٹ XXV سیکشن ۳ کے تحت "صوفی" کو ۱۹۲۳ء میں جاری کی گئی [۱۲۳] - یہ وارننگ کنور رگبیر سنگھ [۱۲۴] ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گجرات نے ناقص امپرنٹ کی بنا پر "صوفی" کو جاری کی [۱۲۵] - "صوفی" کو چھٹی اور آخری وارننگ قابل اعتراض مواد کی بنا پر ۱۹۳۰ء [۱۲۶] میں جاری ہوئی - "صوفی" پر بغاوت انگیز مواد کی اشاعت کا الزام لگا کر جولائی ۱۹۳۰ء [۱۲۷] میں وارننگ دی گئی -

صحافت کو مانیٹر کرنے والے حکومتی اداروں نے متذکرہ بالا مواد کے علاوہ ماہنامہ "صوفی" کی دیگر اشاعتوں مثلاً جولائی ۱۹۱۹ء، اگست ۱۹۱۹ء، اکتوبر ۱۹۲۱ء، نومبر ۱۹۱۷ء اور اگست ۱۹۲۴ء وغیرہ سے بھی بہت سے قابلِ اعتراض مواد کو اپنی کارروائیوں میں قابلِ توجہ سمجھا، لیکن بوجوہ اس مواد کو نظر انداز کر دیا

گیا اور اسے کسی تادیبی کارروائی کی بنیاد نہیں بنایا گیا- " صوفی" کے خلاف حکومت کی تادیبی کارروائیوں کی داستان جنوری ۱۹۱۴ء سے شروع ہو کر جولائی ۱۹۳۰ء کو اختتام پذیر ہو جاتی ہے-غور کیا جائے تو یہی وہ دورانیہ ہے کہ جب " صوفی" نے کامیابی کے جھنڈے گاڑھے، مدیر "صوفی" کو" قلم الفقراء" کا خطاب دیا گیا اور ریاست حیدرآباد نے خدمات کے صلے میں مدیر "صوفی" کا ماہانہ وظیفہ مقرر کیا اور خود مجلّہ "صوفی" نے اپنی اشاعت کے عروج کو چھوا-

مجلّہ "صوفی" نے عام شماروں کے علاوہ انیس خاص شمارے پیش کئے-جن میں پانچ رسول نمبر، گیارہ عرس نمبر، ایک عید نمبر، ایک ماتمی نمبر اور ایک سلور جوبلی نمبر شامل ہیں، جنہیں "صوفی" کے شاندار ماضی کی دلیل سمجھنا چاہئے-ان نمبروں کی تفصیل یہ ہے:

رسول نمبر: دسمبر ۱۹۱۸ء، نومبر ۱۹۱۹ء، نومبر ۱۹۲۰ء، نومبر ۱۹۲۱ء، اگست وستمبر ۱۹۲۸ء

عرس نمبر: جون ۱۹۱۰ء، مئی ۱۹۱۲ء، اپریل ۱۹۱۵ء، اپریل ۱۹۱۶ء، فروری مارچ ۱۹۱۷ء، مارچ ۱۹۱۸ء، فروری ۱۹۱۹ء، فروری ۱۹۲۰ء، جنوری فروری ۱۹۲۱ء، جنوری ۱۹۲۲ء، نومبر ۱۹۲۸ء

عید نمبر: اپریل ومئی ۱۹۲۸ء

ماتمی نمبر: جنوری ۱۹۳۰ء

جوبلی نمبر: اپریل ۱۹۳۵ء

ماہنامہ " صوفی" کو اپنی اشاعت کے طویل دور میں برصغیر کے نامور شعراء، مصنفین ومحققین کی معاونت حاصل رہی- جو اس کے سنجیدہ معیاری علمی مجلّہ ہونے کا ثبوت ہے-" صوفی" کے قلمی معاونین کی فہرست اگر مرتب کی جائے تو بہت طویل ہو جاتی ہے- اس لئے چیدہ چیدہ نام پیش خدمت ہیں- اکبرالہ آبادی، الطاف حسین حالؔی، دلّو رام کوثرؔی، نیازؔ فتحپوری، سید سلیمان ندوی، خلیقؔ دہلوی، غلام قادر گرامؔی، سیمابؔ اکبرآبادی، عبدالحلیم شررؔ، نوحؔ ناروی، قاضی حمیدالدین احمد، وجاہت جھنجھانوی، اخترؔ جوناگڑھی، ناصر نذیر فراقؔ دہلوی، خواجہ حسن نظامی، علامہ اقبالؔ، محسنؔ لاہوری، اصغر علی روحؔی، میر ولی اللہ، مولانا ظفر علی خاں، خواجہ عبدالحی فاروقی، اصغر حسین خاں نظیرؔ لودیانوی، ظہور احمد وحشؔی، مرزا سلطان احمد، نظام الملک آصف جاہ میر عثمانؔ علی خاں، جوشؔ ملیح آبادی، حکیم احمد شجاع، مولانا حسرتؔ موہانی، شاکر صدیقی، محمد اکبر منیرؔ، ماہرؔ القادری، مرتضی احمد خاں میکش، افضل جعفری، پیرزادہ احمد شاہ ندیم علوی قاسمی اعوان (احمد ندیمؔ قاسمی)، سید جماعت علی شاہ، مرزا عزیز فیضانی داراپوری، شوقؔ قدوائی، صاحبزادہ فضل شاہ، مقبول احمد نظامی سیوہاروی، منشی محمد الدین فوقؔ، مولانا عبدالسلام ندوی، نادرؔ کاکوروی، ضیاء الدین احمد برنی، طالبؔ بنارسی، عزیز الرحمن بلگرامی، سفیرؔ کاکوروی، منشی تلوک چند محرومؔ، حکیم احمد حسن سیوہاری، مولانا ابو الکلام آزاد، مولوی محمد سعید الحق لکھنوی، نواب سربلند جنگ حاجی حمید اللہ خاں، ڈاکٹر نکلسن، اسلم جیراجپوری، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، محمد بخش مسلم، تمکین کاظمی، منظور حسین منظور، سید طفیل احمد، عبدالرزاق حیدرآبادی، جلال الدین اکبر، اختر شیرانی، شیخ سر عبدالقادر، مولانا اشرف علی تھانوی، غلام احمد پرویز، ملک نصراللہ خاں عزیز، حسن علی جامعی، علامہ ابوالارشاد مشہدی، حکیم نیر واسطی، یوسف سلیم چشتی، کیفی چڑیاکوٹی، علم الدین سالک، مولانا عبدالمجید سالک، سید عابد علی

عابد، سید نذیر نیازی، محمد الدین تاثیر، نذر سجاد حیدر، حجاب امتیاز علی، عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی وغیرہ۔ جس مجلّے کو خوش قسمتی سے ایسے مصنفین کا تعاون حاصل ہو، اس کی کامیابی مسلّم ہوتی ہے۔ وہ بام عروج حاصل کئے بغیر نہیں رہتا۔ یقیناً "صوفی" نے ان قلمی معاونین کی مدد سے وہ منزلیں سر کیں، جن کی توقع اس سے کی جاسکتی تھی۔
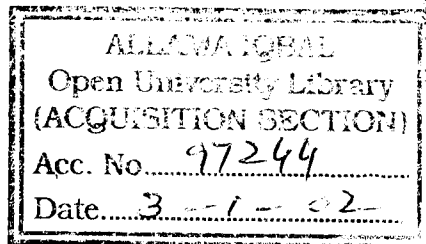
حوالہ جات وحواشی

(باب اول)

۱۔ صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات، جلد ا، شمارہ ا، جنوری ۱۹۰۹ء، سرورق

۲۔ H.St . B. Philby(Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1911,Lahore, SGPP,1912, Serial No. 218, Column No.11, P. 67

۳۔ صوفی، ماہنامہ، دسمبر ۱۹۳۴ء، سرورق

۴۔ صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، مجلس ترقی ادب، "علامہ اقبال کی تصنیف۔ایک قطعہ تاریخ" از ڈاکٹر عبدالغنی، مارچ اپریل ۱۹۷۷ء، ص ۲۷

۵۔ ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، اقبال اور گجرات، گجرات، سلیچ پبلی کیشنز، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۲۵۸

۶۔ صوفی، ماہنامہ، جولائی ۱۹۰۹ء، سرورق

۷۔ ایضاً، "ناظرین والاتمکین" (اطلاع)، دسمبر ۱۹۰۹ء، ص ۲۴

۸۔ ایضاً، "عرض حال۔شکریہ" (اطلاع)، جنوری ۱۹۱۰ء، ص ۲

۹۔ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، لاہور، رفاہ عام سٹیم پریس، اکتوبر ۱۹۱۲ء، ص ۶۳

۱۰۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو (جلد چہارم)، دہلی، صابری اکیڈمی، ۱۹۷۴ء، ص ۴۴۷

۱۱۔ اختر راہی، تذکرہ علمائے پنجاب (جلد دوم)، لاہور، مکتبۂ رحمانیہ، ۱۹۸۱ء ص ۶۳۲

۱۲۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری، کتابیات پاکستان کے اخبارات ورسائل ۱۹۴۷ء تک، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، ص ۱۶۲

۱۳۔ ملک محمد اشرف نبیرۂ مدیر "صوفی"، حالات زندگی مدیر "صوفی" (قلمی)، غیر مطبوعہ، ص ۲

۱۴۔ ڈاکٹر محمد اجمل خان نیازی، فوق الکشمیر، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص ۲۰۴

۱۵۔ اسحاق آشفتہ، لیاقت علی شفقت (مرتبین)، گجرات کی بات، لالہ موسیٰ، اسحاق آشفتہ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۹۸

۱۶۔ فاران پبلی کیشنز (مرتب)، اسد معاشرتی علوم۔ضلع منڈی بہاؤالدین (تیسری جماعت کے لئے)، لاہور، فاران پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص ۶۳

۱۷۔ صوفی، ماہنامہ، "رسالہ صوفی ماہوار" (وضاحت)، جنوری ۱۹۰۹ء، ص ۱۰

۱۸ ـ صوفی نور عالم (مولف)، ملفوظات حیدری، ڈاکٹر عبدالغنی (مترجم)، لاہور، القمر بک کارپوریشن، ۱۴۰۴ھ، ص ۳۹۱

۱۹ ـ ماہ جون درست نہیں فوق سے سہواً درج ہو گیا ہے۔ پیر سید غلام حیدر شاہ ماہ جولائی کی ۶ تاریخ کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

۲۰ ـ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۳

۲۱ ـ ڈاکٹر محمد عبدالغنی (مولف)، امیر حزب اللہ، جلالپور شریف، ادارۂ حزب اللہ، ۱۳۸۴ھ، ص ۲۴۲

۲۲ ـ صوفی، ماہنامہ، "واقعات عالم" (خبر)، جنوری ۱۹۰۹ء، ص ۸

۲۳ ـ ایضاً، "ذکر حبیب" (اعلان)، جولائی ۱۹۰۹ء، ص (۳۴)

۲۴ ـ ایضاً، "ذکر حبیب" از (مدیر صوفی)، اگست ۱۹۰۹ء، ص ۳۴

۲۵ ـ امداد صابری نے مقام اشاعت "پنڈ بہاؤ الدین" لکھا ہے۔ اختر راہی، ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری اور بشیر احمد ڈار (انوار اقبال طبع اول ص ۶۶، ۲۴۷) نے منڈی بہاؤ الدین تحریر کیا ہے جو تاریخی حوالے سے درست نہیں۔

۲۶ ـ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۳

۲۷ ـ مکتوب، بنام ڈاکٹر عبدالغنی، مرقومہ ملک محمد الدین اعوان مدیر "صوفی"، غیر مطبوعہ، ۲۱ مارچ ۱۹۶۲ء

۲۸ ـ صوفی، ماہنامہ "لاہور میں صوفی کمپنی" (خبر)، اگست ۱۹۲۷ء، ص ۲۷

۲۹ ـ ایک دوسرے مقام پر "صوفی" نے اس عمارت کو چھ منزلہ بیان کیا ہے جبکہ روزنامہ "سیاست" نے سہ منزلہ عمارت لکھا ہے۔

۳۰ ـ صوفی، ماہنامہ، "ہم نے" (اطلاع)، ستمبر ۱۹۲۷ء، ص ۲

۳۱ ـ ایضاً، "آتش زدگی" از سلطان علی مینیجر صوفی کمپنی، دسمبر ۱۹۲۸ء ص ۲۱

۳۲ ـ سیاست، روزنامہ، لاہور، ۱۶ر نومبر ۱۹۲۸ء، ص ۸

۳۳ ـ یعنی ہمارے رسوم و عادات میں کسی سے کینہ رکھنا کفر کے مترادف ہے۔ ہمارا دستور تو یہ ہے کہ سینہ آئینے کی طرح شفاف ہو۔

۳۴ ـ صوفی، ماہنامہ، جنوری ۱۹۰۹ء، ص ۱۰

۳۵ ـ (i) ایضاً، "صوفی کلب" (آراء)، فروری ۱۹۰۹ء، ص ۱۱

(ii) مصرعہ اولیٰ میں "آزادہ رو" کے بجائے 'آزاد رو' اور "میرا" کے بجائے 'مرا' ہونا چاہئے ورنہ شعر وزن میں نہیں رہتا۔ راقمہ کا خیال ہے کہ کتابت اور پروف خوانی میں بے احتیاطی کے باعث شعر بے وزن ہو گیا۔

۳۶ ـ صوفی، ماہنامہ، "صوفی کلب" (آراء)، فروری ۱۹۰۹ء، ص ۱۱

۳۷؎ ایضاً

۳۸؎ H.St.B. Philby(Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1911, Serial No 218, Column No. 13, p.67

۳۹؎ صوفی، ماہنامہ، "شذرات" از (ادارۂ صوفی)، مارچ ۱۹۱۳ء، ص ۳۱-۳۰

۴۰؎ ایضاً، "شذرات" از خوشہ چین خرمن تصوف، ستمبر ۱۹۱۳ء، ص ۳۴

۴۱؎ ایضاً، "شذرات" از شیخ نورالدین، اکتوبر ۱۹۱۳ء، ص ۱۷

۴۲؎ H.St.B.philby(Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1914, Lahore , SGPP, 1915, Serial No.231, ColumNo.13,p.61

۴۳؎ صوفی، ماہنامہ، (نوٹ برائے معذرت- بلاعنوان)، مئی ۱۹۱۹ء، ص ۲۷

۴۴؎ ایضاً، "واقعات واشارات" از ضیاء الملک ملا رموزی، جون ۱۹۳۳ء، ص ۷

۴۵؎ ایضاً، " کنایات" از علامہ ابوالارشاد مشہدی، مارچ ۱۹۳۵ء، ص ۱۰

۴۶؎ ایضاً، "شذرات" از (ادارۂ صوفی)، ستمبر ۱۹۲۱ء، ص ۳۴ تا ۳۶

۴۷؎ ایضاً، "شذرات" از نائب مدیر، اگست ۱۹۲۴ء، ص ۵ تا ۷

۴۸؎ ایضاً، "اشارات وواقعات" از ضیاء الملک ملا رموزی، نومبر ۱۹۳۲ء، ص ۶

۴۹؎ ایضاً، " کنایات" از نائب مدیر، مارچ ۱۹۳۶ء، ص ۳۵

۵۰؎ ایضاً، واقعات واشارات" از ضیاء الملک ملا رموزی، فروری ۱۹۳۷ء، ص ۶

۵۱؎ ایضاً، "محمد علی جناح" (بچوں کا صفحہ)، اکتوبر ۱۹۳۷ء، ص ۳۴

۵۲؎ ایضاً، " مسلم لیگ وزارت کا سب سے پہلا کام کیا ہونا چاہئے-" از (ادارہ صوفی)، " ملک کی سب سے بڑی ضرورت" از نامہ نگار، اپریل ومئی ۱۹۴۷ء، ص ۱۸، ۲۷

۵۳؎ پیسہ اخبار، روزنامہ، لاہور، ۲۷ر فروری ۱۹۰۹ء، ص ۴

۵۴؎ صوفی، ماہنامہ، "صوفی کلب" (آراء واعلانات وغیرہ)، فروری ۱۹۰۹ء، ص ۱۱

۵۵؎ ایضاً، جولائی ۱۹۰۹ء، سرورق

۵۶ـ ایضاً، "صوفی کلب" (آراء، اعلانات، اطلاعات وغیرہ)، ص ۱۰

۵۷ـ ایضاً، "صوفی کے لئے ایک ہزار نئے خریداروں کی ضرورت" از مینیجر صوفی، دسمبر ۱۹۰۹ء، ص ۲

۵۸ـ ایضاً، "تمام پیر بھائیوں کی خدمت میں ضروری التماس" از محمد الدین، جنوری ۱۹۱۰ء، ص ۱۷

۵۹ـ ایضاً، "فرمان واجب الاذعان" (روحانی تلقین)، جون ۱۹۱۱ء، ص ۳۹

۶۰ـ H. St. B. Philby (Editor) , Statement of Newspapers and Preodicals Published in the Punjab during the year 1911, Serial No. 218, Column No. 8 , P.66

۶۱ـ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۳

۶۲ـ J. Misich (Editor) , Selections from the Indian Newspapers Published in the Punjab Examined up to the 21st June 1913, Simla , Punjab Govt. (Branch) Press, 1913, Serial No. 92, P. 537

۶۳ـ صوفی، ماہنامہ، "ایک لاکھ روپیہ نقد انعام" (اشتہار)، اگست ۱۹۱۳ء، ص ۶۴

۶۴ـ ایضاً، "نوٹ نہایت ضروری" (وضاحت)، اپریل ۱۹۱۳ء، ص ۲۱

۶۵ـ ایضاً، "اخبار اہل سنت والجماعت" (وضاحت)، دسمبر ۱۹۱۸ء، ص ۴۰

۶۶ـ ایضاً، (پرنٹ لائن)، اپریل ۱۹۱۲ء، سرورق

۶۷ـ انٹرویو، محمد اکرام بھٹی (ریٹائرڈ ڈپٹی ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز، سابق استاد ایم - بی ہائی اسکول منڈی بہاؤالدین)، بمقام منڈی بہاؤالدین، ۲۹ر دسمبر ۱۹۹۶ء

۶۸ـ صوفی، ماہنامہ، "تازہ خبر" (خبر)، اکتوبر ۱۹۱۸ء، ص ۳۱

۶۹ـ ایضاً، "صوفی کے ایجنٹ" (اطلاع)، فروری ۱۹۱۶ء، ص ۳۸

۷۰ـ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۳

۷۱ـ ڈاکٹر محمد عبد الغنی (مولف)، امیر حزب اللہ، ص ۲۸، ۲۹

۷۲ـ H. St.J.B. Philby(Editor), Selections from the Indian Newspapers Published in the Punjab Examined up to the 19th Dec. 1914,Lahore , SGPP, 1914, Serial No.132, P.1080

۷۳ـ صوفی، ماہنامہ، "فہرست خطابات روحانی یادگار بابتہ ۱۳۳۳ھ" از خواجہ حسن نظامی، مارچ ۱۹۱۵ء، ص ۱۹

۷۴ـ A.V.Askwith (Editor), Selections from the Indian Newspapers Published in the Punjab Examined up to the 1st Jan. 1916, Lahore, SGPP,1916, Serial No. 129, P.6

۷۵ـ انٹرویو، ملک امان اللہ (رشتہ دار مدیر "صوفی")، بمقام پنڈی بہاؤالدین، ۲۹ر دسمبر ۱۹۹۶ء

۷۶ـ Punjab Government (Editor), Gujrat District- 1934 (Gazetteer) Part B.Lahore, Government Printing Punjab , 1935, P. xev

۷۷ـ صوفی، ماہنامہ، "صوفی آب حیات پوسٹ آفس" (مبارک باد)، اپریل ۱۹۱۶ء ص ۲

۷۸ـ Press Branch (Editor),Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch up to the 30th September 1918,Lahore,SGPP, 1918, Serial No. 1P13

۷۹ـ صوفی، ماہنامہ، "سب رسالوں کا ہے سرتاج ہمارا صوفی" از غلام نبی صابر، فروری مارچ ۱۹۱۷ء، عرس نمبر، ص ۵۴

۸۰ـ ایضاً، "ایڈیٹر صوفی کا نیا اعزاز" (اطلاع)، اگست ۱۹۱۸ء، ص ۳۰

۸۱ـ Press Branch (Editor), Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch up to the 31st December 1920, Lahore, SGPP, 1921, Serial No. 105, P.3

۸۲ـ جبکہ "صوفی" نے مارچ ۱۹۲۰ء کے شمارے کے سرورق پر آٹھ ہزار (۸۰۰۰) کا دعویٰ کیا ہے۔

۸۳ـ Press Branch (Editor), Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch Corrected up to the 31st Dec. 1921, Lahore, SGPP, 1921, Sereal No. 100, p.3

۸۴ـ صوفی، ماہنامہ، "تازہ خبر" از محمد الدین ایڈیٹر صوفی، دسمبر ۱۹۲۲ء، ص ۲

۸۵ـ ایضاً، "شذرات واشارات" از ضیاء الملک ملا رموزی، جنوری ۱۹۳۲ء، ص ۹

۸۶ـ ملک حسن علی جامعی شرقپوری (مولف)، تعلیمات مجددیہ، حافظ مسعود عالم (تصویب وتبویب جدید)، شرقپور، ادارۂ اشاعت التوحید والسنۃ، طبع دوم، ۱۹۹۵ء، ص ۴۴، ۵۵

۸۷ـ Press Branch (Editor), Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch Corrected up to the 31st December 1925, Lahore , SGPP, 1926, Serial No.167, P.11

۸۸ـ صوفی، ماہنامہ، "عالمگیر شہرت" فروری ۱۹۲۵ء، ص ۱۷

۸۹ ۔ ایضاً، "آپ صوفی مفت کس طرح پڑھ سکتے ہیں" (اشتہار)، ص ۳

۹۰ ۔ ایضاً، نومبر ۱۹۲۷ء، سرورق

۹۱ ۔ ایضاً، "مترجموں کی ضرورت" از ملک محمد اسلم خاں، اپریل و مئی ۱۹۲۸ء، عید نمبر، ص ۲۲

۹۲ ۔ ایضاً، "ادبی نمبر" (اشتہار)، جون ۱۹۲۸ء، ص ۳۳

۹۳ ۔ ایضاً، "شذرات" از (ملک محمد اسلم خاں)، اپریل و مئی ۱۹۲۸ء عید نمبر، ص ۸۸، ۸۹

۹۴ ۔ سید محمد فضل شاہ، حزب اللہ، لاہور، رفیق عام پریس، ۱۳۴۷ھ، ص ۱۱۸

۹۵ ۔ صوفی، ماہنامہ، "رسالہ صوفی کی موجودہ روش میں تبدیلی ناگزیر ہے" از محمد الدین ایڈیٹر صوفی، اکتوبر ۱۹۲۸ء، ص ۱۷

۹۶ ۔ Press Branch (Editor), Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch Corrected up to the 31st August 1931, Lahore, SGPP, 1931,Serial No. 428, P.26

۹۷ ۔ Muhammad Hussain (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1932, Lahore, SGPP, 1933, Serial No. 540, Column No. 9, P.211

۹۸ ۔ Press Branch (Editor), Newspapers and Perodicals on the Examination List of the Press Branch Corrected up to the 31st December 1932, Lahore, SGPP, 1933, Serial No. 410, P. 27

۹۹ ۔ Press Branch (Editor), Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch Corrected up to the 31st December 1935, Lahore, SGPP, 1936, Serial No. 598, P.41

۱۰۰ ۔ Muhammad Hussain (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1938, Lahore, SGPP, 1939, Serial No. 722, Column No.8, P. 123

۱۰۱ ۔ S. Nur Ahmad (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1950, Lahore, SGPP, 1951,Serial No. 337, Column No.13, P. 45

۱۰۲ ۔ Muhammad Hussain (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1940, Lahore, SGPP , 1941, Serial No. 789, Column No. 13, P.263

۱۰۳ ۔ Muhammad Hussain (Editor),Statement of the Newspapers and Periodicals Published in the

Punjab during the year 1936, Lahore, SGPP, 1937, Serial No. 725, Column No. 11, P. 261

۱۰۴ ـ Muhammad Hussain(Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1940, Serial No.790,Column No. 11, P.263

۱۰۵ ـ ایضاً، سیریل نمبر ۷۸۹

۱۰۶ ـ ایضاً، کالم نمبر ۸، ص ۲۶۲

۱۰۷ ـ S. Nur Ahmad (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1950, Serial No. 337, Column No. 13, P. 45

۱۰۸ ـ ایضاً، کالم نمبر ۸، ص ۴۴

۱۰۹ ـ HE.C.Beaver(Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1917, Lahore, SGPP, 1918, Serial No. 341, Column No. 13, P.59

۱۱۰ ـ H.St.J.B.Philby (Editor), Selections from the Indian Newspapers Published in the Punjab Examined up to the 5th September 1914,Shimla, Punjab Gove rnment Branch Press, 1914, P.480

۱۱۱ ـ صوفی، ماہنامہ، "صوفی کی ضرورت" از مولوی محمد سعید الحق صاحب لکھنوی، اگست ۱۹۱۴ء، ص ۶

۱۱۲ ـ HE.C. Beaver (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1917, Serial No.341, Column No. 13 , P.59

۱۱۳ ـ Abdul Aziz(Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1920, Lahore , SGPP, 1921, Serial No. 243 , Column No. 13 , P. 55

۱۱۴ ـ صوفی، ماہنامہ، "غدر کی سیدانی - ذکیہ بیانی" از خواجہ حسن نظامی، مئی ۱۹۱۹ء، ص ۴-۱۴

۱۱۵ ـ ایضاً، "حذر الموت" از مولوی محمد ظفر، ص ۱۵-۱۷

۱۱۶ ـ HE.C.Beaver(Editor), Statement of Newspapers and Periodidals Published in the Punjab during the year 1917, Serial No. 341, Column No.13 , p. 59

۱۱۷ے Abdul Aziz (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1924, Lahore, SGPP, 1925, Serial No. 361, Column No. 13, P. 69

۱۱۸ے صوفی، ماہنامہ، "صدائے پردرد" از خلیق دہلوی، اکتوبر ۱۹۱۸ء، ص ۱۲

۱۱۹ے Mukh Dial (Editor), Selections from Newspapers Published in the Punjab Dated 7th November 1918, Lahore, SGPP, 1918, P. 557

۱۲۰ے Abdul Aziz (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1920, Serial No. 243, Column No. 13, P. 55

۱۲۱ے Abdul Aziz (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1921, Lahore , SGPP, 1922, Serial No. 236, Column No.13, P.53

۱۲۲ے صوفی، ماہنامہ، اگست ۱۹۲۱ء، ص ۹، ۱۰

۱۲۳ے Abdul Aziz (Editor), Statement of the Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1926, Lahore, SGPP, 1927, Serial No. 419. Column No. 13, P.117

۱۲۴ے Punjab Government (Editor), Gujrat District - 1934 (Gazetteer)Part B, P.ci

۱۲۵ے Muhammad Hussain (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1940 , Serial No. 789, Column No. 13, P. 263

۱۲۶ے Muhammad Hussain (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the punjab during the year 1933, Lahore, SGPP1934, Serial No. 593, Column No. 13, P. 229

۱۲۷ے Punjab Government (Editor),Report on the Indian- owned Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1930 and on the working of Acts xxv of 1867, xiv of 1922 and xxxvi of 1926 during the Same Period, Lahore, SGPP, 1930, P.V (Appendix D)

باب دوم:

مدیر "صوفی" ملک محمد الدین اعوان
ـــــــــــــــــــــ شخصی آئینے میں

آپ کا حقیقی نام "محمد دین[1] " تھا جبکہ ملک محمد دین اعوان[2] کے نام سے مشہور و مقبول ہوئے - ارتجالاً شعر بھی کہتے تھے - ابتداً تخلص "موجؔ[3] " تھا تاہم اسے ترک کر کے تخلص "صوفی[4] " اپنا لیا - آپ ۹ / اگست ۱۸۸۱ء[5] کو تحصیل گجرات کے ایک موضع "مہوٹہ کلاں[6] " میں پیدا ہوئے تھے - ضلع گجرات میں دریائے چناب کے کنارے کل ۵۷ قدیم بستیوں کا ذکر ملتا ہے جن میں سے "مہوٹہ کلاں" بھی ایک ہے[7] - آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق اسی علاقے سے تھا - آپ گولڑہ[8] اعوان تھے[9] - آپ کا خاندان نامور اور اثر و رسوخ کا حامل تھا - آپ کے پردادا غلام رسول اور دادا اللہ بخش سکھوں کے عہد میں مختلف انتظامی مناصب پر فائز رہے - آپ کے والد ماجد حکیم سلطان علی زمینداری کے آبائی پیشے سے وابستہ تھے اور اپنے علاقے میں بڑے کامیاب اور نامور طبیب کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے تھے[10] - آپ دو بھائی اور ایک بہن تھے - بھائی کا نام غلام احمد اور بہن کا نام بیگم بی بی تھا - لیکن جب آپ نے ہوش سنبھالا تو خود کو بے یار و مددگار پایا - والدین بچپن میں ہی داغ مفارقت دے چکے تھے - آپ بیان کرتے ہیں کہ "... میں نے جب آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو لاوارث و یتیم دیکھا اور جاہ و ثروت کی جگہ اپنے گرد و پیش افلاس و نکبت کو محیط پایا[11] " - "مہوٹہ کلاں" تین مرتبہ دریائے چناب کی طغیانیوں کا نشانہ بنا اور سب کچھ تہہ و بالا ہو گیا - رہائشی مکانات اور آبائی زرعی زمین سب کچھ دریا بُرد ہو گئے - بے سروساماں ہو کر آپ نے جلالپور جٹاں کے علاقے میں پناہ لی اور عارضی طور پر یہیں رہائش اختیار کر لی - یہاں آپ موضع "ونجل[12] " میں آباد ہوئے جو تھانہ جلالپور جٹاں کی حدود میں واقع تھا - ضلع گجرات کا نقشہ[13] دیکھنے سے موضع "جبہ ونجل" "مہوٹہ کلاں" جو دریائے چناب کے کنارے واقع ہے سے پیچھے کی طرف تین گاؤں کے فاصلے پر نظر آتا ہے -

ان دگرگوں حالات میں آپ نے دکھوں اور مصیبتوں کا مقابلہ بڑی پامردی سے کیا اور مستقل مزاجی سے کام لیتے ہوئے جلالپور اور چکوال کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کی - ابھی آٹھویں کلاس[14] میں پڑھتے تھے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور والی کابل عبدالرحمٰن خان کی سوانح حیات لکھی - زور قلم ایسا تھا کہ یہ دونوں کتابچے تین دن میں مکمل ہو گئے - ان کتابچوں کے حقوق "اخبار عام" کے مینیجر نے تیس روپے میں خرید لئے[15] - اس سے آپ کو عارضی طور پر کچھ آسودگی بھی نصیب ہوئی اور تصنیف و تالیف کے طبعی رجحان کو بھی اظہار کا موقع ملا اور تصنیفی کام کی حوصلہ افزائی یوں ہوگئی کہ "حیات امیر" نامی کتابچہ ایسا مقبول ہوا کہ دو سال میں اسے تین مرتبہ چھاپنا پڑا[16] - آپ نے حصول تعلیم کے سلسلے میں جو محنت شاقہ کی وہ یوں رنگ لائی کہ مڈل کا امتحان آپ نے نمایاں طور پر پاس کیا اور سرکاری وظیفہ کے حامل قرار پائے - وظیفہ ملنے سے آپ کی خوب حوصلہ افزائی ہوئی اور حصول تعلیم کا شوق مزید پروان چڑھا - چنانچہ آپ اپریل ۱۸۹۶ء[17] میں انجمن حمایت اسلام کے قائم کردہ اسلامیہ ہائی اسکول لاہور میں داخل ہو گئے - لاہور میں گزر اوقات کرنے میں دشواری محسوس ہوتی تھی - "پیسہ اخبار" کے مدیر منشی محبوب عالم کو آپ جیسے ہونہار طالب علم کے حالات سے آگاہی ہوئی تو ان کی سفارش پہ ڈاکٹر عبداللہ خاں ہاسپٹل اسسٹنٹ مستونگ (بلوچستان) نے آپ کو سامان تعلیم فراہم کرنے کے علاوہ چار روپے ماہوار[18] وظیفہ بھی عطا کرنا شروع کر دیا[19] - جو گزر اوقات کا بہانہ بنا اور آپ نے محنت اور لگن سے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو جاری رکھا - انجمن حمایت اسلام لاہور کا بارہواں سالانہ جلسہ جو ۲۹ تا ۳۱ جنوری ۱۸۹۷ء منعقد ہوا، اس میں آپ نے بھرپور شرکت کی اور ۳۰ / جنوری ۱۸۹۷ء بروز پیر، خان بہادر شیخ خدا بخش کی صدارت میں ہونے والے جلسہ میں نماز ظہر کے وقفہ کے بعد آپ نے موضوع کی

مناسبت سے مسلمانوں کو انجمن کے مقاصد سے آگاہ کرنے اور انجمن کی مالی اعانت پر آمادہ کرنے کی غرض سے اردو اور فارسی زبان میں نظم، قطعہ، رباعی اور مثلث کی صورت میں اپنے نمونہ جات نظم پیش کئے اور اس کے بعد حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے اعلیٰ تعلیم کی اہمیت پر زور دیا اور کہا کہ مسلمان بچوں کو انگریزی تعلیم کی ضرورت ہے مگر وہ ایسی ہو کہ جس میں مذہبی تعلیم کے عنصر کو مقدم رکھا گیا ہو- اس کے بعد آپ نے حاضرین جلسہ سے انجمن کے لئے چندے کی اپیل کی اور سب سے پہلے خود طالب علموں کی طرف سے ۱۸۹۷ء کی جنتری کی ایک سو اٹھائیس کاپیاں جن کی قیمت ایک پیسہ فی کاپی تھی اور جنہیں طالب علموں نے مل کر چھپوایا تھا اور پانچ روپے آٹھ آنے نقد جو آپ نے ذاتی کوشش سے اپنے معزز دوستوں سے جمع کئے تھے- انجمن کے منتظمین کے حوالے کئے اور کہا کہ اس کے علاوہ میں نے گجرات اور جلالپور میں انجمن کے لئے تحریک کی ہے امید ہے کہ آج کل میں وہاں سے بھی کچھ مدد حاصل ہو جائے گی- آپ نمازِ ظہر کے بعد سے، دو بجے سے کچھ پہلے تک اسٹیج پر موجود رہے [۲۰] - محمد الدین فوق زمانہ طالب علمی کی ان سرگرمیوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "... طالب علمی کے زمانہ ہی میں تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری کی طرف طبیعت نے رجوع کیا- طالب علمی ہی میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ پر ایک نظم پڑھی اور اس کی خوب تعریف ہوئی [۲۱] -" طالب علمی کے زمانے میں آپ نے اردو اور فارسی کے جن اشعار پر داد وصول کی ان میں سے کچھ اشعار نمونۂ ملاحظہ فرمائیے:

مسلمانو! سنو میں ذکر حال زار کرتا ہوں جو ہیں غفلت کے متوالے انہیں بیدار کرتا ہوں
یہ گہری نیند یہ غفلت تمہیں برباد کردے گی خدارا اب تو اٹھو میں تمہیں ہشیار کرتا ہوں [۲۲]

بتاؤ اے مسلمانو! کہ تم میں کیا رہا باقی وہ عزت اور وہ دولت کہاں وہ مرتبہ باقی
شجاعت اور جوانمردی کی سب صفتیں گئیں تم سے بس اب اک تم ہو یا اسلام کا کچھ نام سا باقی [۲۳]

خبردار از قہر رب کریم الا تا نگرید کہ عرش عظیم
بلرزد ہے چوں بگرید یتیم [۲۴]

آپ یتیم لیکن ہونہار اور ذہین تھے- انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں جس طرح آپ نے مسلمانوں کی تعلیم پر اظہار خیال کیا، ان کی کمزوریوں کا ہمدردانہ

جائزہ لیا، مذہب سے والہانہ شیفتگی کا اظہار کیا، مسلمانوں کو امداد باہمی کی اہمیت کا احساس دلایا، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی یتیمی نے آپ میں وہ احساس ذمہ داری پیدا کیا کہ جس کی بدولت آپ چھوٹی عمر میں ہی بالغ نظری کی صفت سے متصف ہوئے۔ آپ کی شخصیت کے وہ اوصاف جو بعد میں کھل کر سامنے آئے اس زمانے میں اظہار و تربیت پانے لگے تھے۔ چنانچہ ایک ذمہ دار باشعور طالب علم کی طرح آپ باقاعدگی سے اخبارات کا مطالعہ کرتے اور اچھی نصیحتوں اور تجویزوں کا اثر قبول کرتے اور خلوص نیت کے ساتھ انہیں معمولات زندگی کا حصہ بناتے۔ ۱۸۹۷ء میں ترکی اور یونان کی جنگ میں زخمی ہونے والے مسلمانوں کی امداد کے لئے جب ہندوستان کے کئی اخبارات نے چندہ اکٹھا کرنے کی مہم کا آغاز کیا تو زیادہ سے زیادہ چندہ اکٹھا کرنے کے لئے تجویزیں آنا شروع ہوگئیں۔ "پیسہ اخبار" میں ایک صاحب کی یہ تجویز بھی ان کی نگاہ سے گزری کہ ہم ایک وقت کا کھانا نہ کھائیں اور اس کی قیمت چندے میں دیں [(۲۵)]۔ تو یہ تجویز آپ کو پسند آئی اور پھر جب اس اخبار میں مدیر "پیسہ اخبار" کی طرف سے "ذکر المعظم" نامی کتاب جو مدیر "پیسہ اخبار" منشی محبوب عالم کی مولفہ تھی اور جس کا موضوع سلطان عبدالحمید خاں ثانی کی سوانح تھا کے بارے میں یہ اعلان شائع ہوا کہ اس کا سارا منافع امدادی چندے کی نذر کیا جائے گا [(۲۶)] تو مسلمان زخمیوں اور مظلوموں سے ہمدردی کے جذبے کے تحت آپ کے ذہن میں اس کتاب کو خریدنے کی دھن سوار ہوگئی۔ گو کہ اس کتاب کی قیمت ایک روپیہ تھی لیکن مستقل مزاجی نے عزم و ارادے کو متزلزل نہیں ہونے دیا۔ آپ اس وقت اسلامیہ ہائی اسکول لاہور میں نویں جماعت کے طالب علم تھے۔ آپ نے پانچ دن [(۲۷)] تک ایک وقت کھانا کھا کر پانچ کھانوں کی قیمت مدیر "پیسہ اخبار" کو چندے کے طور پر ارسال کی اور کتاب خریدنے کے امیدوار بنتے ہوئے ارادہ ظاہر کیا کہ کچھ دنوں تک اسی طرح ایک وقت فاقہ کر کے کتاب کی قیمت ایک روپیہ فراہم کریں گے۔ آپ نے مدیر "پیسہ اخبار" کو جو خط لکھا اسے انہوں نے "ایک قابل تقلید مثال" کے عنوان سے "پیسہ اخبار" میں شائع کیا۔ خط میں اپنا تعارف کرانے کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ "... میں نے ۵ یوم صرف ایک وقت کھانا کھا کر گزارہ کیا ہے اور دوسرے پانچ اوقات کے کھانوں کی قیمت ۸/ (آٹھ آنے) چندہ برائے امداد مظلومان کریٹ ارسال خدمت شریف ہے۔ امید ہے کہ آپ اس ناچیز رقم کو منظور فرما دیں گے۔ اگر اور لوگ بھی میری تقلید کر کے صرف ایک وقت کے کھانے کی قیمت ہی چندے میں دے دیں۔ تو شاید پنجاب سے ہی لاکھوں روپیہ جمع ہو جاوے۔ میں اور چند یوم اسی طرح ایک وقت کے کھانے پر گزارہ کر کے دوسرے وقت کے کھانوں کی قیمت سے مبلغ عدر (ایک روپیہ) بچا کر ذکر المعظم کی ایک جلد کی قیمت ارسال کر دوں گا۔ میرا نام بھی خریداران کتاب مذکور میں درج فرما دیں۔ السلام (آپ کا خادم محمد دین موج، طالب علم پنجم انٹرنس، اسلامیہ ہائی سکول، لاہور) [(۲۸)]" اس خط کو بنیاد بنا کر مدیر "پیسہ اخبار" نے ایک ایسا سوال ابھارا جس نے دیگر طالب علموں اور قارئین کو اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور کر دیا۔ مدیر "پیسہ اخبار" نے لکھا کہ "کیا سکولوں اور کالجوں کے دوسرے طالب علم اس تمثیل سے فائدہ نہیں اٹھائینگے؟ [(۲۹)]" اس طرح آپ نے ایک سرگرم طالب علم کی حیثیت سے بڑا فعال کردار ادا کیا اور ایک ایسے مثالی طالب علم بن کر ابھرے جو سب کے لئے قابل تقلید نمونہ بن گیا۔ آپ اپنی تمام تر توانائیوں، صلاحیتوں اور قابلیتوں کو کام میں لاتے ہوئے حصول علم میں منہمک تھے کہ اچانک یرقان میں مبتلا ہوئے اور میٹرک کے سالانہ امتحان جس کے لئے آپ داخلہ بھجوا چکے تھے میں شرکت نہ کر سکے [(۳۰)]۔ تعلیمی سلسلے میں تعطل آنے کی بنا پر دونوں وظائف جو بڑی پابندی کے

ساتھ ملتے تھے بند ہو گئے - لہٰذا مالی سہارا چھن جانے کے باعث میٹرک پاس کرنے سے قبل ہی آپ کو تعلیمی سلسلہ منقطع کر کے مالی پریشانیوں کی طرف رجوع کرنا پڑا - یوں ایک ہونہار طالب علم جو سب کے لئے نمونہ بن چکا تھا اپنے حالات کی نذر ہو کر میٹرک کرنے سے بھی محروم رہ گیا [۳۱] - اگرچہ آپ میٹرک نہ کر سکے لیکن آپ کی لیاقت اور صلاحیتوں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ ان کا اظہار بعد کی زندگی میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہا - آپ میٹرک نہیں کر سکے تھے لیکن انگریزی زبان پر دستگاہ تھی اور روانی سے انگریزی بولتے تھے - حج پر جاتے ہوئے دوران سفر قاہرہ کے اخبار "الشعیب" کے دفتر [۳۲] میں اور کئی متفرق موقعوں پر آپ انگریزی میں گفتگو کرتے رہے - علامہ اقبال نے بھی اپنے ایک خط بنام محمد الدین فوق میں آپ کی کاردانی اور معاملہ فہمی کا اعتراف [۳۳] کیا ہے، جو آپ کے طباع اور ہونہار ہونے کا بین ثبوت ہے -

تعلیمی سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد آپ ۱۸۹۸ء میں لاہور سے جلالپور جٹاں کے علاقے موضع "ونجل" واپس چلے گئے جہاں آپ نے عارضی سکونت اختیار کر رکھی تھی - مالی حالت اچھی نہ ہونے کی بناء پر آپ اکیلے کسی کاروبار کو چلانے کے قابل نہ تھے لہٰذا قرض لے کر آپ نے ساجھے داری کی بنیاد پر جلالپور جٹاں میں پشمینے کی تجارت اور ادویہ سازی کے کام کا آغاز کیا - جس سے معقول فائدہ ہونے لگا [۳۴]، اور آپ کے مالی مسئلے کا حل نکل آیا - ساجھے داری کے ساتھ ساتھ ۱۸۹۹ء میں آپ کو سرکاری ملازمت بھی مل گئی - آپ محکمہ انہار کے چناب کینال سرکل [۳۵] میں پٹواری تعینات کئے گئے - ساجھے داری کے منافع اور تنخواہ کے مل جانے کے باعث اچھے طریقے سے گزر بسر ہونے لگی - انہی اچھے دنوں کو دیکھتے ہوئے جلالپور جٹاں میں نور بیگم سے آپ کی شادی کر دی گئی - آپ کے ہاں ایک بچی کی ولادت ہوئی جس کا نام آپ نے سردار بیگم رکھا، تاہم بوجوہ نور بیگم سے نبھاہ نہ ہو سکا - ملازمت، گھریلو پریشانیوں اور گھریلو مصروفیات کے باعث آپ کاروبار پر حسب ضرورت توجہ نہ دے سکے تھے - جس کے باعث بعض ساجھے داروں اور کارکنوں کو حرص و طمع کے گر آزمانے کا موقع ملا اور وہ کاروبار جو نفع بخش ثابت ہو رہا تھا چار ہزار روپے کے نقصان کا باعث بنا - آپ اس کاروبار کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "... پہلے تو اس کاروبار میں معقول فائدہ ہوا - مگر پھر بعض حصہ داروں کی سازش اور کارکنوں کی دراز دستیوں سے چار ہزار کا خسارہ بیٹھا - اس نقصان نے میری کمر ہمت کو اور بھی توڑ دیا [۳۶] -" اتنے بڑے نقصان کے بعد آپ میں اس کاروبار کو پھر سے شروع کرنے کی ہمت بھی نہ رہی اور حالات بھی ایسے نہ رہے کہ آپ جلالپور جٹاں میں کسی کاروبار کو جاری رکھ سکیں کیونکہ ۱۹۰۱ء میں یعنی دو سال کی مدت ملازمت کے بعد آپ کا تبادلہ جہلم کینال سرکل [۳۷] میں کر دیا گیا - جہلم کینال سرکل پر ملازمت جاری تھی کہ آپ کی دوسری شادی آپ کے تایا حسین علی کی بیٹی فاطمہ بیگم سے انجام پائی - "مہوٹہ کلاں" اجڑنے کے بعد آپ کے تایا کا خانوادہ پنڈی بہاؤالدین میں آ کر آباد ہو گیا تھا - شادی یہیں انجام پائی - لہٰذا اس نسبت سے پنڈی بہاؤالدین آپ کا سسرالی گاؤں قرار پایا - یہ شادی آپ کی خانگی ذمہ داریوں اور پریشانیوں میں ہاتھ بٹانے کا باعث ضرور بنی لیکن آپ کی مالی پریشانیاں بدستور قائم تھیں - نہ کوئی مکان، نہ زمین، نہ جائیداد، چھوٹی سے تنخواہ جس میں اپنا گزر بھی کرنا اور کاروبار میں ہونے والے نقصان کا قرض بھی چکانا - اس پر طرہ یہ کہ آپ پر انڈین پینل کوڈ دفعہ ۴۲۰ [۳۸] کے تحت مقدمہ قائم ہو گیا - اس مقدمے کے بارے میں آپ لکھتے ہیں کہ "... میری ناتجربہ کاری اور نوعمری کے باعث مجھ پر ایک مقدمہ قائم ہو گیا [۳۹] -" اس مقدمے نے آپ کی

پریشانیوں میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ کر دیا۔ چنانچہ حالات سے دل برداشتہ ہو کر ۱۹۰۶ء میں آپ نے ملازمت کو خیر باد کہہ دیا۔ آپ خود لکھتے ہیں کہ "... گردش روزگار سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں کہ میں ۱۹۰۶ء میں اس ملازمت سے کنارہ گیر ہو جاتا ہوں [۴۰]"۔ ملک محمد اشرف نے ملازمت چھوڑنے کی وجہ ایمانداری آڑے آنا بیان کی ہے [۴۱]۔ نوکری چھوڑنا آپ کے لئے کچھ آسان نہ تھا کیونکہ اس دوران ۲۶/اگست ۱۹۰۵ء [۴۲] کو آپ کے ہاں آپ کے بڑے فرزند ملک محمد اسلم خاں کی ولادت ہو چکی تھی۔ گھریلو ذمہ داریاں بڑھ رہی تھیں زیادہ دیر بیکار بیٹھنا دانشمندی نہیں تھی۔ لہٰذا آپ عازم لاہور ہوئے اور مئی ۱۹۰۶ء میں لاہور سے ماہنامہ "جلوۂ نور" جاری کیا جو تین مہینے جاری رہا، تاہم سرمائے کی کمی کے باعث بند کرنا پڑا [۴۳]۔ پھر کشمیر جا کر قسمت آزمائی کرنے کا خیال دل میں آیا تو آپ نے لاہور سے اگست ۱۹۰۶ء [۴۴] میں کشمیر کا رخ کیا لیکن بے نیل و مرام واپس آئے۔ اس زمانے میں مفلسی، ناداری اور بے کاری نے آپ کو ایسا نرغے میں لیا کہ زندگی اجیرن ہو گئی۔ اس زمانے کی سنگینی کا حال آپ نے یوں بیان کیا ہے کہ "... ادھر تو قرضے کا بار عظیم، ادھر مقدمے کا ناقابل برداشت خرچ، نیز تلاش معاش کی فکر، غرضکہ میں ایسا دل برداشتہ ہوا کہ زندگی دوبھر معلوم ہونے لگی۔

کہیں دنیا میں غریبوں کا سہارا نہ رہا — صبر کیا کیجئے، جب صبر کا یارا نہ رہا [۴۵] "

ایسی مایوسی کی حالت میں جس میں آپ کو مقدمے جیسی مصیبت سے جیتے جی چھٹکارا پانا قطعی ناممکن محسوس ہوتا تھا [۴۶]۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک خیال پیدا کیا جس نے آپ کو راہ دکھائی اور آپ نے اپنی بہن بیگم بی بی جو چک ۱۱۶ سرگودھا کے ایک زمیندار گھرانے میں بیاہی ہوئی تھیں سے اپنے مرحوم والد کے مرشد کے متعلق دریافت کیا [۴۷]۔ اور خواجہ شمس الدین سیالوی کے مزار پر حاضری کا ارادہ کر کے پاپیادہ اور ننگے پاؤں سیال شریف کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ یہ ۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے، مزار پر پہنچے اور اپنی مصیبت کو نظم کی صورت میں پیش کر کے آپ نے خواجہ شمس الدین سیالوی کی روح سے مدد کی التجا کی [۴۸]۔ ان دنوں سیال شریف میں آپ کے ہم نام صاحبزادہ محمد الدین سیالوی سجادہ نشین تھے۔ آپ نے ان کی شان میں بھی ایک منظوم قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ رات وہیں سوئے۔ لکھتے ہیں کہ "رات کو وہاں سویا۔ خواب میں طالع خفتہ بیدار ہوئے اور مجھے بشارت [۴۹] دی گئی کہ میں جلالپور شریف حاضر ہو کر اپنی دردانگیز کہانی خواجہ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ کو سناؤں [۵۰]"۔ لہٰذا صبح سیال شریف سے دعائے خیر کے ساتھ رخصت ہوئے اور ننگے پاؤں جلالپور شریف کی طرف چل نکلے۔ راستے میں آپ نے مایوسی، فکر اور غم کی شدت سے مغلوب ہو کر خواجگان چشت کا ایک سلسلہ منظوم کیا [۵۱]۔ جو بعد میں آپ نے پیر غلام حیدر شاہ کے حکم سے "نذر مسکین" کے نام سے شائع کر کے مفت تقسیم کیا۔ پاپیادہ آپ جلالپور پہنچے، تمام تر آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے پیر سید غلام حیدر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پیر غلام حیدر چونکہ سیال شریف والوں کے خلیفہ تھے۔ اس لئے سیال شریف سے آنے والے ہر ایک شخص کو سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ آپ کے ساتھ بھی بڑے تپاک سے ملے۔ کچھ دیر سیال شریف والوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے رہے۔ پھر آپ نے اپنی درد بھری کہانی بیان کی اور پیر غلام حیدر کی خدمت میں منظوم سلسلہ چشت پیش کیا۔ پہلے تو وہ خود اس کو ملاحظہ فرماتے رہے پھر آپ کو حکم دیا کہ پڑھ کر سناؤ۔ آپ لکھتے ہیں کہ "... پہلے تو اس کو حضور خود ملاحظہ فرماتے رہے پھر مجھے پڑھ کر سنانے کے لئے حکم دیا [۵۲]۔ بہ تعمیل ارشاد حضور اقدس میں نے اول سے آخر تک سلسلہ شریف مذکور مؤدب بیٹھ کر

پڑھا"[۵۳] - پیر غلام حیدر شاہ نے پسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا کہ اردو زبان میں آج تک کسی شخص نے خاندان چشتیہ کا سلسلہ اس سے بہتر نہیں لکھا اور حکم دیا کہ اسے چھپوا دیا جائے [۵۴] - پسند آ جانے کی وجہ سے پیر غلام حیدر شاہ نے اسے بڑے شوق سے تین مرتبہ [۵۵] پڑھوا کر سنا - اتنے مسرور ہوئے کہ پیر غلام حیدر شاہ کے ہاتھ آپ کی درخواست کے بغیر از خود دعا کے لئے اٹھے [۵۶] - حاضرین کو بھی حکم دیا کہ "... اس کے لئے خاص طور پر دعا کرو [۵۷] -" اور بڑے انہاک کے ساتھ یکے بعد دیگرے تین مرتبہ آپ کے لئے دعا فرمائی - اس کے بعد آپ نے بیعت کی درخواست کی جو پیر غلام حیدر شاہ نے منظور فرمائی - بیعت کر کے اپنے مریدان خاص میں شمار کیا اور کچھ معمولی وظائف پڑھنے کی تاکید فرمائی - آپ نے اس موقع پر اپنے مسائل کے بارے میں فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے پیر غلام حیدر شاہ سے فرمایا کہ میرے پاس رہائش کے لئے کوئی مکان یا زمین موجود نہیں - پنڈی بہاؤالدین جو آپ کا سسرالی گاؤں تھا میں رشتہ داری کے تعلق کو بیان کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ فی الحال پنڈی بہاؤالدین میں ہی قیام پذیر ہوں - پیر غلام حیدر شاہ نے جواباً فرمایا کہ "خدا رحم کرے گا -" آپ کے خیال میں اسی دن سے آپ کی کایا پلٹ گئی اور ہر آنے والا دن پہلے سے بہتر ثابت ہونے لگا [۵۸] - آپ کے خیال میں پیر غلام حیدر شاہ نے جب ایسی توجہ اور ایسے انہاک کے ساتھ کسی کے حق میں دعا فرمائی وہ خدا تعالیٰ کے حضور ضرور پوری ہوئی - چنانچہ آپ اپنے مقدمے کی مصیبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "... حضور کی دعا کی برکت سے تھوڑے دنوں بعد وہ مصیبت رفع ہو گئی [۵۹] " - رفتہ رفتہ پریشانیوں کے بادل چھٹنا شروع ہو گئے اور خوشحالی کا آغاز ہونے کے امکانات نظر آنے لگے -

خوشحالی کے اس دور کا آغاز یوں ہوا کہ آپ اپنے پیر و مرشد کے مشورے راہنمائی اور نشاندہی پر "پنڈ دادن خاں" گئے اور وہاں ایک ہندو سے منہ مانگی قیمت ادا کر کے سو روپے میں ایک دوائی کا نسخہ خرید لائے [۶۰] ، اور آبحیات اس کا نام رکھا - ابھی تنگدستی کا عالم تھا اس لئے آپ نے اپنے بہنوئی کی لاعلمی میں اپنی بہن جو کھاتے پیتے گھرانے میں بیاہی ہوئی تھی سے تین سو روپے ادھار حاصل کئے - تین سو میں سے آپ نے سو روپے کا نسخہ خریدا، سو روپے میں دوائی تیار کرنے کے اجزا و لوازمات خریدے اور سو روپے اسے مشتہر کرنے کی مد میں رکھے [۶۱] - ادویہ سازی کا کچھ تجربہ آپ کو جلالپور جٹاں میں شراکت داری کے کاروبار میں ہو چکا تھا - آپ نے اس دوائی کو "آبحیات" کا نام دیا - ابھی اس کام کا ڈول ڈالنا چاہتے تھے کہ اخبار "ہندوستان" لاہور کے مدیر لالہ دیناناتھ حافظ آبادی جو بعد میں بڑے قوم پرست ہندو کے طور پر سامنے آئے نے آپ کو "ہندوستان" کے دفتر میں اسسٹنٹ مینیجر کے عہدے کی پیشکش کی اور ساتھ یہ رعایت اور ترغیب بھی دی کہ اس کام کے ساتھ ساتھ آپ کارخانہ آبحیات چلا سکتے ہیں - آپ نے اس پیشکش کو کارخانہ آبحیات کے حق میں بہتر جانا اور اخبار "ہندوستان" میں اسسٹنٹ مینیجر کی حیثیت سے کام کا آغاز کر دیا - خدا کا خاص فضل و کرم شامل حال رہا اور وہی لاہور جس میں آپ ماہنامہ "جلوۂ نور" کو تین ماہ بعد بند کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اسی لاہور میں تین ماہ کاروبار کرنے کے بعد آبحیات کی فروخت دو ڈھائی سو روپیہ ماہوار تک پہنچ گئی [۶۲] - جو بڑی حیران کن اور حوصلہ افزاء بات تھی - چنانچہ آپ نے ادویات کے کاروبار کو کل وقتی کاروبار کے طور پر اپنانے کا فیصلہ کیا اور "ہندوستان" اخبار کی ملازمت کو ترک کر کے اپنے سسرالی گاؤں پنڈی بہاؤالدین چلے گئے - جہاں آپ کے سسرال کو نمایاں سماجی رتبے کا حامل سمجھا جاتا تھا - آپ کے تایازاد اور برادر نسبتی

غلام محمد اس علاقے میں خوب جان پہچان رکھنے والے آدمی تھے چنانچہ آپ نے پورے اعتماد کے ساتھ اس علاقے میں اپنے کاروبار کا آغاز کیا - پہلے آپ رشتہ داروں کے مکان میں رہائش پذیر تھے اب ایک ہندو سے تین روپیہ (۶۳) ماہوار کرایہ پر مکان لے کر رہائش بھی اختیار کی اور کارخانہ آب حیات کی بناء بھی ڈالی - گویا ۱۹۰۶ء (۶۴) میں کارخانہ آبحیات نے باقاعدہ آغاز کر دیا - کارخانے کو کامیاب بنانے کے لئے خوب جدوجہد کی گئی - اشتہارات کے ذریعے بڑے موثر انداز سے تعارف کرایا گیا - پھر لاہور میں اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا جانا بھی نیک نامی کا باعث بن چکا تھا - لہٰذا پہلے مہینے میں چھ سو روپے کے آرڈر آپ کو ملے (۶۵) - اور ماہ بہ ماہ کارخانۂ آبحیات کے کاروبار میں اضافہ ہوتا چلا گیا - محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ "... پنڈی بہاؤ الدین کی آب و ہوا کارخانہ کو راس آئی اور دن دگنی رات چوگنی ترقی ہونے لگی (۶۶) " - چنانچہ آپ نے ساڑھے چھ ایکڑ زرعی اراضی تین سو روپے کے عوض خریدی - قسمت نے ایسا رنگ دکھایا کہ پہلے ہی سال پانچ سو روپے مالیت کی فصل پیدا ہوئی اور آپ نے مکان کے لئے بھی جگہ خرید ڈالی (۶۷) - یوں قدرت نے آپ کے آبائی پیشے زمینداری اور والد کے پیشے حکمت کی باگ ڈور پھر سے آپ کے ہاتھوں میں تھما دی جو "مہوٹہ کلاں" کے اجڑنے کے باعث چھن چکی تھی -

یہ وہ وقت تھا جب آپ نے خوشحالی کے دن دیکھے اور فارغ البالی کے باعث آپ کی طبیعت اور مزاج کے اصل جوہر اوصاف کو کھل کر اظہار پانے کا موقع ملا - چنانچہ آپ کے ذہن میں "صوفی" نامی مجلہ جاری کرنے کا خیال پیدا ہوا - جس کے بارے میں آپ نے پیر غلام حیدر شاہ سے مشورہ کیا اور اجازت چاہی جو بخوشی عطا کر دی گئی لیکن ۶ / جولائی ۱۹۰۸ء کو پیر غلام حیدر شاہ کے اللہ کو پیارے ہو جانے کے باعث اس کے اجراء کا عمل تاخیر کا شکار ہو گیا اور وسط جنوری ۱۹۰۹ء کو ماہنامہ "صوفی" کا پہلا شمارہ منظر عام پر آ گیا - پہلے شمارے کی پانچ ہزار کاپیاں بطور نمونہ مفت تقسیم کی گئیں (۶۸) - خاص و عام سے اس کا تعارف ہوا اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ "صوفی" نے صحافتی میدان میں عظمت کی بلندیوں کو چھوا، مسلمانوں کی فکری و روحانی راہنمائی اور ترجمانی کی، برصغیر کی سیاست میں مسلم موقف کو بھرپور انداز سے پیش کیا -

مجلہ "صوفی" کے اجراء کے چھ ماہ بعد یعنی جولائی ۱۹۰۹ء میں آپ نے پنڈی بہاؤ الدین سے ماہنامہ "نورتن" کا اجراء کیا - اکبر کے نورتن سے متاثر ہو کر اس کا نام تجویز کیا گیا تھا - اس کا میدان و موضوع طب تھا - اس کے پہلے شمارے میں آپ نے شہنشاہ اکبر کے حوالے سے بات کرتے ہوئے لکھا کہ "... جب وہ تخت نشین ہوا تو تیرہ برس کا اَن پڑھ مغل بچہ تھا - مگر اس کی عظیم الشان سلطنت کے قیام و ترقی کا اصلی سبب اس کا نورتن تھا - جس کی معزز یادگار میں ہم یہ ناچیز رسالہ جاری کرتے ہیں ــــ کہیں ابوالفضل اور فیضی کی طرح موجودہ زمانے کے علماء کی تحقیقات کے نتائج ہوں گے کہیں راجہ بیربر اپنے بے نظیر ظریفانہ کلام سے پڑھنے والوں کا دل باغ باغ کریں گے - کہیں طبی مجربات، کہیں شاعرانہ نکتہ چینیاں ہوں گی (۶۹) - " آپ "صوفی" اور "نورتن" دونوں شائع کرتے رہے - "نورتن" کی پالیسی "صوفی" کی ابتدائی پالیسی جو صلح کل کی حامل تھی سے مختلف نہ تھی - پالیسی کے باب میں آپ لکھتے ہیں کہ "رسالہ نورتن کی پالیسی شہنشاہ اکبر کی طرح مرنجاں - مرنج ہوگی - ہر مذہب و ملت کے لوگ اس رسالہ سے یکساں مستفیض ہو سکیں گے (۷۰) - " پالیسی کی اس یکسانیت کے باوجود جو لگاؤ آپ کو مجلہ "صوفی" سے تھا، "نورتن" سے نہ تھا - ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کہ آپ نے کاروباری حوالے سے اسے کامیاب بنانے کے لئے کوئی تدبیر نہیں

کی- آپ نے سنت رام (۷۱) نامی ایک ہوشیار ہندو کو "نورتن" کا مینیجر مقرر کیا اشاعت کی ترقی کے لئے ترغیباتی اسکیمیں متعارف کرائیں- یہ سب کچھ کیا مگر یہ حقیقت ہے کہ رسالہ "نورتن" ماہنامہ "صوفی" کی طرح آپ کے دل کی آواز نہیں تھا- اس کا اجراء نظریۂ ضرورت کے تحت عمل میں آیا تھا- جب قارئین "صوفی" مضامین تصوف کے ساتھ ساتھ کارخانۂ آبحیات کی پوشیدہ امراض سے متعلق ادویہ کے اشتہارات کی اشاعت پر معترض ہوئے اور انہیں مخرب الاخلاق قرار دیا تو آپ نے قارئین کی رائے کو اہمیت دیتے ہوئے جولائی ۱۹۰۹ء سے "صوفی" میں اشتہارات درج کرنا بند کر دیئے اور ان اشتہارات کی اشاعت کی غرض سے ماہنامہ "نورتن" جاری کیا- اس لحاظ سے دیکھا جائے تو "صوفی" کے مقابلے میں اس کی حیثیت ضمنی اور ثانوی تھی- کوشش کے باوجود "نورتن" کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکا- چھ ماہ تک شائع ہوتا رہا اور پھر خریداروں کی ناقدردانی کا عذر پیش کر کے جنوری ۱۹۱۰ء (۷۲) سے "نورتن" کی اشاعت بند کر کے خریداروں کے بقیہ چندے کے عوض ماہنامہ "صوفی" فراہم کیا گیا-

"صوفی" اور "نورتن" کے علاوہ آپ کی ادارات میں رسالہ "اعوان" بھی شائع ہوتا رہا جو "اعوان" برادری کا ترجمان تھا- چھ اپریل ۱۹۲۶ء کو اس کا ڈیکلیریشن حاصل کیا گیا (۷۳)- اپریل ۱۹۲۶ء میں سہ ماہی (۷۴) کے طور پر اس کا پہلا شمارہ پنڈی بہاؤالدین سے چھپ کر سامنے آیا- جبکہ "صوفی" کے مارچ کے شمارے میں ہی اس کے چھپنے کی اطلاع شائع ہوگئی تھی (۷۵)- شروع میں "اعوان" سہ ماہی کے طور پر شائع ہوتا رہا لیکن جلد ہی ماہنامے کی صورت میں تبدیل ہوگیا (۷۶)- آپ کا تعلق اعوان برادری سے تھا، اس بناء پر ۱۹۲۴ء میں آپ "بگل کی آواز- قوم اعوان کے نام" اپنی ایک تحریر میں "مرکزی انجمن اعوان کے قیام" اور اس کے "قومی ماہوار رسالہ" کی تجاویز دے چکے تھے (۷۷)- جس کے نتیجے میں اپریل ۱۹۲۶ء میں رسالہ "اعوان" منظر عام پر آیا لیکن باقاعدگی اختیار نہ کرسکا- پھر یکم اپریل ۱۹۳۴ء کو کالا باغ میں منعقدہ "اعوان کانفرنس" میں آپ (۷۸) شریک ہوئے- جہاں آپ کے بڑے فرزند ملک محمد اسلم خاں کو کانفرنس کا جنرل سیکرٹری بنایا گیا اور رسالہ "اعوان" کو کانفرنس کا ترجمان بنا کر سہ ماہی کے طور پر آپ کی ادارت میں پنڈی بہاؤالدین سے جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا (۷۹)- جبکہ عملی طور پر یہ علیحدہ انگریزی ایڈیشن کے ساتھ ماہنامے (۸۰) کے طور پر آپ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا (۸۱)، تاہم اعوان برادری تک محدود ہونے کی بنا پر زیادہ جولانی نہ دکھا سکا اور عام لوگوں کی توجہ حاصل نہ کرسکا- آپ نے رسالہ "اعوان" جاری کیا اور اعوان برادری کی فلاح و بہبود کا منصوبہ لے کر اٹھے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ آپ میں برادری ازم یا قومیت پرستی کا رجحان موجود تھا، بلکہ آپ کا مقصد مسلمانوں کے ایک محدود گروہ کی زندگیوں کو شریعت و طریقت کے مطابق ڈھالنا تھا- حکیم افتخار حسین فخر (۸۲) نے اس پہلو پر اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا کہ بظاہر آپ کی شخصیت میں کوئی ایسی بات نہ تھی- آپ کی گفتگو اخلاق و عادات یا طرزِ زندگی سے کبھی قومیت پرستی کے آثار نمایاں نہیں ہوئے- اور پھر دیکھا جائے تو "اعوان" کے علی الرغم ماہنامہ "صوفی" آپ کی مثبت سوچ کی بھرپور نمائندگی کرتا نظر آتا ہے-

قدرت آپ پر مہربان تھی- مجلّہ "صوفی" روز افزوں ترقی کرتا گیا اور کارخانہ آبحیات کے کاروبار کو ترقی دینے کا باعث بھی بنتا رہا- آپ کی عزت، شہرت، مقام و مرتبے میں بتدریج اضافہ ہوا، گویا قدرت نے ماضی کا غم غلط کرنے کے لئے آپ کو پیہم نوازشات سے نوازا- پنڈی بہاؤالدین میں گورنمنٹ کی

طرف سے زمیندارہ بینک قائم ہوا تو آپ کو اس کا پریذیڈنٹ منتخب کیا گیا(۸۳) - جنوری ۱۹۱۱ء میں آپ سماجی سرگرمیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور مستحق نوجوان طلباء کو اعلیٰ تعلیم کی غرض سے بیرون ملک بھجوانے کے لئے "صوفی وظائف فنڈ" کا آغاز کیا اور فنڈ کے قائم رہنے تک سالانہ دوسو روپیہ پابندی کے ساتھ فراہم کرنے کا عہد کیا(۸۴) - اور پھر قارئین کے اصرار پر "صوفی وظائف فنڈ" کی تجویز کو مئی ۱۹۱۱ء میں "اشاعت اسلام فنڈ" کی صورت میں تبدیل کر کے اشاعت اسلام فنڈ کا اجراء کیا - آپ نے پہلے سے زیادہ چندہ دینے کا وعدہ کیا اور بتایا کہ ایک مولوی صاحب کو ملازم رکھا گیا ہے کہ وہ گاؤں گاؤں جا کر اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیں - آپ نے اس عزم کا اظہار کیا کہ چندہ زیادہ ہونے پر واعظین کی تعداد بڑھائی جائے گی اور پورے ملک کے مختلف حصوں میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا جائے گا(۸۵) - ۱۹۱۱ء میں ہی آپ کو سیشن کورٹ کا اسیسر بھی بنایا گیا(۸۶) - جشن تاج پوشی شہنشاہ کے سلسلے میں پنڈی بہاؤالدین کی مسجد میں ۲۲ رجون ۱۹۱۱ء کو ہونے والے مسلمانوں کے ایک اجتماع میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا - غرباء و مساکین کو کھانا کھلایا اور کچھ کھانا ریلوے اسٹیشن پر غریب مسافروں کے لئے بھیجا(۸۷) - اسی طرح دسمبر ۱۹۱۱ء میں جب پنڈی بہاؤالدین اور اس کے ملحقہ مواضع کے ہندو مسلمان رئیس اور ساہوکار جشن تاج پوشی کی تقریب کے سلسلے میں اکٹھے ہوئے تو بابو گنڈا مل سب پوسٹ ماسٹر کی تجویز اور پنڈت نند لعل کی تائید سے کرسی صدارت پر آپ کو براجمان کیا گیا - اس موقعے پر آپ نے اسکول کے طلباء کو انعام و اکرام سے بھی نوازا(۸۸) - ۱۱ مارچ ۱۹۱۲ء کو خدا تعالیٰ نے آپ کو دوسرا فرزند عطا کیا، جس کا نام آپ نے محمد اکرم خاں رکھا(۸۹) - اپریل ۱۹۱۲ء سے آپ نے کتابوں کی اشاعت کا کام بھی شروع کر دیا - اس زمانے میں ماہنامہ "صوفی" کی اشاعت تین ہزار سے متجاوز تھی اور کارخانہ آبحیات کی ادویات کی فروخت کم از کم ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار تھی(۹۰) - یہ کامیابی آپ کی نیک نامی اور نمایاں سماجی حیثیت کا ثمرہ تھی - آپ کی نیک نامی اور نمایاں سماجی حیثیت سے حکام بالا اور ضلعی حکام بھی باخبر تھے یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں ایک مرتبہ آپ کا نام آنریری مجسٹریٹ(۹۱) کے لئے بھی زیرغور رہا - اپریل ۱۹۱۳ء میں حکومت نے زمیندارہ بینک پنڈی بہاؤالدین کے پریذیڈنٹ کی حیثیت سے آپ کی کارکردگی پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے آپ کو زمیندارہ بینکوں کا "آنریری سب انسپکٹر(۹۲)" مقرر کیا -

کتب کی اشاعت کا جو عظیم الشان کام آپ نے اپریل ۱۹۱۲ء سے شروع کیا تھا - اس کے حوصلہ افزاء نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے - گو کہ یہ کام آپ نے کوئی اشاعتی ادارہ قائم کئے بغیر ہی رسالہ "صوفی" کی معرفت شروع کیا تھا - کیونکہ اس زمانے میں آپ کی طباعت کردہ کتب پر "کارپردازان رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب" یا "بفرمائش ملک محمد الدین ایڈیٹر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات" یا پھر "کارخانہ صوفی آبحیات پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات" اور کتب کے مشتہر کے طور پر "مینیجر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات" لکھا گیا ہے - تاہم اسے بڑے بڑے اشاعتی اداروں سے زیادہ عروج نصیب ہوا - آپ نے "سلسلہ مشاہیر اسلام" اور "سلسلہ مشاہیر عالم" کا آغاز کیا جن میں سے "سلسلہ مشاہیر اسلام" کو بہت پذیرائی نصیب ہوئی - اس سلسلہ کے تحت آپ نے کل چالیس شخصیات پر کتب پیش کیں(۹۳) - جن میں متصوفین و دیگر شخصیات کے علاوہ سرسید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، نواب محسن الملک، سید امیر علی اور مولانا محمد حسین آزاد کے اسمائے گرامی بھی شامل تھے - یہ کتابیں زیادہ ضخیم نہیں ہوتی تھیں اور انہیں نیوز پرنٹ پر چھاپا جاتا تھا تاکہ انتہائی سستے

داموں فروخت کی جاسکیں - چنانچہ ان کے ایڈیشن بار بار چھپتے اور فروخت ہوتے رہے - ابتدائی چھ ماہ میں اس سلسلے کی کل پچیس ہزار کتابیں فروخت ہوئیں (۹۴) - اسی زمانے میں یعنی اگست ۱۹۱۳ء میں آپ کا ہر کام عروج پر تھا - کتب بھی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی تھیں - ماہنامہ "صوفی" بھی ہندوستان بھر کے ماہوار رسائل میں سب سے آگے جا رہا تھا اور کارخانہ آبحیات نے بھی خوب عروج پایا تھا کہ ضلع گجرات کے تجارتی کارخانوں میں وہ سب سے زیادہ انکم ٹیکس ادا کرنے والا کارخانہ تھا (۹۵) - یعنی کسی طرف سے آپ کو کوئی فکرمندی یا پریشانی لاحق نہیں تھی -

پیر سید غلام حیدر شاہ کے پوتے صاحبزادہ فضل شاہ نے حج کا ارادہ کیا - ۴ ستمبر ۱۹۱۳ء کو صاحبزادہ فضل شاہ جلالپور شریف سے حج کا ارادہ لے کر نکلے - آپ نے پنڈی بہاؤالدین میں اپنی رہائش گاہ پر مشروبات سے ان کی تواضع کی - پہلے صاحبزادہ فضل شاہ نے آپ کو بمبئی تک ساتھ چلنے کے لئے کہا جہاں سے انہوں نے بحری جہاز پر سوار ہونا تھا - راستے میں گوجرانوالہ کے مقام پر خدا تعالیٰ نے صاحبزادہ فضل شاہ کے دل میں آپ کو بھی حج پر ساتھ لے جانے کا خیال پیدا کیا - چنانچہ انہوں نے آپ کو گوجرانوالہ سے سفر کی تیاری کی غرض سے واپس بھیج دیا - ڈاکٹر عبدالغنی کے نام اپنے ایک خط میں آپ لکھتے ہیں کہ "... حضرت قبلہ عالم سید محمد فضل شاہ صاحب جب حج پر تشریف لے گئے تو مجھے حکم دیا کہ میں بمبئی تک احباب کے ہمراہ جاؤں - راہ میں بمقام گوجرانوالہ ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اب حج کے لئے ہمراہ جانا ہوگا - میں گھر سے تیار ہو کر نہیں چلا تھا - مجھے گوجرانوالہ (۹۶) سے واپس کر دیا کہ ضروری انتظام کر کے بمبئی ملو - یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جلدی میں اگر زادِ راہ کا انتظام نہ ہو سکے تو بھی پہنچ جاؤ روپیہ حضور نے فرمایا کہ جس قدر ضرورت ہوگی مجھ سے لے لینا اور واپسی پر ادا کر دینا میں نے تعمیل ارشاد کی (۹۷) - " آپ نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ سفر حج کی تیاری کی اور ۱۳ ستمبر ۱۹۱۳ء کو بمبئی میں صاحبزادہ فضل شاہ کو جا ملے - صاحبزادہ فضل شاہ اپنے سفرنامہ میں آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "... گھر جا کر انہیں بھی دیارِ محبوب کی زیارت سے مشرف ہونے کا شوق دامن گیر ہوا اور کشاں کشاں بمبئی لے آیا (۹۸) - " آپ چونکہ بڑے اچھے منتظم واقع ہوئے تھے اس لئے دوران سفر زیادہ تر انتظامات آپ ہی کے ہاتھوں انجام پاتے رہے - جہاں کہیں انگریزی زبان میں گفتگو یا تعارف کی ضرورت پڑتی تو آپ کو ہی اپنے دس ہمراہیوں کی ترجمانی کرنا پڑتی - آپ قاہرہ، اسکندریہ، بیت المقدس اور دمشق کی سیاحت کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، روضۂ رسولؐ پر حاضری دی اور نومبر ۱۹۱۳ء کو فریضہ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد آپ وسط دسمبر ۱۹۱۳ء میں واپس لوٹ آئے - اثنائے سفر میں آپ نے قاہرہ سے نکلنے والے اخبار "الشعیب" کے دفتر کا دورہ بھی کیا - مختلف تاریخی مساجد اور عمارات کے فن تعمیر کو گہری نگاہ سے دیکھا، حضرت ابراہیمؑ، حضرت یحییٰ، حضرت یوسفؑ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت بلالؓ، سرِ امام حسینؑ کے مدفن، سلطان صلاح الدین ایوبی، عماد الدین زنگی، ابوعبیدہ بن الجراح، شیخ کردیؒ اور محی الدین ابن عربیؒ کے مزارات پر بڑی عقیدت اور تعظیم کے ساتھ حاضری دی -

آپ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بہت سی تصاویر سطحی خاکوں اور نقشوں کی صورت میں اپنے ذاتی شوق سے بنوا کر لائے تھے - چونکہ آپ طباعت کے کام کا تجربہ رکھتے تھے اس لئے آپ نے انتہائی نفیس اور خوبصورت انداز سے ان تصاویر کا مرقع "اسلامی البم" کے نام سے چھاپا جو ملک کے طول وعرض میں بہت مشہور ومقبول ہوا - شفیق رضویؔ، نیازؔ فتحپوری اس کی مدح میں رطب اللساں ہوئے - ناؔمی کوہ سواری نے "مقدس البم" کے عنوان سے "اسلامی البم" میں شامل ۲۱

خاکوں پر فرداً فرداً اپنے خیالات اور پسندیدگی کا اظہار نظم کی صورت میں کیا[99]- نواب محسن الملک اور علامہ اقبال وغیرہ نے ان کو بے حد پسند کیا[100]- خواجہ حسن نظامی نے اپنے خاص انداز میں پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ " آپ نے یہ عکسی تصاویر مقامات مقدسہ کی ایسی حاصل کی ہیں کہ گھر بیٹھے مکہ معظمہ اور زیارات مقدس کا لطف آ جاتا ہے- حرمین شریفین کے بے شمار نقشے ملتے ہیں- مگر ان فوٹو کی تصاویر میں جو بات ہے وہ کسی نقشہ میں نہیں پائی جاتی- شیطان پر کنکر مارنے کی تصاویر دیکھ کر مجھے بہت ہنسی آئی- انسان اگر اعمال ابلیس کا پیرو ہو تو خود پیکر خناس ہے- اپنے اوپر کنکر باری کرنی چاہیے- بہر حال میں آپ کا احسان مند ہوں کہ ان عکس یا خاکوں کو میرے حجرے کی زیبائش کے لئے بھیجا- امید ہے کہ بڑے لوگوں کی کوٹھیاں بھی ایسے (کذا) نفیس تصاویر کو قبول کرنے میں پس و پیش نہ کرینگے (کذا) - کیونکہ اعلیٰ فیشن کے موافق ہیں[101]-" چونکہ اس پائے کی تصاویر پہلے کسی نے برصغیر میں کبھی نہیں چھاپی تھیں- اس لئے پورے برصغیر کے مسلمان طبقے میں ان کا خوب چرچا ہوا- برصغیر کا مسلمان طبقہ آپ کی علم پروری سے بھی واقف تھا، جو مشاہیر اسلام کے سلسلہ کتب اور رسالہ " صوفی" کے ثقہ اور متانت کے حامل مضامین سے ظاہر تھی- چنانچہ خواجہ حسن نظامی جو کسی علمی کارگزاری یا انسانی خدمت یا خلوص قلب کے صلہ میں خطابات عطا کیا کرتے تھے- انہوں نے ۱۹۱۵ء میں آپ کو " قلم الفقراء[102] " کا خطاب عطاء کیا- یہ خطاب لوگوں کی نگاہوں کو آپ کی جانب مبذول کرنے کا باعث بنا- چنانچہ محسن لاہوری نے " صوفی " کے فروری ۱۹۱۵ء کے شمارے (ص ۱۵) میں " فیضانِ" صوفی"" کے زیر عنوان ایک قطعہ میں آپ کے کارہائے نمایاں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

حامئ دین متیں صوفی محمد دین ہے
اور چشمہ فیض کا پنڈی بہاؤ الدین ہے
جس سے اک جوئے معانی و معارف ہے رواں
ہو رہی سیراب جس سے کشت اہل دین ہے

آپ کا کاروبار خوب چمکا، رسالہ " صوفی"، کتب اور ادویات کے پارسل کثیر تعداد میں جاری ہونے لگے تو محکمہ ڈاک نے آپ کی درخواست پر آپ کے لئے علیحدہ " صوفی آب حیات پوسٹ آفس" کھولنے کی منظوری دے دی- عزت، دولت، شہرت سب کچھ تھا- آپ رفاہی، سماجی اور خصوصاً دینی و ملی کاموں میں بھی شریک ہوتے تھے اور دل کھول کر مالی اعانت کرتے تھے- حلقہ نظام المشائخ کو ہر ماہ باقاعدگی سے چندہ فراہم کرتے تھے[103]- منڈی بہاؤ الدین میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن قائم ہوئی تو آپ کا تعاون شامل حال رہا- مرزا عزیز فیضانی داراپوری کے فرزند ارجمند ڈاکٹر محمود فیضانی بیان کرتے ہیں کہ "... مالی مدد اور سرپرستی کے لئے انتظامیہ (ایم- ایس- ایف کی انتظامیہ) کے افراد پیدل روانہ ہوئے تاکہ پنڈی بہاؤ الدین جا کر ملک صاحب موصوف سے ملاقات کی جائے- آدھے راستے میں ہمیں ملک صاحب منڈی بہاؤ الدین آتے ہوئے ملے- ہم نے نعروں سے استقبال کیا- انہوں نے رک کر ہماری معروضات سنیں اور ایک سو روپے عنایت فرمائے (جو اس زمانے میں معقول رقم تھی)- ان کی سرپرستی ہمیں حاصل رہی- پھر ہم لوگوں نے مسلم لیگ کی تحریک

میں حصہ لیا اور چند طلباء گرفتار ہو کر گجرات جیل بھی گئے (۱۰۴) - "آپ نے بمبئی کی ایمپائر آف انڈیا لائف انشورنس کمپنی سے چھ ہزار کا بیمہ بھی کرا رکھا تھا (۱۰۵) - مستحقین اور نومسلموں کی اعانت بھی کھلے دل سے کرتے تھے - ڈاکٹر محمود فیضانی بیان کرتے ہیں کہ "... میرے علم میں ہے کہ ایک نومسلم کو انہوں نے سہارا دیا، مسجد کے قریب رہائش دے کر امام مسجد کے سپرد کیا تاکہ دینی تعلیم حاصل کرے اور پھر اسے مؤذن اور خادم مسجد مقرر کرا دیا (۱۰۶) - "نومسلموں کی اعانت کرنے میں آپ چونکہ پیش پیش نظر آتے تھے - اسی لئے اکثر دغا باز آپ کی اس کمزوری سے فائدہ بھی اٹھانے کی کوشش کرتے تھے - ایک مرتبہ ۱۹۱۱ء میں آپ نے مدیر "پیسہ اخبار" کو خط لکھ کر جگن ناتھ نامی ایک ایسے شخص کی نشاندہی کی جسے آپ کی سفارش پر سجادہ نشین جلالپور شریف نے مسلمان بنا کر "نجیب اللہ" نام رکھا - آپ نے خود بھی ہر طرح سے اس کی مدد کی اور نواب وقار الملک کو خط لکھ کر اس کی ملازمت کا انتظام کیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دغا باز ہے اور اکثر مسلمانوں سے اسی طرح دھوکہ کرتا ہے - آپ کا یہ خط "قومی دغا باز (۱۰۷) " کے عنوان سے شائع ہوا اور مسلمان اس شخص سے ہوشیار ہو گئے - گویا آپ اہلِ ثروت ہونے کی بنا پر مسلمانوں کے سرپرست کی بھی حیثیت رکھتے تھے، اور یہ رتبہ پانے کا ذریعہ آپ کا کامیاب کاروبار تھا - آپ کا اپنے علاقے میں بااثر اور متمول مسلمان ہونا بعض تنگ نظر غیر مسلموں اور ہندوؤں کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا - چنانچہ آپ کے کاروبار کو نقصان پہنچانے کی غرض سے "جیو آتما آبحیات" کے نام سے ڈنگہ ضلع گجرات میں ایک کارخانہ قائم کیا گیا اور ایک سازش کے تحت آپ کے کارخانے کے نام آنے والے آرڈروں کی تعمیل اس کارخانے سے ہونے لگی - جس پر آپ نے فوری ردعمل ظاہر کیا اور ڈنگہ کے کارخانے والوں کو تحریری معافی اور چار سو روپے نقد ہرجانہ ادا کرنا پڑا (۱۰۸) - آپ نے عوام کو خبردار کرنے کے لئے رسالہ "صوفی" میں بھی اس جعلی ادارے کی نشاندہی کی -

۱۳/اپریل ۱۹۱۷ء کو حضرت فاطمۃ الزہرأؓ کی ولادت کا مبارک دن تھا - اس دن سید محمد فضل شاہ، سجادہ نشین جلالپور شریف کا نکاح تھا جس میں دیگر شعراء کے ساتھ آپ نے بھی اپنی نظم اور سہرا پیش کیا (۱۰۹) - یہ دن تو گزر گیا لیکن حضرت فاطمۃ الزہرأؓ کی شخصیت آپ کے ذہن میں سما گئی - غور و فکر کے بعد آپ نے حضرت فاطمہؓ کی سوانح کو طبقہ نسواں کے لئے مشعل راہ تصور کرتے ہوئے اردو زبان میں ان کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ کیا - چنانچہ خوب چھان پھٹک اور تحقیق و جستجو کی عربی، فارسی، انگریزی کی عسیر الحصول کتب تاریخ اور احادیث کے مجموعوں سے کتاب کو معتبر بنایا - جون ۱۹۱۷ء کے "صوفی" میں آپ نے چند نادر کتب کی ضرورت کا اشتہار شائع کیا - جن میں چند ایک سے اس کتاب میں استفادہ کیا گیا - گویا جون ۱۹۱۷ء تک حصول مواد اور ترتیب واقعات میں مشغول رہے - کتاب کو ادبی مذاق سے ہمکنار کرنے کے لئے آپ نے ہندوستان کے شاعروں کے سامنے "خوان آرزو" پھیلایا اور مایوس نہ ہوئے - اگست ۱۹۱۷ء کے "صوفی" میں سیماب اکبر آبادی کی نظم "ایثار فاطمہ" طبع ہوئی جو اس کتاب کی زینت بنی گویا اگست ۱۹۱۷ء سے آپ کو شعراء کرام کا تعاون حاصل ہو گیا - یہ کتاب دسمبر ۱۹۱۷ء میں "سیرت حضرت فاطمۃ الزہرأؓ" کے نام سے زیور طبع سے آراستہ ہو کر فروخت کے لئے پیش کی گئی - بعد ازاں اس کا نام "خاتون جنت" رکھ لیا گیا (۱۱۰) - اسے رسالہ "صوفی" کی معرفت ہی چھاپا گیا اور مشتہر کے طور پر مینیجر "صوفی" کا نام دیا گیا (۱۱۱) - کیونکہ ابھی تک صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی وجود میں نہیں آئی تھی - اگست ۱۹۱۷ء میں اس کا سارا کام مکمل ہو کر اس پر سجادہ نشین جلالپور شریف سید فضل شاہ کے ہاتھوں اس کی تصحیح اور مقدمہ کا

کام مکمل ہو چکا تھا- آپ نے کتاب کے دیباچہ میں کل ۲۲ شاعروں کی فہرست دی ہے، جن کا کلام اس کتاب میں شامل ہوا- آپ نے لکھا ہے کہ " نظمیں جس ترتیب سے وصول ہوئیں اسی ترتیب سے ان معطیوں کے نام بلا امتیاز درجات یہاں درج کئے جاتے ہیں [۱۱۳] -" ان میں علامہ اقبالؔ کا نام اکیسویں نمبر پر درج ہے- ان کی ایک فارسی نظم "اسوۂ کاملہ" کے عنوان سے اس کتاب میں شامل ہے- یہ نظم "رموز بے خودی" میں "در معنیٰ ایں کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اسوۂ کاملہ ایست- برائے نساء اسلام" اور "خطاب بہ مخدراتِ اسلام [۱۱۴]" دو عنوانات کے تحت درج ہے- تاہم ایسا لگتا ہے کہ علامہ اقبالؔ کی یہ نظم اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں شامل نہیں تھی- اس کتاب کی فروخت کا پہلا اشتہار جو "صوفی" میں شائع ہوا اس میں ہندوستان کے نمایاں شاعر جن کا کلام اس کتاب میں شامل تھا کے اسمائے گرامی درج کئے گئے- مثلاً اکبرالہ آبادی، نوحؔ ناروی، اوجؔ گیاوی وغیرہ لیکن کہیں علامہ اقبالؔ کا نام درج نہیں- آپ نے دیباچے میں مختلف ایڈیشنوں میں ترمیم و اضافے کا اقرار بھی کیا ہے- نیز شعراء کی فہرست میں علامہ اقبالؔ کا نام بھی آخر میں درج کیا گیا ہے- اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبالؔ کی یہ نظم بعد کے ایڈیشنوں میں شامل کتاب ہوئی - یہ کتاب جب چھپ کر آئی تو تھوڑے ہی عرصے میں قبول عام کا درجہ اختیار کرگئی کیونکہ اردو میں ایسے موضوع پر کتاب لکھنے کی اشد ضرورت تھی جسے آپ نے پورا کیا تھا- ہندوستان کے دانشوروں اور اخبارات نے اس کے بارے میں بڑے اچھے آراء کا اظہار کیا اور بھرپور تبصرے پیش کئے [۱۱۶] - ہر طرف آپ کا اور آپ کے کارہائے نمایاں کا ذکر چھڑا- امام الدین رام نگری نے "در شان حضرت زہرؓا [۱۱۷]" کے عنوان سے آپ کی کتاب پر منظوم تبصرہ کیا- اوجؔ گیاوی نے اپنے اشعار میں آپ کو یوں خراج تحسین پیش کیا:

خلق میں مشہور جو صوفی محمد دین ہیں لائق مدح وثنا و قابل تحسین ہیں [۱۱۸]

یہ کتاب اتنی سرعت سے فروخت ہوئی کہ پہلا ایڈیشن جو ایک ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا تھا محض تین ماہ میں ختم ہوگیا- پھر اگست ۱۹۱۸ء کو اس کا دوسرا ایڈیشن دو ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا [۱۱۹] - یہ بھی جلد ہی فروخت ہوا اور مانگ کم نہ ہوئی - یہاں تک کہ صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی کے زمانے میں اگست ۱۹۲۵ء کو اس کا ساتواں ایڈیشن شائع کرنا پڑا- اس کتاب سے جہاں عامۃ الناس متاثر تھے اور نیک رائے کا اظہار کرتے رہتے تھے وہاں خواص بھی پیچھے نہ رہے- جب یہ کتاب نظام حیدرآباد دکن میر عثمان علی خاں کے پاس پہنچی تو ان پر اس کتاب کی خوبیاں واشگاف ہوئیں- وہ بہت متاثر ہوئے- آپ کے دیگر کارہائے نمایاں یعنی معیاری کتب تصوف کی اشاعت اور ماہنامہ "صوفی" کے ذریعے برصغیر کے مسلمان طبقے کی خدمت کا سب حال وہ پہلے سے ہی جانتے تھے- فوراً آپ کو بلا بھیجا- ایک ماہ تک شاہی مہمان خانے میں رکھا- خوب آؤ بھگت کی اور ایک ماہ بعد جب آپ کو رخصت کیا تو یکم شوال ۱۳۳۶ھ سے سو روپیہ [۱۲۰] ماہوار وظیفہ مقرر کیا- ملک امان اللہ خاں نے بتایا کہ اکثر آپ اس واقعہ کو یوں بیان کرتے تھے کہ "... ایک وقت وہ تھا کہ لالہ موسیٰ کے پلیٹ فارم پر سردیوں کی ایک رات میرے پاس ایک چادر تھی اور میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ نیچے بچھاؤں یا اوپر لوں اور پھر وہ وقت بھی مجھے نہیں بھولتا کہ جب میں نواب آف حیدرآباد کا شاہی مہمان تھا- ایک مہینہ میں ان کے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا- میرا اطلس وکمخواب کا بستر تھا، ایک گاڑی اور ڈرائیور مکمل طور پر میرے لئے تھے- سارا دن جدھر چاہتا چل پڑتا [۱۲۱] -" نظام دکن کی اس عزت افزائی کے بعد "سیرت حضرت فاطمۃ الزہرؓا" اور آپ کے کارخانۂ صوفی کی اشاعت

کردہ دیگر تین کتب "سیرۃ الکبرےٰ" اور "سیرۃ شہید کربلا حضرت امام حسینؓ" از سیماب اکبر آبادی اور "سیرۃ حضرت بلالؓ" از وجاہت حسین وجاہت کو ہندوستان کے چار صوبوں میں گورنمنٹ کے حکم سے بطور انعامی و لائبریری کتب منظور کیا گیا (۱۲۲) - اسی طرح گورنمنٹ آف آسام و بنگال نے ۲۲ رجنوری ۱۹۱۹ء کو کارخانہ "صوفی" کی انہی چار کتابوں کو اپنے صوبہ بھر کے تمام اسکولوں اور کالجوں کے لئے لائبریری و انعامی کتب کے طور پر منظور کیا۔

"سیرۃ فاطمۃ الزہرؓا" کی کامیابی سے آپ کے حوصلے بہت بلند تھے - کامیابی کے ابتدائی دنوں میں جب آپ نے دیکھا کہ "سیرۃ فاطمۃ الزہرؓا" میں آپ کی محنت خوب رنگ لائی ہے اور مسلمانوں کو اسلام کی بزرگ اور پاک دامن خواتین کے حالات جاننے کا بے حد شوق ہے (۱۲۴) - تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو موضوع بناتے ہوئے ایک دوسری کتاب کا آغاز کیا - اس کتاب کا مقصد بھی طبقہ نسواں کو ایک نمونۂ حیات فراہم کرنا تھا - حالانکہ اس سے قبل ۱۹۱۷ء میں آپ کارخانہ صوفی کی طرف سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات پر مشتمل نیاز فتحپوری کی ایک کتاب چھاپ چکے تھے - لیکن آپ کی کتاب کے پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے مطمئن نہ تھے - آپ لکھتے ہیں کہ "... دو چار سیرتیں اٹھا کر دیکھیں بھی تو انہیں اصل واقعات سے معریٰ پایا - کسی میں مباحث تھے کسی میں اعتراضات کی تردید تھی اور کسی میں مجمل حالات کا نامکمل خاکہ (۱۲۵) - "اس لئے آپ نے اس موضوع میں موجود گنجائش کو پورا اور خلا کو پُر کرنے کے لئے خود قلم اٹھایا - آپ نے اس منصوبے پر بڑی خاموشی سے کام شروع کیا - اس سلسلے میں سب سے پہلے وہ اشتہار نظر آتا ہے جو آپ نے جون ۱۹۱۸ء کے "صوفی" میں "ضرورت ہے" کے عنوان سے دیا - جس میں نئی یا پرانی پانچ ایسی کتب کی دستیابی کے لئے استدعا کی گئی جو اس موضوع کے سلسلے میں معاون ثابت ہوسکتی تھیں - گویا اس وقت آپ مطالعہ و ترتیب واقعات کے کام کا آغاز کر چکے تھے - اس کے بعد آپ نے اگست ۱۹۱۸ء کے آخر تک ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی پر مشتمل کتاب مکمل ہو جانے کی توقع ظاہر کی اور ہندوستان کے مشہور شعرائے کرام سے درخواست کی کہ وہ ام المومنین کے فضائل مثلاً اطاعت شوہر، ایثار، سخاوت، علم وفضل، حلم اور استغناء وغیرہ میں سے کسی ایک موضوع پر طبع آزمائی کر کے ۱۰ ر ستمبر تک آپ کو بھجوائیں (۱۲۶) -

گویا اگست ۱۹۱۸ء میں ریاست حیدر آباد دکن کی طرف سے ہونے والی حوصلہ افزائی نے آپ کی صلاحیتوں کو دوبالا کر دیا اور آپ نے تمام تر توانائیوں کے ساتھ انتہائی تیز رفتاری سے "سیرۃ حضرت صدیقہؓ" کے تکمیلی مراحل کو انجام تک پہنچانا شروع کر دیا اور چودہ دسمبر ۱۹۱۸ء (۱۲۷) کو اس کا پیش لفظ لکھ کر اسے حتمی شکل دے دی اور پھر دسمبر ۱۹۱۸ء سے ہی "عظیم الشان برٹش فتح کی خوشی میں عظیم الشان رعایت (۱۲۸) " کے سلسلے میں فروخت کے لئے پیش کر دیا - یہ کتاب بھی کارخانہ صوفی کی طرف سے طبع ہوئی - اس میں برصغیر کے شعراء کے کلام کے علاوہ حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے عربی اشعار معہ ترجمہ پیش کئے گئے ہیں - یہ کتاب پہلے دو ہزار کی تعداد میں چھاپی گئی جب ختم ہوگئی تو پھر ایک ہزار کی تعداد میں شائع کی گئی - خان احمد حسین خانصاحب سب جج ملتان نے آپ کی دونوں کتابوں "خاتون جنت" اور "سیرۃ صدیقہؓ" سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ "... ایک مجھے دہنی اور دوسری بائیں آنکھ دکھائی دیتی ہے - ظاہری شکل کے لحاظ سے میں ان کو اپنے کتب خانہ کا سنگھار اور باطنی خوبی کے لحاظ سے باغ خلد کی بہار سمجھتا ہوں (۱۲۹) - "آپ نے کتب کے کاروبار کو خوب ترقی دی اپنی کتب اور برصغیر کے اچھے اچھے مصنفین کی کتب کو کارخانۂ صوفی کی معرفت پیش کرتے رہے - آپ نے کثیر تعداد میں کتب شائع کیں تاہم

آپ کے ادارے کی قابلِ فخر اور شہرہ آفاق پانچ کتابوں [۱۳۰] میں آپ کی تصنیف کردہ دونوں کتب کا شمار بھی ہوتا تھا۔

۱۹۲۲ء میں آپ نے اشاعت کتب کو قومی فریضہ اور فروغ علم کا ایک ذریعہ خیال کرتے ہوئے اشاعتی کام کو وسیع پیمانے پر پھیلانے کا منصوبہ بنایا۔ نومبر ۱۹۲۲ء میں آپ نے اس سلسلے میں "صوفی دارالاشاعت"، "دائرۃ المعارف" اور اپنے پریس کے قیام کی ضرورت پر زور دیا [۱۳۱] اور پھر جنوری ۱۹۲۳ء [۱۳۲] سے "صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی" کے قیام کا اعلان کیا [۱۳۳]۔ آپ نے کتب اور رسالہ "صوفی" کا چلا چلایا کام اس ادارے کے ماتحت کر دیا تا کہ آغاز کار سے ہی حصہ داروں کو منافع حاصل ہو سکے۔ اس کمپنی کا مجموعی سرمایہ ایک لاکھ روپیہ تھا جو دس دس روپیہ کے دس ہزار حصوں میں تقسیم کر کے فروخت کیا گیا۔ آپ اس کے مینیجنگ ڈائریکٹر تھے اور بورڈ آف ڈائریکٹران میں آپ کے ساتھ ڈاکٹر شیخ محمد عالم بیرسٹرایٹ لاء لاہور اور شیخ محمد ممتاز فاروقی بیرسٹرایٹ لاء گجرات شامل تھے [۱۳۴]۔ آپ نے دہلی، اعظم گڑھ اور لکھنؤ جا کر تمام نامور مصنفین سے اشاعت کی غرض سے حصول کتب کا پروگرام ترتیب دیا [۱۳۵]۔ آپ نے اس ادارے کے تحت قومی، ملی و دینی موضوعات پر مستند اور ثقہ کتب شائع کیں۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی کئی جلدوں پر مشتمل "تاریخ اسلام"، نیاز فتح پوری کی "صحابیات" اور مولانا سعید انصاری کی "سیر الصحابہ" کی تمام جلدوں کی اشاعت کا اعزاز اسی ادارے کو حاصل ہوا۔ اس ادارے سے اگرچہ آپ نے کافی تعداد میں کتب شائع کیں تاہم اس ادارے کی بسم اللہ آپ کی کتاب "ذکر حبیب" سے ہوئی۔ "ذکر حبیب" سلسلہ مطبوعاتِ صوفی کی پہلی جلد ہے۔ اس کتاب میں آپ نے پیر سید غلام حیدر شاہ کے حالات، کرامات اور ملفوظات کا احاطہ کیا ہے۔ "ذکر حبیب" کے لکھنے کا خیال تو جنوری ۱۹۱۰ء سے آپ کے ذہن میں تھا [۱۳۶]۔ لیکن آپ "صوفی" کے عرس نمبروں کے ذریعے تمام ممکنہ مواد کو سامنے لا کر اس کو ترتیب دینا چاہتے تھے۔ کچھ مواد آپ ساتھ ساتھ ترتیب دیتے رہے تاہم آپ کے خیال میں جنوری ۱۹۲۲ء کے عرس نمبر تک کافی مواد سامنے آ چکا تھا چنانچہ آپ نے اس کتاب کو حتمی شکل دینے کے لئے کام کا آغاز کر دیا اور اپریل ۱۹۲۳ء میں اس کا دیباچہ لکھ کر اسے سجادہ نشین جلالپور سید محمد فضل شاہ کے حوالے کیا۔ انہوں نے تصحیح کے بعد ماہ اگست ۱۹۲۳ء میں اس پر ایک پرمغز مقدمہ تحریر کیا۔ دسمبر ۱۹۲۳ء تک یہ چھپ کر تیار تھی جسے فروخت کے لئے پیش کر دیا گیا۔ "ذکر حبیب" کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں آپ نے علامہ اقبالؔ اور اکبر الٰہ آبادی کے تصنیف کردہ قطعات تاریخ کو بڑے نمایاں اور خوبصورت انداز میں پیش کیا تھا۔ گو کہ یہ قطعات قبل ازیں "صوفی" میں طبع ہو چکے تھے لیکن "ذکر حبیب" میں ان دونوں شعراء کے خطی قطعات کا عکس مرصع چوکھٹے میں خوبصورت آرٹ پیپر پر طبع کر کے پیش کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا۔ اس خطی عکس اور کتابت شدہ قطعات کا تقابل کرنے سے اکبر الٰہ آبادی کے کتابت شدہ قطعہ کے پہلے مصرعہ میں متن کی ایک غلطی کی نشاندہی ہوتی ہے۔ خطی مصرعہ ہے: ع "معرفت کی جسکو ہو دولت نصیب" جس کی کتابت یوں ہوئی ہے: ع "معرفت کی جس کو دولت ہو نصیب" [۱۳۸] "اس کتاب کی تالیف و اشاعت میں سیمابؔ اکبر آبادی اور مولوی سید ظہور احمد شاہ جہانپوری نے آپ سے بھرپور تعاون کیا۔ جس کا اعتراف آپ نے "ذکر حبیب" کے دیباچے میں کیا ہے۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور جلالپور شریف کے مریدوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مدیر "صوفی" کی وفات کے بعد یہ کتاب دوسری بار لاہور کے ایک ادارے [۱۳۹] سے اشاعت پذیر ہوئی۔

معیاری کتب پیش کر کے صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین نے خوب نام کمایا - دسمبر ۱۹۲۴ء تک اس کے ستر ہزار حصص فروخت ہو چکے تھے - اب اس نے اپنے پریس کے قیام [۱۴۰] کی منصوبہ بندی کر لی [۱۴۱] - پریس مشین لگانے کا خیال کافی پہلے یعنی ۱۹۲۰ء سے آپ کے ذہن میں تھا [۱۴۲]، لیکن اس وقت آپ اکیلے اشاعتی کام کو چلا رہے تھے اور وسائل محدود ہونے کی بناء پر ایسا ممکن نہیں تھا - تاہم اب کمپنی کے قیام سے وسائل بڑھ چکے تھے، ہاتھ بٹانے والے بھی زیادہ تھے اس لئے ایسا ممکن تھا - ملک امان اللہ خاں نے بتایا کہ "پنڈی بہاؤالدین میں پرنٹنگ پریس بھی لگا رہا، ہماری ہوش کے زمانے میں جب کہ وہ ختم ہو چکا تھا، اس کے کل پرزے ہم نے خود دیکھے ہیں [۱۴۳] -" صوفی کمپنی نے خوب کامیابی حاصل کی - اس کی کارکردگی کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ جنوری ۱۹۲۳ء سے اگست ۱۹۲۶ء تک کے قلیل عرصے میں اس نے کل اکسٹھ کتابیں زیور طباعت سے آراستہ کیں [۱۴۴] - اس کے علاوہ دوسرے اداروں کی چھپی ہوئی کتابیں بھی بھاری تعداد میں فروخت کیں - صوفی کمپنی کے کاروبار کو مزید وسعت بخشنے کے لئے آپ نے مئی ۱۹۲۷ء میں لاہور میں بھی ایک برانچ کھولی، لاہور میں صوفی جنرل اسٹور کا بھی آغاز کیا [۱۴۵] - لیکن کچھ عرصے بعد آتش زدگی کے باعث نقصان اٹھانا پڑا [۱۴۶] - اس کے بعد صوفی کمپنی کی کوئی نمایاں کارکردگی نظر نہیں آئی - رفتہ رفتہ یہ کمپنی دیوالیہ پن کا شکار ہوئی اور آپ نے یکم دسمبر ۱۹۳۲ء کو نوٹس کر کے اس دیوالیہ کمپنی کے حصہ داروں کو ۱۵/ جنوری ۱۹۳۳ء کے پنڈی بہاؤالدین میں منعقد ہونے والے جلسہ میں حساب بیباق کرنے کی دعوت دی [۱۴۷] - صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ کے دیوالیہ ہو جانے کے بعد آپ نے اشاعت کتب کے ذوق کی تسکین کے لئے ۱۹۳۳ء میں "صوفی بک ڈپو [۱۴۸]" قائم کیا اور ذاتی طور پر فروخت و اشاعت کتب کا کام جاری رکھا - یہ سلسلہ قیام پاکستان کے بعد تک جاری رہا - ۱۹۵۶ء میں چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری نے آپ سے بیشتر معیاری کتابوں کے حقوق نفیس اکیڈمی کراچی کے لئے حاصل کر لئے اس سلسلے میں چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری لکھتے ہیں کہ "۱۹۳۹ء سے جو میری ناشرانہ زندگی کا پہلا سال تھا، میری یہ آرزو تھی کہ میں کوئی مستند اور محققانہ تاریخ اسلام پیش کروں - الحمدللہ کہ یہ آرزو سترہ سال بعد پوری ہوئی [۱۴۹]" یہ حقوق آپ سے باقاعدہ و باضابطہ خریدے گئے - جس کی صراحت ان الفاظ میں کی جاتی رہی کہ "چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری مالک نفیس اکیڈمی و مسعود پبلشنگ ہاؤس کراچی نے تاریخ اسلام (مکمل تین حصے) کے جملہ حقوق طباعت و اشاعت دائمی جناب ملک محمد الدین صاحب مالکِ صوفی بکڈپو پنڈی بہاؤالدین سے باضابطہ خرید کر شائع کیا [۱۵۰] -" "تاریخ اسلام" کے علاوہ نیاز فتحپوری کی کئی کتابوں کے حقوق بھی نفیس اکیڈمی نے خریدے اور صوفی بکڈپو عملاً اپنے انجام کو پہنچ گیا -

آپ اپنے علاقے کی ممتاز اور نمایاں سماجی شخصیت تھے - آپ کا دل دینی و ملی جذبات سے لبریز رہتا تھا - اپنے علاقے میں مسلم تشخص کو قائم کرنے والے کاموں میں دلچسپی سے حصہ لیتے تھے - ۱۹۱۹ء میں جب انگریزی حکومت نے پنڈی بہاؤالدین کو پنجاب کی منڈی بنانے کا فیصلہ کیا تو آپ نے مسلمانوں کے لئے پنڈی بہاؤالدین میں حکومت سے پلاٹ حاصل کر کے ایک مسجد اور مدرسے کے قیام کے لئے مسلمانوں سے مدد کی اپیل کی، مسلمانوں کو اجتماعی ترقی کی کوششوں کے لئے اکسایا [۱۵۱] اور مخالفین و معترضین کے اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیا - آپ نے مساجد تعمیر کرانے میں بڑی دلچسپی لی، "محلہ صوفی پورہ" جو آپ کے نام پر آباد ہونے والا مسلمانوں کا محلہ تھا میں آپ نے چار کنال زمین اپنے پاس سے دے کر مسجد بنوائی - مسجد کے ساتھ ایک اسکول بنوایا اور اسکول

کے ساتھ جو زمین بچتی تھی اس پر مکان بنوا کر کرائے پر دیا، جس کا کرایہ مسجد کے فنڈ میں جاتا تھا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسی طرح "محلہ گوڑا" میں بھی آپ نے اپنے پاس سے زمین وہاں کے لوگوں کو مسجد بنوانے کے لئے دی۔ یہاں آپ کا ڈھائی تین ایکڑ کا باغیچہ ہوتا تھا مسجد کے لئے آپ نے اسی باغیچے کی زمین عطاء کی اور پھر جامع مسجد منڈی بہاؤالدین کے لئے تحریک چلائی (۱۵۲)۔ مجلہ "صوفی" کے ذریعے ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے چندہ حاصل کیا اور طرزِ تعمیر کے لحاظ سے بڑی اعلیٰ پائے کی مسجد تعمیر کرائی، جس کا ابھی دو میں سے ایک مینار تعمیر ہوا تھا۔ آپ نے کارڈ پر مسجد کی تصویر چھپوائی اور اس کے نیچے اپنا ایک شعر درج کر کے لوگوں کو چندہ دینے پر آمادہ کیا، وہ شعر یہ تھا:

اے مسلمانوں اٹھو بارش کرو ایثار کی
تا کہ ہو تکمیل جلدی دوسرے مینار کی

یہ مسجد اب بھی ایک مینار پر مشتمل ہے یعنی آپ نے اسے جہاں تک پہنچایا تھا اتنا عرصہ گزرنے کے بعد وہ وہیں ہے کسی کو دوسرے مینار کی تکمیل کی توفیق نہ ہوئی (۱۵۳)۔ مساجد کی تعمیر جیسے نیک کاموں میں محویت کی حد تک آپ کی دلچسپی اور فطری ذہانت کے باعث آپ پر کھلا کہ ہندوستان کے اس علاقے میں مساجد کے رخ عین قبلہ رو تعمیر نہیں کئے جا رہے۔ چنانچہ آپ نے ۲۵ ستمبر ۱۹۳۷ء کو علامہ عنایت اللہ المشرقی کو خط لکھ کر اس غلطی کی نشاندہی کی۔ انہوں نے آپ کی تائید کی اور "الاصلاح" میں اس کا تفصیلی جواب لکھتے ہوئے کہا کہ "... محترم ملک محمد الدین کے حق میں تمام مسلمانانِ ہندوستان دعا کریں کہ انہوں نے دین اسلام کے ایک اہم ترین مسئلہ کی طرف توجہ دلائی اور ایک عظیم الشان غلطی کو درست کیا (۱۵۴)۔" آپ اپنی ذات میں ایک تحریک تھے اور دینی و ملی حمیت کی خاطر اسلام اور اہل اسلام کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس علاقے میں مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود خود کو نمایاں محسوس کرتے تھے۔ آپ کے ہندو دوستوں خصوصاً خزان چند سُوری وغیرہ بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے تھے۔ ایم۔ بی ہائی اسکول منڈی بہاؤالدین کے سابق استاد چوہدری سلطان محمود اس سلسلے میں اکثر یہ شعر پیش کیا کرتے کہ

یہ کہا سوری نے صوفی سے ہجومِ عام میں
ہندوؤں کا شہر آیا قبضۂ اسلام میں (۱۵۵)

ایسی سرگرمیوں سے جہاں آپ کے بہت سے معترف اور ثناء خواں پیدا ہوئے وہاں چند حاسدین نے بھی جنم لیا اور آپ کی نیک نامی اور شہرت کو داغ دار بنانے کی کوشش کی۔ بعض حاسدین نے یہ طریقہ اپنایا کہ جامع مسجد، اسکول، دار العلوم اور انجمن تبلیغ و اشاعت اسلام کو چندہ دینے والوں کی جو فہرستیں نام مع پتہ "صوفی" میں چھپا کرتی تھیں۔ ان سے نام و پتہ نوٹ کر کے آپ کے خلاف چندہ دھندگان کو بے سرو پا مواد بھیجنے لگے تا کہ وہ چندہ دینے سے باز آ جائیں اور رسالہ "صوفی" کی شہرت بھی متاثر ہو۔ پھر ۱۹۲۱ء کے آغاز میں اتفاقاً یہ حادثہ پیش آیا کہ آپ اپنے کارخانہ کے چوکیدار کا مکان تعمیر کرانے کی غرض سے ایک دیوار مسمار کرا رہے تھے کہ اچانک ایک مزدور نیچے آ کر مر گیا۔ پولیس نے اسے مرگ اتفاقیہ قرار دیا۔ مگر چند حاسدین نے آپ کے خلاف بیان لکھوا دیا

کہ آپ نے اسے قتل کیا ہے- مزدور نے مزدوری طلب کی تو آپ نے اسے گالی دی اور اینٹ سے سر کے دائیں جانب ضرب لگائی جس سے وہ ہلاک ہو گیا (۱۵۶) -پوسٹ مارٹم اور تفتیش کے بعد حاسدین کا الزام جھوٹا ثابت ہوگیا- ان حاسدین میں سے چھ نمایاں افراد کے خلاف قتل کا جھوٹا الزام لگانے کے جرم میں تعزیرات ہند دفعہ ۲۱۱/۱۹۴ کے تحت نواب سعد اللہ خاں سینئر سب جج گجرات کی عدالت میں مقدمہ (۱۵۷) چلا- بالآخر ۳۰ رمئی ۱۹۲۱ء کو ان میں سے چار ملزمان مرزا خاں جمعدار پلٹن نمبر ۱۵ سکھ، حیات محمد متبنٰی بابو خیر الدین ریلوے گارڈ، کرمداد اور بہلو کو ایک ایک سال قید سخت اور پچاس پچاس روپیہ فی کس جرمانے کی سزا سنائی گئی- حاسدین میں سے سردار ابد معاش قانونی رعایت کے باعث بری ہوگیا اور حاکو ولد لکھن جو مفرور تھا کے خلاف عدالت نے زیر دفعہ ۸۸/۸۷ ضابطہ فوجداری مزید کارروائی کرنے کا حکم دیا (۱۵۸) -اسی طرح پنڈی بہاؤالدین کے چوہدری سردار خان گوندل نے بھی آپ پر بہتان بازی کی بناء پر چوہدری فضل علی مجسٹریٹ درجہ اول سے سزا پائی اور آپ کے بارے میں ایسا ہی وتیرہ اپنانے والے تیرہ دیگر اشخاص کو بھی مجسٹریٹ پھالیہ کی عدالت میں خمیازہ بھگتنا پڑا (۱۵۹) -منڈی بہاؤالدین کے علاقے میں آپ کے مخالفین میں ایک حکیم فیروز دین نامی شخص تھا- اس نے ایک مرتبہ آپ کے خلاف ایک اشتہار چھاپا جس میں آپ کو خزانے پر بیٹھے ہوئے بہت بڑے اژدھے کے روپ میں دکھایا گیا تھا- آپ اس پر مقدمہ دائر کرنا چاہتے تھے لیکن دیگر مسلمانوں نے اس معاملے کو رفع دفع کرا دیا (۱۶۰) - ایک مرتبہ پیر سید غلام حیدر شاہ کے نواسے سید سیدن شاہ نے معمولی باتوں سے ناراض ہوکر آپ کے خلاف مہم کا آغاز کیا- سید سیدن شاہ ڈنگہ کی عدالت میں مثل خواں تھے- انہوں نے "انجمن حامئ یتیم بچگان و بیوگان و مساکین و معذوران اہل اسلام و ہنود ڈنگہ ضلع گجرات" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی- یہ تنظیم ایسی عجیب و غریب تھی کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریمؐ اس کے پریذیڈنٹ، حضرت علیؓ وائس پریذیڈنٹ، پیر سید غلام حیدر شاہ مرحوم جنرل سیکرٹری بنائے گئے اور خود سید سیدن شاہ اس کے ناظم مقرر ہوئے گویا اس تنظیم کے تمام عہدوں پر عملاً وہ خود قابض تھے- اس تنظیم کے مختلف معاملات میں سید سیدن شاہ نے آپ سے تعاون چاہا جو آپ نہ کرسکتے تھے- تو آپ سے ناراض ہوکر آپ کے خلاف محاذ کھول دیا- لوگوں کو آپ کے خلاف خطوط لکھے- "اظہار حق" کے عنوان سے آپ کے خلاف ایک پمفلٹ شائع کیا- ان سب حربوں کے آپ نے تسلی بخش جوابات فراہم کئے (۱۶۱) اور بالآخر سجادہ نشین جلالپور شریف سید فضل شاہ کی مداخلت (۱۶۲) پر دونوں نے رنجش کو دل سے نکال باہر کیا-

آپ نے اپنے علاقے میں خوب زمین و جائیداد بنائی- کاروبار پروان چڑھائے- ۱۹۲۳ء تک آپ کے پاس بیس پچیس مربع زمین تھی اور بڑے لڑکے کی کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم و تربیت کے سلسلے میں آپ پانچ سو روپے ماہوار کے مصارف برداشت کرتے تھے- ذاتی رہائش کے لئے تین منزلہ پختہ مکان تھا- دفتر اور مہمانوں کے لئے "صوفی منزل" کے نام سے پچاس ہزار روپے میں کوٹھی تعمیر کی تھی (۱۶۳) -امیرانہ اخراجات کے باوجود آپ معقول رقم پس انداز کرتے تھے (۱۶۴) - ملک امان اللہ نے بتایا کہ آپ اپنے علاقے میں تقریباً تیس مربع زمین کے مالک تھے جو آپ نے اپنی محنت کی بنیاد پر حاصل کی (۱۶۵) - آپ صوفیانہ مسلک کو اپنائے ہوئے تھے- آپ تصوف کے اس مسلک کے حامی تھے جو اگر ترک دنیا کی تعلیم نہیں دیتا تو دنیاوی مال و دولت کے حصول کو زندگی کا اعلیٰ و ارفع مقصد بھی نہیں ٹھہراتا- ایسا مسلک رکھنے کے باوجود آپ کیوں زمین و جائیداد کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے؟ اور کیوں اپنی ملکیت کو چھپانے کی

بجائے اعلانیہ اسے ظاہر کیا؟ اس کی وجہ اس وقت سمجھ آتی ہے جب اس علاقے کے ہندوؤں کے متعصبانہ رویے کا مطالعہ کیا جائے- ۱۹۱۹ء میں جب سے حکومت نے اس علاقے میں تجارتی منڈی قائم کی تھی ہندوؤں نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے اسی وقت سے اس علاقے میں خوب جائیدادیں بنائیں- حکومت کی نیلام کردہ زمینیں، دکانیں، گودام ساٹھ فیصد یعنی سب سے زیادہ انہوں نے خریدے- جائیداد کی پرائیویٹ خرید وفروخت میں بھی وہ سکھوں، مسلمانوں سے آگے رہے اور پھر اس علاقے کے چھیاسٹھ ہندوؤں جن میں آپ کے گہرے دوست بھی شامل تھے نے ۱۰رفروری ۱۹۳۴ء کو بابو پرمانند نامی ہندو وکیل کے ذریعے سے لوکل سیلف گورنمنٹ پنجاب کے وزیر کو مخاطب کر کے لاہور میں ایک درخواست دائر کی- جس میں انہوں نے اس بنیاد پر علاقے میں اپنا تسلط قائم کرنا چاہا- حالانکہ وہ اس علاقے میں آبادی کے لحاظ سے پہلے ہی اکثریت میں تھے، لیکن اس بات سے ان کی تسکین نہیں ہوتی تھی- چنانچہ انہوں نے سیاسی حوالے سے مسلط ہونے کا منصوبہ بنایا اور اپنی درخواست میں کہا کہ ہم ہندو اس علاقے میں ستر فیصد غیر منقولہ جائیداد کے مالک ہیں اور اور پینسٹھ فیصد ٹیکس ادا کرتے ہیں- اس لئے ہمیں نوٹی فائیڈ ایریا کمیٹی میں ستر فیصد نمائندگی دی جائے اور کمیٹی میں ہماری سیٹوں میں اضافہ کیا جائے[(۱۶۶)] - تا کہ اقلیتوں کے حقوق سے کھل کھیلنے کا موقع ان کو میسر آجائے- آپ شروع سے ہی ہندوؤں کی چال کو سمجھ چکے تھے- اس لئے آپ نے خود بھی زمین و جائیداد کے حصول میں ہر ممکن کوشش کی اور دیگر صاحب حیثیت مسلمانوں کی اس سلسلے میں راہنمائی کرتے- علاقہ کے مسلمان زمیندار جو ہندو ساہوکاروں کے ہاتھوں زمین چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے- ان کی زمینیں خود حاصل کرنے کی کوشش کرتے تا کہ ہندوؤں کے پاس نہ جائیں- یہاں تک کہ ہندو ساہوکاروں کے چنگل میں پھنسے تباہ حال زمینداروں سے بعض شرائط طے کر کے اپنی جیب سے مقدمے پر رقم خرچ کرتے اور زمین کو غیر ہاتھوں میں جانے سے بچا لیتے[(۱۶۷)] - زمینداروں کو ہندو آڑھتیوں کے ظلم وستم سے بچانے کے لئے ڈپٹی کمشنر گجرات کے ہاتھوں پنڈی بہاؤالدین میں "زمیندارہ دکان آڑھت[(۱۶۸)] " کا افتتاح کرانے میں پیش پیش رہے- ۱۹۳۳ء میں منڈی بہاؤالدین میں ہونے والے پہلے ہندو مسلم فسادات میں مسلمانوں کی حمایت میں آپ نے بڑے اچھے کردار کا مظاہرہ کیا[(۱۶۹)] - یعنی علاقے کے مسلمانوں کو کسی مصیبت میں تنہا نہ چھوڑتے- آپ کی یہ ادا علاقے کے ہندوؤں، سکھوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی- وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی باہر سے آیا ہوا شخص دنوں میں ترقی کر کے ان کے مقابلے پر آکھڑا ہو- چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے آپ سے خلاصی پانے کے لئے آپ کے قتل کا منصوبہ ترتیب دیا- انہوں نے بہادر اور جیبو نامی مسلمان قصابوں کو روپے دے کر آپ کے قتل پر آمادہ کیا- وہ قصاب آپ کے اخلاصِ عمل سے واقف تھے- اس لئے انہوں نے آپ پر سارا راز کھول دیا اور کہا کہ آپ ہمیں اپنے کپڑے دیں اور چند یوم کے لئے یہاں سے چلے جائیں تا کہ آپ کے مخالفین کو شرارت آمیز طریقے سے شرمندہ اور ذلیل کیا جا سکے- آپ چند روز کے لئے پنڈی بہاؤالدین سے چلے گئے اور آپ کی غیر موجودگی میں قصابوں نے بکرے وغیرہ کا خون آپ کے کپڑوں پر لگا کر قتل کے ثبوت کے طور پر آپ کے مخالفین کو وہ کپڑے پیش کئے اور قتل کا مکمل معاوضہ وصول کیا- اس کے بعد پنڈی بہاؤالدین میں مشہور ہو گیا کہ آپ قتل ہو گئے- چند یوم کے بعد آپ سب کو پنڈی بہاؤالدین میں اپنے معمولات انجام دیتے ہوئے نظر آئے تو آپ کے مخالفین کو خوب شرمندگی اٹھانا پڑی[(۱۷۰)] -

آپ کے مخالفین وحاسدین آپ کی جان، عزت، شہرت، اور دولت کے در پے رہے لیکن خدا کی شان کہ وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے- جب بھی مخالفین وحاسدین کے رویے سے دل برداشتہ ہوکر آپ سماجی سرگرمیوں سے کنارہ کش ہونا چاہتے تو مخلص مسلمان آپ کی ہمت بندھاتے اور اپنی ڈگر پر قائم رہنے کا مشورہ دیتے، کیونکہ آپ کا صالح کردار سب کے سامنے تھا- آپ شرعی فرائض کے پابند اور دیندار مسلمان تھے- تہجد گزار تھے- رات دو بجے اٹھ کر تہجد پڑھتے، صبح سویرے منزل شروع کرتے اور نو بجے تک قرآن پاک کی منزل پڑھ کر پھر دنیاداری کے کاموں کا آغاز کرتے (۱۷۱) - ماہنامہ "صوفی" میں ایک انوکھی اسکیم کے ذریعے کروڑوں بار درود شریف پڑھوانے کا اعزاز حاصل کیا- نماز ادا کرنے میں خضوع وخشوع کے قائل تھے اور جب کبھی آپ پر ایسی کیفیت طاری نہ ہوتی تو پریشان ہو جاتے- قیام پاکستان کے بعد آپ پر ایک ایسا وقت آیا کہ آپ دلجمعی سے نماز ادا نہ کر سکے- آپ کے پیر صاحب کی توجہ سے بھی جب یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو آپ تھانہ بھون گئے مولانا اشرف علی تھانوی کی اقتداء میں نماز ادا کی تو دل میں وہ شعلہ پھر سے بھڑک اٹھا- آپ کا مسئلہ حل ہو گیا- آپ نے مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں پانچ سو روپے مدرسے کے لئے پیش کئے تو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا کہ میں پنجاب والوں سے مدرسے کے لئے پیسے نہیں لیتا، کیونکہ یہ لوگ لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے جو شرعاً ناجائز ہے- چنانچہ آپ واپس آ گئے- واپس آ کر شرعاً حصہ ادا کیا اور دو تین سال بعد جب تھانہ بھون جانے کا اتفاق ہوا تو آپ نے مولانا کی خدمت میں پانچ سو روپے پیش کئے جو انہوں نے بخوشی قبول کئے اور رسید عطاء کی (۱۷۲) - مسلک کے اعتبار سے تو آپ حنفی سنی اور پیر صاحب کی نسبت سے بریلوی تھے لیکن انتہائی معتدل قسم کے انسان واقع ہوئے تھے- مولانا غلام محمد مانگٹ والے جو دیوبند کے فارغ التحصیل تھے، ان کو آپ خود جامع مسجد کے لئے لے کر آئے اور ان کے پیچھے ہی جمعہ پڑھتے تھے- کسی فروعی معاملے یا فرقہ بندی کو ہوا دینا وہ اچھا خیال نہیں کرتے تھے- ہر کام میں ان کا رویہ مثبت ہوتا تھا- انتہائی مخلص، اچھے، سلجھے ہوئے اور دینی مزاج رکھنے والے مسلمان تھے- بڑے غریب پرور اور یتیموں کے ہمدرد تھے- آپ چونکہ خود یتیمی کی زندگی بسر کر چکے تھے اور اس کے مسائل کو سمجھتے تھے لہٰذا آپ نے بہت سے یتیموں کی پرورش کی، ان کی تعلیم و تربیت کی، روزگار کا بندوبست کیا، شادیاں کیں، ان کو اپنی زمین پر مکانات تعمیر کرا کے دیئے- حاجی مراد علی اور غلام حیدر دونوں کے والد یتیمی کی حالت میں آپ کے پاس آئے تھے- آپ نے ان دونوں کی پرورش کی اور ان کی اولاد پر بھی دست شفقت رکھا- یہاں تک کہ ان کی بیٹیوں کی شادیاں آپ نے اپنے خرچ پر کرائیں-

علاقے کے مسلمانوں کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے آپ نے تعلیمی ادارے قائم کرائے- ایم- بی ہائی سکول منڈی بہاؤالدین میں جب ایک متعصب ہندو سری رام سیٹھی ہیڈ ماسٹر ہوا تو اس نے سوہاوا سے پرائمری پاس کر کے آنے والے چودہ پندرہ مسلمان بچوں کو اسکول میں داخل کرنے سے ناجائز طور پر انکار کر دیا- آپ نے قاعدے قانون کی رو سے حقیقی صورت حال کا کھوج لگایا کہ یہ سب غلط ہو رہا ہے، لیکن اس موقعے پر آپ کو یہ بھی احساس ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے تعلیمی ادارے بھی قائم کرنے چاہئیں جو ان کی ضرورتوں کو بہ احسن پورا کر سکیں- تو آپ نے کمیٹی کے سربراہ کی حیثیت سے دو پرائمری اسکول اور ایک اسلامیہ اسکول تعمیر کرائے (۱۷۳) - ہائی اسکول کے لئے بارہ کنال زمین (۱۷۴) اپنے پاس سے دی اور صوفی کرم الٰہی کو اس اسکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کیا-

کمیٹی میں رہتے ہوئے آپ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرتے اور قابل اعتراض پہلوؤں پر انگلی اٹھائے بغیر نہ رہتے۔ ماسٹر گوپی رام اور ماسٹر محمد سلیم دونوں کی تعلیمی قابلیت ایف۔ایس۔سی تھی۔ ایک مرتبہ جب کمیٹی میں ماسٹر محمد سلیم کو نظر انداز کر کے صرف ماسٹر گوپی رام کو انکریمینٹ دینے کی کارروائی عمل میں آنے لگی تو آپ غصے میں آگئے اور غصے کے عالم میں آپ کے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ آپ نے اس کارروائی پر عدم اطمینان کا اظہار کیا اور کہا کہ ماسٹر محمد سلیم کو صرف اس لئے انکریمینٹ سے محروم رکھا جارہا ہے کہ اس کے نام کے ساتھ "محمد" لگا ہوا ہے۔ چنانچہ پھر آپ کے اعتراض کے بعد ماسٹر گوپی رام کے ساتھ ساتھ ماسٹر محمد سلیم کو بھی انکریمینٹ دی گئی۔ [۱۷۵]

پنڈی بہاؤالدین میں ۲۹-۱۹۲۸ء [۱۷۶] میں پنچایت قائم ہوئی، تو آپ کو بھی اس کا ممبر بنایا گیا۔ آپ اس کے سرپنچ تھے [۱۷۷]۔ آپ جیسے سرگرم آدمی کی سرکردگی میں پنچایت نے اپنے فنڈ کے ذریعے پنڈی بہاؤالدین میں منظم طریقے سے اور بڑی تیز رفتاری سے فلاحی کام سرانجام دیئے ۱۹۳۰-۳۱ [۱۷۸] اور ۱۹۳۶-۳۷ [۱۷۹] میں پنچایت نے پورے راولپنڈی ڈویژن میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اس دوران اس کی آمدنی بھی پورے ڈویژن میں زیادہ رہی اور اخراجات بھی سب سے زیادہ ہوئے۔ کیونکہ قانون کی رو سے ہر علاقے کی آمدنی اسی علاقے کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کی جاتی تھی۔ آپ نے اس فنڈ کے ذریعے عوامی راستے اور نالیاں پختہ بنوائیں اور دیگر ضروریات کے علاوہ لائبریری کی مد میں بھی فنڈ کا استعمال کیا۔ نوٹی فائیڈ ایریا کمیٹی منڈی بہاؤالدین کے ممبر [۱۸۰]، پریذیڈنٹ اور وائس پریذیڈنٹ رہے [۱۸۱]۔ میونسپل کمیٹی منڈی بہاؤالدین کے پریذیڈنٹ رہے [۱۸۲]۔ میونسپل کمشنر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے [۱۸۳]۔ قیام پاکستان کے بعد اوقاف کمیٹی منڈی بہاؤالدین کے چیئرمین [۱۸۴] کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیتے رہے۔ اپنے گاؤں کے نمبردار تھے [۱۸۵]۔ آپ نے نیشنل یونیورسٹی علی گڑھ اور جمعیت علماء کے اجلاس منعقدہ دہلی میں شرکت کی، خلافت وفد کے رکن بنے [۱۸۶]۔ حزب اللہ کے کارکنوں میں شامل رہے۔ خاکسار تحریک میں شمولیت کا اعلان کیا۔ اس کے علاوہ ناظم صوفی دارالعلوم، سیکرٹری انجمن تبلیغ و اشاعت اسلام، سیکرٹری جمعیت العلماء، صدر انجمن اسلامیہ، صدر جامع مسجد کمیٹی، صدر کمیٹی اسلامیہ ہائی اسکول [۱۸۷] کی حیثیت سے بھی پنڈی بہاؤالدین اور منڈی بہاؤالدین کے علاقوں میں فرائض انجام دیتے رہے۔ خدمت خلق کے جذبے کے تحت دیگر کاموں کے علاوہ پنڈی بہاؤالدین کے قبرستان سے ملحقہ اپنی آٹھ کنال زمین قبرستان کے لئے عطیہ کی۔ یہ سب آپ کے اخلاص عمل کا نتیجہ تھا کہ مسلمان آپ کو بہت زیادہ عزت دیتے تھے اور آپ کو اور آپ کی صلاحیتوں کو اعتماد اور بھروسے کے لائق تصور کرتے تھے۔

آپ دینی وضع قطع کے حامل باوقار شخص تھے۔ پکے مسلمان، پرہیزگار، نیک اور متقی تھے۔ ملک مظفر حسن ملک بیان کرتے ہیں کہ آپ کم گو، وضع دار اور اس زمانے کے شرفاء کا نمونہ تھے [۱۸۸]۔ سرخ سپید رنگت، باریش نورانی چہرہ، پرکشش نقوش، اچھا قد، انتہائی خوش خلق، خوش اخلاق اور زندہ دل آدمی تھے۔ سپیشل خوبصورت گھوڑا تانگہ رکھا ہوتا تھا۔ جس پر پرانی پنڈی سے منڈی بہاؤالدین آتے جاتے تھے۔ نمایاں مقام و مرتبہ رکھنے کے باوجود تکبر چھو کر نہیں گیا تھا۔ آپ کے دروازے ہر چھوٹے بڑے کے لئے کھلے رہتے تھے۔ خوبصورت اور اچھے انداز سے گفتگو کرتے اور زندگی کے غموں کو ہنسی میں اڑا دینے والے آدمی

تھے-۱۲؍جنوری ۱۹۳۰ء [۱۸۹] کو آپ کا جوان بیٹا محمد اکرم خاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ کا ساتھ چھوڑ گیا-۱۹؍فروری ۱۹۴۱ء [۱۹۰] کو آپ کی شریک حیات فاطمہ بیگم داغ مفارقت دے گئیں- یہ سب صدمات آپ نے تسلیم و رضا کی ڈھال پر سہے- مارچ ۱۹۶۲ء میں کار اور ٹرک کے حادثے میں کافی تکلیف جھیلی [۱۹۱] -تاہم جلد ہی صحت بحال ہوگئی-آپ اپنی زندگی میں طاعون، پسلی کے درد، بخار وغیرہ میں تو مبتلا ہوئے لیکن خدا کے فضل وکرم سے کسی روگ یا سنگین مرض کا شکار نہ ہوئے-اس لئے آخر عمر تک صحت اچھی رہی-تاحیات آپ کو کسی طرح کے آپریشن وغیرہ کی ضرورت محسوس نہ ہوئی-یہاں تک کہ مرتے دم تک نظر بالکل ٹھیک رہی کہ آپ بغیر عینک کے قرآن پڑھا کرتے تھے [۱۹۲] -البتہ آخر عمر میں جائیداد کی بنا پر آپ کے بڑے بیٹے کی ناراضگی آپ کے لئے ایک بہت بڑا صدمہ ثابت ہوئی جس نے آپ کو ضعف پہنچایا-یہ خانگی نزاع عروج پر تھا کہ آپ کو میو ہسپتال لاہور میں داخل کرایا گیا-گردے خراب ہو جانے کے باعث خون آلود بول کا سلسلہ جاری تھا-دو دن ہسپتال میں گزارنے کے بعد ۱۷؍دسمبر ۱۹۶۴ء [۱۹۳] بروز جمعرات صبح چار بجے آپ خدائے حقیقی سے جا ملے [۱۹۴] -اناللہ وانا الیہ راجعون-آپ چوراسی سالہ قابلِ رشک اور تگ و دو سے معمور زندگی گزارنے کے بعد تختوانہ قبرستان، محلہ طارق آباد، پنڈی بہاؤ الدین میں آسودۂ خاک ہوئے-

حوالہ جات وحواشی

(باب دوم)

۱۔ طالب علمی کے زمانے میں مختلف موقعوں پر دو مرتبہ یہی نام شائع ہوا:

(i) انجمن حمایت اسلام کے بارہویں سالانہ جلسے کی روئداد، لاہور، مطبع اسلامی، فروری ۱۸۹۷ء، ص ۹۳

(ii) پیسہ اخبار ہفت روزہ، لاہور، ۲۶ /جون ۱۸۹۷ء، ص ۹

بعدازاں صحافت سے متعلقہ سرکاری ریکارڈ اور انٹیلی جینس پولیس پنجاب کے ریکارڈ میں ان کا نام "محمد دین"، "ملک محمد دین"، "محمد دین اعوان"، "ملک محمد دین اعوان" وغیرہ کی صورت میں بار بار سامنے آتا رہا۔ صوفیانہ مسلک اپنانے کی بنا پر "صوفی محمد دین" کہلوانا بھی پسند کرتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالغنی کے نام ۲۱ /مارچ ۱۹۶۲ء کا خط جس 'پیڈ' پر تحریر کیا ہے اس پر نام "صوفی محمد دین" انگریزی میں چھپا ہوا ہے۔ ان کے والد حکیم تھے اور وہ خود بھی ادویات کا کارخانہ قائم کئے ہوئے تھے۔ اس لئے علامہ اقبال نے محمد الدین فوق کے نام تحریر کردہ ۱۴ /دسمبر ۱۹۱۸ء کے خط میں انہیں ایک جگہ "حکیم محمد دین" کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔

۲۔ (الف) مجلّہ "صوفی" کی ابتدائی اشاعتوں میں مدیر کے زمرے میں نام یوں درج ہوتا تھا کہ "پروفیسر محمد الدین آوان چشتی حیدری" کچھ عرصہ کے بعد اس میں "ملک" اور پھر "نظامی" کا اضافہ ہوگیا۔ چار پانچ سال تک "پروفیسر محمد الدین آوان چشتی نظامی حیدری" ہی شائع ہوتا رہا۔ ہوتے ہوتے "پروفیسر" اور "آوان چشتی نظامی حیدری" کا اندراج ترک کردیا گیا اور نام فقط "ملک محمد الدین" شائع ہوتا رہا۔ بعد میں پھر "آوان" کا اضافہ ہوا۔ لفظ "آوان" کی یہ املاء ۱۹۲۵ء تک کے شماروں میں نظر آتی ہے۔ اس زمانے میں اعوان برادری میں اس لفظ کی املاء سے متعلق اختلافی بحثوں کا آغاز ہو چکا تھا لہٰذا ان مباحث کی روشنی میں جنوری ۱۹۲۶ء کے شمارے سے "اعوان" کی املاء کو رائج کیا گیا اور مدیر کا نام

"ملک محمد الدین اعوان" شائع ہوتا رہا- جو بہ تکرار جاری رہا-

(ب) امداد صابری نے "تاریخ صحافت اردو" (جلد چہارم) میں ایڈیٹر و مالک "صوفی" کا نام "محمد الدین آوارہ چشتی نظامی" تحریر کیا ہے- جس میں لفظ "آوان" سہواً "آوارہ" تحریر ہو گیا- اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری بھی ان کا تتبع کرتے ہوئے اس غلطی کو فروغ دینے کا باعث بنے، حالانکہ لفظ "آوارہ" کا حقیقتاً مدیر "صوفی" سے کوئی تعلق نہیں-

۳ طالب علمی کے زمانے میں ہفت روزہ "پیسہ اخبار" اور "انجمن حمایت اسلام لاہور کے بارھویں سالانہ جلسے کی روئداد" میں دونوں جگہ نام کے ساتھ "موج" لکھا ہوا ہے-

۴ مجلّہ "صوفی" میں اکثر جگہوں پر مدیر "صوفی" نے اپنے کلام میں "صوفی" کا تخلص استعمال کیا ہے- علامہ اقبال نے محمد الدین فوق کے نام ۱۴ر دسمبر ۱۹۱۸ء کے خط میں ایک مقام پر مدیر "صوفی" کا نام تخلص سمیت "محمد دین صاحب صوفی" تحریر کیا ہے-

۵ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۲

۶ صحافت سے متعلقہ سرکاری ریکارڈ میں مدیر "صوفی" کی جائے پیدائش بہ تکرار موضع "ونجل" بیان کی گئی ہے- اقبال اکیڈمی کے مجلّہ "اقبالیات" جنوری - مارچ ۱۹۸۸ء کے صفحہ ۲۲۵ پر ڈاکٹر مظفر حسن ملک نے "برنالہ آزاد کشمیر" بیان کی ہے- "گجرات کی بات" صفحہ ۱۹۸ پر ریاض مفتی نے مدیر "صوفی" کو بنیادی طور پر "ٹانڈہ تحصیل گجرات" کا باشندہ قرار دیا ہے جبکہ مدیر "صوفی" نے "آپ بیتی" لکھتے ہوئے "ذکر حبیب" کے پہلے ایڈیشن کے صفحہ ۲۵۰ پر "موضع مہوٹہ کلاں تحصیل گجرات" بیان کی ہے-

۷ محمد زمان کھوکھر، گجرات تاریخ کے آئینے میں، گجرات، یاسر اکیڈمی، ۱۹۹۶ء، ص ۴۱۵

۸ طالب علمی کے زمانے میں ایک جگہ مدیر "صوفی" کو "مرزا" ظاہر کیا گیا ہے- "انجمن حمایت اسلام لاہور کے بارھویں سالانہ جلسے کی روئداد" ماہ فروری ۱۸۹۷ء کے صفحہ ۹۳ پر مدیر "صوفی" کا نام "مرزا محمد دین موج" درج ہے-

۹ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۲

۱۰ ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب، پنڈی بہاؤالدین، صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ، (۱۹۲۳ء)، ص "و" (دیباچہ)

۱۱ ایضاً

۱۲ صحافت سے متعلقہ سرکاری ریکارڈ میں گاؤں "ونجل" کو مدیر "صوفی" کی جائے پیدائش بیان کیا گیا ہے جس سے مدیر "صوفی" کے موضع "ونجل" سے تعلق کی تصدیق ہوتی ہے لیکن یہ مدیر "صوفی" کی جائے پیدائش نہیں البتہ "مہوٹہ کلاں" کے اجڑ جانے کے بعد پناہ گاہ ضرور ثابت ہوا-

۱۳ محمد زمان کھوکھر، گجرات تاریخ کے آئینے میں، ص ۴۴۲، ۴۴۳

۱۴ ؎ ملک اشرف نے نویں کلاس اور اختر راہی نے بی-اے میں ان کتابوں کے لکھنے کا ذکر کیا ہے، جو درست نہیں-

۱۵ ؎ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۲

۱۶ ؎ ایضاً

۱۷ ؎ ایضاً

۱۸ ؎ محمد الدین فوق نے "اخبار نویسوں کے حالات" میں چھ روپیہ ماہوار وظیفہ تحریر کیا ہے ان کے تتبع میں امداد صابری اور ملک محمد اشرف نبیرۂ مدیر" صوفی" نے بھی وظیفہ کی رقم چھ روپیہ ماہوار بیان کی ہے حالانکہ "پیسہ اخبار" میں خود مدیر "صوفی" نے چار روپے ماہوار وظیفہ ملنے کا ذکر کیا ہے-

۱۹ ؎ پیسہ اخبار ہفت روزہ، ۲۶ / جون ۱۸۹۷ء، ص ۹

۲۰ ؎ انجمن حمایت اسلام لاہور کے بارہویں سالانہ جلسے کی روئداد، فروری ۱۸۹۷ء، ص ۹۳ تا ۹۷

۲۱ ؎ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۲

۲۲ ؎ انجمن حمایت اسلام لاہور کے بارہویں سالانہ جلسے کی روئداد، فروری ۱۸۹۷ء، ص ۹۳

۲۳ ؎ (i) ایضاً، ص ۹۴ (ii) اس اقتباس کے تیسرے مصرعے میں "صفتیں" کا 'ف' ساکن کیا گیا ہے- نیز چوتھے مصرعے میں "یا" کے بجائے 'اور' استعمال ہونا چاہیے-

۲۴ ؎ (i) انجمن حمایت اسلام کے بارہویں سالانہ جلسے کی روئداد، ص ۹۳

(ii) تیسرے مصرعے میں "ہے" کے بجائے "ہی" ہونا چاہیے-

۲۵ ؎ پیسہ اخبار ہفت روزہ، ۲۲ / مئی ۱۸۹۷ء، ص ۸، ۱۰

۲۶ ؎ ایضاً، ص ۱۰

۲۷ ؎ محمد الدین فوق نے "اخبار نویسوں کے حالات" میں ایک دن کے کھانے پینے کی قیمت بطور چندہ دینے کا ذکر کیا ہے- امداد صابری، اختر راہی اور نبیرۂ مدیر "صوفی" ملک محمد اشرف نے بھی اسی بات کو دہرایا ہے جبکہ خود مدیر "صوفی" نے پانچ یوم بیان کیا ہے-

۲۸ ؎ پیسہ اخبار ہفت روزہ، ۲۶ / جون ۱۸۹۷ء، ص ۹

۲۹ ؎ ایضاً

۳۰ ؎ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۲

۳۱ ؎ اختر راہی نے "تذکرۂ علمائے پنجاب" میں مدیر "صوفی" کے بی-اے میں پڑھنے کا ذکر کیا ہے- ملک میں اشرف نبیرۂ مدیر "صوفی" نے لکھا ہے کہ

"میٹرک میں بھی وظیفہ حاصل کیا - انٹر کے امتحان سے قبل یرقان ہوگیا - امتحان نہ دے سکے -" ان دونوں بیانوں کی صداقت مشکوک ہے - اختر راہی کو غلط فہمی محمد الدین فوق کے اس فقرے سے ہوئی کہ "فورتھ ائیر کلاس میں پڑھتے تھے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور امیر عبدالرحمن خاں مرحوم آف کابل کی سوانح عمری لکھی" اختر راہی نے اس فقرے کو جب متبادل جملے میں ڈھالا تو لکھا کہ " بی - اے میں پڑھتے تھے کہ رنجیت سنگھ اور امیر عبدالرحمن والئی افغانستان کی سوانح عمریاں لکھیں -" اختر راہی نے "فورتھ ائیر" سے رائج الوقت مفہوم یعنی "بی - اے "مراد لیا ہے اور "بی - اے" کو فورتھ ائیر کا مترادف گردانتے ہوئے فقرہ ترتیب دے دیا - حالانکہ جس زمانے کی بات زیر بحث ہے اس میں پرائمری سکول کلاس چہارم تک ہوتے تھے - ہائی اسکول پانچویں سے شروع ہوتے تھے اور ہائی اسکولوں میں بھی سال اول ، دوم ، سوم ، چہارم ، پنجم ، ششم کے حساب سے درجہ بندی ہوتی تھی - محمد الدین فوق نے اس زمانے کے ہائی اسکولوں کی درجہ بندی کے مطابق لکھا تھا - جس کو مدِنظر رکھتے ہوئے "فورتھ ائیر" کا مفہوم "آٹھویں جماعت" نکلتا ہے - لہٰذا اس پس منظر میں مدیر "صوفی" کے بی - اے میں پڑھنے کی بات بے بنیاد ثابت ہوتی ہے - ملک محمد اشرف کے بیان کو بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا - مدیر "صوفی" کا جو خط "پیسہ اخبار " ۲۶ / جون ۱۸۹۷ء کو شائع ہوا - اس میں مدیر "صوفی" نے اپنے کوائف میں تحریر کیا ہے کہ " طالب علم پنجم انٹرنس ، اسلامیہ ہائی اسکول ، لاہور" جس کا مطلب یہ ہے کہ مدیر "صوفی" جون ۱۸۹۷ء تک نویں جماعت یعنی میٹرک کے پہلے سال میں تھے - دوسری طرف مدیر "صوفی" کے تمام سوانح نگار جن میں خود ملک محمد اشرف بھی شامل ہیں ، اس بات پر متفق ہیں کہ ۱۸۹۹ء میں مدیر "صوفی" نے ملازمت اختیار کی - تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جو طالب علم ۱۸۹۷ء میں نویں جماعت میں ہو وہ ۱۸۹۹ء میں انٹر کے دوسرے سال میں پہنچ جائے - محسوس ہوتا ہے کہ ملک محمد اشرف کو یہ مغالطہ محمد الدین فوق کی تحریر میں "انٹرنس" جیسے آج کل کے زمانے کے نامانوس لفظ کو "انٹر" کے طور پر سمجھنے سے ہوا -

۳۲ ۔ صوفی ، ماہنامہ ، "سفر نامۂ حجاز مصر و شام " از صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ ، فروری ۱۹۱۴ء ، ص ۲۰

۳۳ ۔ بشیر احمد ڈار (مرتب) ، انوار اقبال ، کراچی ، اقبال اکادمی پاکستان ، ۱۹۶۷ء ، ص ۶۶

۳۴ ۔ ملک محمد الدین (مولف) ، ذکر حبیب ، ص ۲۵۰

۳۵ ۔ ملک محمد اشرف نبیرہ ، مدیر "صوفی" ، حالات زندگی مدیر "صوفی" (قلمی) ، ص ۱

۳۶ ۔ ملک محمد الدین (مولف) ، ذکر حبیب ، ص ۲۵۰

۳۷ ۔ ملک محمد اشرف نبیرۂ مدیر "صوفی" ، حالات زندگی مدیر "صوفی" (قلمی) ، ص ۱

۳۸ ۔ H.Sst. B. Philby(Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1911, Serial No. 218 , Column No. 9, P.67

۳۹۔ ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب، ص ۲۵۱

۴۰۔ ایضاً، ص و (دیباچہ)

۴۱۔ ملک محمد اشرف نبیرۂ مدیر "صوفی"، حالات زندگی مدیر "صوفی" (قلمی)، ص ا

۴۲۔ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۳

۴۳۔ ایضاً، ص ۶۲

۴۴۔ ایضاً

۴۵۔ ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب، ص ۲۵۱

۴۶۔ صوفی، ماہنامہ، "ذکر حبیب" از (مدیر "صوفی")، اگست ۱۹۰۹ء، ص ۳۴

۴۷۔ انٹرویو، غلام حیدر (خدمت گار مدیر "صوفی" ــــ آخری لمحات کا چشم دید گواہ)، بمقام پنڈی بہاؤالدین، بزبان پنجابی، ۲۹ر دسمبر ۱۹۹۶ء

۴۸۔ صوفی، ماہنامہ، اگست ۱۹۰۹ء، ص ۳۴

۴۹۔ جبکہ "ذکر حبیب" کے دیباچے میں اسی بات کو مختلف طور پر بیان کرتے ہیں کہ "... صاحبزادہ صاحب مجھے آستانہ جلالپور شریف کی خاک بوسی کا حکم دیتے ہیں۔"

۵۰۔ ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب، ص ۲۵۱

۵۱۔ صوفی، ماہنامہ، اگست ۱۹۰۹ء، ص ۳۴

۵۲۔ جبکہ "ذکر حبیب" (ص ۲۵۱) میں مدیر "صوفی" لکھتے ہیں کہ "... سلسلہ چشتیہ منظومہ بطلب امداد پڑھ کر سنانے کی اجازت چاہی۔"

۵۳۔ صوفی، ماہنامہ، اگست ۱۹۰۹ء، ص ۳۴

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب، ص ۲۵۱

۵۶۔ صوفی، ماہنامہ، اگست ۱۹۰۹ء، ص ۳۴

۵۷۔ ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب، ص ۲۵۲

۵۸۔ ایضاً

۵۹۔ صوفی، ماہنامہ، اگست ۱۹۰۹ء، ص ۳۴

۶۰ جبکہ صحافت سے متعلقہ سرکاری ریکارڈ میں مدیر "صوفی" کو آبحیات کا موجد بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ماہنامہ "صوفی" اور ماہنامہ "نورتن" کی ابتدائی اشاعتوں میں آبحیات کے اشتہارات میں مشتہر یعنی مدیر "صوفی" کے نام کے ساتھ "موجد" کے الفاظ درج ہیں مثلاً ماہنامہ "نورتن" میں "المشتہر - پروفیسر ملک محمد الدین آوان چشتی حیدری موجد آبحیات مالک وایڈیٹر نورتن پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات-" یا ماہنامہ "صوفی" میں "المشتہر - پروفیسر ملک محمد الدین آوان چشتی حیدری موجد آبحیات - پنڈی بہاؤالدین - ضلع گجرات" لکھا جاتا رہا، لیکن مابعد اشاعتوں میں "موجد" کی حیثیت پر اصرار نہیں کیا گیا - مثلاً صوفی کے جون ۱۹۱۰ء کے شمارے میں صفحہ ۵۲ پر آب حیات کا اشتہار درج ہے جس میں کوائف یوں درج ہیں کہ "المشتہر ملک محمد دین مالک وایڈیٹر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات" اور نہ ہی اشتہار کی عبارت میں کسی ایسے دعوے کا تذکرہ ملتا ہے - اس کے بعد آب حیات کے کسی اشتہار میں بھی "موجد آبحیات" ہونے کا اشارہ نہیں ملتا - دوسرے یہ کہ اگر اس زمانے کے اخبارات ورسائل ملاحظہ کئے جائیں تو آب حیات کے نسخے سے مطابقت رکھنے والی ادویات کی بھرمار نظر آتی ہے - مثلاً ماہنامہ "مخزن" لاہور میں "ٹھاکر دت شرما وید مالک دلیش آیکارک کارخانہ امرت دھارا چوک متی، لاہور" کے اشتہارات نظر آتے ہیں - جو "امرت دھارا" نامی دوائی سے متعلق ہوتے تھے اور اس دوائی کی مدح میں جو پمفلٹ شائع کیا جاتا تھا اس کا نام "آب حیات" تھا - اسی طرح ماہنامہ "نظام المشائخ" میں "آبحیات" نام کی دوائی کا اشتہار "مینیجر شفا خانہ شہنشاہی سند یافتہ حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکماء، موچی دروازہ، لاہور" کی طرف سے شائع ہوتا تھا - جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ "مدیر صوفی" سے متعلق موجد آب حیات کے دعوے میں "موجد" کے لفظ کو "ایجاد کنندہ" کے مفہوم میں نہیں بلکہ کسی اور مفہوم میں استعمال کیا گیا ہوگا - جس کی بعد میں تصحیح ہوگئی کیونکہ "صوفی" کی مابعد اشاعتوں میں اس دعوے سے پرہیز کیا گیا - ان سب باتوں کے علاوہ پیر غلام غوث مہروی جو مدیر "صوفی" کے واقف حال ہیں نے شہیداں والی ضلع منڈی بہاؤالدین میں ۲۸ / دسمبر ۱۹۹۶ء کو انٹرویو کے دوران بتایا کہ موجد آب حیات کا دعویٰ درست نہیں کیونکہ آب حیات کا نسخہ تو حکیم غلام جیلانی جو بھاٹی گیٹ لاہور میں مطب کرتے تھے اور شاہ ایران کے بھی طبیب رہے، ان کی کتاب "مخزن الحکمت" میں بہت پہلے سے شامل رہا ہے - نیز خود مدیر "صوفی" نے اپنے بارے میں لکھتے ہوئے اپنے کسی ایسے کارنامے کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ان کے کسی سوانح نگار نے اس سلسلے میں کھل کر بات کی ہے -

۶۱ انٹرویو، ملک امان اللہ (رشتہ دار مدیر "صوفی")

۶۲ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۳

۶۳ ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب، ص ۲۵۲

(الف) کارخانہ آب حیات کی "پرائس لسٹ" نمبر ۹۷ برائے ستمبر ۱۹۶۳ء دستیاب ہوئی ہے - جس کے سرورق پر "Established 1906" چھپا ہوا ہے -

(ب) مینیجر آب حیات نے ماہنامہ "صوفی" نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۳ ح پر ایک اشتہار کے ذیل میں کارخانہ آب حیات کا آغاز "اپریل ۱۹۰۶ء" بیان کیا ہے- اس میں ماہ اپریل کا بیان کسی غلط فہمی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے- کیونکہ مدیر "صوفی" اگست ۱۹۰۶ء تک روزگار کی تلاش میں لاہور اور کشمیر میں قسمت آزمائی کرتے نظر آتے ہیں-

۶۵ـ انٹرویو، ملک امان اللہ (رشتہ دار مدیر "صوفی")

۶۶ـ محمد الدین فوق، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۳

۶۷ـ ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب، ص ۲۵۲

۶۸ـ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۳

۶۹ـ نورتن، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات، "دربار اکبری" از (مدیر "نورتن") جولائی ۱۹۰۹ء، ص ۶

۷۰ـ ایضاً

۷۱ـ صوفی، ماہنامہ، "نورتن پنڈی بہاؤالدین گجرات" (اشتہار) اکتوبر ۱۹۰۹ء، ص ۲

۷۲ـ ایضاً، "نہایت ضروری اطلاع بخدمت خریداران نورتن" از ایڈیٹر صوفی، اپریل ۱۹۱۰ء، ص ۲

۷۳ـ Abdul Aziz (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1926 , Serial No. 60 , Column No. 11, P.23

۷۴ـ ایضاً، کالم نمبر ۶، ص ۲۲

۷۵ـ صوفی، ماہنامہ، "رسالہ اعوان شائع ہو گیا!" (خبر)، مارچ ۱۹۲۶ء، ص ۸

۷۶ Abdul Aziz (Editor), Statement of the Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1927, Lahore, SGPP, 1928 , Serial No. 60,Column No. 6, P.24

۷۷ـ صوفی، ماہنامہ، "بگل کی آواز - اعوان کے نام" از محمد الدین اعوان، مئی ۱۹۲۴ء، ص ۵۱

۷۸ـ ملک شیر محمد خان، تذکرۃ الاعوان، کالا باغ، ادارہ تصنیف و تالیف، ۱۹۷۷ء، ص ۴۵

۷۹ـ صوفی، ماہنامہ، "اعوان کانفرنس" (خبر)، اپریل ۱۹۳۴ء، ص ۳

۸۰ Muhammad Hussain(Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1934, Lagore SGPP, 1935, Serial No. 85, Column No. 6, P. 36

۸۱ے اعوان، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر و اکتوبر، ۱۹۳۵ء، سرورق

۸۲ے انٹرویو، حکیم افتخار حسین فخر (شاعر)، بمقام منڈی بہاؤالدین ۲۲ر دسمبر ۱۹۹۶ء

۸۳ے محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۳

۸۴ے صوفی، ماہنامہ، "صوفی وظائف فنڈ" (اشتہار)، فروری ۱۹۱۱ء، ص ۲۴

۸۵ے ایضاً، "صوفی وظائف فنڈ کی بجائے اشاعت اسلام فنڈ کا اجراء" از محمد الدین اعوان، مئی ۱۹۱۱ء، ص ۴۶

۸۶ے محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۳

۸۷ے پیسہ اخبار، روزنامہ، لاہور، یکم جولائی ۱۹۱۱ء، ص ۵

۸۸ے ایضاً، ۱۶ر دسمبر ۱۹۱۱ء، ص ۵

۸۹ے محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۳

۹۰ے ایضاً

۹۱ے ایضاً

۹۲ے صوفی، ماہنامہ، "صوفی" (خبر)، اپریل ۱۹۱۳ء، ص ۲۱

۹۳ے ملک محمد الدین، سرسید مرحوم، پنڈی بہاؤالدین، ایڈیٹر صوفی، (۱۹۱۴ء)، ص ۳ تا ۵

۹۴ے صوفی، ماہنامہ، "ایک لاکھ روپیہ نقد انعام" (اشتہار)، اگست ۱۹۱۳ء، ص ۶۴

۹۵ے ایضاً

۹۶ے صاحبزادہ فضل شاہ نے اپنے سفرنامے میں مدیر "صوفی" کے لاہور سے واپس جانے کا ذکر کیا ہے۔

۹۷ے مکتوب، بنام ڈاکٹر محمد عبدالغنی، مرقومہ ملک محمد الدین اعوان مدیر "صوفی"، غیر مطبوعہ، ۲۱ر مارچ ۱۹۶۲ء

۹۸ے صوفی، ماہنامہ، "سفرنامۂ حجاز" از صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ، دسمبر ۱۹۱۳ء، ص ۹

۹۹ے ایضاً، "مقدس البم" از نامی کوہ سواری، مئی ۱۹۱۵ء، ص ۲۳ تا ۲۷

۱۰۰ے ایضاً، اسلامی البم کی ضرورت" از (مدیر صوفی)، جون ۱۹۱۴ء، ص ۵۸

۱۰۱ے ایضاً

۱۰۲ے ایضاً، "فہرست خطابات روحانی یادگار بابتہ ۱۳۳۳ھ از خواجہ حسن نظامی، مارچ ۱۹۱۵ء، ص ۱۹

۱۰۳ نظام المشائخ' ماہنامہ دہلی "حلقہ کی کارگزاری "از خواجہ حسن نظامی' محرم الحرام ۱۳۳۱ھ' ص ۶۴

۱۰۴ انٹرویو' ڈاکٹر مرزا محمود فیضانی (سابق طالب علم اسلامیہ ہائی اسکول منڈی بہاؤ الدین' سابق ایگزیکٹو ممبر ایم - ایس - ایف منڈی بہاؤ الدین)، بمقام فیضانی ملی لائبریری ایبٹ آباد' ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۵ء

۱۰۵ صوفی' ماہنامہ "ایمپائر آف انڈیا لائف انشورنس کمپنی بمبئی "(اشتہار)' فروری ۱۹۱۶ء ص ۳۸

۱۰۶ انٹرویو' ڈاکٹر مرزا محمود فیضانی (سابق طالب علم اسلامیہ ہائی اسکول منڈی بہاؤ الدین)

۱۰۷ پیسہ اخبار' روزنامہ' لاہور' یکم نومبر ۱۹۱۱ء' ص ۴

۱۰۸ صوفی' ماہنامہ "پچاس روپیہ نقد انعام "(اشتہار)' نومبر ۱۹۱۶ء' ص ۴

۱۰۹ ایضاً' "شادی خانہ آبادی" (سہرا اور تاریخ وغیرہ) از ملک محمد الدین اعوان' مئی ۱۹۱۷ء ص ۳۹ تا ۴۳

۱۱۰ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ نے "اقبال اور گجرات" کے صفحہ ۲۵۸ پر "سیرۃ الزہرا" اور "خاتون جنت" کو دو الگ الگ تصانیف گردانا ہے جو درست نہیں۔

۱۱۱ صوفی' ماہنامہ "سیرۃ حضرت فاطمۃ الزہریٰؓ" (اشتہار)' نومبر و دسمبر ۱۹۱۷ء' ص ۸۴

۱۱۲ ملک محمد الدین (مولف)' خاتون جنت' پنڈی بہاؤ الدین' صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ' ساتواں ایڈیشن' یکم محرم الحرام ۱۳۴۳ھ، ص ۱۲

۱۱۳ ایضاً' ص ۶۹ تا ل ۱۷۱

۱۱۴ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال' کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز)' لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز' ۱۹۷۵ء، ص ۱۵۲ تا ۱۵۵

۱۱۵ ملک محمد الدین (مولف)' خاتون جنت' ص ۱۰

۱۱۶ تفصیل کے لئے دیکھیے:

(i) صوفی' ماہنامہ، "کہتی ہے ہم کو خلق خدا غائبانہ کیا" (آراء)' جنوری ۱۹۱۸ء، ص ۳۷ تا ۳۹

(ii) ایضاً' "معزز اخبارات اور مشاہیر ملک کی رائے سیرۃ فاطمۃ الزہراؓ" (آراء)' فروری ۱۹۱۸ء' ص ۳۰ تا ۳۵

(iii) ایضاً' "معزز اخبارات اور مشاہیر ملک کی رائے سیرۃ حضرت فاطمہ کے بارے میں" (آراء)، مارچ ۱۹۱۸ء، عرس نمبر' ص ۴۴

(iv) ایضاً' "ریویو- سیرۃ فاطمۃ الزہراؓ" از آگرہ اخبار' اپریل ۱۹۱۸ء' ص ۴۱

(v) ایضاً' "ریویو- سیرۃ فاطمۃ الزہراؓ" از فوجی اخبار' مئی ۱۹۱۸ء' ص ۳۵

۱۱۷ صوفی' ماہنامہ "در شان حضرت زہراؓ" از امام الدین رام نگری' جون ۱۹۱۸ء' ص ۳۵

۱۱۸ ایضاً' "واہ کیا جلوۂ سرکار حیدر شاہؒ ہے" از محمد یعقوب اوج گیاوی' مارچ ۱۹۱۸ء' عرس نمبر' ص ۱۵

۱۱۹ - ایضاً' "سیرۃ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا دوسرا ایڈیشن" (اشتہار)' اگست ۱۹۱۸ء' ص ۵۲

۱۲۰ - صوفی' ماہنامہ' "ایڈیٹر صوفی کا نیا اعزاز" (اطلاع)' اگست ۱۹۱۸ء' ص ۳۰

۱۲۱ - انٹرویو، ملک امان اللہ (رشتہ دار مدیر "صوفی")

۱۲۲ - صوفی' ماہنامہ' "چار کتابیں" (اشتہار)' فروری ۱۹۱۹ء، عرس نمبر' ص ۵۲

۱۲۳ - ایضاً' "گورنمنٹ آسام و بنگال کی طرف سے قدر دانی" (خبر)' ص ۴۰

۱۲۴ - ملک محمد الدین (مولف)' سیرۃ صدیقہؓ پنڈی بہاؤالدین' ایڈیٹر صوفی، (۱۹۱۸ء)، ص ۱

۱۲۵ - ایضاً' ص ۲

۱۲۶ - صوفی' ماہنامہ' "صرف شعرائے نامدار پڑھیں" (اعلان)' اگست ۱۹۱۸ء' ص ۲۸

۱۲۷ - ملک محمد الدین (مولف)' سیرۃ صدیقہ' ص ۴

۱۲۸ - صوفی' ماہنامہ' "عظیم الشان برٹش فتح کی خوشی میں عظیم الشان رعایت" (اشتہار)' دسمبر ۱۹۱۸ء' ص ۴۴

۱۲۹ - ایضاً' "سیرۃ عائشہ صدیقہ کی نسبت مشاہیر ملک کی رائیں" (آراء)' جون ۱۹۱۹ء' ص ۳۳

۱۳۰ - ایضاً' "پانچ شہرہ آفاق کتابیں" (اشتہار)' اکتوبر ۱۹۲۲ء' ص ۵۸

۱۳۱ - ایضاً' "جیب میں دام - دین کی خدمت اور دنیا میں نام" از محمد الدین ایڈیٹر صوفی' نومبر ۱۹۲۲ء' ص ۱۱ تا ۱۳

۱۳۲ - (الف) ڈاکٹر منیر احمد سلیچ نے "اقبال اور گجرات" کے صفحہ ۲۵۸ پر "صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین گجرات" کے قیام کا سن ۱۹۰۸ء بیان کیا ہے۔

(ب) "اسد معاشرتی علوم" میں اس اشاعتی ادارے کے قیام کا سن ۱۹۰۶ء بیان ہوا ہے۔ حقائق ان دونوں کی تصدیق نہیں کرتے۔

۱۳۳ - صوفی' ماہنامہ' "تازہ خبر" (اشتہار)' دسمبر ۱۹۲۲ء، ص ۲

۱۳۴ - ایضاً' "آج کیا خبر ہے - صوفی پرنٹنگ کمپنی لمیٹڈ" (رپورٹ)' جنوری ۱۹۲۳ء، ص ۲

۱۳۵ - ایضاً' دسمبر ۱۹۲۲ء، ص ۲

۱۳۶ - ایضاً' "تمام پیر بھائیوں کی خدمت میں ضروری التماس" از محمد الدین' جنوری ۱۹۱۰ء، ص ۱۷

۱۳۷ - ایضاً' "ذکر حبیب" (تعارف کتاب)' دسمبر ۱۹۲۳ء ص ۴۱' ۴۲

۱۳۸ - ملک محمد الدین (مولف)' ذکر حبیب' ص ۱۱۱

۱۳۹ـ ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب، لاہور، القمر بک کارپوریشن ۱۴۰۴ھ، سرورق

۱۴۰ـ صوفی، ماہنامہ، "روپیہ کمانے اور لگانے کا بہترین موقعہ" (رپورٹ)، دسمبر ۱۹۲۴ء، ص ج ۲

۱۴۱ـ "اسد معاشرتی علوم" کے مولف نے پرنٹنگ پریس کے قیام کا سن ۱۹۰۶ء بیان کیا ہے جو درست نہیں۔

۱۴۲ـ صوفی، ماہنامہ، "رعایتی قیمت کا اعلان" (اشتہار)، فروری ۱۹۲۰ء، عرس نمبر، ص ۴۴

۱۴۳ـ انٹرویو، ملک امان اللہ (رشتہ دار مدیر "صوفی")

۱۴۴ـ صوفی، ماہنامہ، "مطبوعات صوفی حصہ اول" (اشتہارات)، اگست ۱۹۲۶ء، ص ۴۵ تا ۶۳

۱۴۵ـ ایضاً، "آپ کیا خریدنا چاہتے ہیں؟" (اشتہار)، اپریل و مئی ۱۹۲۸ء، عید نمبر، ص ۲۹

۱۴۶ـ ایضاً، "آتش زدگی"، از سلطان علی مینیجر صوفی کمپنی، دسمبر ۱۹۲۸ء، ص ۲۱

۱۴۷ـ ایضاً، "نوٹس!" از محمد الدین - محمد ممتاز فاروقی لکوی ڈیٹران، دسمبر ۱۹۳۲ء، ص ۳

۱۴۸ـ ایضاً، "تاریخ حریت اسلام، تاریخ سلاطین آل عثمان معہ جنگ ترکان احرار و یونان" (اشتہار کتب)، اپریل ۱۹۳۳ء، ص ۴۲

۱۴۹ـ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام (حصہ سوم)، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۲ء، ص ۴

۱۵۰ـ ایضاً، ص ۲

۱۵۱ـ صوفی، ماہنامہ، "صدائے جگر خراش" از ایڈیٹر صوفی، اپریل ۱۹۱۹ء ص ۱۷، ۱۸

۱۵۲ـ انٹرویو، ملک محمد اصغر اعوان (رشتہ دار مدیر "صوفی")، بمقام پنڈی بہاؤالدین، بربان پنجابی، ۲۸ر دسمبر ۱۹۹۶ء

۱۵۳ـ انٹرویو، ملک امان اللہ (رشتہ دار مدیر "صوفی")

۱۵۴ـ اجی فراجی، حمید الدین (مرتبین)، مولوی کا غلط مذہب، لاہور، التذکرہ، ۱۹۷۹ء، ص ۱۷۳ تا ۱۸۴

۱۵۵ـ زبانی روایت، انصر محمود اسسٹینٹ پروفیسر کامرس گورنمنٹ ڈگری کالج منڈی بہاؤالدین (راوی)، بمقام منڈی بہاؤالدین، ۳۰ر دسمبر ۱۹۹۶ء

۱۵۶ـ صوفی، ماہنامہ، "زہر قاتل" از سلطان علی، جنوری فروری ۱۹۲۱ء، عرس نمبر، ص ۳۶ تا ۳۸

۱۵۷ـ ایضاً، "ایڈیٹر صوفی کی شکایت" (وضاحت)، مارچ ۱۹۲۱ء، ص ۳۷

۱۵۸ـ ایضاً، "فیصلہ" (خبر)، جون ۱۹۲۱ء، ص ۲

۱۵۹ـ ایضاً، "انوار حق (فی الابطال) اظہار حق ڈنگہ کے خادم خلق سے اتمام حجت" از ایڈیٹر صوفی، ستمبر ۱۹۲۱ء، ص ۴۰

۱۶۰ـ انٹرویو، محمد اکرام بھٹی (ریٹائرڈ ڈپٹی ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز، سابق اساد ایم - بی ہائی اسکول منڈی بہاؤالدین)

۱۶۱ - تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے:

(i) صوفی، ماہنامہ "شغل مقبول" از (ادارہ صوفی) مئی ۱۹۲۱ء ص ۲۹، ۳۰

(ii) ایضاً ستمبر ۱۹۲۱ء ص ۳۷ تا ۴۲

۱۶۲ - صوفی، ماہنامہ "معذرت" از محمد الدین ایڈیٹر صوفی، جنوری ۱۹۲۲ء، ص ۲۸

۱۶۳ - ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب، ص از (دیباچہ) ۲۵۲، ۲۵۳

۱۶۴ - صوفی، ماہنامہ، جنوری فروری ۱۹۲۱ء عرس نمبر، ص ۳۶

۱۶۵ - انٹرویو، ملک امان اللہ (رشتہ دار مدیر "صوفی")

۱۶۶ - Punjab Archives, File No. 224, B. Proceedings 1934, Notified Area, Branch Committee Local-Self Govenment, Lahore, Punjab Govement Civil Secretariat, P.1 (Correspondence)

۱۶۷ - انٹرویو، پیر غلام غوث مہروی، بمقام شہیداں والی ضلع منڈی بہاؤالدین، ۲۹ دسمبر ۱۹۹۶ء

۱۶۸ - صوفی، ماہنامہ "زمیندارہ دکان آڑھت پنڈی بہاؤالدین" از سردار خاں چیف ڈائریکٹر، جنوری ۱۹۲۷ء، ص ۴۱

۱۶۹ - انٹرویو، ملک غلام رسول (فرزند منشی سلطان علی مینیجر "صوفی")، بمقام منڈی بہاؤالدین، ۲۸ دسمبر ۱۹۹۶ء

۱۷۰ - انٹرویو، ملک اصغر اعوان (رشتہ دار مدیر "صوفی")

۱۷۱ - انٹرویو، ملک غلام رسول (فرزند منشی سلطان علی مینیجر "صوفی")

۱۷۲ - انٹرویو، حکیم افتخار حسین فخر (شاعر - منڈی بہاؤالدین)

۱۷۳ - ملک محمد اشرف نبیرۂ مدیر "صوفی"، حالات زندگی مدیر "صوفی" (قلمی)، ص ۳

۱۷۴ - صوفی، ماہنامہ، "حساب آمد و خرچ جامع مسجد کمیٹی منڈی بہاؤالدین" (رپورٹ)، اپریل و مئی ۱۹۴۷ء، ص ۱۴

۱۷۵ - انٹرویو، محمد اکرام بھٹی (ریٹائرڈ ڈپٹی ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز، سابق استاد ایم - بی ہائی اسکول منڈی بہاؤالدین)

۱۷۶ - Punjab Government (Editor), Report on the working of Panchayats in the Punjab during the year 1928 - 29 , Lahore, Govt. Printing Punjab , 1930, P.9

۱۷۷ - ڈاکٹر عبدالغنی کے نام ۲۱ مارچ ۱۹۶۲ء کے خط کے پیڈ پر کوائف کے ذیل میں " Ex- PresidentPanchayat courts" کے الفاظ چھپے ہیں۔

۱۷۸ ـ Punjab Government (Editor), Report on the working of Panchayats in the punjab during the year 1930-31, Lahore , Govt .Printing Punjab , 1932, P.63

۱۷۹ ـ Punjab Government (Editor), Report on the working of Panchayats in the Punjab during the year 1936-37 , Lahore , Govt Printing Punjab, 1939, P.75

۱۸۰ ـ Punjab Archives, File No. 224, B.Proceedings 1934, P.7

۱۸۱ ـ انٹرویو، محمد اکرام بھٹی (ریٹائرڈ ڈپٹی ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز، سابق استاد ایم بی ہائی اسکول، منڈی بہاؤالدین)

۱۸۲ ـ ڈاکٹر عبدالغنی کے نام ۲۱/مارچ ۱۹۶۲ء کے خط کے پیڈ پر کوائف کے ذیل میں "Ex-President Municipal committe" کے الفاظ چھپے ہیں۔

۱۸۳ ـ Muhammad Hussain (Editor), Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1934 , Serial No. 85, Column No. 9, P.37

۱۸۴ ـ ڈاکٹر عبدالغنی کے نام ۲۱/مارچ ۱۹۶۲ء کے خط کے پیڈ پر کوائف کے ذیل میں "Chairman Auqaf Committee" کے الفاظ چھپے ہیں۔

۱۸۵ ـ (i) Muhammad Hussain (Editor), Statement of Newspapers and Piroidicals Published in the Punjab during the year 1934 , Serial No. 85, Column No.9, P.37

(ii)S.Nur Ahmad (Editor), Statement of Newspapers and Peroidicals Prblished ni the Punjab during the year 1950, Serial No. 337, Column No. 9, P. 45

۱۸۶ ـ R.H.Fooks (Editor), Police Abstract of Intelligence Punjab 04th Dec. 1920, Lahore,SGPP, 1920, Paragraph No. 2222, P. 685

۱۸۷ ـ تفصیلات کے لئے دیکھئے: صوفی ماہنامہ، (i) "ضرورت" (اشتہار)، اگست ۱۹۱۹ء، ص۲ (ii) "ایک ضروری عرض" (اعلان)، اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۳۶ (iii) " دربار جلالپور شریف اور انسداد فتنہ ارتداد" (سالانہ رپورٹ)، جنوری ۱۹۲۵ء، ص ۴۶ (iv) " درس جاری ہوگیا" (اطلاع)، اگست ۱۹۳۴ء، ص ۲۱ (v) " سرپرست اور معاون۔ تجارتی جماعت۔ ضرورت ہے" (رپورٹ)، "ایک اور وصیت" (خبر)، اپریل و مئی ۱۹۴۷ء، ص ۱۵، ۱۷

۱۸۸ انٹرویو، ڈاکٹر مظفر حسن ملک (ماہر تعلیم، دانشور)، بمقام گجرات، ۳۰/اگست ۱۹۹۵ء

۱۸۹ صوفی، ماہنامہ "ملک محمد اکرم خاں مدیر صوفی" (احوال)، جنوری ۱۹۳۰ء، ماتمی نمبر، ص ۳۵

۱۹۰ ایضاً "بیگم صاحبہ ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی کا انتقال پر ملال" (خبر)، مارچ ۱۹۴۱ء، ص ۱۸

۱۹۱ مکتوب، بنام ڈاکٹر عبدالغنی، مرقومہ ملک محمد الدین اعوان مدیر "صوفی"، غیر مطبوعہ، ۲۲/اپریل ۱۹۶۲ء

۱۹۲ انٹرویو، غلام حیدر (خدمت گار مدیر "صوفی" - آخری لمحات کا چشم دید گواہ)

۱۹۳ روزنامہ "امروز" لاہور نے اپنی ۲۱/دسمبر ۱۹۶۴ء کی اشاعت کے صفحہ ۶ پر رسالہ "صوفی" کے مدیر کا انتقال" کے عنوان سے خبر شائع کی ہے- نامہ نگار نے پنڈی بہاؤالدین سے ۲۰/دسمبر کی تاریخ میں اس خبر کو تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مشہور رسالہ "صوفی" منڈی بہاؤالدین کے مدیر اور علاقہ کی معروف شخصیت جناب صوفی محمد دین ملک گزشتہ روز یہاں وفات پا گئے-" خبر کے اس متن سے مدیر "صوفی" کی تاریخ وفات ۱۹/دسمبر ۱۹۶۴ء نکلتی ہے، جو درست نہیں- مدیر "صوفی" کی قبر پر جو کتبہ نصب ہے، اس پر تاریخ وفات "۱۷/دسمبر ۱۹۶۴ء" کندہ ہے- ملک محمد اشرف نبیرۂ مدیر "صوفی" نے بھی غیر مطبوعہ حالات زندگی میں ۱۷/دسمبر ۱۹۶۴ء بیان کی ہے-

۱۹۴ انٹرویو، غلام حیدر (خدمت گار مدیر "صوفی" - آخری لمحات کا چشم دید گواہ)

باب سوم:

''صوفی'' اقبال روابط

علامہ اقبالؔ سے مدیر "صوفی" کی ابتدائی شناسائی کے امکانات مجلّہ "صوفی" کے اجراء سے قبل کے زمانے میں موجود ہیں۔ اقبال ۱۸۹۵ء[1] میں لاہور آئے اور گورنمنٹ کالج میں بی۔ اے میں داخل ہوئے۔ اقبال کے لاہور آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد ایک ہونہار اور کم سن سوانح نگار کی حیثیت سے مدیر "صوفی" کی شہرت بھی لاہور پہنچی۔ آٹھویں جماعت میں پڑھتے ہوئے مدیر "صوفی" نے مہاراجہ رنجیت سنگھ اور والئی کابل امیر عبدالرحمن خان پر جو دو سوانحی کتابچے تصنیف کئے تھے وہ اس زمانے میں مرکز نگاہ تھے۔ "اخبار عام" نے ان کتابچوں کے حقوق حاصل کر کے زیور طبع سے آراستہ کیا تو خوب دھوم مچی۔ ان میں سے "حیات امیر" نامی کتابچے کی مانگ تو اتنی بڑھی کہ دو سال میں تین بار چھپنے کی نوبت آئی[2]۔ یقیناً لاہور میں رہتے ہوئے اقبالؔ تصنیفی اور اشاعتی دنیا کے اس نمایاں واقعے کہ اسکول کے ایک طالب علم کی تحریروں کا اتنی پذیرائی حاصل کر جانا' سے بےخبر نہیں رہ سکے ہوں گے۔

اپریل ۱۸۹۶ء[3] میں مدیر "صوفی" بھی بسلسلۂ تعلیم لاہور پہنچے اور انجمن حمایت اسلام کے زیر انتظام اسلامیہ ہائی اسکول میں نویں جماعت میں داخل ہوئے۔ گویا اس زمانے میں اقبالؔ اور مدیر "صوفی" دونوں طالب علم کی حیثیت سے لاہور میں موجود تھے۔ اقبالؔ جو اپنے شاعرانہ ذوق وشوق کی بناء پر طلباء میں مقبول تھے، ۱۸۹۷ء میں بی۔ اے کے امتحان میں امتیازی حیثیت کے باعث وظیفہ بھی حاصل کرتے ہیں اور عربی اور انگریزی کے مضامین میں اول پوزیشن حاصل کرنے پر سونے کے دو تمغوں کے حامل بھی قرار پاتے ہیں۔ یقیناً طلباء برادری میں وہ ایک آئیڈیل کی حیثیت اختیار کر گئے ہوں گے، جن سے مدیر "صوفی" جیسے ذمہ دار اور باشعور طالب علم ضرور اثر پذیر ہوئے ہوں گے۔ مولانا عبدالمجید سالک، اقبال کے زمانہ طالب علمی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "...ان کا کمرہ دوستوں کے جمگھٹوں اور شعر خوانیوں کا مرکز تھا اور جونیئر طلباء جنہیں اس کمرے میں بار نہ ملتا تھا، بڑی حسرت سے اس کمرے کی رونقوں کو دور سے دیکھا کرتے تھے[4]۔" بالکل اسی طرح مدیر "صوفی" جونیئر ہونے کی بناء پر اقبالؔ کی شاعرانہ اور طالب علمانہ کارروائیوں کا بڑی خاموشی سے جائزہ لیتے رہے۔

مدیر "پیسہ اخبار" مولوی محبوب عالم اپنے طباعتی اور اشاعتی کاروبار کو لے کر ۱۸۸۹ء[5] میں مستقل طور پر لاہور منتقل ہوئے۔ تاہم اس سے قبل تعلیمی سلسلے میں انہوں نے کچھ عرصہ لاہور گزارا تھا اور لاہور کی سرگرمیوں پر ان کی نگاہ بہت پہلے سے تھی۔ یہاں کے اہم معاملات میں وہ خود شریک بھی ہوتے تھے۔ جیسا کہ ۲۴ ستمبر ۱۸۸۴ء کے اس اجتماع میں وہ بہ نفس نفیس حاضر تھے جس میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے قیام کا فیصلہ اور بنیادی مقاصد کا تعین کیا گیا[6]۔ لاہور میں طباعت واشاعت کے کاروبار سے وابستگی کی بناء پر مدیر "پیسہ اخبار" "مدیر" "صوفی" کے کم عمری میں کامیاب سوانحی کتب کی تصنیف جیسے کارنامے سے غافل نہیں رہ سکتے۔ پھر جب طالب علمی کے زمانے میں مدیر "صوفی" کو لاہور میں گزارہ کرنے میں تنگی کا سامنا کرنا پڑا تو مدیر "پیسہ اخبار" نے خصوصی ہمدردانہ سلوک کرتے ہوئے، مدیر "صوفی" کے لئے وظیفے کا بندوبست کیا[7]۔ مدیر "پیسہ اخبار" کے اس کمال خسروانہ کی بدولت اقبالؔ کی نگاہ کا مدیر "صوفی" کی طرف منعطف ہو جانا ایک قدرتی امر ہے۔ کیونکہ اقبالؔ اس زمانے میں مدیر "پیسہ اخبار" کی شخصیت کے مطالعے اور جانچ پرکھ میں مصروف تھے۔ جس کا اظہار

محبت بھرے انداز میں ۲۵ رمئی ۱۹۰۰ء کو مدیر "پیسہ اخبار" کے سفر یورپ پر جانے کے سلسلے کی ایک الوداعی تقریب کے بعد ہوا جوان کے دوستوں نے منعقد کی تھی۔ الوداعی نظم میں اقبالؔ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

دی خبر آپ نے یہ کیا ناگاہ — چپکے چپکے چبھو دیا نشتر
دوستوں کا فراق قاتل ہے — درد اٹھتا ہے صورتِ محشر
آنکھ میں ہیں نہیں رواں لیکن — اشک اپنے ہیں مثل آب گہر
جایئے اور پھر کے آیئے گا — صورتِ بوئے نافہ اذفر
اس طرح آنکھ راہ دیکھے گی — جوں مؤذن کو انتظار سحر
بزمِ یاراں رہے گی یوں خاموش — جیسے چپ چاپ شام کے ہوں شجر
سرمژگاں پہ آگئے آنسو — نکل آیا جو دل میں تھا مضمر [(۸)]

اور پھر جب ایسی ہستی، جس کے بارے میں اقبال نے فرطِ محبت سے اپنے جذبات کا ایسا اظہار کیا، کے قلم نے مدیر "صوفی" کے اپنا پیٹ کاٹ کر مضروبانِ جنگِ یونان وترکی کی امداد کرنے کے رویے کو "ایک قابل تقلید مثال [(۹)]" کے عنوان سے "پیسہ اخبار" میں نمایاں کیا تو مدیر "صوفی" کو اقبال کی نگاہوں میں کچھ نہ کچھ بار ضرور حاصل ہوا ہوگا۔

انجمن حمایت اسلام لاہور ۱۸۸۴ء میں قائم ہو چکی تھی۔ اس کے سالانہ جلسوں کی روایت بڑی عظمت کے ساتھ جاری وساری تھی۔ مسلمان قوم کے مشاہیر جوش وسرگرمی سے اس کے جلسوں میں حصہ لیتے تھے۔ علامہ اقبالؔ نے انجمن کے پندرھویں سالانہ جلسے میں پہلی مرتبہ شرکت کی اور اپنی نظم "نالۂ یتیم" ۲۴ر فروری ۱۹۰۰ء کو جلسے کی تیسری نشست میں پیش کی جس کی صدارت شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد جیسی شخصیت نے کی نکل آیا جو دل میں تھا مضمر [(۱۰)]۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں شریک ہونا اقبال کے لئے کوئی عام واقعہ نہ تھا کیونکہ وہ بے دلی سے نہیں بلکہ بڑے اہتمام اور شوق سے اس کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ شیخ عبدالقادر مدیر "مخزن" "بانگ درا" کے دیباچے میں اس طرف روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "... انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اسی جلسہ کے لئے لکھی جاتی تھی اور جس کی فکر وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے [(۱۱)]۔" گویا یہ امر بدیہی ہے کہ انجمن کے پندرھویں سالانہ اجلاس میں شرکت سے قبل علامہ انجمن کے کارہائے نمایاں اور سالانہ جلسوں کا بغور جائزہ لیتے رہے، جس سے ان کے دل میں انجمن سے ہمدردی کے جذبات پروان چڑھے اور وہ انجمن کے پندرھویں سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے قائل اور آمادہ ہوئے۔ جن دنوں علامہ اقبال انجمن کے کاموں کا تجزیاتی نگاہ سے جائزہ لیتے رہے تھے تقریباً انہی دنوں مدیر "صوفی" نے ۳۰ رجنوری ۱۸۹۷ء کو انجمن کے بارھویں سالانہ جلسے میں ایک طالب علم کی حیثیت سے شرکت کی۔ مختلف ذرائع سے انجمن کی مالی

اعانت بھی کی، خطاب بھی کیا اور موضوع کی مناسبت سے اردو اور فارسی کلام بھی پیش کیا[(۱۲)] - یقیناً لاہور میں ایک ہی طالب علم سے وابستہ متواتر اور مختلف نمایاں واقعات نے علامہ اقبال کو اس طالب علم کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا ہوگا -

محمد الدین فوق ۳۱ رجنوری ۱۹۸۶ء کو گھڑتل ضلع سیالکوٹ سے روز گار کی تلاش میں لاہور پہنچے اور انجمن اتحاد، بازار حکیماں، بھاٹی دروازہ، لاہور کے مشاعروں کا شہرہ سن کران میں شریک ہونے لگے[(۱۳)] - اقبال بھی ان دنوں بغرض تعلیم لاہور میں موجود تھے اور انہی مشاعروں کی رونق بڑھا رہے تھے - یہیں دونوں کے دوستانہ مراسم استوار ہوئے - دونوں شاعری میں مرزا داغ دہلوی کے شاگرد تھے - دونوں ہم عمر تھے - دونوں کا تعلق ضلع سیالکوٹ سے تھا - دونوں کے آباؤ اجداد کشمیری النسل تھے - اس لئے دونوں کا دوستی کے رشتے میں بندھ جانا ایک فطری امر تھا - عبدالمجید سالک لکھتے ہیں کہ "... منشی محمد دین فوق بھی داغ کے شاگرد تھے اور کشمیری قوم کی خدمت میں بھی سرگرم رہتے تھے اس لئے اقبال سے ان کو خصوصی اخلاص تھا[(۱۴)] -" فروری ۱۸۹۶ء میں لاہور کی کشمیری برادری نے "انجمن کشمیری مسلماناں" قائم کی تو اقبال نے اس کے قیام پر پہلی مجلس میں ایک نظم پڑھی اور اس کی اکثر مجالس میں پر جوش نظمیں پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا - پھر جب اقبال نے ایم - اے کر لیا تو انہیں اس انجمن کا سیکرٹری اور منشی محمد الدین فوق کو اس کا اسسٹنٹ سیکرٹری بنا دیا گیا[(۱۵)] - دونوں کے اخلاص نے وقت کے ساتھ ساتھ دوستی کے اس رشتے کو مزید توانا اور مستحکم کیا - محمد عبداللہ قریشی رقم طراز ہیں کہ "... ذوق ومشرب کی یگانگت کی بناء پر دونوں کی طبیعت مل گئی اور ان میں کچھ ایسی الفت و محبت ہوگئی جسے جیتے جی زمانے کی دستبرد کوئی گزند پہنچا سکی نہ بُعد مکانی و مفارقت زمانی کا امتداد ان کی گرمی اور جوش میں افسردگی پیدا کر سکا[(۱۶)] -"

لاہور میں "پیسہ اخبار" کا دفتر اخبار نویسی کا مکتب تصور کیا جاتا تھا اور مولوی محبوب عالم مدیر گر سمجھے جاتے تھے[(۱۷)] - بیسویں صدی کے آغاز میں ایسے مدیروں کی ایک کھیپ کی کھیپ سامنے آتی ہے جو اس درس گاہ کے تربیت یافتہ وفیض یافتہ تھے - ان میں ایک منشی محمد الدین فوق بھی تھے - فوق نے ۱۸۹۶ء میں لاہور آنے کے بعد "پیسہ اخبار" میں ملازمت اختیار کر لی تھی - یہاں انہوں نے اخبار نویسی کے فن پر عبور حاصل کیا اور پھر ۱۹۰۱ء سے اپنا اخبار ہفت روزہ "پنجۂ فولاد" نکالنا شروع کر دیا[(۱۸)] - "پیسہ اخبار" میں رہتے ہوئے فوق مدیر "صوفی" کی طرف مائل ہوئے - منشی محبوب عالم کا مدیر "صوفی" پر مہربان ہونا اور "پیسہ اخبار" کی طرف سے ترکی و یونان کے جنگی زخمیوں کے لئے کھولے گئے چندے کی مہم کو کامیاب بنانے میں مدیر "صوفی" کی کوششوں نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا - فوق صاحب مردم شناس آدمی تھے - انہوں نے اقبال کی شخصیت میں ترقی پسندی اور اقبال مندی[(۱۹)] کے جوہر پہنچاننے میں غلطی نہیں کھائی تھی، بالکل اسی طرح مدیر "صوفی" جیسے ہونہار، ذہین اور باشعور طالب علم کے اوصاف ان کی نگاہ سے چھپے نہ رہے - پھر مدیر "صوفی" کو بھی شعر و شاعری سے شغف تھا جس کا اظہار انجمن حمایت اسلام کے بارہویں جلسے میں ہو چکا تھا - سب سے بڑھ کر ذہنی وقلبی ہم آہنگی جس کا اظہار بعد کے زمانے میں اولیاء اللہ کی عقیدت مندی کی صورت میں انتہائی واضح طور پر سامنے آیا، نے بہت جلد دونوں کو دوستی کے رشتے میں منسلک کر دیا - یہی وجہ تھی کہ عمر میں چار پانچ سال کے تفاوت کے باوجود مدیر "صوفی" فوق کا تعارف بڑی بے تکلفی سے اپنے ایک "دوست[(۲۰)]" کی حیثیت سے کراتے رہے اور پھر ایسی گاڑھی چھنی کہ

لاہور جیسی طباعت واشاعت کی مارکیٹ کو چھوڑ کر فوق کی کتابیں پنڈی بہاؤ الدین سے شائع ہونے لگیں[۲۱]، اور دونوں کو اکثر ایک دوسرے کے پاس دیکھا گیا۔ ڈاکٹر مظفر حسن ملک بیان کرتے ہیں کہ "... راقم الحروف نے بھی اپنے بچپن میں پہلی اور آخری بار فوق صاحب کو ملک صاحب موصوف (ملک محمد الدین اعوان مدیر "صوفی") ہی کے ہمراہ دیکھا[۲۲]۔" یوں گویا اقبال اور مدیر "صوفی" کے درمیان شناسائی کو آشنائی کی حدوں سے ملانے میں فوق کی دونوں کے ساتھ دوستی نے اہم کردار ادا کیا۔

علامہ اقبال صوفیائے کرام کے سچے عقیدت مند تھے۔ ان کے والد محترم شیخ نور محمد، اعوان شریف، ضلع گجرات کے ایک بزرگ حضرت قاضی سلطان محمود قادریؒ کے مرید تھے اور انہوں نے علامہ اقبال کو بھی قاضی سلطان محمود قادریؒ کے ہاتھ پر بیعت کرایا تھا[۲۳]۔ علامہ اقبال کے والد کو بڑھاپے کے عالم میں بھی "اعوان شریف" میں دیکھا گیا۔ قاضی سلطان محمودؒ کی وفات ۲ رمئی ۱۹۱۹ء سے پہلے بھی اور بعد میں بھی[۲۴]۔ البتہ اقبال بیعت کے بعد ۱۹۰۹ء تک گجرات تو آتے رہے[۲۵] لیکن اعوان شریف حاضری کے بارے میں وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ اقبال کی پہلی شادی جو ۴ رمئی ۱۸۹۳ء میں گجرات میں انجام پائی اس میں بھی اعوان شریف والوں کا حوالہ موجود تھا۔ اقبال کے والد اور سسر دونوں قاضی سلطان محمودؒ کے مرید اور آپس میں پیر بھائی تھے۔ گو کہ کچھ مدت کے بعد اقبال اور ان کی پہلی بیوی کے درمیان کشیدگی کا آغاز ہو گیا اور قاضی سلطان محمود کی کوششیں بھی ناچاکی کا کوئی سدباب نہ کر سکیں۔ تاہم یہ بات طے ہے کہ اقبال قاضی سلطان محمودؒ کا دل سے احترام کرتے رہے۔ یہی سبب ہے کہ قاضی صاحبؒ کے حین حیات انہوں نے کسی اور مرشد کی ضرورت محسوس نہ کی، ڈاکٹر مظفر حسن ملک نے قاضی سلطان محمود قادریؒ کی ذات کو مدیر "صوفی" اور اقبال کے روابط کا ایک سبب خیال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "... علامہ، ملک صاحب موصوف (ملک محمد الدین اعوان مدیر "صوفی") سے بخوبی واقف تھے۔ اس کی ایک وجہ علامہ کا اعوان شریف کے قاضی گھرانے سے تعلق بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ملک محمد الدین صاحب، قاضی صاحبؒ کے خاندان کے قریبی عزیزوں میں سے تھے[۲۶]۔" علامہ اقبال اور ان کے والد محترم نے جس ہستی کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کیا اور اس کی مریدی اختیار کی، مدیر "صوفی" رشتے میں اسی محترم ہستی کے بھائی تھے۔ مدیر "صوفی" قاضی سلطان محمودؒ سے اپنا تعلق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "مرحوم (قاضی سلطان محمود قادریؒ) میرے پھوپی زاد بھائی تھے۔ اس لئے میں مرحوم کے کوائف حاضرہ اور حالات ماسبق سے کما حقہٗ واقف تھا[۲۷]۔" قاضی سلطان محمودؒ کے وصال پر مدیر "صوفی" نے عقیدت و محبت کے اظہار کے طور پر چھ بندوں پر مشتمل ایک نظم کہی جس کے آخری دو مصرعے یوں تھے:

عالمِ ظاہر سے آخر کوچ تیرا ہو گیا
آہ! دنیائے حقیقت میں اندھیرا ہو گیا[۲۸]

رشتے میں قاضی سلطان محمودؒ کے بھائی کی حیثیت سے مدیر "صوفی" اقبال کی نگاہوں میں ضرور اہمیت رکھتے ہوں گے۔ دوسری طرف پھوپی زاد بھائی کے مرید کی حیثیت سے اقبال کو مدیر "صوفی" نے اپنے بہت قریب محسوس کیا ہو گا۔ یوں باہمی اعتماد کی بدولت دونوں کی آشنائی کو اس نسبت سے ایک مضبوط بنیاد

فراہم ہوگئی۔

مدیر "صوفی" شروع سے ہی علامہ اقبال کی مفکرانہ قابلیتوں اور شاعرانہ صلاحیتوں کے قائل اور مداح تھے، بلکہ صحیح معنوں میں شیدائے اقبال تھے۔ "پیام مشرق" شائع ہو جانے کے بعد "صوفی" میں نمونے کے طور پر ایک نظم "زندگی" شائع کی تو نوٹ درج کرتے ہوئے لکھا کہ "... جس نظم سے ہم آج "صوفی" کے صفحہ کو مزین کرتے ہیں۔ یہ اسی گلدستہ کا ایک عنبر بیز پھول اور اسی لڑی کا ایک شاہوار گوہر ہے۔ اور اس کی رباعیات، قطعات، مسلسل نظموں اور غزلوں میں سے کون سی چیز ایسی ہے جو اپنے اندر حقائق و معارف کے سمندر نہیں رکھتی۔ اس کو پڑھ کر ارباب بصیرت خود اندازہ فرمالیں گے کہ مشرقی دنیا کے اس سب سے بڑے شاعر کی بلندی منزلت اور رفعت مرتبت کا کیا عالم ہے"[۲۹]۔ کلام اقبال سے مدیر "صوفی" کی دلچسپی اور محبت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ جنوری ۱۹۰۹ء میں "صوفی" کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا تو اس میں علامہ اقبال کی دو غزلیں ع "زمانہ آیا ہے بےحجابی کا عام دیدار یار ہوگا"[۳۰] اور ع "چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں"[۳۱] شامل تھیں۔ "صوفی" کے بعد کے شمارے بھی اکثر کلام اقبال، نثر اقبال، اور آراء اقبال سے پُرنظر آتے۔ بعض مضامین اور منظومات کا موضوع اقبال ہوتے اور بعض منظومات اور مضامین میں اقبال یا فکر اقبال کے حوالے موجود ہوتے۔ اکثر شذرات و اشارات، بیانات اور اشتہارات و اطلاعات وغیرہ اقبال کے ذکر واذکار سے معمور ہوتے۔ ماہنامہ "صوفی" سے متعلق بیشتر اشتہارات میں دیگر نمایاں قلم کاروں کے ہمراہ اقبال کو بھی "صوفی" کے مستقل قلمی معاون کے طور پر فخریہ پیش کیا جاتا[۳۲]۔ گویا اکثر اقبال "صوفی" سے اور "صوفی" اقبال سے وابستہ و پیوستہ دکھائی دیتے۔

مدیر "صوفی" کو اقبال کے کلام سے رغبت تھی۔ اس لئے زیادہ تر کلام اقبال اور فکر اقبال ہی ان کا موضوع بحث ہوتے تھے۔ مدیر "صوفی" کے بھتیجے ملک محمد اصغر اعوان نے بتایا کہ 'میرے ماموں عبداللہ خاں صاحب جو شاعر تھے، ان سے مدیر "صوفی" ڈاکٹر اقبال کے بارے میں بہت زیادہ بحث کرتے رہتے تھے'[۳۳]۔ ایک مدیر "صوفی" ہی کیا، اس زمانے میں قومی درد رکھنے والے تمام صاحبِ فکر مسلمانوں کی یہی کیفیت تھی۔ تاہم مدیر "صوفی" علامہ اقبال کا کلام بڑے شوق سے چھاپتے کیونکہ انہیں علامہ اقبال کی شاعری سے اُنس تھا[۳۴]۔ کلام اقبال سے مدیر "صوفی" کے لگاؤ پر اظہار خیال کرتے ہوئے منڈی بہاؤ الدین کی ایک بزرگ صاحب علم ہستی سراج قادری نے کہا کہ 'صوفی صاحب (مدیر "صوفی") صاحبِ ذوق شخص تھے۔ ان کو علامہ کے کلام سے عقیدت کیوں نہ ہو اور علامہ صاحب اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ لوگ ان سے رجوع کریں'[۳۵]۔ چنانچہ مدیر "صوفی" ہردم کلام اقبال کی تلاش میں رہتے تھے اور جہاں کہیں سے یا جس ذریعے سے بھی انہیں کلام اقبال کا کوئی نمونہ دستیاب ہو جاتا اسے قارئین "صوفی" کی خدمت میں پیش کرنا اپنا فرض سمجھتے۔ اس ضمن میں وہ بعض اوقات ماخذ کا حوالہ درج کر دیتے تھے۔ جیسے "شکوہ" کا ماخذ "پنجاب ریویو"[۳۶]، "خضر راہ" کا روزنامہ "سیاست"[۳۷]، "نظارہ ڈل" کا "ہزار داستان"[۳۸]، "مکافات عمل" کا روزنامہ "انقلاب"[۳۹]، "زندگی" کا "ہمایوں"[۴۰]، "خطاب بہ علمائے حق" اور "خطاب بہ اقوام شرق" کا روزنامہ "انقلاب"[۴۱] بیان کیا ہے۔ اسی طرح اقبال پر لکھے گئے مضامین میں سے "سراسر ارخودی" از خواجہ حسن نظامی کا ماخذ "خطیب"[۴۲]، "پیغام مشرق" از محمد حسین کا "ہزار داستان"[۴۳]، "فلسفہ اقبال" از اکرام الحق سلیم کا ماخذ "معارف"[۴۴] درج کیا ہے اور اقبال پر لکھی جانے والی نظموں میں سے "جواب

شکوۂ اقبال" از صاحبزادہ مصطفےٰ خاں شرر کا ماخذ "الہلال" (۴۵) تحریر کیا گیا ہے۔ لیکن بعض اوقات مدیر "صوفی" بغیر کسی ماخذ کا حوالہ درج کیے بھی اشعار درج کر دیا کرتے تھے۔ جس طرح کہ پہلے شمارے میں مدیر "صوفی" نے اقبال کی دو پرانی غزلیں ماخذ کے حوالے کے بغیر شائع کر دی تھیں۔ جو "مخزن" کے دسمبر ۱۹۰۶ء اور مارچ ۱۹۰۷ء کے شماروں میں چھپ چکی تھیں۔ اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید، "صوفی" میں طبع ہونے والا اقبال کا سارا کلام مختلف رسالوں سے نقل شدہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں "صوفی" میں کلام اقبال کی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ جب اقبال کی ایک ہی تخلیق "صوفی" اور "مخزن" دونوں میں بیک وقت شائع ہوتی ۔ جیسے اقبال کی نظم "سوز و ساز" اکتوبر ۱۹۱۱ء میں، غزل ع" کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں" مئی ۱۹۱۲ء میں اور ایک اور غزل ع "پردہ چہرے سے اٹھا انجمن آرائی کر" فروری مارچ ۱۹۱۷ء میں "صوفی" اور "مخزن" دونوں میں ایک ہی مہینے میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ بلکہ بعض ایسی مثالیں بھی ہیں کہ "صوفی" میں علامہ کا کلام چھپنے کے بعد کسی دیگر معتبر رسالے کی زینت بنا مثلاً اقبال کی نظم "نوجوان مسلم سے خطاب" "صوفی" کے جون ۱۹۱۴ء کے شمارے میں چھپنے کے بعد "ادبی دنیا" کے جنوری ۱۹۳۰ء کے شمارے میں شائع ہوئی ۔ "ہستی بیتاب" "صوفی" کے اکتوبر ۱۹۲۵ء کے شمارے میں چھپنے کے بعد "ہمایوں" کے دسمبر ۱۹۲۵ء کے شمارے میں شائع ہوئی ۔ "پیغام سروش" "صوفی" کے دسمبر ۱۹۲۷ء میں اشاعت پذیر ہونے کے بعد "ہمایوں" جنوری ۱۹۲۸ء اور "زمانہ" اپریل ۱۹۲۸ء کے شماروں میں طبع ہوئی ۔ علاوہ ازیں علامہ کے کلام کے ایسے نمونے بھی موجود ہیں جو "صوفی" میں تو اشاعت پذیر ہوئے لیکن اس زمانے کے دستیاب رسالوں میں کسی اور جگہ نظر نہیں آتے ، جیسے مئی ۱۹۱۲ء کے شمارے میں " کلام اقبال" کے زیر عنوان ع" تو قیس اگر نہیں تو بن سے کیا کام" ، مارچ ۱۹۱۳ء میں " شفاخانہ حجاز" ، جنوری ۱۹۱۵ء میں "حمیت" ، اپریل ۱۹۱۶ء میں قطع تاریخ ع" بر خاک پیر حیدر شاہ رفت" ، مئی ۱۹۱۶ء میں "حضرت بلال حبشی" ع " لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے " ، اکتوبر ۱۹۱۷ء میں "معراج کی رات" ، ستمبر ۱۹۱۹ء میں غزل ع" گرچہ تو زندانیٔ اسباب ہے" ، مئی جون ۱۹۲۰ء میں کلام اقبال کے زیرعنوان ع" زائر چمن سے یہ کہتی ہے خاکِ باغ" اور ع" اخبار میں لکھتا ہے لندن کا پادری" ، اگست ۱۹۲۰ء میں "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" ، "پیغام اقبال" ع" ہم نشین افسانۂ بیداری جمہور چھیڑ" اور " دربار رسالت میں "ع" شعلہ درآغوش دارد عشق بے پروائے من" ، دسمبر ۱۹۲۱ء" کلام اقبال" کے عنوان کے تحت " سرمایہ داروں کا تکیہ" ، "لشکر یاجوج ماجوج" ، "ماران غوک خور" اور "چورن" ، فروری ۱۹۲۳ء میں " نکتے" کے زیرعنوان ع "ہند کی کیا پوچھتے ہو اے حسینانِ فرنگ" اور ع" عمل عاشقوں کے ہیں بے طور سارے" ، اگست ۱۹۲۶ء میں " قطعہ اقبال" کے زیرعنوان ع" مسلم کی نبض دیکھ کر کہنے لگا طبیب" ، فروری ۱۹۲۷ء میں " وطنیت" اور جنوری ۱۹۲۸ء کے شمارے میں " زندگی" مجلہ "صوفی" کے اوراق کی زینت تو بنیں لیکن اس زمانے کے کسی اور دستیاب رسالے میں موجود نہیں۔ علاوہ بریں بعض مقامات پر تخلیقات اقبال کے ساتھ " تازہ کلام (۴۶) " ، " تازہ ترین کلام (۴۷) " اور "غیر مطبوعہ نظم (۴۸) " کے نوٹ بھی درج ہیں۔ گویا "صوفی" میں شائع شدہ کلام اقبال وقعت و اہمیت کے اعتبار سے بہت بلند رتبے کا حامل ہے جو کلام اقبال کے متنی تجزیے مطبوعہ بنیادی مآخذ کی حیثیت سے اہم حوالہ بن سکتا ہے۔

"صوفی" کے پہلے شمارے میں علامہ کے تازہ کلام کی بجائے مطبوعہ کلام کو اس لئے شامل اشاعت کرنا پڑا کہ جن دنوں "صوفی" کا اجراء عمل میں آیا

مصروفیت کے باعث علامہ کی طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل ہی نہ تھی۔ "صوفی" کا اجراء جنوری ۱۹۰۹ء میں عمل میں آیا اور ۴ر جنوری ۱۹۰۹ء کو علامہ منشی تلوک چند محروم کو خط لکھتے ہوئے خود فرماتے ہیں کہ "... میں بوجہ مصروفیت فی الحال شعر گوئی سے محروم ہوں (۴۹) ۔" ۱۴ر جنوری ۱۹۰۹ء کو خواجہ حسن نظامی کو ان کے حلقہ کے حوالے سے لکھتے ہوئے کہا کہ " مجھے ذرا کاروبار کی طرف سے اطمینان ہو لے تو پھر عملی طور سے اس میں دلچسپی لینے کو حاضر ہوں (۵۰) ۔"" صوفی" کے اجراء سے قبل اگر ۱۹۰۸ء کے زمانے پر نگاہ دوڑائی جائے تو پہلے اقبال خود بیمار رہے (۵۱) ۔ بعد ازاں علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد شدید بیمار رہے اور ان کی بیماری نے علامہ کو بے اطمینان کئے رکھا۔ ۱۳ر جنوری ۱۹۰۹ء کے خط میں عطیہ فیضی کو اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "... ۲۹ر دسمبر کو جب کہ میں ایک کانفرنس کے مباحث میں مصروف تھا، مجھے گھر سے تار ملا جس میں میرے بھائی کی شدید علالت کا ذکر تھا اور اس لئے مجھے اسی سہ پہر کو بہ عجلت تمام سیالکوٹ بھاگنا پڑا۔ چھٹیوں کے باقی ماندہ ایام ان کی تیمارداری کی نذر ہو گئے (۵۲) ۔" یعنی "صوفی" کے اجراء سے قبل اور بعد کے زمانے میں علامہ کو وہ یکسوئی اور اطمینان قلب نصیب نہ تھا جو تازہ تخلیقات کا باعث بن سکتا لہٰذا تازہ کلام کے میسر نہ ہونے اور کلام اقبال سے عقیدت اور محبت رکھنے کے سبب مدیر "صوفی" کو مجبوراً اقبال کا مطبوعہ کلام ہی شائع کرنا پڑا۔ مجلّہ "صوفی" کے اجراء کا خیر مقدم کرتے ہوئے علامہ نے جو خط لکھا اس میں جہاں اس ماہنامے کو سراہا وہاں قانونی کام کی کثرت کے باعث شعر و شاعری سے دور رہنے کا عذر بھی پیش کیا اور آئندہ "صوفی" کے لئے کچھ لکھنے کا وعدہ کیا۔ علامہ اقبال کے خط کا اقتباس آراء کی صورت میں "صوفی" میں طبع ہوا جس میں انہوں نے مدیر "صوفی" کو لکھا کہ "... میں صوفی کے نکالنے پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ پرچہ نہایت عمدہ ہے۔ اور میں اسکی عمدگی کے لئے آپ کا ثنا خواں ہوں۔ آجکل کام قانونی کثرت کیوجہ سے مجھے شعر اشعار کی طرف بہت کم توجہ ہے تاہم اگر کچھ لکھا گیا تو حاضر خدمت ہوگا (۵۳) ۔" اقبال کی قانونی مصروفیت واقعی بہت زیادہ تھی، بلکہ خود اقبال کی توقعات سے بھی زیادہ تھی۔ ۲ر اگست ۱۹۰۹ء کو خواجہ حسن نظامی کو لکھتے ہیں کہ " کچھ دنوں سے بہت عدیم الفرصت ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ قانونی پیشہ میں اس قدر مصروفیت رہیگی (۵۴) ۔" اس کی وجہ یہ تھی کہ علامہ کو وکالت کا پیشہ بہت پسند تھا۔ اس کے لئے وہ ذوق و شوق سے محنت اور مطالعے میں مصروف رہتے۔ انہوں نے اسے محض وسیلۂ روزگار نہ سمجھا بلکہ اس فن کی انتہاؤں کو چھونا ان کی دلی آرزو تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال وکالت کی مصروفیت میں شاعری کو نظر انداز کر جاتے تھے۔ اپنے دوست منشی محمد الدین فوق کے نام ۲۹ر اگست ۱۹۰۸ء کے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ "... افسوس ہے کہ میں ابھی کچھ عرصہ تک آپ کے لئے کچھ نہ کر سکوں گا کیونکہ ہمہ تن قانونی کتب کی طرف متوجہ ہوں۔ چونکہ اس کام کو شروع کیا ہے اس واسطے ارادہ ہے کہ اس کو حتیٰ الامکان پورے طور پر کروں۔ روٹی تو خدا ہر ایک کو دیتا ہے، میری آرزو ہے کہ میں اس فن میں کمال پیدا کروں۔ آپ بھی دعا کریں، خدا تعالیٰ اس مہم میں میرا شامل حال ہو (۵۵) ۔" اصل میں "صوفی" کے اجراء کا زمانہ وہی ہے جس میں علامہ نے وکالت کے پیشے کا آغاز کیا تھا اور یہی ان کی توجہ کا محور و مرکز تھا۔ اس لئے مدیر "صوفی" علامہ اقبال سے راہ و رسم رکھنے کے باوجود ابتدائی شماروں میں کلام اقبال کے غیر مطبوعہ نمونے پیش کرنے سے قاصر رہے۔

تصوف اور اہلِ تصوف سے دلچسپی رکھنے کے باعث خواجہ حسن نظامی بھی "صوفی" کے خیر خواہوں اور کرم فرماؤں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی نگاہ میں "

صوفی" کی اشاعت وقت کی اہم ضرورت تھی [۵۶] - انہیں قوی امید تھی کہ "صوفی" بہت ترقی کرے گا اور اس کا شہرہ پورے ہندوستان میں ہو کر رہے گا [۵۷] - "صوفی" کے شروع ہونے پر خواجہ حسن نظامی نے اپنے ایک خط میں خوشی کا اظہار کیا اور ہر ممکن مدد کا یقین دلایا - اس خط کا اقتباس فروری ۱۹۰۹ء کے "صوفی" میں شائع ہوا - خواجہ حسن نظامی نے فرمایا کہ "یہ معلوم کر کے مجھے ازحد خوشی ہوئی کہ صوفی ایک نظامیہ ایڈیٹر کی نگرانی میں شائع ہونا شروع ہوا ہے - ہم کو آپ کے ارادے میں دلی ہمدردی ہے - جہاں تک ممکن ہو گا قلم و درم سے اسکی اعانت کی جائیگی [۵۸] - "اس خط پر نوٹ تحریر کرتے ہوئے مدیر "صوفی" نے قیمتی امداد کے وعدے کو سراہا اور ایفائے عہد کی ضرورت پر زور دیا - اس کے ساتھ ہی خواجہ حسن نظامی نے "صوفی" کو اپنی تحریروں سے مسلسل نوازنا شروع کر دیا - تحریر و تقریر کے ان نمونوں میں سے بعض کی اشاعت کی اجازت صرف "صوفی [۵۹] " کو دی جاتی تھی، بلکہ خواجہ حسن نظامی بعض اوقات کسی زیر تصنیف کتاب کے باب بھی قبل از اشاعت "صوفی" میں شائع کرا دیتے [۶۰] - فقط یہی نہیں کہ صرف اپنی ہی تحریریں "صوفی" کی نذر کرتے بلکہ سرکردہ لوگوں سے تحریریں حاصل کر کے "صوفی" میں اشاعت کی غرض سے فراہم کرتے جیسا کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد مدارالمہام ریاست حیدرآباد کا مضمون "ڈہارس" مدیر "صوفی" کو خواجہ حسن نظامی کی وساطت سے موصول ہوا - مدیر "صوفی" نے مضمون پر نوٹ لکھ کر اس امر کی وضاحت کی ہے [۶۱] - راہ طریقت کے مسافر ہونے کی بنا پر خواجہ حسن نظامی اور مدیر "صوفی" دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھے یہ ان کے خیالات اور نظریات کی ہم آہنگی اور ایک دوسرے سے اخلاص کا ہی نتیجہ تھا کہ مدیر "صوفی" خواجہ حسن نظامی کو اپنا دوست [۶۲] تصور کرتے تھے - ان کے مضامین کا معاوضہ انہیں فراہم کرتے تھے [۶۳] - ان کی ادارت میں شائع ہونے والے رسائل و جرائد کو اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے اور "نظام المشائخ" کو تو وہ مجلّہ "صوفی" کا بھائی تصور کرتے [۶۴] ، تصانیفِ خواجہ حسن نظامی کے اشتہارات نمایاں طور پر شائع کرتے [۶۵] - خواجہ حسن نظامی کی کارروائیوں میں ان کے ہمنوا ہوتے - خواجہ حسن نظامی نے حلقۂ نظام المشائخ قائم کیا تو اس کے "خادم خصوصی" بنے اور باقاعدگی سے چندہ فراہم کرتے رہے - علامہ اقبالؔ بھی اس حلقے کے "خادم خصوصی" تھے - اس حلقے کے قواعد کی رو سے جو لوگ خود درویش یا کسی خانقاہ کے متوسل ہوتے انہیں حلقے میں شمولیت کے بعد "رکن خصوصی" کہا جاتا تھا اور جو صوفیاء و مشائخ کے عقیدت مند اور ان کی خدمت کے جذبے سے معمور ہو کر آتے انہیں "خادم خصوصی" کا لقب دیا جاتا تھا - علامہ اقبالؔ اور مدیر "صوفی" دونوں اس حلقے میں خادم خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے - یہ حلقہ ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ [۶۷] یعنی ۱۹۰۸ء میں دہلی میں قائم ہوا جس کا مقصد (۱) علم تصوف کی حفاظت و اشاعت (۲) مشائخ صوفیہ کو مرکز اتحاد پر لانے کی کوششیں (۳) عرسوں اور خانقاہوں کی اندرونی اصلاح اور (۴) مشائخ کے دنیاوی حقوق کی نگہداشت تھا [۶۸] - اس کے صدر حضرت شاہ سلیمان پھلواری [۶۹] اور سیکرٹری [۷۰] خواجہ حسن نظامی تھے - اپنے زیر ادارت ایک ہفت روزہ "منادی" میں خواجہ حسن نظامی نے حلقے سے وابستہ چند نمایاں افراد کے دستخطوں کے عکس شائع کئے - ان میں علامہ اقبالؔ بھی شامل تھے [۷۱] - حلقۂ نظام المشائخ کے قیام کے بعد جب اس حلقے کا تعارف اقبالؔ سے ہوا تو ۲۵ رنومبر ۱۹۰۸ء کو اقبالؔ نے خواجہ حسن نظامی کو لکھا کہ "آپ کے حلقے کا ذکر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی - مجھے بھی اس حلقہ میں شامل تصور کیجئے [۷۲] - "پھر جب اس حلقے کے چرچے زبان زد عام و خاص ہوئے تو اقبالؔ نے حلقے سے اپنے تعلق پر اصرار کرتے ہوئے ۱۴ رجنوری ۱۹۰۹ء کو خواجہ حسن نظامی کو ایک مرتبہ پھر لکھا

کہ "حلقہ نظام المشائخ کے متعلق آج مسٹر محمد شفیع بیرسٹرایٹ لا سے سن کر بڑی خوشی ہوئی - خدا کرے آپ کے کام میں ترقی ہو- مجھ کو بھی اپنے حلقہ مشائخ کے ادنئے ملازمین میں تصور کیجئے [۷۳] -" حلقے سے اقبال کی وابستگی میں نمایاں پہلو یہ تھا کہ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں اقبال کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہوں نے سب سے پہلے حلقے کی رکنیت حاصل کی - سید محمد ارتضیٰ واحدی رقمطراز ہیں کہ "... نئی جماعت میں جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم - اے بیرسٹر کا اسم گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے - جنہوں نے حلقہ کی خادمی سب سے پہلے حاصل کی اور جان و مال سے اغراض حلقہ پر فدا ہونے کی کوشش کی [۷۴] -" اقبال اور خواجہ حسن نظامی کے مراسم اقبال کے یورپ جانے سے پہلے ہی قائم ہو چکے تھے - ۱۹۰۳ء میں ان کی ملاقاتوں کا آغاز ہوا اور دونوں رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے قریب ہوتے چلے گئے - انجمن حمایت اسلام کے ۲/ اپریل ۱۹۰۴ء کے انیسویں سالانہ جلسے جس میں علامہ نے اپنی نظم "تصویر درد" پیش کی اس میں خواجہ حسن نظامی بھی شریک تھے - انہیں علامہ کا کلام اتنا پسند آیا کہ فرط محبت میں اپنا عمامہ اتار کر علامہ اقبال کے سر پر رکھ دیا [۷۵] - علامہ بھی خواجہ حسن نظامی سے اسی اخلاص و محبت سے پیش آتے - آپسی محبت و مروت کی بدولت گویا دونوں یک جان و دو قالب کے مصداق نظر آتے - یورپ میں علامہ اقبال کی علمی کامیابیوں کی اطلاعات جب برصغیر پہنچیں تو کئی لوگ خواجہ حسن نظامی اور اقبال کی قربت کے پیش نظر خواجہ حسن نظامی کو علامہ کی کامرانیوں پر مبارکباد پیش کرتے - جس پر علامہ اقبال نے ۱۰/ فروری ۱۹۰۸ء کو خواجہ حسن نظامی کو لکھا کہ "... میری کامیابیوں پر جو لوگ آپ کو مبارکباد دیتے ہیں، راستی پر ہیں - مجھ میں اور آپ میں فرق ہی کیا ہے؟ دیکھنے کو دو - حقیقت میں ایک [۷۶] -" خواجہ حسن نظامی سے محبت اور عقیدت کا رنگ اقبال پر اتنا گہرا تھا کہ وہ خواجہ حسن نظامی کی تمام کارگزاریوں پر اندھے ایمان اور یقین کی حد تک بھروسہ کرتے تھے - ۱۲/ اکتوبر ۱۹۰۸ء کے خط میں خواجہ حسن نظامی کو لکھتے ہیں کہ "آپ اپنی ہر تحریک میں بغیر پوچھے مجھے شریک تصور کیجئے —— میں آپ کے ساتھ ہوں اور آپ میرے ساتھ [۷۷] -" خواجہ حسن نظامی سے اپنی وابستگی کو اقبال اپنے لئے باعث فخر گردانتے تھے - یہی وجہ ہے کہ وہ بڑے خوشگوار لب و لہجے میں خود کو "نظامی" کہتے ہوئے نظر آتے ہیں - خواجہ حسن نظامی کے نام ۲/ اگست ۱۹۰۹ء کے خط میں دل لگی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "پنجاب میں نظامی مشہور ہوں اور آپ میری خبر نہیں لیتے [۷۸] -" غرض مدیر "صوفی" اور اقبال دونوں کے خواجہ حسن نظامی سے گہرے مراسم تھے - دونوں نظامی تصور کئے جاتے تھے - دونوں حلقہ نظام المشائخ میں "خادم خصوصی" تھے - گو یہ حلقہ چند برسوں میں بوجوہ ختم ہو گیا [۷۹] "تاہم اپنی سرگرمیوں کے نتیجے میں بہت سے ہم خیال افراد کو ایک دوسرے کے مزید قریب ہونے کا موقع فراہم کر گیا - یوں سمجھ لیجئے کہ خواجہ حسن نظامی کی سرکردگی میں اقبال اور مدیر "صوفی" نے اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے اپنے انداز میں ایک دوسرے کے متوازی کام کیا - اور پھر جب ۱۹۱۵ء کے آغاز میں خواجہ حسن نظامی نے ۱۳۳۳ھ کے "خطابات روحانی یادگار" کی فہرست مرتب کی تو دیگر نمایاں ہستیوں کے ساتھ ساتھ اقبال اور مدیر "صوفی" دونوں کو بیک وقت خطابات عطا کئے - یہ فہرست خواجہ حسن نظامی نے برصغیر کے مختلف رسائل کو جاری کی جو "صوفی" کے مارچ ۱۹۱۵ء کے شمارے میں شائع ہوئی - اس فہرست کے مطابق علامہ اقبال کو "سر الوصال" اور مدیر "صوفی" کو "قلم الفقراء" کا خطاب عطا کیا گیا [۸۰] - اقبال اور مدیر "صوفی" کا بیک وقت خواجہ حسن نظامی کی طرف سے سراہا جانا دونوں کے لئے ایک دوسرے پر توجہ مبذول کرنے کا باعث ہوا ہوگا - کیونکہ یہ فہرست دونوں کی نگاہ سے گزری

تھی - " صوفی " میں تو اس فہرست کا شائع ہونا مدیر " صوفی " کی توجہ کا کافی ثبوت ہے - جبکہ علامہ اقبال کا اس خطاب کے سلسلے میں ۶ رفروری ۱۹۱۵ء کے خط میں خواجہ حسن نظامی کا شکریہ ادا کرنا [۸۱] اس بات کا نمایاں ثبوت ہے کہ فہرست دونوں کی نگاہ سے گزری تھی اور دونوں ایک دوسرے کی قدر و منزلت سے واقف تھے - یعنی کہا جاسکتا ہے کہ مجلّہ " صوفی " سے اقبال کے روابط کو مستحکم کرنے میں خواجہ حسن نظامی کی ذات سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے -

اگرچہ مثنوی " اسرار خودی " کے باعث تھوڑی دیر کے لئے اقبال اور خواجہ حسن نظامی میں اختلاف بھی پیدا ہوا اور خواجہ حسن نظامی نے " کشاف خودی [۸۲] " اور " سراسرار خودی [۸۳] " جیسے اختلافی مضامین بھی تحریر کئے جن میں سے " سراسرار خودی " کو " خطیب " سے مجلّہ " صوفی " میں بھی نقل کیا گیا [۸۴] - تاہم چند معتبر ہستیوں کے دخل دینے پر یہ اختلاف رفع ہوگیا - یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس اختلاف کے باعث اقبال کے دل سے خواجہ حسن نظامی کی محبت کبھی ختم نہ ہوئی - اکبرالہٰ آبادی کے نام ۲۵ رجولائی ۱۹۱۸ء کے ایک خط میں اقبال لکھتے ہیں کہ " ... خواجہ حسن نظامی سے مجھے دلی محبت ہے - جس پر اختلاف خیال قطعاً کوئی اثر نہیں کرسکتا - اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہ اختلاف بھی کم از کم میرے علم اور سمجھ کے مطابق کوئی ایسا اختلاف نہیں ———— جو کچھ بھی ہو، اس سے اس محبت میں کمی واقع نہیں ہوسکتی جو مجھ کو ان سے ہے - وہ ایک نہایت محبوب آدمی ہیں ان کو جان کر ان سے محبت نہ رکھنا ممکن نہیں [۸۵] - " واقعی خواجہ حسن نظامی سے اقبال کے تعلقات میں کبھی فرق نہ آیا اور اس واقعے کے بعد بھی اقبال تاحیات خواجہ حسن نظامی سے اس طرح پیش آتے رہے جس طرح محبت سے پیش آیا کرتے تھے - ان حالات سے واقف ہونے کے بعد یہ سوچنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اقبال " سراسرار خودی " کے " صوفی " میں نقل ہونے کے باعث مجلّہ " صوفی " یا مدیر " صوفی " سے بدگمان ہوئے ہوں گے، کیونکہ کلام اقبال کے نمونے اس واقعے کے بعد بھی " صوفی " کی زینت بنتے رہے بلکہ " صوفی " اقبال کے " تازہ کلام [۸۶] " سے بھی سرفراز ہوتا رہا -

اکبرالہ آبادی اقبال کے " ہمدم دیرینہ [۸۷] " صوفیانہ مذاق رکھنے والے آدمی تھے - محمد عبداللہ قریشی لکھتے ہیں کہ " تصوف کی طرف ان کی طبیعت ابتداء ہی سے مائل تھی - ان کا خاندانی مذاق بھی عارفانہ تھا، اس لئے عالم طفولیت ہی سے اپنے والد سید تفضل حسین صاحب کی طرح داناپور (بہار) کی خانقاہ چشتیہ نظامیہ کے سجادہ نشیں سید الطریقت سید شاہ محمد قاسم ابوالعلائی کے مرید اور ان کی توجہ باطنیہ کا مرکز تھے - یہ انہی کا فیض نظر تھا کہ اکبر اپنی عمر کے ساتھ ساتھ روحانیت میں ترقی کرتے رہے، گوانہوں نے باضابطہ صوفی ہونے کا دعویٰ کبھی نہ کیا [۸۸] - " تاہم محسوس ہوتا ہے کہ اکبر سے قربت کے باعث اقبال ان کی اس حیثیت سے واقف تھے - یہی سبب ہے کہ ۱۶ رستمبر ۱۹۲۱ء کے مولانا گرامی کے نام ایک خط میں اقبال نے اکبر کو " صوفی اکبر مرحوم [۸۹] " کے نام سے یاد کیا ہے - ماہنامہ " صوفی " نے بھی اکبر کی وفات پر اظہار خیال کرتے ہوئے اکبر کی جن حیثیات کا ذکر کیا ہے ان میں اولیت صوفی کے مقام و مرتبے کو حاصل ہے - " صوفی " لکھتا ہے کہ " ... حضرت اکبر صوفی و ادیب، فلسفی و شاعر ہونے کے لحاظ سے وہ چیز تھے کہ اب اس کی نظیر پیدا ہونا ناممکن نظر آتا ہے [۹۰] - " اکبر کے بزرگانہ مقام و مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے اقبال ان کا بے حد احترام کرتے تھے - ۶ راکتوبر ۱۹۱۱ء کے خط میں لکھتے ہیں " ... میں آپ کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہوں جس نگاہ سے کوئی مرید اپنے پیر کو دیکھے [۹۱] - " اسی طرح ۱۶ رجولائی ۱۹۱۴ء کے خط میں دوٹوک الفاظ میں اقبال نے لکھا کہ " ... میں آپ کو اپنا پیر و مرشد تصور

کرتا ہوں [۹۲] -"اکبر سے بے پناہ عقیدت کا یہ نتیجہ تھا کہ اقبال کو ان سے ملاقات کا بڑا اشتیاق رہتا تھا- ایک موقعے پر لکھتے ہیں کہ "... خدا کرے وہ وقت جلد آئے کہ مجھے آپ سے شرف نیاز حاصل ہو [۹۳] -"اقبال نے اکبر سے ملاقات کا کئی مرتبہ ارادہ کیا لیکن اکثر حالات آڑے آتے رہے تاہم وہ تین مرتبہ الٰہ آباد پہنچ کر اکبر سے ملاقات کرنے میں کامیاب رہے- اقبال، اکبر کو اپنا پیر و مرشد کہتے ہی نہیں تھے بلکہ دل سے سمجھتے تھے اور ایک مرید با صفا کی طرح ان کے احکامات کی بے چون و چرا تعمیل بھی کرتے تھے- خواجہ حسن نظامی اور اقبال کے اختلافات کو رفع کرنے کے لئے جب اکبر نے ثالث کا کردار ادا کیا تو اقبال نے سر تسلیم خم کیا- ۱۱ر جنوری ۱۹۱۸ء کے ایک خط بنام خواجہ حسن نظامی میں اس طرف روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "... مولانا اکبر (الٰہ آبادی) نے (جن کا ادب و احترام میں اس طرح کرتا ہوں جس طرح کوئی مرید اپنے پیر کا احترام کرے) مجھے لکھا کہ یہ بحث غیر ضروری ہے- اس دن سے آج تک میں نے ایک سطر بھی ان مباحث پر نہیں لکھی [۹۴] -"اقبال، اکبر الٰہ آبادی کی تحریروں کے بڑے دلدادہ تھے یہاں تک کہ ان کے تحریر کردہ خطوط بھی اقبال کے لئے اطمینان قلب کا باعث بنتے تھے- لکھتے ہیں کہ "... آپ کے خطوط جو میرے پاس سب محفوظ ہیں، بار بار پڑھا کرتا ہوں اور تنہائی میں یہی خاموش کاغذ میرے ندیم ہوتے ہیں [۹۵] -"اکبر کے خطوط اقبال کے لئے ایک ایسا محرک ثابت ہوتے تھے جس کے سبب وہ علم و حکمت کی نئی دنیاؤں کو دریافت کرتے تھے- ۱۸ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کے خط میں اکبر الٰہ آبادی کو لکھتے ہوئے اس بات کا اعتراف کھلے الفاظ میں کرتے ہیں کہ "... آپ کے خطوط سے مجھے نہایت فائدہ ہوتا ہے اور مزید غور و فکر کی راہ کھلتی ہے [۹۶] -"شاعری کے ساتھ ساتھ اکبر کی نثر بھی اقبال کے مطابق لائق توجہ تھی- ۱۷ر مارچ ۱۹۲۰ء کے اکبر کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "... آپ کی باتیں نظم ہوں یا نثر نوٹ کرنے کے قابل ہیں [۹۷] -" بحیثیت شاعر اقبال، اکبر سے متاثر اور ان کی برتری کے قائل تھے- یہی وجہ ہے کہ اقبال نے تقلیدی روش اپناتے ہوئے بعض اشعار میں اکبر کے ظریفانہ انداز کو پیش کیا- ۱۶ر جولائی ۱۹۱۴ء کے خط میں اکبر کو لکھتے ہیں کہ "... آپ کی فوقیت کے اعتراف میں چند اشعار میں نے آپ کے رنگ میں لکھے ہیں [۹۸] "اکبر کی شاعری سے دلچسپی رکھنے کے باعث اقبال ان کے کلام کے منتظر رہتے تھے اور مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے اکبر کے اشعار تک رسائی حاصل کر کے ان کا بالاستعیاب مطالعہ کرتے اور بار بار پڑھنے کے عمل سے اپنی پیاس بجھاتے- ۱۴ر ستمبر ۱۹۱۸ء کے خط میں اکبر الٰہ آبادی کو لکھتے ہیں کہ "... زمانہ —— کے ——— نمبر میں آپ کے اشعار بھی دیکھے- جن کو کئی دفعہ پڑھا ہے اور ابھی کئی بار پڑھوں گا [۹۹] -" کلام اکبر تک رسائی کے لئے مجلّہ "صوفی" بھی ایک اچھا ماخذ تھا- "صوفی" کے پہلے شمارے سے لے کر اکبر کی وفات کے بعد تک اکبر کا کلام بڑی کثرت سے اس مجلّے کی زینت بنتا رہا- اکبر کو اپنے صوفیانہ مذاق کے باعث مجلّہ "صوفی" سے خاص نسبت تھی- [۱۰۰] اکبر کا غیر مطبوعہ کلام "صوفی" میں اشاعت پذیر ہوتا اور بعض اوقات وہ "صوفی" پر زیادہ مہربان ہوتے تو اپنے اشعار و منظومات پر " خاص صوفی کے لئے لکھی گئی [۱۰۱] " یا " تازہ فکر [۱۰۲] " کا نوٹ لکھ کر بھیجتے- اکبر کی وفات پر تعزیتی مضمون میں "صوفی" نے لکھا کہ "... مرحوم کو رسالہ صوفی کے ساتھ خاص تعلق تھا اور ہمیشہ اپنی قلم مبارک سے اشعار لکھ کر بھیجا کرتے تھے- بعض دفعہ جب وہ بہت زیادہ خلوص کا اظہار فرماتے تھے تو لکھ دیا کرتے تھے کہ یہ اشعار خاص صوفی کیلئے ہیں [۱۰۳] -"

اس صورت حال میں یہ ممکن نہیں کہ اقبال "صوفی" سے بے خبر رہتے ہوں کیونکہ ان کے پیر و مرشد حضرت اکبر کا تازہ کلام "صوفی" کی وساطت سے جلد از جلد

ان تک پہنچ سکتا تھا - جس کے وہ مشتاق و منتظر نظر آتے تھے - اور پھر مجلّہ "صوفی" سے اکبر کی نسبت خاص نے اقبال کے دل و ذہن میں ماہنامہ "صوفی" کی اہمیت کو اور زیادہ اجاگر کیا ہوگا -

"صوفی" میں علامہ اقبال کے گہرے دوست مولانا غلام قادر گرامی کا کلام بھی اکثر شائع ہوتا تھا [(۱۰۴)] - گرامی ہی نہیں بلکہ خود نظام دکن میر عثمان علی خاں کا کلام بھی اکثر و بیشتر "صوفی" کے صفحات کی زینت بنتا تھا [(۱۰۵)] - اور مدیر "صوفی" نظام دکن کے احترام میں ہمیشہ ان کے کلام کو نمایاں طور پر شامل اشاعت کرتے - دوسری طرف اقبال ریاست حیدرآباد دکن اور نظام دکن کے حالات سے بے حد دلچسپی رکھتے تھے [(۱۰۶)] یعنی ریاست اور نظام کی سرگرمیوں سے مکمل طور پر باخبر اور آگاہ رہتے - لہٰذا نظام دکن کے کلام کے "صوفی" میں جگہ پانے کے عمل سے علامہ اقبال غافل نہیں رہے ہوں گے اور پھر جب نظام دکن نے مدیر "صوفی" کو کتب تصوف کی اشاعت اور مجلّہ "صوفی" کی خدمات کے صلے میں یکم شوال ۱۳۳۶ھ سے سو روپیہ ماہوار وظیفہ عطا کیا اور بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی کے سطحی خاکوں کی تیاری پر خوش ہو کر ان دو نقشوں کے عوض دو سو پچاس روپے (-/۲۵۰) کا انعام دیا [(۱۰۷)]، تو اقبال کے لئے مدیر "صوفی" کے اس اعزاز اور قدر دانی کی اہمیت اور نوعیت کو سمجھنا چنداں مشکل نہ ہوگا - کیونکہ علامہ اقبال کو اپنے حوالے سے بھی ریاست حیدرآباد دکن سے بڑی توقعات وابستہ تھیں اور ان کی شدید خواہش تھی کہ اس ریاست سے ان کا بھی کوئی تعلق قائم ہو بلکہ مدیر "صوفی" کو یہ اعزاز نصیب ہونے سے ذرا پہلے اقبال کے سلسلے میں بھی ریاست حیدرآباد میں تحریک ہوئی تھی تاہم نتائج حوصلہ افزاء برآمد نہ ہوئے - علامہ اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "... عہد عثمانی میں بھی ان کی بڑی خواہش تھی کہ اسلامی ریاست حیدرآباد سے کسی طرح کا تعلق پیدا ہو سکے - معلوم ہوتا ہے ۱۷ء میں کوئی بات چلی بھی تھی جو کامیاب نہ ہوئی [(۱۰۸)] -" ۱۹۱۷ء میں علامہ اقبال کو ریاست حیدرآباد کی طرف سے کوئی اعزاز نہ ملنا اور اگلے سال ۱۹۱۸ء میں مدیر "صوفی" کو وظیفہ اور انعام نصیب ہو جانا، یہ بات جہاں علامہ اقبال کے لئے اچنبے کا باعث ہوگی - وہاں مدیر "صوفی" اور مجلّہ "صوفی" کے حوالے سے ناقابل فراموش اور یادگار حیثیت کی حامل بن گئی ہوگی -

علامہ اقبال اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے سچے عقیدت مند تھے اور مجلّہ "صوفی" خواجۂ غریب نواز پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوری کی یاد میں جاری کیا گیا تھا - اقبال پیر غلام حیدر شاہ جیسے پاک نفوس سے واقف اور آگاہ تھے اور ان کا دلی احترام کرتے تھے لیکن کبھی شرف باریابی حاصل نہ ہوا - کیونکہ یورپ سے واپسی پر اقبال حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ سے ہوتے ہوئے جب ۲۸ / جولائی ۱۹۰۸ء کو سیالکوٹ پہنچے [(۱۰۹)]، تو ان کی آمد سے ٹھیک ۲۲ روز قبل ۶ / جولائی ۱۹۰۸ء کو پیر سید غلام حیدر شاہ کا وصال ہو چکا تھا - اقبال جذبۂ عقیدت و احترام کے تحت پیر سید غلام حیدر شاہ کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ و خواہش رکھتے تھے تاہم زمانے کے الٹ پھیر نے علامہ اقبال کی اس خواہش کی تکمیل نہ ہونے دی - ایک موقعے پر علامہ اقبال نے پیر غلام حیدر شاہ کے پوتے سجادہ نشین جلالپور شریف پیر سید محمد فضل شاہ کے روبرو اس بات کا اظہار کیا کہ "... میرا بھی ارادہ تھا کہ حضرت اعلیٰ (پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوریؒ) کے ہاتھ پر بیعت کروں مگر حاضری کا اتفاق نہ ہوا اور امروز و فردا میں آپ کا وصال ہو گیا [(۱۱۰)] -" مجلّہ "صوفی" پیر سید غلام حیدر شاہ کے حالات و ملفوظات وغیرہ سے مزین ہوتا تھا اور عرس کے موقعے پر خصوصیت سے عرس نمبر بھی پیش کرتا تھا - پیر غلام حیدر شاہ کے متعلق ایسا مواد پیش کرنے سے مجلّہ "صوفی" یقیناً اقبال کی

دلچسپیوں اور توجہ کا مرکز بن گیا ہوگا - یہی وجہ ہے کہ جب مدیر "صوفی" نے پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری کی سوانح "ذکر حبیب " لکھنے کا ارادہ کیا اور اقبالؔ سے قطعہ تاریخ لکھنے کی درخواست کی تو اقبالؔ نے بہت جلد ایک منفرد قطعہ تاریخ پیش کیا جو پہلے "صوفی" میں چھپا اور بعد میں "ذکر حبیب" کی زینت بنا - یہ قطعہ "ذکر حبیب" کے صفحہ ۱۱۱ پر شائع ہوا - "ذکر حبیب" میں علامہ اقبالؔ کے قطعہ سے متعلق خاص بات یہ ہے کہ مدیر "صوفی" نے اقبالؔ اور اکبرؔ کے قطعات کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کی دستی تحریر کے عکس کو خوبصورت بیل بوٹے سے مزین چوکھٹے میں بڑے اہتمام کے ساتھ آرٹ پیپر پر شائع کیا اور صفحہ نمبر درج کئے بغیر "ذکر حبیب" کے صفحہ نمبر ۱۱۰ کے سامنے گویا صفحہ نمبر ۱۱۰ اور ۱۱۱ کے درمیان جگہ عطاء کی - اکبرؔ اور اقبالؔ کے ان قطعات میں سے ڈاکٹر عبدالغنی کو اقبالؔ کا قطعہ فکری گہرائی کا حامل، دل کے سچے جذبات کا ترجمان اور روحانی وابستگی کا مظہر دکھائی دیتا ہے - ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں کہ "... اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فکر و جذبہ اور اسلوب کے اعتبار سے یہ علامہ اقبالؔ کے دل کی آواز ہے، ——— یہ رسمی قطعہ نہیں - اس میں آمد ہی آمد ہے - اکبرالہ آبادی اگرچہ پیر حیدر شاہ کو مردِ خدا کہتے ہیں اور ان کے پیروان کار کو حق آگاہ تسلیم کرتے ہیں لیکن علامہ اقبالؔ کے قطعہ میں جو خلوص، عمق اور روحانی وابستگی موجود ہے وہ ان کے ہاں نہیں - اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ علامہ اقبالؔ کا قطعہ محض ریاضیاتی فکر کا نتیجہ نہیں - اپنے قطعات تاریخ میں انہوں نے کسی کی تربت کو "امینِ جلوہ ہائے طور" نہیں کہا[111] - "اقبالؔ کا زیرِ بحث قطعہ ملاحظہ فرمائیں:

ہر کہ برخاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت

تربت او را امینِ جلوہائے طور گفت

ہاتفِ از گردوں رسید و خاک او را بوسہ داد

گفتمش سالِ وفاتِ او بگو مغفور گفت

۱۳۲۶ھ

جہاں ڈاکٹر عبدالغنی اس قطعے کو اقبالؔ کی پیر سید غلام حیدر شاہ سے عقیدت کا نتیجہ خیال کرتے ہیں، وہاں سید نور محمد قادری اس قطعے کو مدیر "صوفی" ملک محمد الدین سے اقبالؔ کے دوستانہ مراسم کا تقاضہ سمجھتے ہیں - وہ لکھتے ہیں کہ "... شاہ صاحب کی سوانح عمری "ذکر حبیب" میں شامل بیشتر قطعات تاریخ ملک محمد الدین کا حق دوستی ادا کرنے کے لئے لکھے گئے ہیں نہ کہ حضرت جلالپوری کی عقیدت کی بناء پر[112] - "ان دونوں پہلوؤں پر حقیقت پسندانہ غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں صداقت کا عنصر موجود ہے - قطعے کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ فکری بلندی کے اعتبار سے یہ اقبالؔ کی پیر سید حیدر شاہ سے عقیدت مندی کا حاصل ہے اور اقبالؔ سے یہ قطعہ لکھوانے کا فوری سبب اقبالؔ کا مدیر "صوفی" سے حق دوستی ادا کرنا ہی تھا -

پیر سید غلام حیدر شاہ سے تو اقبالؔ کی ملاقات نہ ہوئی تاہم ان کے پوتے پیر سید محمد فضل شاہ سجادہ نشیں جلالپور سے اقبال کی ملاقاتیں رہیں - پیر فضل شاہ نے مولانا ظفر علی خاں کے "ستارہ صبح" کے ذریعے متصوفین کے خلاف تحریک چلانے کے سلسلے کو موضوع تنقید بناتے ہوئے علامہ سے ایک ملاقات کی طرف یوں

اشارہ کیا ہے کہ "... ان کے (مولانا ظفر علی خاں کے) مرشد ڈاکٹر اقبال نے اثنائے گفتگو میں خود اس فقیر (پیر سید محمد فضل شاہ) کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ ہمارے معلومات کا دائرہ مافی الکتب تک محدود ہے اور جو باتیں ہم کہتے ہیں ان کا انحصار محض قال پر ہے [۱۱۴]۔" ستمبر ۱۹۲۸ء [۱۱۵] میں پیر سید محمد فضل شاہ شاردا ایکٹ کی مخالفت میں شملہ تشریف لے گئے تاکہ شریعت اسلامی سے متصادم اس ایکٹ کے حوالے سے مسلمان ممبران مرکزی اسمبلی سے ملاقات کر کے انہیں اس کی قابل مذمت باتوں سے آگاہ کیا جائے۔ پیر سید محمد فضل شاہ شملہ میں لانگ وڈ ہوٹل [۱۱۶] میں قیام پذیر تھے۔ ان دنوں علامہ اقبال بھی شملہ میں تھے اور اکثر ملاقات رہتی تھی۔ خواجہ محمد امین چشتی جوان دنوں پیر سید محمد فضل شاہ کی خدمت میں حاضر رہے، کا بیان ہے کہ "... جب ۱۹۲۸ء میں حضور (سید محمد فضل شاہ) سارداایکٹ کے سلسلے میں شملہ تشریف فرما تھے تو علامہ اقبال مرحوم ہر شام حضور کی خدمت میں پہنچ جاتے تھے [۱۱۷]۔" پیر سید فضل شاہ اور علامہ اقبال کی ان ملاقاتوں میں اسلامی فلسفۂ حیات [۱۱۸]، فلسفۂ ماضی و حال، تصوف [۱۱۹] اور زمان و مکاں [۱۲۰] جیسے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو ہوتی۔ انہی دنوں شملہ میں علامہ اقبال کی موجودگی میں پیر سید محمد فضل شاہ کو حکومت برطانیہ کی طرف سے ایک سو مربع زرعی اراضی کی پیش کش ہوئی جسے انہوں نے مسترد کر دیا۔ علامہ اقبال ان کی عالی ظرفی کے اس مظاہرے پر خوش ہوئے۔ ایک پیر کی حیثیت سے علامہ اقبال کو ان کا کردار بہت پسند آیا اور میاں عبدالحئی کے ساتھ مل کر علامہ اقبال نے اس حکومتی پیشکش کو ٹھکرانے پر مشتمل جواب تیار کیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالغنی، خواجہ محمد امین چشتی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "... ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب موصوف (علامہ ڈاکٹر محمد اقبال) تشریف فرما تھے کہ اس وقت کے انگریز گورنر پنجاب [۱۲۱] سر جعفرے مونٹ مورنسی [۱۲۲] کا ایک رجسٹری لفافہ پہنچا۔ جسے حضور قبلہ (پیر سید محمد فضل شاہ) کے حکم سے ڈاکٹر صاحب نے ہی کھولا۔ اور پڑھ کر حضور کو سنایا۔ اس میں لکھا تھا کہ آپ کے لنگر کے کثیر اخراجات کے پیش نظر حکومت برطانیہ آپ کو ایک سو مربع زرعی زمین دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ امید یکہ آپ حکومت کی اس پیشکش کو قبول فرمائیں گے اور اپنی رضامندی سے مطلع فرمائیں گے۔

یہ خط سنانے کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے حضرت امیر حزب اللہ سے پوچھا کہ قبلہ حضرت صاحب اس خط کا آپ کیا جواب دینا چاہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ لکھا جائے۔ فقیر نے آج تک حکومت کی نہ کوئی خدمت کی ہے اور نہ آئندہ ہو سکے گی۔ لہٰذا میں کسی حالت میں بھی خود کو اس پیشکش کا اہل نہیں سمجھتا۔ حکومت کے اس احساس کا بہت بہت شکر یہ کہ لنگر شریف کے اخراجات کا اسے خیال پیدا ہوا۔ لیکن یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ لنگر بادشاہوں کے محتاج نہیں ہوا کرتے۔ یہ جواب سن کر ڈاکٹر صاحب وجد میں آ گئے اور بے اختیار بول اٹھے:

او حضرت صاحب خدا کی قسم باقی پیروں کو بھی اپنے جیسا بنا لیجئے،

قبلہ حضرتِ امیر حزب اللہ ڈاکٹر صاحب کے بیساختہ پن پر مسکرائے اور فرمایا فقیر تو انگریزی جانتا نہیں آپ ہی اس کا جواب تیار کیجئے۔ چنانچہ اگلی صبح ڈاکٹر صاحب اور میاں عبدالحئی صاحب وکیل [۱۲۳] نے مل کر جواب کا مسودہ تیار کیا جو ٹائپ کرا کے گورنر پنجاب کو بھیج دیا گیا [۱۲۴]۔" لاہور میں بھی مختلف مذہبی و ملی معاملات کے سلسلے میں علامہ اقبال اور پیر فضل شاہ دونوں مصروف کار نظر آتے اور یوں ملاقاتوں کے بہانے خود بخود پیدا ہوتے رہتے۔ ایک مرتبہ لاہور میں

نکالے گئے ایک جلوس میں علامہ اقبال اور پیر سید محمد فضل شاہ نے شرکت کی - دونوں ایک ہی کار میں سوار تھے اور گفتگو کا سلسلہ جاری تھا (۱۲۵) - ۱۹۲۹ء میں مسلمان قوم کے سرکردہ افراد نے ۱۲ ربیع الاول کو ہندوستان بھر میں "یوم ولادت رسولؐ" منانے کے لئے ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے اپیل کی - کل ۴۹ اپیل کنندگان تھے جن میں اقبالؔ اور پیر سید فضل شاہ کے نام بھی شامل تھے (۱۲۶) - ۱۹۳۰ء میں مسلمان معززین نے میر غلام بھیک نیرنگ کی جمعیت مرکزیہ تبلیغ اسلام ابنالہ کے لئے مسلمانان پنجاب سے بھرپور تعاون اور چندے کی اپیل کی - اقبال اور پیر سید محمد فضل شاہ کے علاوہ دیگر ۱۴ معززین بھی اپیل کنندگان میں شامل تھے (۱۲۷) - جون ۱۹۳۱ء میں سیرت النبیؐ کے جلسے میں تحریک یوم النبیؐ کے افتتاح کا اعلان کیا گیا تو ۴۰ مسلم زعماء اور اکابرین نے امت مسلمہ سے اپیل کی کہ پورے ہندوستان میں سیرت النبیؐ کی اشاعت کے لئے ایک ہی دن ۱۲ ربیع الاوّل کو تبلیغی جلسے منعقد کئے جائیں اور تمام شہروں میں انتظام کو سنبھالنے کے لئے معززین پر مشتمل سیرت کمیٹیاں تشکیل دی جائیں - مسلمان قوم کے سامنے یہ اپیل پیش کرنے والوں میں علامہ اقبالؔ اور پیر سید محمد فضل شاہ بھی شامل تھے (۱۲۸) - پیر سید محمد فضل شاہ اقبال کی فلسفیانہ اور فکری حیثیت کے پیش نظر ان کی بہت قدر کرتے تھے - اپنی تحریروں مضامین و تقاریر میں پیر فضل شاہ بے دریغ علامہ کے فکر و فلسفہ سے تائیدی حوالے حاصل کرتے اور اپنے خیالات کی ترجمانی کے لئے علامہ کے اشعار کو وسیلہ بناتے (۱۲۹) - ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں کہ "... انہیں اقبالؔ سے محبت تھی - علامہ بھی انہیں محترم سمجھتے تھے - پیر حیدر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند تو تھے ہی ان کے جواں ہمت اور بیدار مغز پوتے سے بھی گہری موانست پیدا ہوگئی (۱۳۰) -" پیر سید محمد فضل شاہ مجلّہ "صوفی" کی سرپرستی فرماتے اور اکثر مہربانی و محبت کا مظاہرہ کرتے رہتے - مجلّہ "صوفی" ان کے دادا پیر سید غلام حیدر شاہ کی یاد میں جاری کیا گیا تھا - اس لئے اس مجلّہ سے انہیں خاص دلچسپی تھی - سجادہ نشین بننے سے قبل ہی اکثر اپنی تحریریں "صوفی" کی نذر کرتے رہتے بلکہ اس حد تک سرپرستی فرماتے کہ اکثر خریداران "صوفی" فراہم کرتے (۱۳۱) - مدیر "صوفی" سے ان کے مراسم بڑے گہرے تھے - مدیر "صوفی" کے گھر بڑی بے تکلفی سے تشریف لاتے (۱۳۲) - مدیر "صوفی" کی کتابوں کے دیباچے بڑی ہمدردی اور ذمہ داری سے تصنیف کئے - پیر سید محمد فضل شاہ جب حج کے ارادے پر نکلے تو بڑی محبت کے ساتھ مدیر "صوفی" کو بھی اپنے ہمراہ لے کر گئے - مدیر "صوفی" نے پیر فضل شاہ کی شادی پر نکاح کا سہرا اور تاریخ وغیرہ (۱۳۳) بڑی محبت کے ساتھ لکھ کر پیش کئے اور تمام عمر پیر فضل شاہ کی سرگرمیوں میں شامل رہے اور اپنے تمام کاموں میں پیر فضل شاہ کو حد درجہ احترام کے ساتھ شریک کرتے رہے - ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھ کر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پیر سید غلام حیدر علی شاہ سے علامہ اقبالؔ کی عقیدت اور پیر سید محمد فضل شاہ سے علامہ اقبالؔ کی موانست نے مدیر "صوفی" اور علامہ اقبالؔ کے دوستانہ مراسم کو مزید اعتبار بخشا جس کے نتیجے میں دونوں ایک دوسرے سے مزید قریب ہوئے اور اسی نسبت سے مجلّہ "صوفی" بھی اقبالؔ کی نگاہوں میں مزید اہمیت حاصل کر گیا -

مدیر "صوفی" سماجی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے تھے اور خاص طور پر مسلم تشخص کو اجاگر کرنے والے کاموں سے دلچسپی رکھتے تھے - یکم مئی ۱۹۱۱ء کو انہوں نے "اشاعت اسلام فنڈ (۱۳۴)" کا آغاز کیا اور اشاعت و تبلیغ اسلام کے لئے عملی کوششیں کیں، لیکن یہ تمام کام انہوں نے مدیر "صوفی" کی ذاتی حیثیت سے انجام دیئے یعنی کسی انجمن یا تنظیم کی بناء ڈالے بغیر چندہ اکٹھا کر کے تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرتے رہے - پھر مدیر "صوفی" نے فروغ اسلام کے جذبے کے تحت

پنڈی بہاؤالدین میں جامع مسجد اور دارالعلوم کی تعمیر کے منصوبے کو جاری کیا اور بڑی تگ و دو کے بعد اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ اس منصوبے سے جب انہیں کسی قدر اطمینان ہوا تو ان کی توجہ پھر تبلیغ و اشاعت اسلام کی طرف منعطف ہوئی اور رسالہ "صوفی" نے تبلیغ و اشاعت اسلام کے کام کو مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا کیونکہ "صوفی" کے خیال میں اس زمانے کے واعظین خلوص قلب سے کام نہیں لیتے جس کے باعث وہ معاشرے میں اپنا صحت مند کردار ادا نہیں کر پا رہے، یہی وجہ ہے کہ تبلیغ و اشاعت کی ضرورتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک نئے انتظام اور جدید اسکیم کی ضرورت ہے[۱۳۵]۔ ان کے خیال میں جب تک انگریزی خواں طبقہ تبلیغ کے کام کو اپنی نگرانی میں نہ لے گا کامیابی حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ موجودہ زمانے میں لوگوں کی طبیعتوں کا میلان انگریزی علوم کی طرف ہے اور جب تک ان کا اپنا گروہ ان کے سامنے اسلام کا حقیقی نمونہ پیش نہیں کرے گا ان پر کسی مولوی کے واعظ کا کچھ اثر نہیں ہوگا[۱۳۶]۔ چنانچہ اسی خیال کے تحت انہوں نے "انجمن اشاعت اسلام پنڈی بہاؤالدین" کی بنیاد رکھی اور یہ سوچ کر کہ جب تک دارالعلوم اپنے علماء اور صلحا، مبلغین اور واعظ خود پیدا نہیں کر لیتا اس وقت تک علمائے کرام کے گروہ سے چند باضمیر لوگ مبلغ مقرر کر لئے جائیں، انہوں نے فوری ضرورت کے تحت یکم مارچ ۱۹۲۰ء سے انجمن کے پلیٹ فارم سے تبلیغ اور اشاعت کے کام کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔ انجمنِ اشاعت اسلام پنڈی بہاؤالدین کا باضابطہ تنظیمی ڈھانچہ موجود تھا جس کے مطابق یہ کام کرتی تھی۔ اس کے صدر پیر سید محمد فضل شاہ سجادہ نشین جلالپور شریف تھے[۱۳۸] اور جنرل سیکرٹری مدیر "صوفی" ملک محمد الدین اعوان تھے جو بعد میں نائب صدر کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیتے رہے[۱۳۹]۔ اس انجمن کے دیگر عہدوں پر بھی باصلاحیت افراد کو تعینات کیا گیا تھا۔ مدیر "صوفی" نے اس انجمن کی مجلس منتظمہ بھی قائم کی جس میں انہوں نے ایک معزز رکن کے طور پر علامہ اقبال کو بھی شامل کیا۔ اگرچہ اس سلسلے میں مدیر "صوفی" اور علامہ اقبال کے خطوط یا دیگر آثار دستیاب نہیں تاہم مدیر "صوفی" کی ایک تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ مجلس منتظمہ کی رکنیت کے لئے علامہ اقبال پوری طرح آمادہ اور تیار تھے یعنی اس کام کے لئے علامہ کی مرضی اور رائے کو پورا دخل تھا۔ مجلس منتظمہ کے دس اراکین کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے مدیر "صوفی" لکھتے ہیں کہ "ممبران مجلس انتظامیہ سے حاجی مولوی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ ای پریذیڈنٹ کونسل آف ریجنسی۔ منشی عبدالغفور خانصاحب بی۔ اے منٹگمری و مولوی نظیر حسین صاحب آنریری مجسٹریٹ گوجرانوالہ۔ مولینا نیاز محمدؐ خانصاحب ندوی تاج محل بھوپال۔ مولوی ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر اہلحدیث، نواب حاجی محمد اسمٰعیل خانصاحب ٹرسٹی علیگڑھ کالج۔ مولوی——محمد ظفر صاحب ایم۔ اے وکیل، مولوی انوار الحق صاحب ایم۔ اے ڈائرکٹر تعلیمات بھوپال۔ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ مولینا عاشق حسین صاحب سیماب وارثی وغیرہ اکابر قوم نے نہ صرف رکنیت (ممبری) مجلس منتظمہ منظور فرمائی ہے۔ بلکہ برخلاف اکثر بزرگان قوم نے (کذا) اپنی قیمتی رایوں اور بیش قیمت مشوروں سے ممتاز فرمایا ہے[۱۴۰]۔" اس انجمن کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں عوامی چندے کو بالکل دخل نہ تھا بلکہ صرف خریداران "صوفی" ہی اسے اپنی مدد آپ کے تحت چلا رہے تھے۔ "صوفی" کا بیان ہے کہ "اس انجمن کا کام صرف خریداران "صوفی" کی اعانت پر چل رہا ہے، اور ہم پبلک کے سامنے شرمندہ نہیں ہیں بلکہ ہمیں بجا طور پر فخر و ناز ہے کہ خریداران "صوفی" ہمارے اعتبار پر زر خیرات انجمن کی مد میں بھیجتے ہیں اور ہم اسے اسی مد میں کھپا دیتے ہیں[۱۴۱]۔" اس انجمن کا عوامی چندے کی محتاجی سے پاک ہونا یقیناً اقبال کے نزدیک قابلِ تحسین تھا۔ کیونکہ بعدہٗ

۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال نے چودہ مسلمان زعماء کے ساتھ ایک اعلان جاری کیا تو سیرت کمیٹی کے اسی پہلو کو پسند کرتے ہوئے اس اعلان میں کہا کہ "... سب سے زیادہ قابلِ قدر اور لائق تعریف بات یہ ہے کہ سیرت کمیٹی اس مبارک تحریک کو شروع ہی سے تجارتی بنیادوں پر چلا رہی ہے اور گزشتہ چار سال کے عرصے میں اسے پبلک چندہ سے بالکل پاک رکھا گیا ہے [۱۴۲] -" انجمن اشاعت اسلام پنڈی بہاؤالدین میں صرف ایک یہی خوبی نہیں تھی بلکہ یہ انجمن مفلس اور نادار طلباء کو سامان تعلیم اور خوراک وغیرہ بھی مفت فراہم کرتی تھی اور تنظیمی ڈھانچے اور مجلس منتظمہ کی موجودگی میں اس نے بہت جلد اپنا فعال کردار ادا کرنا شروع کر دیا - اکتوبر ۱۹۲۰ء میں دار العلوم میں تعلیم کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا اور دیگر کورسوں کے ساتھ تبلیغ کی ایک جماعت میں بھی طلباء نے تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی - علاوہ ازیں مستقبل کے لئے ایک جدید طرز کے ہائی اسکول کی منصوبہ بندی بھی کی گئی [۱۴۳] - اس انجمن کی کامیابیوں کا سہرا دیگر عہدے داران کے علاوہ مجلس منتظمہ کے سر بھی ہے جس کے اقبال ایک معزز رکن تھے - اقبال کی آراء اور مشوروں کو اس سلسلے میں اس لئے بھی صائب تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ لاہور کی انجمن حمایت اسلام اور انجمن اسلامیہ پنجاب جیسی تنظیموں میں شریک تھے اور خوب تجربہ رکھتے تھے - بہر حال پنڈی بہاؤالدین کی انجمن اشاعت اسلام کی مجلس منتظمہ کی رکنیت کو اقبال کی طرف سے قبولیت کا شرف حاصل ہونے میں دیگر محرکات کے علاوہ مدیر "صوفی" سے اقبال کے مخلصانہ مراسم ایک بڑا محرک تھے -

اقبال کے مجلّہ "صوفی" اور مدیر "صوفی" سے بہتر تعلقات کے آثار میں سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب علامہ اقبال نے جولائی ۱۹۳۱ء [۱۴۴] کی قائم کردہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قادیانی عنصر کے ہاتھوں زچ ہو کر اس کی صدارت سے استعفیٰ دیا اور ۲۰/ جون ۱۹۳۳ء [۱۴۵] کے ایک بیان میں نئی کشمیر کمیٹی تشکیل دینے کی ضرورت محسوس کی، جس کے صدر علامہ اقبال اور سیکرٹری ملک برکت علی تھے [۱۴۶]، تو علامہ اقبال نے نئی کشمیر کمیٹی میں مجلّہ "صوفی" کے ڈائریکٹر آف پالیسی اور مدیر "صوفی" کے فرزندِ اکبر ملک محمد اسلم خاں بیرسٹرایٹ لا کو جائنٹ سیکرٹری کی حیثیت سے شامل کیا - مجلّہ "صوفی" میں اس کمیٹی کے اقبال کی صدارت میں ہونے والے ایک اجلاس کی مختصر کارروائی درج ہے [۱۴۷]، جو جائنٹ سیکرٹری محمد اسلم خاں کی طرف سے شائع کی گئی اور جس میں حکومت ہند کے حکومت کشمیر کی مذموم کارروائیوں پر خاموش تماشائی بننے پر افسوس کا اظہار کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ حکومت ہند کشمیریوں پر مظالم بند کرا کے اہلِ کشمیر کے جائز مطالبات فوراً منوائے - بہر حال جائنٹ سیکرٹری کی یہ تعیناتی کوئی عام بات نہیں بلکہ "صوفی" والوں پر اقبال کے اعتماد اور بھروسے کی ایک عمدہ علامت ہے -

مدیر "صوفی" بھی اقبال پر مکمل بھروسہ اور اعتماد رکھتے تھے - وہ اکثر معاملاتِ زندگی میں اقبال کی ہم نوائی کرتے نظر آتے تھے - مثلاً تقسیم فلسطین کی تجویز میں عربوں سے غیر منصفانہ سلوک کو جب اقبال نے سیاسی طور پر غیر دانشمندانہ رویہ قرار دیا تو "صوفی" نے علامہ کی اس رائے کو اپنے "شذرات" کے ذریعے بھرپور انداز سے اجاگر کیا اور مکمل طور پر اتفاق و تائید کا اظہار کیا [۱۴۸] - یہی نہیں بلکہ مدیر "صوفی" کے اقبال پر اعتماد کا یہ عالم تھا کہ بعض معاملات جہاں مدیر "صوفی" اپنے مخصوص حلقۂ احباب کی بدولت اقبال کے موقف سے ہٹ کر کسی خاص نقطۂ نظر کو اپنانے میں مجبور ہو جاتے ان میں بھی وہ کسی نہ کسی انداز سے اقبال کے مؤقف کی تائید و تصدیق کرتے نظر آتے - مسئلۂ خلافت کے سلسلے میں سجادہ نشین جلالپور شریف پیر سید محمد فضل شاہ خاصے سرگرم تھے - سجادہ نشینوں میں یہ پہلے

شخص تھے جنہوں نے ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں ہونے والے خلافت کے پہلے سالانہ جلسے میں شرکت کی اور مقامات مقدسہ کی حفاظت، خلیفۃ المسلمین کی سلطنت کے بچاؤ اور دیگر عصری مسائل کے بارے میں قرارداد پیش کی [(۱۴۹)] - پیر فضل شاہ کے قریبی ساتھی ہونے کی بنا پر مدیر "صوفی" بھی تحریک خلافت میں شامل رہے- مدیر "صوفی" نومبر ۱۹۱۹ء [(۱۵۰)] میں قائم ہونے والی جمعیت العلماء ہند کے دوسرے سالانہ اجلاس میں شریک ہوئے جو ۱۹/۲۰/۲۱/نومبر ۱۹۲۰ء [(۱۵۱)] کو دہلی میں منعقد ہوا- مدیر "صوفی" نے تحریک خلافت کے تحت قائم ہونے والی "جامعہ ملیہ اسلامیہ" کے علی گڑھ کے اجلاس میں شرکت کی جہاں انہیں اس کا ٹرسٹی بنایا گیا اور انہوں نے اس کے فنڈز میں بھرپور حصہ ڈالنے کا وعدہ کیا- مدیر "صوفی" کو "خلافت وفد" کا بھی ایک رکن بنایا گیا اور انہیں سجادہ نشینوں اور دوسرے مذہبی سربراہوں کو متحرک کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی [(۱۵۲)] - اس سلسلے میں مدیر "صوفی" نے پنڈی بہاؤالدین میں ایک سیاسی جلسے کا اہتمام بھی کیا جس میں تحریک خلافت کی پالیسی کے تحت رولٹ ایکٹ کی مذمت کرتے ہوئے ترک موالات کی ضرورت پر زور دیا گیا [(۱۵۳)] - مجلہ "صوفی" میں خلافت کے موضوع پر شذرات تحریر کئے جاتے رہے [(۱۵۴)] - مسئلۂ خلافت کو قرآن و احادیث مبارکہ کی روشنی میں پیش کیا جاتا [(۱۵۵)] اور مدیر "صوفی" خلافت کے حوالے سے اپنے منظوم خیالات و جذبات کا اظہار کرتے [(۱۵۶)] - اسی طرح پیر حیدر شاہ کے گیارہویں عرس کے موقع پر ۲۷/فروری ۱۹۲۰ء کو بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک اجتماع کے سامنے سجادہ نشین جلالپور شریف پیر سید محمد فضل شاہ کے ایماء پر مدیر "صوفی" نے یہ قرارداد پیش کی:

'(۱) یہ کہ ہم مسلمان، جو انگریز حکومت کے وفادار ہیں لیکن ترکی کے سلطان کے روحانی اقتدار اعلیٰ کے تحت اسے تمام مسلمانوں کا سربراہ اور بادشاہ مانتے ہیں- انگریز حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ سلطان کی عزت اور وقار کو تحفظ دے-

(۲) یہ کہ اسلام کے تمام تاریخی مقامات ترکی کے زیر انتظام ہی رہنا چاہییں چونکہ مسلمانوں کے مذہب کے مطابق یہ مقامات ایک مسلم حکمران کے زیر تسلط ہی ہونا چاہییں-

(۳) یہ کہ ترکی کا انگلینڈ یا کسی اور ملک کے ہاتھوں غصب ہونے والا تمام علاقہ ترکی کو واپس کیا جائے- [(۱۵۷)]'

یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور ہوئی اور مجلہ "صوفی" میں عرس کی رپورٹ میں اس کے قابل ذکر نکات کو پیش کیا گیا [(۱۵۸)] - تمام ایسی سرگرمیوں اور کارروائیوں میں حصہ لینے کے باوجود مدیر "صوفی" علامہ اقبال کے ہم دم و ہم نوا رہے اور اقبال کے اس موقف کی تائید کرتے رہے کہ بھیک میں خلافت کا مل جانا ناممکنات میں سے ہے- مجلہ "صوفی" میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "... بقول ڈاکٹر اقبال گداؤں کی طرح خلافت کا سوال کرنے سے خلافت کا ملنا ناممکن ہے، اور ایسی خلافت مل بھی جاوے تو اس کا لینا ہم مسلمانوں کے لئے عار ہے ؎

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی [(۱۵۹)] " [(۱۶۰)]

گویا مدیر "صوفی" نے پیر سید محمد فضل شاہ کے ایماء اور ان سے عقیدت مندانہ روحانی مراسم کی بنا پر خلافت کے کاسہ گدائی کو تھاما لیکن ان کا دل اقبال کے موقف

کا قائل تھا جو علامہ اقبال کی ذات پر مدیر "صوفی" کے مکمل بھروسے اور اعتماد و اعتقاد کا ثبوت ہے۔

مدیر "صوفی" کی طرف سے اقبال کے ساتھ روابط میں اکثر جوش و سرگرمی اور محبت کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ یہ مدیر "صوفی" کی علامہ اقبال سے محبت کا ہی نتیجہ تھا کہ انہوں نے جب اشاعت کتب کے کام کا آغاز کیا تو اپریل ۱۹۱۲ء میں اشاعتی منصوبے کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے دیگر کتب کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے مجموعہ کلام کو بھی زیر طبع کتب کے ذیل میں پیش کیا (۱۶۱) ۔ اور علامہ اقبال سے اجازت حاصل کرنے کی غرض سے ان سے ملنے کے لئے سیالکوٹ گئے (۱۶۲) ۔ تاہم "صوفی" کے صفحات علامہ اقبال کے کسی مجموعہ کلام کے ادارہ "صوفی" کی طرف سے اشاعت پذیر ہونے کے معاملے میں خاموش نظر آتے ہیں (۱۶۳) ۔ حالانکہ مدیر "صوفی" کے اشاعت کتب کے منصوبے میں بیان کردہ دیگر کتب کے ادارۂ صوفی سے شائع ہونے کی کافی وشافی گواہیاں خود مجلّہ "صوفی" سے مل جاتی ہیں (۱۶۴) ۔ یعنی مدیر "صوفی" نے جس طرح مجلّہ "صوفی" کے اجراء پر علامہ اقبال کو نظرانداز نہیں کیا اسی طرح اشاعت کتب کا آغاز کرنے پر بھی وہ علامہ اقبال کو فراموش نہ کر پائے، یہ الگ بات ہے کہ بوجوہ وہ اقبال کا مجموعہ کلام پیش کرنے سے قاصر رہے۔

مجلّہ "صوفی" میں علامہ اقبال کی تصانیف اور ان کے مختلف ایڈیشنوں کے اشتہارات نمایاں طور پر شائع ہوتے (۱۶۵) ۔ تصانیف اقبال کی امتیازی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے مدیر "صوفی" خصوصی اقدامات کرتے، کبھی سونے کے تول بکنے والی کتابوں میں علامہ اقبال کی کسی تصنیف کو پیش کیا جاتا (۱۶۶) ۔ تو کبھی رعایت کتب کے سلسلے میں علامہ اقبال کی کتابوں کے بارے میں الگ سے یہ صراحت کردی جاتی کہ ان پر کوئی رعایت نہیں (۱۶۷) ۔ مزید یہ کہ اقبال کی کتب میں زیر بحث مختلف شخصیات پر سوانحی مضامین پیش کر کے تصانیف اقبال کے لئے تقویت کا سامان فراہم کیا جاتا۔ جیسا کہ "جاوید نامہ" میں مذکور بزرگانِ اسلام کے حالات زندگی پر مشتمل مضامین کو وقتاً فوقتاً پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا (۱۶۸) ۔ اس کے علاوہ مطبوعات صوفی کی کچھ کتابوں پر علامہ اقبال کی رائے کو بہ تکرار مجلّہ "صوفی" کے صفحات میں فخریہ پیش کیا جاتا۔ ان کتب میں "جوہر قدامت" از مولانا راشد الخیری (۱۶۹) ، "سیر الصحابہؓ" از مولانا سعید انصاری (۱۷۰) ، "تاریخ اسلام" (جلد اول) از مولوی اکبر شاہ خاں نجیب آبادی (۱۷۱) ، "یادرفتگاں" از منشی محمد الدین فوق (۱۷۲) ، "صحابیات" از نیاز فتحپوری، "اسلامی البم" مرتبہ ادارہ صوفی (۱۷۴) اور "مدینۃ الرسول صلعم" مرتبہ ادارۂ صوفی (۱۷۵) شامل ہیں جن پر علامہ اقبال کی رائے کو پیش کیا گیا یا ان کے پسند فرمانے کا تذکرہ کیا گیا۔ اسی طرح مطبوعات صوفی کے علاوہ "ہندوستان کی اسلامی تاریخ" از مولوی کرم الٰہی (۱۷۶) ، "قرآن آسان قاعدہ" از خواجہ حسن نظامی (۱۷۷) ، "تاریخ اسلام" از غلام قادر فصیح (۱۷۸) ، "خنجر ہلال" از مولانا فرخ امرتسری (۱۷۹) اور "مرقع چغتائی" از محمد عبداللہ چغتائی (۱۸۰) پر بصورت اشتہار علامہ اقبال کی رائے یا دیگر حوالوں سے علامہ کا ذکر موجود ہے۔

مدیر "صوفی" اقبال کے سلسلے میں حد سے زیادہ التفات اور سرگرمی کا مظاہرہ کرتے۔ اپنی تصنیفات کو خاص طور پر کلام اقبال سے مزین کرنا ضروری سمجھتے۔ ان کی کتابیں "ذکر حبیب" اور "خاتون جنت" اس بات کی گواہ ہیں۔ اسی جذبے کے تحت انہوں نے کئی ایک مرتبہ اقبال سے بالا بالا ہی ان کا کلام "صوفی" میں شائع کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں مدیر "صوفی" نے اقبال کی ایک نظم "معراج کی رات" باقاعدہ "تازہ کلام" کا نوٹ لکھ کر درج

کی [۱۸۱] - اُدھر ۱۳ / نومبر ۱۹۱۷ء کے خط میں اقبال نے سید سلیمان ندوی سے ان کے مجلّے "معارف" کے لئے کچھ نہ کچھ لکھنے کا وعدہ کیا [۱۸۲] - لیکن جلد نبھا نہ پائے - سید سلیمان ندوی کی نظروں سے "صوفی" میں چھپنے والی اقبال کی نظم گزر چکی تھی - انہوں نے اقبال سے اس بات کا گلہ کیا کہ آپ "صوفی" میں نظمیں شائع کر دیتے ہیں جبکہ "معارف" سے صرف وعدہ ہی کر رکھا ہے - تو اقبال نے ۲۸ / اپریل ۱۹۱۸ء کو سید سلیمان ندوی کو لکھا کہ "رسالہ "صوفی" میں میں نے کوئی نظم شائع نہیں کی - کوئی پرانی مطبوعہ نظم [۱۸۳] انہوں نے شائع کر دی ہوگی [۱۸۴] - " گویا اقبال کو "صوفی" کے اکتوبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں چھپنے والے اپنے تازہ کلام کے بارے میں بالکل کچھ علم نہ تھا یعنی یہ کلام، اقبال کی نظر بچا کر حاصل کر لیا گیا تھا - جس نے "معارف" والوں کو رشک میں مبتلا کر دیا کہ علامہ اقبال "صوفی" کو "معارف" پر فوقیت دیتے ہیں - لہٰذا اقبال جو ۲۸ / اپریل ۱۹۱۸ء کے اسی خط میں "رموز بیخودی" پر سید سلیمان ندوی سے تبصرے کے لئے "سراپا سپاس" تھے نے اس خیال کو رفع کرتے ہوئے مزید لکھا کہ "... ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں "صوفی" کو "معارف" پر ترجیح دوں - "معارف" ایک ایسا رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے - میں انشاء اللہ ضرور آپ کے لئے کچھ لکھوں گا - یہ وعدہ کچھ عرصہ ہوا میں نے آپ سے کیا تھا اور میں اس وقت تک پورا نہیں کر سکا [۱۸۵] - " یوں "معارف" والوں کی دلجمعی کا سامان ہوا اور "معارف" میں "رموز بیخودی" پر ریویو شائع ہوا جس پر ۱۰ / مئی ۱۹۱۸ء کو اقبال نے سید سلیمان ندوی کا شکریہ ادا کیا [۱۸۶] - اقبال نے ۲۳ / مئی ۱۹۱۸ء کو "معارف" کے لئے اپنا کلام بھیجا [۱۸۷] جس کے لئے انہوں نے ۱۳ / نومبر ۱۹۱۷ء سے وعدہ کر رکھا تھا، تاہم سید سلیمان ندوی کے شکوے کے باوجود علامہ اقبال پر یہ بات منکشف نہ ہو سکی کہ "صوفی" والوں نے ان کی بے خبری میں ان کے تازہ کلام تک رسائی حاصل کر لی ہے -

اقبال کی والدۂ محترمہ امام بی بی جنہیں گھر میں سب "بے جی" پکارتے تھے چھ سات ماہ کی علالت کے بعد ۹ / نومبر ۱۹۱۴ء کی صبح انتقال کر گئیں [۱۸۸] - علامہ اقبال کو بے انتہا صدمہ پہنچا - جس کا اظہار خطوط کے ذریعے بھی ہوا - ۱۱ / نومبر ۱۹۱۴ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھا کہ "... امسال میرے لئے عید محرم کا حکم رکھتی تھی [۱۸۳] - " ۲۳ / نومبر ۱۹۱۴ء کے ایک اور خط میں مہاراجہ کشن پرشاد کو دلی کیفیات سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ "... اس حادثے نے میرے دل و دماغ میں ایک شدید تغیر پیدا کر دیا ہے - میرے لئے دنیا کے معاملات میں دلچسپی لینا اور دنیا میں بڑھنے کی خواہش کرنا صرف مرحومہ کے دم سے وابستہ تھا - اب یہ حالت ہے کہ "موت کا انتظار ہے - " دنیا میں موت سب انسانوں تک پہنچتی ہے اور کبھی کبھی انسان بھی موت تک جا پہنچتا ہے - میرے قلب کی موجودہ کیفیت یہ ہے کہ وہ تو مجھ تک پہنچتی نہیں، کسی طرح میں اس تک پہنچ جاؤں [۱۹۰] - " عبدالمجید سالک اقبال کے اس غم کی گہرائی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "... علامہ کئی روز تک بے حد غم زدہ و افسردہ رہے - راقم الحروف تعزیت کے لئے حاضر ہوا تو دیر تک مرحومہ کی خوبیاں بیان کر کر کے آبدیدہ ہوتے رہے [۱۹۱] - " یہ صدمہ اقبال کے لئے ایسا جانکاہ تھا کہ وہ کئی ماہ تک 'دل گرفتہ' رہے [۱۹۲] - علامہ اقبال کے والد محترم شیخ نور محمد جن کو گھر میں سب "میاں جی" کہتے تھے انہیں بھی شریک حیات کی جدائی کا بے حد رنج ہوا - ایک دن شدت غم سے مغلوب ہو کر انہوں نے اپنے بڑے پوتے شیخ اعجاز احمد کو تقریباً دو نشستوں میں دس بارہ شعر لکھوائے اور اقبال کے پاس جو اس وقت لاہور میں تھے بھیجنے کا حکم دیا - جس کی تعمیل کر دی گئی - ان دس بارہ اشعار میں سے جو شعر شیخ اعجاز احمد کو یاد رہا وہ یہ

ہے:

؎ یہ تنہا زندگی پیری میں نصف الموت ہوتی ہے
نہ کوئی ہم سخن اپنا، نہ کوئی راز داں اپنا (۱۹۳)

جب علامہ اقبالؔ تک اپنے والد کے یہ اشعار پہنچے جو پہلے ہی والدہ کی مفارقت میں نڈھال تھے تو گویا ان کے جذبات اُمڈ آئے اور انہوں نے کچھ ہی عرصے میں "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" ایک نظم کسی خوش خط کاتب سے لکھوا کر سیالکوٹ میں اپنے والد محترم کے لئے بھجوا دی (۱۹۴) اور نظم کی نجی حیثیت کے پیش نظر کسی اخبار یا رسالے کو اشاعت کے لئے نہ دی۔ یہ نظم اقبالؔ نے اپنے والد محترم کے لئے سیالکوٹ بھجوائی اور اس نظم کے ہمراہ اقبالؔ نے دو صفحات پر مشتمل ایک تحریر بھی بھیجی جس میں انہوں نے ہر بند کا مفہوم اختصار کے ساتھ نثری پیرائے میں لکھا تھا تاکہ والد ماجد کو اس کا مفہوم سمجھنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے (۱۹۵)۔ لہٰذا اقبالؔ کے والد اکثر اس نظم کا مطالعہ کرتے شیخ اعجاز احمد کا بیان ہے کہ "... میاں جی اس نظم کو اکثر پڑھا کرتے اور پڑھنے میں گریہ طاری ہو جاتا اور زار و قطار روتے جاتے (۱۹۶)۔" اگست ۱۹۲۰ء میں مجلّہ "صوفی" نے علامہ اقبالؔ کی نجی طور پر لکھی گئی یہی نظم شائع کر دی (۱۹۷)۔ یہ غیر مطبوعہ نظم بھی اقبالؔ کی اجازت اور رضامندی کے بغیر شائع کی گئی تاہم اس بار یہ بات اقبالؔ سے چھپ نہ سکی کیونکہ جب "صوفی" کا اگست ۱۹۲۰ء کا شمارہ جس میں نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" شائع ہوئی تھی ڈاک کے ذریعے اقبال کے سیالکوٹ والے پتہ پر پہنچا تو ان دنوں اقبالؔ بھی عدالتی تعطیلات گزارنے لاہور سے سیالکوٹ پہنچے ہوئے تھے (۱۹۸)۔ نظم چھپی دیکھی تو بڑے حیران ہوئے کیونکہ انہوں نے اشاعت کی غرض سے یہ نظم کسی کو نہیں دی تھی۔ ان پر یہ بات نہیں کھلتی تھی کہ یہ نظم "صوفی" تک پہنچی کیسے۔ ان کا پہلا شک اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد پر گیا۔ بھتیجے نے اپنی بریت ظاہر کر دی تو ان کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ نظم دو مقامات کے علاوہ اور کہیں موجود نہیں ہے، اگر نظم سیالکوٹ سے حاصل نہیں کی گئی تو پھر لاہور سے حاصل کی گئی ہے۔ لہٰذا اقبالؔ نے بلا اجازت نظم شائع کرنے پر مدیر "صوفی" کو نوٹس بھجوا دیا۔ شیخ اعجاز احمد اس ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ "... عدالت کی تعطیلات میں چچا جان سیالکوٹ آئے ہوئے تھے۔ ایک دن ڈاک میں ان کے نام منڈی بہاؤالدین (پنڈی بہاؤالدین) سے شائع ہونے والے ماہنامے "صوفی" کی ایک کاپی آئی جس میں وہ پوری نظم چھپی ہوئی تھی۔ چونکہ انہوں نے وہ نظم اشاعت کے لئے کسی کو نہ دی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر انہیں خیال ہوا ہوگا کہ صوفی والوں کو یہ نظم سیالکوٹ سے ملی ہے اور سیالکوٹ میں میرے علاوہ ایسا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے چنانچہ مجھے بلوایا اور استفسار کیا کہ یہ نظم صوفی میں کیسے شائع ہو گئی چونکہ میں نے نظم اشاعت کے لئے نہیں دی تھی میں نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ وہ بظاہر خاموش ہو گئے لیکن چہرے کے تکدر سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ میرے انکار کو درست نہیں سمجھتے۔ کاغذ قلم منگوا کر صوفی والوں کو نوٹس تحریر کیا کہ ان کی نظم بغیر ان کی اجازت کے کیوں شائع کی گئی۔ ان کے ارشاد پر میں وہ نوٹس ڈاک خانہ جا کر رجسٹری کرا آیا۔ واپس آ کر بڑا پریشان تھا کہ اگرچہ ناکردہ گناہ ہوں لیکن چچا جان ضرور مجھے ہی مجرم سمجھے ہوئے ہیں۔ اسی پریشانی میں صوفی میں شائع شدہ نظم پڑھنے بیٹھ گیا۔ پڑھتے پڑھتے محسوس کیا کہ کچھ اشعار غیر مانوس ہیں۔ میں نے گھر میں نظم کی جو کاپی تھی اس کا مقابلہ "صوفی" میں شائع ہونے والی نظم سے کیا تو ایک دو نہیں پورے نو اشعار ایسے ملے جو سیالکوٹ والی

کاپی میں نہ تھے - یہ انکشاف میرے لئے بڑی خوشی کا باعث ہوا کیونکہ میری بَریّت کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہو سکتا تھا - میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ صوفی میں شائع شدہ نظم میں نو اشعار ایسے ہیں جو سیالکوٹ والی کاپی میں نہیں وہ بہت متعجب ہوئے اور فرمایا" پھر تو نظم کسی طرح میرے ہاں سے اڑائی گئی ہے-" میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا - (۱۹۹) "اس سلسلے میں ڈاکٹر مظفر حسن ملک نے اس امکان کا اظہار کیا ہے کہ نظم محمد الدین فوق کی وساطت سے حاصل کی گئی ہوگی (۲۰۰) - اس اندازے کا سبب محمد الدین فوقؔ کا لاہور میں قیام پذیر ہونا اور مدیر "صوفی" سے ان کی دوستی ہونا تھا - نظم واقعی لاہور سے حاصل کی گئی تھی - تاہم راقمہ کے خیال میں ڈاکٹر مظفر حسن ملک کا اندازہ درست نہیں کیونکہ یہ نظم مسلم ہائی اسکول، لاہور کے نویں جماعت کے طالب علم محمد اسلم خاں کی طرف سے شائع کی گئی تھی اور مذکورہ طالب علم کی طرف سے ناقص معلومات پر مشتمل ایک نوٹ بھی درج کیا گیا جو واقعی اقبالؔ کے بارے میں کمزور معلومات رکھنے والے ایک طالب علم کا نوٹ ہی محسوس ہوتا ہے جس پر عجلت میں کسی کو غور کرنے کا موقع ہی نہ ملا - نوٹ یوں تھا کہ " ذیل کی غیر مطبوعہ نظم ترجمان حقیقت ڈاکٹر محمد اقبالؔ ایم - اے - پی - ایچ - ڈی کے نتائج افکار سے ہے - یہ اس زمانہ کی لکھی ہوئی ہے جب ڈاکٹر صاحب ممدوح انگلستان میں تعلیم پا رہے تھے اور آپ کو اپنی والدہ محترمہ کے وفات کی خبر جانگداز ملی - (محمد اسلم خاں ففتھ ہائی کلاس مسلم ہائی سکول، لاہور) (۲۰۱) -" یہ طالب علم جس کی طرف سے نظم شائع کی گئی اصل میں مدیر " صوفی " کے فرزند اکبر تھے جو اس زمانے میں لاہور میں زیر تعلیم تھے اور بعد ازاں محمد اسلم خاں ایم - اے (کیمبرج) بیرسٹرایٹ لاء لاہور ہائی کورٹ ہوئے اور مجلّہ "صوفی" کی ادارت میں اعزازی نائب مدیر اور ڈائریکٹر آف پالیسی کی حیثیت سے شامل رہے - مختلف شواہد کی بناء پر راقمہ کا قیاس ہے کہ لاہور میں علامہ اقبالؔ کے ہاں سے اس نظم "والدۂ مرحومہ کی یاد میں"، بلکہ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں شائع ہونے والی نظم "معراج کی رات " کو باہر لانے میں بھی شیخ اعجاز احمد ہی کا ہاتھ تھا کیونکہ انہیں علامہ اقبال کے مسودات سے اشعار نقل کرنے کے مواقع اکثر ملتے رہتے تھے - شیخ اعجاز احمد کے حوالے سے فقیر سید وحید الدین رقمطراز ہیں کہ "... ۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۸ء میں جب وہ اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھتے تھے تو علامہ کا کلام جمع کرنے کے انہیں مواقع میسر آئے - شیخ صاحب نے لاہور میں علامہ کی بہت سی نظمیں خود ان کے کاغذوں سے نقل کی ہیں - یہ وہ زمانہ ہے جب اقبالؔ انارکلی والے بازار میں رہتے تھے (۲۰۲) -" شیخ اعجاز احمد ۱۹۲۰ء میں لاء کالج لاہور میں پڑھتے تھے (۲۰۳) - اس دوران بھی انہیں یہ سہولت حاصل رہی - اپنے ایک بیان میں لکھتے ہیں کہ "... لاء کالج کے زمانے میں بھی گاہے گاہے چچا جان کی میز پر ان کا تازہ کلام نقل کرنے کا موقع مل جاتا (۲۰۴) -" جیسا کہ ۳ر مارچ ۱۹۲۰ء کو علامہ اقبالؔ نے متکاف ہاؤس دہلی سے شیخ اعجاز احمد کو لاہور خط لکھ کر بتایا کہ انہیں چند دن مزید دہلی میں قیام کرنا پڑے گا (۲۰۵) - گویا اس دوران علامہ اقبالؔ کی غیر موجودگی میں شیخ اعجاز کو نقل کلام کا موقع حاصل رہا - اقبالؔ شیخ اعجاز پر مکمل بھروسہ کرتے اور اگر لاہور سے کہیں جاتے تو اعجاز خواہ ہاسٹل میں رہ رہے ہوتے، اقبال انہیں اپنی غیر موجودگی میں اپنے ہاں بلا لیتے - ۷ر اپریل ۱۹۲۰ء کے ایک خط میں انہوں نے شملہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا گو کہ وہ اس ارادے کی تکمیل نہ کر سکے لیکن ان کا منصوبہ یہی تھا کہ وہ شملہ جائیں گے تو شیخ اعجاز ایک ہفتے کے لئے ان کے ہاں قیام کریں گے - شیخ عطاء محمد کو لکھتے ہیں کہ " ہفتہ کے روز شام کو شملہ جاؤں گا - وہاں ایک ہفتہ قیام رہے گا - اعجاز ایک ہفتہ کے لئے یہاں آ جائے گا (۲۰۶) -" اس تمام صورت حال کا تجزیہ کرنے سے راقمہ کے خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ علامہ اقبالؔ کے ہاں

سے ان کا کلام باہر نکالنے میں واقعی شیخ اعجاز احمد کا ہی ہاتھ تھا البتہ "صوفی" تک پہنچانے میں ان کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ شیخ اعجاز احمد لکھتے ہیں کہ "ماہنامہ صوفی کے مالک و مدیر کے صاحبزادے ملک محمد اسلم قیام پاکستان کے بعد وزارتِ خوراک و زراعت میں کچھ عرصہ میرے ساتھ کام کرتے رہے ہیں اور اب بھی گاہے بگاہے ان سے ملنا ہوتا ہے۔ میں نے جب بھی ان سے دریافت کیا ہے کہ وہ نظم صوفی تک کیسے پہنچی تو انہوں نے ہنس کر ٹال دیا ہے"(۲۰۷)۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لاہور میں مدیر "صوفی" کے فرزند ملک محمد اسلم خاں نے شیخ اعجاز احمد سے علامہ کا کلام براہ راست حاصل نہیں کیا بلکہ ان دونوں کے درمیان کوئی اور کڑی موجود تھی جس کی وساطت سے شیخ اعجاز احمد کی لاعلمی میں کلام اقبال کے نمونے مدیر "صوفی" کے فرزند تک پہنچے۔ وہ درمیانی کڑی اور وسیلہ راقمہ کے خیال میں ملک نصراللہ خاں عزیؔز کی ذات تھی۔ شیخ اعجاز احمد اور ملک نصراللہ خاں عزیز دونوں اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھتے تھے۔ دونوں نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ نیز ملک نصراللہ خاں عزیؔز کے "صوفی" والوں سے اچھے مراسم بھی تھے۔ جس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ مجلّہ "صوفی" کے سب ایڈیٹر حکیم خورشید حسن نے فروری ۱۹۱۹ء میں رسالے سے علیحدگی اختیار کی تو ان کے بعد "صوفی" والوں نے ملک نصراللہ خاں عزیؔز کو ہی "صوفی" کے نائب مدیر کی حیثیت سے شامل ادارت کیا۔ جو ۱۹۲۵ء تک "صوفی" کے نائب مدیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے(۲۰۹)۔ ان معروضات کی روشنی میں راقمہ اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اقبالؔ کا کلام ان کے گھر سے شیخ اعجاز احمد کے ہاتھوں باہر نکلا اور ملک نصراللہ خاں عزیؔز سے ہوتا ہوا فرزند مدیر "صوفی" ملک محمد اسلم خاں کے ذریعے سے "صوفی" کے صفحات کی زینت بنتا رہا۔ شاید یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہتا اگر نظم "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" کی اشاعت سے اتفاقاً یہ بات علامہ اقبال کے علم میں نہ آ جاتی کہ "صوفی" میں ان کی مرضی کے بغیر ان کا کلام چھپتا ہے۔

علامہ اقبالؔ نے مدیر "صوفی" کو بغیر اجازت نظم شائع کرنے پر جو نوٹس دیا وہ تو دستیاب نہیں ورنہ اس موقع پر ان کے ردعمل کا جائزہ خود ان کے الفاظ کو سامنے رکھ کر لیا جاتا۔ بہر حال "روزگار فقیر" میں شیخ اعجاز احمد کا بیان ہے کہ "... سنا ہے "صوفی" والوں نے بعد میں منت سماجت کر کے چچا جان کو درگزر کرنے پر آمادہ کر لیا تھا"(۲۱۰)۔ دوسری جگہ شیخ اعجاز "مظلوم اقبال" میں اس بارے میں لکھتے ہیں کہ "... صوفی والوں نے نوٹس کے جواب میں معافی مانگ لی تھی اور چچا جان نے کوئی مزید کارروائی نہیں کی"(۲۱۱)۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مجلّہ "صوفی" کو نوٹس دینے سے چند ماہ قبل علامہ اقبالؔ رسالہ "کہکشاں" کے ایڈیٹر سید امتیاز علی تاج کو بڑے سخت الفاظ میں نوٹس دے چکے تھے کہ "... آپ نے اپنے رسالے میں میری نظم شائع کر کے کاپی رائٹ کی خلاف ورزی کی ہے۔ آپ فی الفور اس کی تلافی کیجئے اور آئندہ میری کوئی نظم نہ چھاپئے"(۲۱۲)۔ ہوا یوں کہ انجمن حمایت اسلام کے پینتیسویں سالانہ جلسے میں ۴؍ اپریل ۱۹۲۰ء کو علامہ نے اپنا کلام پیش کرنے سے پہلوتہی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے باوجود احباب کے اصرار پر تین چھوٹی چھوٹی نظمیں پیش کر کے انہوں نے حاضرین کو محظوظ کیا۔ اس جلسے میں عبدالمجید سالک موجود تھے۔ انہوں نے اسی وقت تینوں نظمیں نقل کر لیں۔ وہ ان دنوں سید امتیاز علی تاج کے "کہکشاں" کو ترتیب دے رہے تھے۔ انہوں نے تین میں سے ایک نظم اسی ماہ کے شمارے میں شائع کی اور آئندہ دوسری نظم شائع کرنے کا نوٹ بھی درج کر دیا۔ رسالہ شائع ہونے کے تیسرے روز سید امتیاز علی تاج کے نام علامہ اقبالؔ کا نوٹس موصول ہو گیا(۲۱۳)۔ عبدالمجید سالک کو نوٹس کا علم ہوا تو بہت صدمہ پہنچا۔ چنانچہ وہ اسی شام

اقبآل سے ملنے پہنچ گئے -عبدالمجید سالک بیان کرتے ہیں کہ "... میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا - اس نوٹس کا ذکر کر کے اپنی ناگواری کا اظہار کیا - کہنے لگے - سالکؔ صاحب میں نے آپ کو تو نوٹس نہیں دیا - آپ اتنے مضطرب کیوں ہوتے ہیں؟ میں نے کہا آپ کو معلوم تو تھا کہ "کہکشاں" کو میں مرتب کرتا ہوں اور آپ کی نظم میں نے شائع کی تھی - اس کے علاوہ آپ کا یہ نوٹس قانونی اعتبار سے بھی کمزور ہے - پوچھنے لگے، وہ کیونکر؟ میں نے عرض کیا، جب ایک چیز پندرہ بیس ہزار کے مجمع میں پڑھی گئی تو وہ شائع ہوگئی - اگر کوئی اخبار انجمن کے جلسے کی روئداد میں یہ نظم شائع کردے تو کیا اس کا یہ "رپورٹنگ" خلاف قانون ہوگا؟ "کہکشاں" نے محض ایک شائع شدہ چیز کو شائع کیا ہے اور کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی - کہنے لگے، آپ کی دلیل سے میرا پورا اطمینان نہیں ہوا، اس لئے میں قانون کو دوبارہ دیکھوں گا - اس کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں اور اس صحبت میں مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب میری آزردگی کے اثر کو دور کرنے کے لئے خاص تکلف اور التفات سے کام لے رہے تھے (۲۱۴) -" یہی نظم بعد ازاں روزنامہ "پیسہ اخبار" کی ۱۰/اپریل ۱۹۲۰ء کی اشاعت میں شامل ہوئی اور مجلّہ "صوفی" نے اس نظم سمیت انجمن حمایت اسلام میں پیش کی گئی تینوں منظومات کو "کلام اقبال" کے زیرِ عنوان مئی و جون ۱۹۲۰ء کے شمارے میں شائع کیا -

قبل ازیں خود عبدالمجید سالک بھی ایک مرتبہ علامہ اقبآل کے اس قسم کے نوٹس کی زد میں آچکے تھے - یہ شکایت اقبآل کو ان کے پرچے "فانوس خیال" سے ہوئی تھی، جسے عبدالمجید سالک نے پٹھانکوٹ سے جاری کیا تھا - تاہم بقول سالک علامہ اقبآل کو اس نوٹس کے جواب میں بزرگوں کی ملامت سے پشیمانی کا سامنا کرنا پڑا تھا - دیکھا جائے تو مدیر "صوفی" کے پاس بھی ایسے بزرگوں کی کمی نہ تھی جو اقبآل کی نگاہ میں محترم ہوں یا اقبآل جن کا دل سے ادب کرتے ہوں، ان کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے اور دوسرے خود مدیر "صوفی" کے مراسم جنہوں نے علامہ اقبآل کو صبر و تحمل اور درگزر کی طرف مائل کیا ہوگا - کیونکہ بقول ڈاکٹر مظفر حسن ملک "... ملک صاحب اور علامہ میں بلا اجازت نظم چھاپنے کا تنازع زیادہ دیر نہیں چلا اور جلد ہی سمجھوتہ ہوگیا، اور بات آئی گئی ہوگئی (۲۱۶) -" ورنہ اقبآل اس بات کو عالم آشکارا کر سکتے تھے - جیسے کراچی کے ایک ناشر اور طابع کو علامہ اقبآل کی چند نظموں پر مشتمل سولہ صفحات کا ایک مختصر سا رسالہ شائع کرنے پر معافی حاصل کرنے کے معاملے کو اقبآل کی طرف سے عظیم اللہ ایڈووکیٹ نے روزنامہ "انقلاب (۲۱۷)" کے ذریعے عوام الناس کے سامنے پیش کیا تھا -

غور کیا جائے تو "صوفی" والوں کا جرم سب سے زیادہ سنگین نظر آتا ہے کیونکہ "صوفی" میں چھپنے والا علامہ اقبآل کا کلام کسی پبلک جلسے یا دیگر مطبوعہ ماخذ سے نہیں بلکہ ان کے گھر سے، خود ان کی میز سے حاصل کیا گیا تھا اور پھر یہ کہ صرف ایک نظم "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" ہی کا معاملہ نہیں تھا - اسی اگست ۱۹۲۰ء کے شمارے میں اس نظم کے علاوہ بیک وقت علامہ کی دو مزید تخلیقات بھی شائع کی گئی تھیں (۲۱۸) - جن میں سے ایک آگے چل کر نظر ثانی کے بعد ۱۶/اپریل ۱۹۲۲ء کو انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں پیش کی جانے والی مشہور نظم "خضرِ راہ" کا حصہ بنی اور دوسری کو نظر ثانی کے بعد "پیامِ مشرق" کی اشاعت مئی ۱۹۲۳ء کے وقت حصۂ غزلیات میں جگہ ملی - لیکن چونکہ "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" کی اشاعت نظم کی نجی اور ذاتی حیثیت کے پیش نظر اقبآل کی نگاہوں میں زیادہ کھٹکی تھی - اس لئے باقی دو نظموں کو نظر انداز کر کے نوٹس میں اسی کو جواز بنایا گیا تھا - ممکن تھا کہ علامہ اقبآل مدیر "صوفی" سے مراسم کے باعث انہیں نوٹس جاری نہ کرتے اور

اس معاملے کو اہمیت نہ دیتے ۔ جس طرح اگست ۱۹۲۰ء کے شمارے میں شائع ہونے والی باقی دونظموں کی اشاعت کے معاملے کو انہوں نے اہمیت نہ دی تھی تاہم نظم "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" کی اشاعت کو نجی معاملے میں دخل اندازی خیال کرتے ہوئے وہ نوٹس دینے پر مجبور ہو گئے ۔ اس کے باوجود علامہ اقبال کا ضبط اور درگزر سے کام لینا اور کچھ وقفے کے بعد جون ۱۹۲۱ء سے "صوفی" میں پھر سے کلام اقبال کی اشاعت کا آغاز ہو جانا (۲۱۹) مدیر "صوفی" اور اقبال کے گہرے روابط کی نوعیت کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے ۔

مدیر "صوفی" کے اقبال سے مراسم اتنے گہرے تھے کہ اکثر خطبات اقبال کی تفہیم اور ابلاغ کی خاطر اپنے طور پر ترجمے اور اشاعت کا بندوبست کرتے ۔ ۱۹۲۸ء میں علامہ اقبال نے اورینٹل کانفرنس یعنی موتمر المستشرقین کے اجلاس لاہور میں ایک انگریزی زبان میں ایک خطبہ دیا جس کا ترجمہ مولانا اسرائیل بی ۔ اے نے "حکمائے اسلام کے دل و دماغ کے ایک عمیق تر مطالعہ کی دعوت" کے عنوان سے خاص طور پر "صوفی" کے لئے کیا (۲۲۰) ۔ اس میں علامہ نے مسلمانوں کے دیگر افکار و تصورات علم کے علاوہ نظریۂ زمان و مکاں پر بھی بحث کی اور اس بات پر زور دیا کہ اسلامی تہذیب کی روح کو سمجھنا بہت ضروری ہے جو مسلمانوں کے علوم و فنون کے غائر مطالعے کے بغیر ممکن نہیں ۔

اسی طرح برصغیر کی مسلم سیاست کو نئے مرحلے میں داخل کرنے والا علامہ اقبال کا عظیم الشان خطبہ یعنی خطبہ الٰہ آباد سامنے آیا تو مدیر "صوفی" نے اس خطبے کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کے ترجمے اور اشاعت و تشہیر کے لئے خصوصی سرگرمی کا مظاہرہ کیا ۔ خطبہ الٰہ آباد علامہ اقبال نے ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اکیسویں سالانہ اجلاس میں صدارتی خطبے کے طور پر پیش کیا ۔ مسلم لیگ کونسل کے ۱۳ر جولائی ۱۹۳۰ء کے اجلاس میں جو شملہ میں منعقد ہوا میں یہ طے پایا کہ اس اجلاس کی صدارت کے لئے بالترتیب علامہ اقبال، سر سلطان احمد، مولوی فضل حق اور صاحبزادہ عبدالقیوم کو دعوت دی جائے ۔ اور اسی دن قائد اعظم محمد علی جناح نے علامہ اقبال کو اس اجلاس کی صدارت قبول کرنے کے سلسلے میں تار دے دیا ۔ ۲۳ر جولائی تک علامہ نے اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا ۔ پھر اچانک ۲۶ر جولائی ۱۹۳۰ء کو روزنامہ "انقلاب" کے ذریعے پتہ چلا کہ علامہ اقبال نے صدارت کی دعوت قبول کر لی ہے اور وہ آج کل صدارتی خطبہ لکھنے میں مصروف ہیں (۲۲۱) ۔ خطبہ انگریزی میں لکھا جا رہا تھا ۔ علامہ اقبال نے ۹ر اگست ۱۹۳۰ء کو اطلاع دی کہ خطبہ لکھنے کا کام ۱۰ر اگست کو ختم ہو جائے گا اور اگلے دو تین روز میں اسے طباعت سے ہمکنار کر دیا جائے گا (۲۲۲) ۔ تاہم بوجوہ اجلاس کی تاریخ اور مقام تبدیل کیا جاتا رہا ۔ پہلے یہ اجلاس ۱۶ر اور ۱۷ر اگست کو لکھنؤ میں ہونا قرار پایا تھا اور پھر دسمبر میں بنارس میں ہونا قرار پایا اور بالآخر ۲۹ر ، ۳۰ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو الٰہ آباد کے محلہ یاقوت گنج کی "دوازدہ منزل" میں منعقد ہوا ۔ اجلاس بار بار ملتوی ہونے کے باعث ۲۹ر اگست ۱۹۳۰ء تک خطبہ "پروف شیٹ" کی صورت میں علامہ اقبال کے پاس موجود تھا اور وہ اس میں ضروری ترمیمات کرنا چاہتے تھے (۲۲۳) ۔ بہرحال سالانہ اجلاس کے انعقاد سے بہت پہلے علامہ اقبال خطبے کے سلسلے میں تیاریاں مکمل کر چکے تھے ۔ لیگ کے اس اجلاس کو علامہ اقبال نے اتنی زیادہ اہمیت دی کہ جب ۸ر ستمبر ۱۹۳۰ء کو بمبئی سے ایک پرانے مسلم لیگی ابراہیم رحمت اللہ نے انہیں پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے مسلم ڈیلی گیشن کے ساتھ انگلستان چلنے کی دعوت دی تو انہوں نے جانے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ ان کے خیال میں اس وقت لیگ کا اجلاس قریب

تھا[۲۲۴] - اگر وہ انکار نہ کرتے تو لیگ کے اجلاس میں شرکت مشکوک ہو جاتی - جو وہ کسی صورت نہیں چاہتے تھے - آخر وہ دن آیا کہ ہندوؤں کے گڑھ الٰہ آباد میں علامہ اقبالؔ نے ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو اپنا صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا - حاضرین کی تعداد بڑی مایوس کن تھی - انگریزی خطبے کی چھپی چھپائی کاپیاں بھی حاضرین کو فراہم کی گئیں - خود علامہ اقبالؔ اہم نکات کی تشریح کرتے رہے اور خطبہ پڑھنے کے دوران اپنے مطالب کی مزید وضاحت قرآنی آیات اور احادیث سے بھی کرتے رہے، تاہم حاضرین کی اکثریت اس شعور وادراک سے محروم تھی جو اقبالؔ کی فکر کو سمجھنے کے لئے ضروری تھا - حاضرین میں سے اکثر چونکہ اقبالؔ کے خیالات سے صحیح طور پر آگاہ نہیں ہو سکے تھے اس لئے خطبۂ صدارت کے اختتام پر مراد آباد سے آئے ہوئے مولوی محمد یعقوب جو آل انڈیا مسلم لیگ کے اعزازی معتمد تھے نے انگریزی زبان سے نابلد افراد کے لئے خطبے کے اہم نکات کا اردو میں ترجمہ پیش کیا[۲۲۵] - تاہم اس عظیم خطبے کا جیسا اثر حاضرین پر ہونا چاہئے تھا وہ کہیں نظر نہ آیا - اس خطبے میں علامہ اقبالؔ نے اپنی ذاتی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک ریاست بنا دیا جائے خواہ سلطنت برطانیہ کے اندر یا باہر کیونکہ ایسی اسلامی ریاست قائم ہونا بدیہی امر ہے - یہ بات جب ہندو پریس تک پہنچی تو اس نے خوب واویلا مچایا - اقبالؔ کے اس خیال کی خوب مذمت کی گئی - اسے غیر سنجیدگی کی نذر کرنے کے لئے بقول سید نذیر نیازیؔ[۲۲۶] ایک 'سیاسی غزل' سے تعبیر کیا گیا اور غیر تو غیر اپنے بھی اس کی مخالفت پر اتر آئے یا یوں سمجھ لیجئے کہ اپنوں نے اگر مخالفت نہیں کی تو زیادہ موافقت بھی ظاہر نہ کی - سید نذیر نیازی ایک موقعے پر اپنوں کی مخالفت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "... جنہوں نے خلافت اور ترک موالات کی تحریکوں میں حصہ لیا تھا اور تبدیلی حالات کے باوجود اپنے مسلک پر قائم تھے اور وہ بھی جو کانگریس کے ہم خیال یا لیگ کے ساتھ تھے - دوران گفتگو میں کسی نے کہا - ارے صاحب آپ نے وہ اقبالؔ کا خطبۂ صدارت بھی پڑھا - واللہ کیا خوب شاعری کی ہے، آخر شاعر ہی تو ہیں - کیسی غزل کہہ گئے ہیں - اس پر بڑے زور کا قہقہہ پڑا -[۲۲۷] "ہندو پریس کے مقابلے میں مسلم پریس نے بھی اپنا کردار ادا کیا - لکھنؤ کے روزنامہ "ہمدم" اور لاہور کے روزناموں "انقلاب"، "مسلم آؤٹ لک" اور "سیاست" نے اقبالؔ کی حمایت بڑے دبنگ انداز سے کی[۲۲۸] - خطبۂ الٰہ آباد کا ترجمہ بھی چند اردو اخبارات میں شائع ہوا[۲۲۹] - سب سے پہلے روزنامہ "انقلاب" میں غالباً مولانا غلام رسول مہر نے اس خطبے کا ترجمہ پیش کیا - جو ۳۰ر اور ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۰ء کے "انقلاب" میں مترجم کے نام کے بغیر شائع ہوا[۲۳۰] - مہر وسالک چونکہ علامہ اقبالؔ کے بہت قریب تھے - اس لئے انہوں نے اقبالؔ سے خطبے کی کاپی حاصل کر کے پہلے سے ہی ترجمے کا بندوبست کر رکھا تھا - یہی وجہ تھی کہ ۲۹ر دسمبر کو خطبہ پڑھا گیا اور ۳۰ر دسمبر کو علامہ نے الٰہ آباد میں دوسرے اجلاس کی ایک گھنٹے تک صدارت فرمائی، پھر جلسہ گاہ سے چلے آئے اور بڑی عجلت میں ۳۰ر دسمبر کو لاہور کے لئے روانہ ہوئے[۲۳۱] - یعنی ۳۰ر دسمبر تک اقبالؔ الٰہ آباد میں ہی تھے اور لاہور میں ۳۰ر دسمبر کی اشاعت کے لئے ۲۹ر دسمبر کو ہی ترجمے کا بندوبست ہو چکا تھا - گویا خطبہ کے ترجمے کا کام خطبہ پیش کرنے سے پہلے ہی کر لیا گیا اور بعد میں اس کو "انقلاب" کی اشاعتوں میں شامل کر دیا گیا - یہ ترجمہ خود اقبالؔ کی نگاہوں سے بھی گزر چکا تھا - وہ اس سے کسی حد تک مطمئن تھے - تاہم نظر ثانی کی گنجائش محسوس کرتے تھے[۲۳۲] - مدیر "صوفی" بھی مختلف اخبارات میں ہونے والے تراجم سے مطمئن نہ تھے - چنانچہ لکھتے ہیں کہ "... روزانہ اخبارات کے مترجمین کے لئے ضرورت کا یہ تقاضا تھا کہ جلدی ترجمہ کریں - اس سے ان تراجم میں بہت زیادہ

نقص باقی رہ گئے حالانکہ مترجمین بہت قابل اشخاص تھے [۲۳۳] -" چنانچہ ایک معیاری اور اچھا اردو ترجمہ پیش کرنے کی غرض سے مدیر "صوفی" نے بجا طور پر سید نذیر نیازی کا انتخاب کیا - اس زمانے میں سید نذیر نیازی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں تاریخ کے پروفیسر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے تھے یعنی خطبے کے تاریخی پس منظر اور اہمیت سے وہ بخوبی آگاہ تھے اور علامہ اقبالؔ کے انگریزی خطبات کے مترجم کی حیثیت سے اہل علم حضرات میں ان کا چرچا تھا نیز مدیر "صوفی" جو جامعہ ملیہ کے ٹرسٹی بھی تھے سے ان کے اچھے مراسم تھے جس کا اندازہ سید نذیر نیازی کے چھوٹے بھائی سید شبیر احمد کے سانحہ ارتحال کی اس خبر سے ہوتا ہے جو "صوفی" میں اشاعت پذیر ہوئی [۲۳۴] - لہٰذا خطبے کی اہمیت کے پیش نظر مدیر "صوفی" نے ایک تجربہ کار مترجم اقبال سید نذیر نیازی سے ترجمے کے لئے درخواست کی - مدیر "صوفی" لکھتے ہیں کہ "... ایسے زبردست مقالہ کا جیسا کہ سر محمدؐ اقبال کا یہ خطبۂ صدارت ہے ایک بہت اچھا اردو ترجمہ نہ ہونا ایک نہایت قابل افسوس فروگزاشت ہوتی - اس لئے ہم نے نذیر نیازی صاحب، پروفیسر تو ارئخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے فرمائش کرکے اس کا صوفی کیلئے خاص ترجمہ کروایا ہے [۲۳۵] -" مسلم لیگ کے اعزازی سیکرٹری مولوی محمد یعقوب نے بہت پہلے خود بھی علامہ اقبالؔ کی توجہ خطبے کے اردو ترجمے کی طرف مبذول کرائی تھی - لیکن علامہ اقبالؔ نے اس بکھیڑے میں پڑنا مناسب نہیں سمجھا اور ۹ راگست ۱۹۳۰ء کو مسلم لیگ کے سیکرٹری کو لکھا کہ "ایڈریس کے اردو ترجمے کے لئے اب نہ ہمت باقی ہے نہ وقت [۲۳۶] -" اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو سالانہ اجلاس کی ابتدائی طے شدہ تاریخ سر پر تھی جو بعد میں ملتوی ہوئی اور دوسرے سید نذیر نیازی بھی فارغ نہیں تھے کیونکہ ان دنوں سید نذیر نیازی خطباتِ اقبالؔ کے ترجمے میں مصروف تھے - لہٰذا اقبالؔ نے توجہ دلانے کے باوجود ترجمے کے کام میں دلچسپی نہ لی ورنہ خطبات کے تراجم میں خلل پڑتا یا خود اس خطبے کا ترجمہ مطلوبہ وقت پر نہ ہو پاتا - بہر حال یہ "صوفی" والوں کے سید نذیر نیازی سے مراسم اور بار بار کی یاد دہانیوں کا نتیجہ تھا کہ وہ سید نذیر نیازی سے اس خطبے کا ترجمہ اس زمانے میں کرانے میں کامیاب ہو گئے جب وہ اپنے بھائی کی شدید علالت کے باعث پریشان تھے اور فرصت نہ ملنے کے باعث ان کے ذمے علامہ اقبالؔ کے بھی کئی کام رک چکے تھے - سید نذیر نیازی لکھتے ہیں کہ "خطبۂ الٰہ آباد کا ترجمہ رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین کے اصرار پر کیا گیا تھا - باوجود کم فرصتی [۲۳۷] اور پریشانی کے [۲۳۸] -" معلوم ہوتا ہے کہ خطبے کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر مدیر "صوفی" نے خطبہ پیش ہونے کے چند ہی روز بعد سید نذیر نیازی سے اس کے ترجمے کا تقاضا کر دیا تھا جس پر سید نذیر نیازی نے علامہ اقبالؔ کو خط لکھ کر ترجمے کے سلسلے میں ان کی رائے جاننا اور اجازت حاصل کرنا چاہی - جس کے جواب میں ۱۱ رجنوری ۱۹۳۱ء کو اقبالؔ نے سید نذیر نیازی کو لکھا کہ "ایڈریس کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا خیال اچھا ہے ضرور کیجئے - اس سے پہلے انقلاب کے دو نمبروں میں پورا ترجمہ شائع ہو چکا ہے - وہ ترجمہ بھی خاصا ہے، اس پر نظر ثانی کر لیجئے، غالباً مولوی غلام رسول مہر نے کیا تھا [۲۳۹] -" علامہ اقبالؔ کی حوصلہ افزائی اور اجازت کے ساتھ سید نذیر نیازی نے ۱۱ رجنوری ۱۹۳۱ء کے بعد کسی وقت ترجمے کے کام کا آغاز کیا تاہم بھائی کی علالت کے باعث اس کام کے لئے زیادہ وقت نہ نکال پاتے - بھائی کی علالت کے دوران کام کرنے کے انداز پر ایک اور موقع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "... میری حالت یہ کہ مرض میں افاقہ ہوتا تو ترجمے کا سلسلہ شروع کر دیتا - تکلیف بڑھتی تو مجبوراً یہ سلسلہ رک جاتا [۲۴۰] -" گو کہ وہ عدیم الفرصت تھے لیکن انہوں نے ترجمے کا کام بڑے شوق اور دلچسپی سے کیا جس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے خطبۂ صدارت کا صرف ترجمہ ہی نہ کیا بلکہ

اپنے ذاتی شوق اور دلچسپی سے اس پر ایک فاضلانہ تمہید بھی تحریر کی جس میں خطبہ الٰہ آباد کا پس منظر و جواز اور معترضین کے تین اعتراضات کے تشفی بخش جوابات بھی فراہم کئے گئے - اسے مدیر "صوفی" نے خطبۂ صدارات کے ترجمے سے الگ کر کے "ہندی اسلامی ریاست"(۲۴۱) کے عنوان سے "صوفی" میں شائع کیا(۲۴۲) - مدیر "صوفی" خود لکھتے ہیں کہ "... سید نذیر نیازی صاحب نے خطبہ صدارت پر ایک تمہید بھی لکھی ہے جس کو صوفی میں علیحدہ طور پر شائع کیا جا رہا ہے -" بھائی کی علالت اور ترجمے پر تمہید جیسے اضافی کام نے کافی وقت لیا - روزنامہ "انقلاب" میں شائع ہونے والے ایک اشتہار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸/ مارچ ۱۹۳۱ء سے قبل سید نذیر نیازی ترجمے سمیت سارا کام مکمل کر کے "صوفی" والوں کے حوالے کر چکے تھے - یعنی ۱۱/ جنوری کے بعد سے لے کر ۱۸/ مارچ سے پہلے تک تقریباً دو سوا دو ماہ میں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا گیا - ترجمے کو مدیر کے تفصیلی اور موثر نوٹ کے ساتھ "صوفی" کی اپریل ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں شامل کیا گیا(۲۴۳) اور اس کی بارہ صفحات پر مشتمل تمہید کو مئی ۱۹۳۱ء کے شمارے میں جگہ دی گئی - ترجمہ شائع ہونے کے بعد سید نذیر نیازی نے علامہ اقبال سے استفسار کیا کہ کیا انہوں نے ترجمہ ملاحظہ کیا ہے جس کے جواب میں علامہ نے ۱۹/ اپریل ۱۹۳۱ء کے خط میں لکھا کہ "... الٰہ آباد والے خطبے کا ترجمہ میں نے نہیں دیکھا(۲۴۵) -" چنانچہ سید نذیر نیازی نے تقریباً اپریل کے تیسرے عشرے کے ابتدائی دنوں میں علامہ اقبال کو ترجمے کی ایک نقل فراہم کی(۲۴۶) - اس کے بعد سید نذیر نیازی کو علامہ کا ۷/ مئی ۱۹۳۱ء کو لکھا جانے والا خط موصول ہوا جس میں ترجمہ خطبہ کے سلسلے میں مکمل خاموشی اختیار کی گئی تھی - گویا سید نذیر نیازی کا ترجمہ علامہ اقبال کی ہدایات کے بموجب تھا - جس سے وہ مکمل طور پر مطمئن تھے - کیونکہ علامہ اقبال نے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کیا تھا - مدیر "صوفی" نے بھی اس کو بہت سراہا اور لکھا کہ "... ہمارے خیال میں اتنا اچھا ہے کہ اس سے بہتر ترجمہ شاید ہی کوئی صاحب کر سکتے(۲۴۷) -" ترجمہ اچھا ہونے کا یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ کئی دہائیاں گزرنے کے بعد اقبال صدی ۱۹۷۷ء تک اس خطبے کا کوئی نیا ترجمہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی گئی - تاہم نئے تراجم سامنے آنے کے باوجود اب بھی اس کی افادیت کم نہیں ہوئی - بے شمار لوگ اسی ترجمے سے استفادہ کرتے ہیں - اقبالیات کی معتبر کتابوں "حرف اقبال" وغیرہ میں یہی ترجمہ موجود ہے -

مدیر "صوفی" جب دیکھا کہ ہندو پریس کے پراپیگنڈے اور اپنوں کی بے حسی کے باعث 'علیحدہ مسلم ریاست' کا تصور دھندلا رہا ہے اور اقبال کو اس میدان میں تنہا چھوڑ دیا گیا ہے جیسا کہ ممتاز حسن لکھتے ہیں کہ "... جس وقت اقبال ان تلخ نکتہ چینیوں کا مقابلہ کر رہے تھے تمام برصغیر میں ایسا کوئی نہیں تھا جو ان کے خیال یا اس "الزام" میں شریک ہوتا جو اس وجہ سے ان پر عاید کیا جا رہا تھا، اگر چہ بعد میں بہت سے دعوے دار اٹھ کھڑے ہوئے(۲۴۸) -" تو مدیر "صوفی" نے علامہ اقبال کا ساتھ دینے اور فکر اقبال کی تشہیر و اشاعت کی غرض سے ایک منصوبہ ترتیب دیا - سید نذیر نیازی نے خطبۂ صدارت کے ترجمے کا کام بلا معاوضہ کیا تھا - ان کا بیان ہے کہ "... میں نے خطبۂ الٰہ آباد کا ترجمہ بھی محض اپنے شوق سے اور خدمت سمجھ کر کیا تھا - اس وقت بھی کوئی مالی مفاد پیش نظر نہیں تھا(۲۴۹) -" مدیر "صوفی" نے بھی سود و زیاں کے تصور سے ماورا ہو کر خطبۂ الٰہ آباد پر مشتمل "صوفی" کے شمارے کی آٹھ ہزار کاپیاں(۲۵۰) مفت تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا - لہٰذا انہوں نے اخبارات میں خوب تشہیر کی - اس سلسلے کا ایک اشتہار "صوفی" کے ڈائریکٹر آف پالیسی ملک محمد اسلم خاں کی طرف سے روزنامہ "

انقلاب" کی ۱۸؍ مارچ ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں نظر آتا ہے کہ

"خطبۂ علامہ اقبال رسالہ "صوفی" میں
مفت طلب کیجئے

سر محمد اقبال کا خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ جو ہندوستان کی موجودہ سیاسیات پر اسلامی نقطہ نگاہ سے غالباً بہترین اور سب سے اہم تبصرہ ہے، اپریل کے "صوفی" میں شائع کیا جارہا ہے۔ چونکہ خطبہ کی ہر طرف سے مانگ تھی، اس لئے "صوفی" کے لئے اس کا بطور خاص ترجمہ کرایا گیا ہے۔

خطبہ کی اشاعت کی غرض سے اپریل کے پرچے کی چند ہزار کاپیاں مفت تقسیم کی جائیں گی۔ جو اصحاب مفت کاپیاں چاہتے ہوں، ان سے درخواست ہے کہ براہ مہربانی جلد سے جلد مجھ کو لکھدیں کہ ان کو کس پتہ پر اور کتنی کاپیاں چاہییں۔ ممکن ہو تو ترسیل کے اخراجات کے لئے ڈاک خانہ کے ٹکٹ ارسال فرمادیں، لیکن یہ ضروری نہیں ہے۔ امید ہے کہ سندھ، صوبہ سرحد، بلوچستان اور بنگال کے مسلمان خاص طور پر کاپیاں منگوائیں گے۔

مخلص (ملک) محمد اسلم خاں ایم۔اے (کیمبرج) بیرسٹر ایٹ لاء
گجرات پنجاب[۲۵۱]۔"

اس اشتہار کی خاص بات یہ تھی کہ اس کے ذریعے علامہ کے تصور کے عین مطابق مجوزہ مسلم ریاست کے علاقہ جات سندھ، سرحد، بلوچستان اور بنگال کے عامۃ الناس کو خصوصیت سے مخاطب کر کے خطبے سے براہ راست استفادہ کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ مدیر "صوفی" اپنے مقصد میں کامیاب رہے، مجلّہ "صوفی" اپریل ۱۹۳۱ء کی ہزارہا کاپیاں مفت تقسیم ہوگئیں۔ سید نذیر نیازی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ "... ترجمہ رسالہ صوفی کے زیر اہتمام چھپا اور ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا گیا[۲۵۲]۔" مجلّہ "صوفی" کی تمام کاپیاں مفت تقسیم ہونے سے خطبۂ صدارت کے مندرجات پر مسلم عوام کی توجہ مرکوز ہوئی اور خطبے میں مسلمانوں کی دلچسپی بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ مجلّہ "صوفی" کی آٹھ ہزار کاپیاں ختم ہو چکی تھیں لیکن عامۃ الناس کا مطالبہ ختم نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا "صوفی" والوں نے عوامی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے خطبہ صدارت کے ترجمے کو "مسلم انڈیا[۲۵۳]" کے نام سے ۴۸ صفحات پر مشتمل ایک کتابچے کی صورت میں شائع کیا۔ جس پر "صوفی" کے ڈائریکٹر آف پالیسی کا نام بھی درج تھا۔ اسے رفیق عام پریس لاہور سے طبع کرا کے صوفی منزل پنڈی بہاؤالدین سے ۱۹۳۱ء میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ محض ترجمہ تھا اس پر کسی طرح کی تمہید یا ادارتی نوٹ درج نہیں تھا۔ اسے کثیر تعداد میں چھپوایا گیا اور محصول ڈاک بصورت ٹکٹ کے عوض مفت تقسیم کیا گیا۔ یہ کتابچہ مئی ۱۹۳۱ء تک زیور طباعت سے ہمکنار ہو چکا تھا کیونکہ "صوفی" کے مئی ۱۹۳۱ء کے شمارے میں اس کی تقسیم کے سلسلے میں اشتہار ملتا ہے کہ

"سر اقبال کا خطبۂ صدارت

ڈاکٹر سر محمد اقبال کا خطبۂ صدارت ہم نے کثیر تعداد میں چھپوایا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر ایک تعلیم یافتہ مسلمان اسکو پڑھے اور احباب کو سنائے۔ تاکہ مسٹر گاندھی کے غلط

پروپیگنڈا سے بھولے بھالے مسلمان متاثر نہ ہوں- آپ کو جس قدر کاپیاں مفت تقسیم کرنے کی غرض سے مطلوب ہوں ہمسے منگالیں پھر یہ نایاب چیز نہ ملیگی -صرف محصولڈاک کے لئے حسب ذیل رقم کے ٹکٹ بھیجدیں:-

ایک یا دو خطوں کے لئے	دو۲ پیسے کا ٹکٹ ڈاک	آٹھ۸ خطبوں کے لئے	دو۲ آنے کا ٹکٹ ڈاک
چار۴ خطبوں کے لئے	ایک آنے کا ٹکٹ ڈاک	سولہ۱۶ خطبوں کے لئے	چار۴ آنے کا ٹکٹ ڈاک

جو صاحب ریلوے کے ذریعہ منگانا چاہیں- وہ ریلوے رسید بھیجنے کیلئے ایک آنے کا ٹکٹ یا اپنے نام کا لفافہ واپسی ڈاک بھیج دیں-

اس پتہ پر خط وکتابت کی جاوے:-

ملک محمد اسلم خاں ایم-اے بیرسٹر ایٹ لاء صوفی منزل- پنڈی بہاؤالدین-
پنجاب (۲۵۴) "

صرف یہی نہیں کہ مدیر "صوفی" نے خطبۂ الٰہ آباد کے ترجمے کو مسلمانوں تک پہنچایا بلکہ اس کے بعد انہوں نے خصوصیت سے مجلہ "صوفی" میں مضامین، تقاریر، بیانات اور دیگر تحریروں کی صورت میں ایسا مواد (۲۵۵) پیش کیا جس کے ذریعے خطبۂ الٰہ آباد کے مفہوم کی کلی یا جزوی تائید وتصدیق ہوتی تھی- یوں مدیر "صوفی" نے جہاں برصغیر کی سیاست میں مسلم مفادات کے لئے راہ ہموار کی تو وہاں علامہ اقبالؔ سے اپنے مراسم وروابط کو نبھانے کا حق بھی ادا کیا-

دوسرے یہ کہ اقبالؔ مجلہ "صوفی" کے انداز کو شروع سے ہی پسند کرتے تھے اور مدیر "صوفی" کی صلاحیتوں کے قائل تھے- جب اقبالؔ اور مدیر "صوفی" کے مشترک دوست محمد دین فوقؔ نے اقبالؔ کے ایماء پر اگست ۱۹۱۴ء میں لاہور سے رسالہ "طریقت" جاری کیا جو اقبالؔ کے مشورے اور ہدایت کے بموجب فرقۂ صوفیہ کی اصلاح کے لئے جاری کیا گیا (۲۵۶) -تو اس کا انداز بھی ماہنامہ "صوفی" جیسا ہی تھا- ماہنامہ "صوفی" نے آغاز کار میں 'صلح کل' کی پالیسی اپنائی تھی، "طریقت" کی ابتدائی پالیسی بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھی- یہی وجہ تھی کہ "... عام لوگوں کے علاوہ ہندو بھی اچھی خاصی تعداد میں اس کا مطالعہ کرتے تھے (۲۵۷) -"" "صوفی" کے پہلے شمارے میں "صوفی اور فلسفی" کے عنوان سے ایک مکالمہ پیش کیا گیا تھا- "طریقت" کے پہلے شمارے میں بھی مکالمہ پیش کرنے کے انداز کی پیروی کی گئی- فرق یہ تھا کہ "صوفی" میں سید جماعت علی شاہ سے مکالمہ کیا گیا تو "طریقت" میں علامہ اقبالؔ سے استفسار کیا گیا تھا- گویا علامہ اقبالؔ کو مجلہ "صوفی" کا انداز پسند تھا لیکن وہ لاہور جیسے مقام سے ایسے مجلے کی اشاعت کی اشد ضرورت محسوس کرتے تھے کیونکہ اس زمانے میں علامہ اقبالؔ کی سرگرمیوں کا مرکز بھی لاہور تھا- بہرحال مجلہ "صوفی" جسے دربار سرکار آصفیہ میں پذیرائی حاصل ہوئی اور اگست ۱۹۱۸ء کو اس کے مدیر کے لئے نظام دکن نے ماہوار وظیفہ بھی مقرر کردیا، کی موجودگی میں "طریقت" کچھ زیادہ پھل پھول نہ سکا- دیگر وجوہات کے علاوہ خصوصاً مدیر "صوفی" کے نظام دکن سے اعزاز حاصل کرنے کے واقعے نے "طریقت" کو بہت صدمہ پہنچایا چنانچہ چار پانچ سال کی تگ ودو کے بعد یہ بند ہوگیا- محمد الدین فوقؔ نے "طریقت" کی جگہ رسالہ "نظام" جاری کیا جس کا پہلا شمارہ فروری ۱۹۱۹ء (۲۵۸) میں شائع ہوا- علامہ اقبالؔ نے ۱۶ر دسمبر ۱۹۱۸ء (۲۵۹) کو محمد دین فوقؔ کو خط لکھ کر نیا رسالہ جاری کرنے پر مبارکباد دی اور "صوفی" کے مقابلے میں "طریقت" کی ہزیمت کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے تسلی آمیز انداز اختیار کرتے ہوئے لکھا کہ رسالہ "نظام" کا اجراء مبارک

ہو-میرے خیال میں تو آپ "طریقت" ہی کو فروغ دیتے تو شاید حضور نظام تصوف کی اشاعت کا صلہ عطا فرماتے-محمد دین صاحب (صوفی پنڈی بہاؤالدین) آپ سے بہتر نہیں لیکن وہ آدمی معاملہ فہم اور کارداں ہیں-میں بھی آپ کے لئے انشاء اللہ کچھ لکھوں گا-حکیم محمد دین صاحب کئی روز سے نہیں ملے-خدا کرے اچھے ہوں-آپ سے ملیں تو میری طرف سے استفسار حال کیجئے (۲۶۰)-"یعنی علامہ اقبال مدیر "صوفی" کی معاملہ فہمی اور کاردانی کے قائل ومعترف تھے-نیز مجلّہ "صوفی" کا انداز بھی ان کو پسند تھا-یہی وجہ تھی کہ جب سید نذیر نیازی نے "صوفی" کے لئے خطبۂ الٰہ آباد کے ترجمے کی اجازت چاہی تو اقبال نے نہ صرف یہ کہ بلا تامل اجازت فراہم کی بلکہ اس خیال پر خوشی اور اطمینان کا اظہار بھی کیا جس سے "صوفی" والوں کے بارے میں اقبال کے دل میں موجود ان نیک جذبات واحساسات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، جو "صوفی" اقبال روابط کے پس منظر میں کلیدی کردار ادا کر رہے تھے-مجلّہ "صوفی" میں شائع ہونے والے نظم ونثر اقبال کے نمونوں کو بھی "صوفی" اقبال روابط کی ہی ایک کڑی تصور کرنا چاہئے کیونکہ یہ "صوفی" سے اقبال کے تعلق کے عملی اظہار کی ایک صورت ہے جس کا احاطہ آئندہ ابواب میں کیا جا رہا ہے-

حوالہ جات وحواشی

(باب سوم)

۱- علم کی دستک، سہ ماہی، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، "علامہ اقبال ایک نظر میں" مرتبہ (شعبہ اقبالیات)، اپریل ۱۹۹۳ء، علامہ اقبال نمبر، ص ۱۷

۲۔ محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۲

۳۔ ایضاً

۴۔ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۳ء، ص ۱۷

۵۔ اقبال ریویو، سہ ماہی، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، "مولوی محبوب عالم اور اقبال" از محمد عبداللہ قریشی، جنوری ۱۹۶۳ء، ص ۳

۶۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، لاہور، کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، ۱۹۷۶ء، ص ۲۵

۷۔ پیسہ اخبار ہفت روزہ، ۲۶ رجون ۱۸۹۷ء، ص ۹

۸۔ مولوی محبوب عالم، سفرنامۂ یورپ - بلاد روم - شام ومصر، لاہور، پیسہ اخبار، ۱۹۰۰ء، ص ۱۷-۱۸

۹۔ پیسہ اخبار ہفت روزہ، ۲۶ رجون ۱۸۹۷ء، ص ۹

۱۰۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے پندرہویں سالانہ جلسے کی روئداد، لاہور، اسلامیہ سٹیم پریس، اپریل ۱۹۰۰ء، ص ۴۳

۱۱۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۷ء، ص ۱۴

۱۲۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے بارہویں سالانہ جلسے کی روئداد، فروری ۱۸۹۷ء، ص ۹۳ تا ۹۷

۱۳۔ محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۲ء، ص ۲۴۳

۱۴۔ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۱۸

۱۵۔ اقبال، سہ ماہی، لاہور، بزم اقبال، "اقبال اور انجمن کشمیری مسلماناں" از محمد عبداللہ قریشی، اپریل ۱۹۵۶ء، ص ۳۰-۳۵

۱۶۔ محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، ص ۲۴۴

۱۷۔ اقبال ریویو، سہ ماہی، جنوری ۱۹۶۳ء ص ۱۲

۱۸۔ محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، ص ۲۴۴

۱۹۔ صحیفہ، سہ ماہی، "اقبال کا سب سے پہلا سوانح نگار" از محمد عبداللہ قریشی، اکتوبر، دسمبر ۱۹۸۶ء اقبال نمبر، ص ۱۴

۲۰۔ صوفی، ماہنامہ، نوٹ بر مضمون "حضرت مادھولال حسین" از ایڈیٹر صوفی، اگست ۱۹۰۹ء، ص ۸

۲۱۔ ڈاکٹر محمد اجمل نیازی، فوق الکشمیر، ص ۶۴۴

۲۲۔ اقبالیات، سہ ماہی، لاہور، اقبال اکیڈمی پاکستان، "اقبال اور گجرات" از ڈاکٹر مظفر حسن ملک، جنوری مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۲۲۵

۲۳۔ (i) محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، ص ۳۶، ۲۸۷

(ii) گوہر نوشاہی (مرتب)، مطالعہ اقبال، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۷۱ء، ص ۳۶-۳۷

(iii) سید نذیر نیازی، دانائے راز، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۸ء، ص ۱۹

(iv) ڈاکٹر جاوید اقبال، زندہ رود (حیات اقبال کا تشکیلی دور)، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء، ص ۶۴

۲۴۔ (i) اقبالیات، سہ ماہی، جنوری مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۲۲۳

(ii) ڈاکٹر منیر احمد سلیچ، اقبال اور گجرات، ص ۳۳

۲۵۔ ایضاً، ص ۷۰

۲۶۔ اقبالیات، سہ ماہی، جنوری مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۲۲۴

۲۷۔ صوفی، ماہنامہ، "قاضی سلطان محمود قادری مرحوم و مغفور" از ایڈیٹر، جولائی ۱۹۱۹ء، ص ۲۰

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۱

۲۹۔ ایضاً، نوٹ بر "پیام مشرق - زندگی"، از (مدیر)، مئی ۱۹۲۳ء، ص ۳

۳۰۔ ایضاً، "غزل" از اقبال، جنوری ۱۹۰۹ء، ص ۱۴

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ (i) ملک محمد الدین، سرسید مرحوم، ص ۲

(ii) ملک محمد الدین، تذکرۂ مولوی نذیر احمد، پنڈی بہاؤ الدین، ایڈیٹر صوفی (س-ن)، ص ۲

(iii) مرزا فیض اللہ خاں، لسان الغیب، پنڈی بہاؤ الدین، رسالہ صوفی، (س-ن)، ص ۲

۳۳۔ انٹرویو، ملک محمد اصغر اعوان (رشتہ دار مدیر "صوفی")

۳۴۔ انٹرویو، ملک غلام رسول (فرزند منشی سلطان علی مینیجر "صوفی")

۳۵۔ انٹرویو، سراج قادری (بزرگ صاحبِ علم ہستی)، بمقام بادشاہ پور ضلع منڈی بہاؤ الدین، بزبان پنجابی، ۳۰ر دسمبر ۱۹۹۶ء

۳۶۔ صوفی، ماہنامہ، "شکوہ" از اقبال، اگست ۱۹۱۱ء، ص ۱۲

۳۷۔ ایضاً، "خضر راہ" از اقبال، مئی ۱۹۲۲ء، ص ۱۳

۳۸۔ ایضاً، "نظارہ ڈل (کشمیر)" از اقبال، نومبر ۱۹۲۲ء، ص ۴۰

۳۹۔ ایضاً، "مکافات عمل" از اقبال، اپریل ۱۹۲۷ء، ص ۲۱

۴۰۔ ایضاً، "زندگی" از اقبال، جنوری ۱۹۲۸ء، ص ۳

۴۱۔ ایضاً، "خطاب بہ علمائے حق"، "خطاب بہ اقوام شرق" از اقبال، فروری ۱۹۲۹ء، ص ۴۰، ۴۲

۴۲۔ ایضاً، "سرِ اسرار خودی" از خواجہ حسن نظامی، مارچ ۱۹۱۶ء، ص ۱۱

۴۳۔ ایضاً، "پیغام مشرق" از محمد حسین، اپریل ۱۹۲۳ء، ص ۲۰

۴۴۔ ایضاً، "فلسفۂ اقبال" از اکرام الحق سلیم، مارچ ۱۹۲۶ء، ص ۳۷

۴۵۔ ایضاً، "جواب شکوۂ اقبال" از صاحبزادہ مصطفےٰ خاں شرر، اپریل ۱۹۱۳ء ص ۳۶

۴۶۔ (i) ایضاً، "اپنی مٹی سے عیاں شعلۂ سینائی کر" از اقبال، فروری مارچ ۱۹۱۷ء، ص ۶۰

(ii) ایضاً، "معراج کی رات" از اقبال، اکتوبر ۱۹۱۷ء، ص ۶

۴۷۔ ایضاً، "پیغام سروش" از اقبال، دسمبر ۱۹۲۷ء، ص ۳۴

۴۸۔ ایضاً، "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" از اقبال، اگست ۱۹۲۰ء، ص ۶

۴۹۔ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۲۲۶

۵۰۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)، لاہور شیخ محمد اشرف، ۱۹۵۱ء، ص ۳۶۳

۵۱۔ ایضاً ص ۳۶۱

۵۲۔ عطیہ بیگم، اقبال، مترجمہ ضیاء الدین احمد برنی، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۱ء ص ۴۸

۵۳۔ صوفی، ماہنامہ، "صوفی کلب - صوفی کے مضامین کی نسبت مشاہیر ہند کی رائیں"، اپریل ۱۹۰۹ء، ص ۹

۵۴۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)، ص ۳۶۴

۵۵۔ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۵۴

۵۶۔ صوفی، ماہنامہ "صوفی کلب - صوفی کے مضامین کی نسبت مشاہیر ہند کی رائیں"، اپریل ۱۹۰۹ء، ص ۹

۵۷۔ ایضاً، "صوفی کلب"، مارچ ۱۹۰۹ء، ص ۱۴

۵۸۔ ایضاً، "مراسلات - خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی از خانقاہ حضرت محبوب الٰہی"، فروری ۱۹۰۹ء، ص ۱۰

۵۹۔ ایضاً "آب آل - پدر کل" از خواجہ حسن نظامی، اپریل ۱۹۱۹ء، ص ۶

۶۰۔ ایضاً، نوٹ بر "حساب سے مشکل کشائیاں" از خواجہ حسن نظامی، جون ۱۹۱۹ء، ص ۴

۶۱۔ ایضاً،نوٹ برمضمون "ڈبارس" از مدیر صوفی، فروری ۱۹۱۳ء،ص ۳

۶۲۔ ایضاً،نوٹ برمضمون "شغل آفتابی یا نوری غذا" از مدیر، جون ۱۹۰۹ء، ص ۳

۶۳۔ پیسہ اخبار، روزنامہ، "مراسلات- حلقۂ نظام المشائخ کی کامیابی" از سید محمد ارتضی واحدی، ۲۷ر فروری ۱۹۰۹ء،ص ۴

۶۴۔ صوفی، ماہنامہ، "تنقید کتب رسائل- انتخاب نظام المشائخ"، نومبر ۱۹۱۴ء،ص ۳۷

۶۵۔ ایضاً "مضامین خواجہ حسن نظامی" (اشتہار) از مینیجر صوفی، ستمبر ۱۹۱۲ء،ص ۴۴

۶۶۔ نظام المشائخ، ماہنامہ، "حلقہ کی کارگزاری" از خواجہ حسن نظامی، محرم الحرام ۱۳۳۱ھ،ص ۶۴

۶۷۔ صوفی، ماہنامہ "حلقۂ نظام المشائخ کی کامیابی" از سید محمد ارتضی واحدی، اپریل ۱۹۰۹ء، ص ۱۵

۶۸۔ ایضاً

۶۹۔ اقبال ریویو، سہ ماہی، "حلقۂ نظام المشائخ اور علامہ اقبال" از نور محمد قادری، جولائی ۱۹۸۳ء،ص ۲۱

۷۰۔ صوفی، ماہنامہ، اپریل ۱۹۰۹ء، ص ۱۵

۷۱۔ منادی ہفت روزہ، دہلی، ۱۶ر جون ۱۹۴۶ء، ص ۶

۷۲۔ شیخ عطاءاللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)،ص ۳۶۱

۷۳۔ ایضاً،ص ۳۶۳

۷۴۔ صوفی، ماہنامہ، اپریل ۱۹۰۹ء،ص ۱۵

۷۵۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے انیسویں سالانہ جلسے کی روئداد، لاہور، اسلامیہ سٹیم پریس، جون ۱۹۰۴ء،ص ۳۶

۷۶۔ شیخ عطاءاللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)،ص ۳۵۸

۷۷۔ ایضاً،ص ۳۶۰-۳۶۱

۷۸۔ ایضاً،ص ۳۶۴

۷۹۔ اقبال ریویو، سہ ماہی، جولائی ۱۹۸۳ء،ص ۲۳

۸۰۔ صوفی، ماہنامہ، مارچ ۱۹۱۵ء،ص ۱۹

۸۱۔ شیخ عطاءاللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)،ص ۳۶۸

۸۲۔ اقبال، سہ ماہی "کشاف خودی" از خواجہ حسن نظامی، اکتوبر ۱۹۵۳ء،ص ۷۶-۹۵

۸۳۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)، ص ۵۲

۸۴۔ صوفی، ماہنامہ، مارچ ۱۹۱۶ء، ص ۴-۱۱

۸۵۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)، ص ۶۳-۶۴

۸۶۔ صوفی، ماہنامہ، فروری مارچ ۱۹۱۷ء، ص ۶۰

۸۷۔ خان محمد نیاز الدین خاں (مرتب)، مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء، ص ۵۷

۸۸۔ محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء، ص ۱۲۳-۱۲۴

۸۹۔ محمد عبداللہ قریشی (مرتب)، مکاتیب اقبال بنام گرامی، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۷

۹۰۔ صوفی، ماہنامہ، "لسان العصر حضرت اکبرالہٰ آبادی کی وفات ایک عظیم حادثہ ملی وادبی" از (مدیر)، اکتوبر ۱۹۲۱ء، ص ۱۹

۹۱۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)، ص ۳۴-۳۵

۹۲۔ ایضاً، ص ۴۰

۹۳۔ ایضاً، ص ۳۴-۳۷

۹۴۔ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۱۸۵

۹۵۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)، ص ۳۸

۹۶۔ ایضاً، ص ۴۴

۹۷۔ محمد عبداللہ قریشی (مرتب)، روح مکاتیبِ اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۲۴۲

۹۸۔ شیخ عطاء اللہ، اقبالنامہ (حصہ دوم)، ص ۴۰

۹۹۔ ایضاً، ص ۶

۱۰۰۔ صوفی، ماہنامہ، "حضرت اکبر کا غیر مطبوعہ کلام" از اکبر، اکتوبر ۱۹۲۱ء، ص ۳۵

۱۰۱۔ ایضاً، "صوفی بابا - یاد اللہ" از اکبر الہٰ آبادی، نومبر ۱۹۱۹ء، رسول نمبر، ص ۱۸

۱۰۲۔ ایضاً، "کلام اکبر" از اکبر الہٰ آبادی، جولائی ۱۹۱۸ء، ص ۴

۱۰۳۔ ایضاً، اکتوبر ۱۹۲۱ء، ص ۱۹

۱۰۴۔ (i) ایضاً "ما خویش را بہ نیم نظر - ہاں فروختیم" از گرامی، نومبر ۱۹۱۵ء، ص ۳

(ii) ایضاً، "کلام اقبال" از گرامی، دسمبر ۱۹۱۵ء، ص ۱۲

(iii) ایضاً، "جذبات گرامی" از گرامی، ستمبر ۱۹۲۵ء، ص ندارد

۱۰۵۔ (i) ایضاً، "تہنیت عید الفطر" از میر عثمان علی خاں، فروری ۱۹۲۹ء، ص ۳

(ii) ایضاً، "نعت شریف"، "غزل" از میر عثمان علی خاں، اگست ۱۹۳۴ء، ص ۲۶

۱۰۶۔ عبدالروف عروج (مولف)، رجال اقبال، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ص ۳۶۵

۱۰۷۔ صوفی، ماہنامہ، "ایڈیٹر صوفی کا نیا اعزاز" از (ادارۂ صوفی)، اگست ۱۹۱۸ء، ص ۳۰

۱۰۸۔ اعجاز احمد، مظلوم اقبال، کراچی، شیخ شوکت علی پرنٹرز، ۱۹۸۵ء، ص ۲۱۹

۱۰۹۔ محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، ص ۲۳۳، ۲۳۵

۱۱۰۔ ڈاکٹر محمد عبدالغنی (مولف)، امیر حزب اللہ، ص ۶۷۹

۱۱۱۔ صحیفہ، سہ ماہی، مارچ اپریل ۱۹۷۷ء، ص ۲۱-۲۲

۱۱۲۔ ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب، (سلسلۂ مطبوعات صوفی کی پہلی جلد)، ص ندارد (خطی عکس)

۱۱۳۔ اقبال ریویو، سہ ماہی، "علامہ اقبال کی عقیدت صوفیائے عظام سے" از سید نور محمد قادری، جنوری ۱۹۸۴ء، ص ۴۳

۱۱۴۔ صوفی، ماہنامہ "ذکر حبیب" از سید محمد فضل شاہ، مارچ ۱۹۱۸ء، عرس نمبر، ص ۸

۱۱۵۔ (i) ایضاً، نوٹ بر "حزب اللہ" از ایڈیٹر، نومبر ۱۹۲۸ء، ص ۳

(ii) "صحیفہ"، مارچ اپریل ۱۹۷۷ء اور "مجمع البحرین" از ڈاکٹر عبدالغنی میں شملہ جانے کا سن بے یقینی کی کیفیت میں ۳۰-۱۹۲۹ء بیان کیا گیا ہے جو درست نہیں، کیونکہ "صوفی" میں شملہ جانے کا زمانہ واضح طور پر ستمبر ۱۹۲۸ء بیان ہوا ہے۔

۱۱۶۔ ڈاکٹر محمد عبدالغنی (مولف)، امیر حزب اللہ، ص ۶۷۳

۱۱۷۔ ایضاً، ص ۵۷۷

۱۱۸۔ ایضاً، ص ۶۷۴

۱۱۹۔ ایضاً، ص ۶۷۱

۱۲۰۔ (i) ایضاً، ص ۵۷۷

(ii) سلسبیل، ماہنامہ، لاہور، حاشیہ بر قصیدہ تعزیت "اک پھول جس میں جمع تھا گلزار اب کہاں" از ڈاکٹر عبدالغنی، مئی ۱۹۶۷ء، ص ۱۱

۱۲۱۔ "مجمع البحرین"، "صحیفہ" مارچ اپریل ۱۹۷۷ء، "سلسبیل" مئی ۱۹۶۷ء میں زمین کی پیشکش گورنر پنجاب کے بجائے "وائسرائے ہند" کی طرف سے بیان کی گئی ہے۔

۱۲۲۔ سر جعفرے مونٹ مورنسی ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۳ء تک گورنر پنجاب کی حیثیت سے تعینات رہے۔

۱۲۳۔ میاں عبدالحئی، بی-اے، ایل ایل بی، ایم-ایل-اے، ایڈووکیٹ، لدھیانہ۔

۱۲۴۔ ڈاکٹر محمد عبدالغنی (مولف)، امیر حزب اللہ، ص ۶۷۱، ۶۷۲

۱۲۵۔ ایضاً، ص ۶۷۹

۱۲۶۔ انقلاب، روزنامہ، لاہور، "یوم ولادت رسول اللہ ﷺ" ۶/ اگست ۱۹۲۹ء، ص ۲

۱۲۷۔ ایضاً، ""میر نیرنگ" کا یک سالہ مسلسل دورہ"، ۱۷/ جون ۱۹۳۰ء، ص ۳

۱۲۸۔ ایضاً، "جلسہ ہائے سیرت النبیؐ"، ۲۶/ جون ۱۹۳۱ء، ص ۲

۱۲۹۔ (i) صوفی، ماہنامہ، مارچ ۱۹۱۸ء، عرس نمبر، ص ۶، ۸

(ii) سید محمد فضل شاہ، درس محبت، پنڈی بہاؤالدین، ایڈیٹر صوفی، (س-ن)، ص ۱۸

(iii) سید محمد فضل شاہ، حزب اللہ، ص ۱۱۱، ۱۱۷، ۱۲۰

۱۳۰۔ صحیفہ، سہ ماہی، مارچ اپریل ۱۹۷۷ء، ص ۲۹

۱۳۱۔ (i) صوفی، ماہنامہ، "شکریہ" از مدیر صوفی، مارچ ۱۹۱۰ء، ص ۲

(ii) ایضاً، اپریل ۱۹۱۰ء، ص ۲

(iii) ایضاً، جون ۱۹۱۰ء، ص ۲

۱۳۲۔ ایضاً، "حضرت جلالپوری کی تشریف آوری" از (مدیر "صوفی")، اپریل ۱۹۱۰ء، ص ۳۵

۱۳۳۔ ایضاً، مئی ۱۹۱۷ء، ص ۳۹-۴۳

۱۳۴۔ ایضاً، مئی ۱۹۱۱ء، ص ۴۵

۱۳۵۔ ایضاً، "مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت-تبلیغ واشاعت اسلام کے لئے تجدید عمل" از (مدیر "صوفی")، مارچ ۱۹۲۰ء، ص ۱۰-۱۴

۱۳۶۔ ایضاً، "آغاز کار" از (مدیر "صوفی")، مارچ ۱۹۲۰ء، ص ۳۷

۱۳۷۔ ایضاً، "مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت......"، ص ۱۲-۱۳

۱۳۸ الیضاً،"آغاز کار"،ص ۳۷

۱۳۹ الیضاً،"ایک عظیم تبدیلی"از معراج الدین، دسمبر ۱۹۲۰ء،ص ۴۰

۱۴۰ الیضاً،"آغاز کار"، مارچ ۱۹۲۰ء،ص ۳۷-۳۸

۱۴۱ الیضاً،"شھر رمضان أنزل فیہ القرآن"از (مدیر "صوفی")، مئی ۱۹۲۰ء،ص ۸

۱۴۲ انقلاب، روزنامہ،"سیرت کمیٹی کے مبلغین"، ۳۰/مارچ ۱۹۳۳ء،ص ۲

۱۴۳ صوفی، ماہنامہ،"دارالعلوم اسلامیہ"از محمد الدین، اکتوبر ۱۹۲۰ء،ص ۳۶

۱۴۴ سلیم خاں گمی، اقبال اور کشمیر، لاہور، یونیورسل بکس، ۱۹۸۵ء،ص ۲۷

۱۴۵ لطیف احمد شروانی (مرتب)، حرف اقبال، لاہور المنار اکادمی، ۱۹۴۷ء، ص ۲۲۰-۲۲۳

۱۴۶ محمد رفیق افضل (مرتب)، گفتار اقبال، لاہور، ادارۂ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۶ء،ص ۱۷۷

۱۴۷ صوفی، ماہنامہ،"آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ایک اہم اجلاس"از محمد اسلم خاں، اپریل ۱۹۳۴ء،ص ۲۹

۱۴۸ الیضاً،"شذرات"، ستمبر ۱۹۳۷ء،ص ۴-۶

۱۴۹ الیضاً،"پنجاب کے سجادہ نشین اور مسئلہ خلافت"، مئی ۱۹۲۱ء،ص ۲۴

۱۵۰ قاضی محمد عدیل عباسی، تحریک خلافت، لاہور، پروگریسو بکس، ۱۹۹۱ء،ص ۴۰

۱۵۱ الیضاً،ص ۱۶۸

۱۵۲ R.H.Fooks(Edutir), Police Abstract of Intelligence Punjab 4th Dec. 1920, Paragraph No.2222, P.688

۱۵۳ do, 25th Dec. 1920, Lahore, SGPP, 1920, Paragraph, No. 2327, P. 417

۱۵۴ (i) صوفی، ماہنامہ،"شذرات"از نائب مدیر، مئی ۱۹۲۴ء، ص ۵-۶

(ii) الیضاً، اگست ۱۹۲۴ء،ص ۵

(iii) الیضاً،"شذرات"از ضیاء الملک ملا رموزی، فروری ۱۹۳۰ء،ص ۱۸

(iv) الیضاً، مارچ ۱۹۳۲ء،ص ۳

۱۵۵ الیضاً،"مسئلۂ خلافت پر قرآن مجید اور احادیث نبوی کی تصریحات"، مئی ۱۹۲۰ء،ص ۱۳

۱۵۶ ایضاً، "حسیات حاضرہ-صوفی کے نقطۂ نگاہ سے "از ایڈیٹر، جون ۱۹۲۱ء، ص ۳-۶

۱۵۷ R.H.Fooks (Editor), Ppolice Abstract of Intelligence Punjab 3rd April 1920, Lahore, SGPP, 1920, Paragraph No. 699, P. 212

۱۵۸ صوفی، ماہنامہ، "عرس جلالپور شریف اور مسئلۂ تحفظ خلافت "از (مدیر "صوفی")، مارچ ۱۹۲۰ء، ص ۳۱-۳۲

۱۵۹ "بادشاہی" بھی درست ہے- تاہم اصل لفظ ہے "پادشائی" جو قافیے کے لحاظ سے درست ہے- دیکھئے نظم "دریوزہ خلافت" مشمولہ "بانگ درا" ص ۲۵۴

۱۶۰ صوفی، ماہنامہ "ماہواری رپورٹ "از (مدیر "صوفی")، اپریل ۱۹۲۰ء، ص ۳۷

۱۶۱ ایضاً، " کتب تصوف کا عظیم الشان سلسلہ "از محمد دین، اپریل ۱۹۱۲ء، ص ۲

۱۶۲ انٹرویو، حاجی مراد علی (خدمت گار مدیر "صوفی")، بمقام پنڈی بہاؤالدین، بزبان پنجابی، ۲۹ ر دسمبر ۱۹۹۶ء

۱۶۳ مدیر "صوفی" کے ملازم حاجی مراد علی کا بیان ہے کہ مدیر "صوفی" نے نظموں پر مشتمل چند چھوٹی چھوٹی سی کتابیں علامہ اقبالؒ سے اجازت حاصل کر کے خود چھاپی تھیں، لیکن نہ تو ایسا کوئی کتابچہ دستیاب ہوا ہے اور نہ ہی مجلہ "صوفی" کے صفحات سے ایسے کسی کتابچے کے چھپنے کی تصدیق ہوئی-

۱۶۴ (i) صوفی، ماہنامہ، "ذکر حبیب"، "مضامین خواجہ حسن نظامی"، "معین الدین چشتی اجمیری "(اشتہار)، ستمبر ۱۹۱۲ء، ص ۴۴

(ii) ایضاً، "مشاہیر اسلام "(اشتہار)، اپریل ۱۹۱۳ء، ص ۳۱

(iii) ایضاً، "ذکر حبیب "(تعارف کتاب)، دسمبر ۱۹۲۳ء، ص ۴۱-۴۲

۱۶۵ (i) ایضاً، "جاوید نامہ "(اشتہار)، مارچ ۱۹۳۲ء، ص ۴۰

(ii) ایضاً، "بال جبریل "(اشتہار)، مئی ۱۹۳۶ء، ص ۴۲

(iii) ایضاً، "بال جبریل- بانگ درا "(اشتہار)، مئی ۱۹۳۶ء، ص ۴۲

۱۶۶ ایضاً، "سونے کے تول بکنے والی کتابیں "(اشتہار)، فروری مارچ ۱۹۲۴ء، ص ۵۴

۱۶۷ (i) ایضاً، "تصانیف علامہ اقبال "(اشتہار)، جون ۱۹۳۷ء، ص ۳ ز

(ii) ایضاً، اگست ۱۹۳۷ء

۱۶۸ ایضاً، نوٹ بر "قرۃ العین طاہرہ "از مدیر "صوفی"، دسمبر ۱۹۳۲ء، ص ۱۴

۱۶۹ ایضاً، "جوہر قدامت "(اشتہار)، فروری ۱۹۱۹ء، ص ۴۰

۱۷۰ ایضاً، "سیر الصحابہؓ" (اشتہار)، مئی ۱۹۲۵ء، ص ۲۳

۱۷۱ ایضاً، "تاریخ اسلام جلد اول"، جولائی ۱۹۲۵ء، ص ۱۵

۱۷۲ ایضاً، "یاد رفتگاں" (اشتہار)، فروری ۱۹۱۰ء، ص ۳۴

۱۷۳ ایضاً، "صحابیات" (اشتہار)، دسمبر ۱۹۳۶ء، ص ۲

۱۷۴ (i) ایضاً، "اسلامی البم کی ضرورت" (آراء)، جون ۱۹۱۴ء، ص ۵۷

(ii) ایضاً، "عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ" (آراء)، نومبر ۱۹۱۴ء، ص ۶۱

۱۷۵ ایضاً، "مدینۃ الرسول صلعم" (اشتہار)، مارچ ۱۹۱۵ء، ص ۳۴

۱۷۶ ایضاً، "ہندوستان کی اسلامی تاریخ" (ریویو بصورت اشتہار) از اقبالؔ، مئی ۱۹۱۶ء، ص ۶۰

۱۷۷ ایضاً، "قرآن آسان قاعدہ" (اشتہار)، نومبر ۱۹۲۲ء، ص ۴۴

۱۷۸ ایضاً، "تاریخ اسلام" (اشتہار)، اکتوبر ۱۹۲۲ء، ص ۵۳

۱۷۹ ایضاً، "خنجر ہلال" (اشتہار)، اپریل ۱۹۲۳ء، ص ۲۵

۱۸۰ ایضاً، "دیوان غالب مصور کا دوسرا ایڈیشن" (اشتہار)، مارچ ۱۹۲۹ء، صفحہ آخر

۱۸۱ ایضاً اکتوبر ۱۹۱۷ء، ص ۶

۱۸۲ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، لاہور، شیخ محمد اشرف، (۱۹۴۵ء)، ص ۷۹

۱۸۳ اس بات کو بنیاد بنا کر پروفیسر ڈاکٹر صابر کلوری نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "صوفی" میں چھپنے والا" کلام عموماً دوسرے رسائل سے نقل ہوتا تھا۔" (بحوالہ: صحیفہ، سہ ماہی، "اقبال کی نظم سلیمیٰ" از پروفیسر صابر کلوروی، جنوری مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۷۹) تاہم حقیقی صورتحال کو سمجھے بغیر اس بنیاد پر یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں۔

۱۸۴ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص ۸۰

۱۸۵ ایضاً، ص ۸۰-۸۱

۱۸۶ ایضاً، ص ۸۱

۱۸۷ ایضاً، ص ۸۲-۸۳

۱۸۸ محمد عبداللہ قریشی (مرتب)، اقبال بنام شاد، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۷

۱۸۹۔ ایضاً

۱۹۰۔ ایضاً،ص۱۰۹

۱۹۱۔ عبدالمجید سالک،ذکر اقبال،ص۸۵

۱۹۲۔ فقیر سید وحید الدین،روزگار فقیر (جلد دوم) ،لاہور،آتش فشاں پبلی کیشنز،۱۹۸۸ء،ص۳۹۲

۱۹۳۔ ایضاً،ص۳۸۲

۱۹۴۔ ایضاً،ص۳۸۳

۱۹۵۔ ایضاً،ص۳۹۴-۴۰۱

۱۹۶۔ ایضاً،ص۳۸۳

۱۹۷۔ صوفی،ماہنامہ،اگست ۱۹۲۰ء،ص۶-۹

۱۹۸۔ (i) شیخ اعجاز احمد نے "مظلوم اقبال" (ص۶۶) میں سہواً اس واقعے کو "غالباً ۱۵ء کی گرمیوں کا" واقعہ بیان کیا ہے یعنی سن کے حوالے سے "غالباً" کا لفظ استعمال کر کے وہ کوئی قطعی فیصلہ نہیں دے سکے۔ جبکہ اس بیان کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر منیر احمد سلیچ نے "اقبال اور گجرات" (۲۵۹-۳۴۴) میں اس واقعے کا سن پوری قطعیت کے ساتھ ۱۹۱۵ء بیان کیا ہے بلکہ "صوفی" میں کلام اقبال کی اشاعت سے متعلق تفصیل پیش کرتے ہوئے شیخ اعجاز احمد کے اس بیان کی روشنی میں کہ یہ واقعہ گرمیوں کا ہے ڈاکٹر سلیچ نے خود ہی بغیر کسی تحقیق و تصدیق کے اپنی تحقیق میں قطعیت ظاہر کرنے کے شوق میں اقبال کی نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کو جون جولائی ۱۹۱۵ء کے شمارے میں شائع ہونے والی نظم قرار دیا ہے، جو حقائق کے منافی ہے بلکہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ "صوفی" کے جون اور جولائی ۱۹۱۵ء کے شمارے بھی ہر ماہ الگ الگ شائع ہوئے جن کی اشاعت کو ڈاکٹر سلیچ نے دو ماہ کی اکٹھی اشاعت ظاہر کیا ہے۔

(ii) ڈاکٹر صابر کلوروی نے اپنے پی-ایچ-ڈی کے مقالے "باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ" میں ضمیمہ نمبر۲ "کلام اقبال کی زمانی ترتیب کا اشاریہ (بیاضوں کی روشنی میں)" صفحہ ۳۶۹ پر "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کا سن تحریر اگست ۱۹۱۴ء بیان کیا ہے جو سہواً تحریر ہو گیا ہے کیونکہ والدہ اقبال کی وفات ۹ر نومبر ۱۹۱۴ء کو ہوئی۔ نیز اسی مقالے کے صفحہ ۳۶ پر بانگ درا کی بیاضوں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے انہوں نے اس نظم کو اگست ۱۹۱۵ء میں لکھی گئی نظم بیان کیا ہے۔ البتہ "کلام اقبال کی زمانی اشاعت کا اشاریہ" ضمیمہ نمبر ا صفحہ ۳۶۰ پر "صوفی" کے حوالے سے اس نظم کا اندراج ٹھیک طور پر اگست ۱۹۲۰ء میں کیا گیا ہے۔

۱۹۹۔ اعجاز احمد،مظلوم اقبال،ص۶۷

۲۰۰۔ اقبالیات،سہ ماہی،جنوری مارچ ۱۹۸۸ء،ص۲۲۴-۲۲۵

۲۰۱۔ صوفی، ماہنامہ، اگست ۱۹۲۰ء، ص ۶

۲۰۲۔ فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۴۷۱

۲۰۳۔ اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۱۲۴

۲۰۴۔ فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۴۷۳

۲۰۵۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، خطوط اقبال، لاہور، مکتبۂ خیابان ادب، ۱۹۷۶ء، ص ۱۴۱

۲۰۶۔ اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۲۸۹

۲۰۷۔ ایضاً، ص ۶۷-۶۸

۲۰۸۔ صوفی، ماہنامہ، "قصر آزادی" از ملک نصر اللہ خاں عزیز (کوائف مصنف)، مارچ ۱۹۱۹ء، ص ۲۵

۲۰۹۔ ملک حسن علی جامعی شرقپوری (مولف)، تعلیمات مجددیہ، ص ۴۴، ۵۵

۲۱۰۔ فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۳۹۴

۲۱۱۔ اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۶۸

۲۱۲۔ عبدالمجید سالک، سرگزشت، لاہور، قومی کتب خانہ، ۱۹۵۵ء، ص ۱۰۷

۲۱۳۔ ایضاً، ص ۱۰۶

۲۱۴۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۲۱۵۔ ایضاً

۲۱۶۔ اقبالیات، سہ ماہی، جنوری-مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۲۲۵

۲۱۷۔ انقلاب، روزنامہ، "علامہ اقبال کی اجازت بغیر نظموں کی اشاعت - ناشر و طابع نے معافی مانگ لی" از عظیم اللہ ایڈووکیٹ، ۲۲ر فروری ۱۹۳۰ء، ص ۴

۲۱۸۔ (i) صوفی، ماہنامہ، "پیغام اقبال" از اقبال، اگست ۱۹۲۰ء، ص ۱۷

(ii) ایضاً، "دربار رسالت میں (اقبال کے ہاتھوں) ہندوستان کی نذر" از اقبال، ص ۳۸

۲۱۹۔ ایضاً، "عقل و ہوش" از اقبال، جون ۱۹۲۱ء، ص ۳۷

۲۲۰۔ ایضاً، "حکمائے اسلام کے دل و دماغ کے ایک عمیق تر مطالعہ کی دعوت" از اقبال، مارچ ۱۹۳۱ء، ص ۱۰-۱۶

۲۲۱۔ ندیم شفیق ملک، علامہ اقبال کا خطبۂ الٰہ آباد ۱۹۳۰ء ایک مطالعہ، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۹۸ء، ص ۳۲-۳۳

۲۲۲ صحیفہ، سہ ماہی، "خطبۂ الہٰ آباد کے متعلق اقبال کے چند نادر خطوط" از بشیر احمد ڈار، نومبر دسمبر ۱۹۷۷ء، جنوری فروری ۱۹۷۸ء، اقبال نمبر (حصہ دوم)، ص ۷

۲۲۳ ایضاً

۲۲۴ ایضاً، ص ۸

۲۲۵ ندیم شفیق ملک، علامہ اقبال کا خطبۂ الہٰ آباد ۱۹۳۰ء ایک مطالعہ، ص ۵۷-۶۱

۲۲۶ سید نذیر نیازی (مرتب)، مکتوباتِ اقبال، کراچی، اقبال اکیڈمی، ۱۹۵۷ء، ص ۵۵-۵۶

۲۲۷ ایضاً، ص ۵۵

۲۲۸ ڈاکٹر سلیم اختر (مرتب)، اقبال شناسی اور فنون، لاہور، بزم اقبال، (س-ن) ص ۲۸۱

۲۲۹ صوفی، ماہنامہ، نوٹ بر "سر محمد اقبال کا خطبۂ صدارت با جلاس آل انڈیا مسلم لیگ آلہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء" از مدیر، اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۱۲

۲۳۰ (الف) انقلاب، روزنامہ، "الہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس - علامہ اقبال کا بصیرت افروز خطبۂ صدارت" مترجمہ (غلام رسول مہر)، ۳۰ر دسمبر ۱۹۳۰ء، ص ۱-۳، ۶

(ب) ایضاً، "گزشتہ سے پیوستہ"، ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۰ء، ص ۱-۲

(ii) اقبال نے سید نذیر نیازی کے نام ۱۱ر جنوری ۱۹۳۱ء کے خط میں "انقلاب" کے ترجمے کو "غالباً مولوی غلام رسول مہر" کا ترجمہ قرار دیا ہے- تاہم "اقبالیات"، مصنفہ غلام رسول مہر، مرتبہ امجد سلیم علوی، لاہور، مہر سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۱۹۸۸ء میں اس ترجمے کو پیش نہیں کیا گیا-

(iii) محمد حمزہ فاروقی نے "حیات اقبال کے چند مخفی گوشے" صفحہ ۳۲۰ پر خطبۂ الہٰ آباد کے حوالے سے نوٹ تحریر کرتے ہوئے روزنامہ "انقلاب" میں خطبے کی اشاعت کی تاریخیں ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۰ء اور یکم جنوری ۱۹۳۱ء بیان کی ہیں- ان میں سے یکم جنوری ۱۹۳۱ء کا بیان درست نہیں- کیونکہ "انقلاب" کی ۳۰ر اور ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۰ء کی اشاعتوں میں ہی خطبہ کا مکمل ترجمہ شائع ہو گیا تھا- البتہ یکم جنوری ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں صفحہ ۴ پر "قرارداد دہلی کی پر زور حمایت ـــــ آل انڈیا مسلم لیگ کی اہم قرار دادیں" کے عنوان سے ایک خبر موجود ہے- اسی طرح ندیم شفیق ملک نے بھی (ص ۶۸) ضیاء الدین برنی کے واسطے سے "انقلاب" کی جنوری ۱۹۳۱ء کی دو اشاعتوں میں اس خطبے کا ترجمہ شائع ہونے کی معلومات فراہم کی ہیں جو خلاف واقعہ ہیں-

(iv) "اسد معاشرتی علوم" کے مولف و مرتب کا یہ دعویٰ کہ "... حضرت اقبال کا یہ مشہور خطبہ اردو میں سب سے پہلے ہمارے ضلع (ضلع منڈی بہاؤ الدین) ہی سے شائع ہوا تھا-" (ص ۶۴) صداقت پر مبنی نہیں-

۲۳۱ ندیم شفیق ملک، علامہ اقبال کا خطبۂ الہٰ آباد ۱۹۳۰ء ایک مطالعہ، ص ۶۶-۶۷

۲۳۲۔ ڈاکٹر سلیم اختر (مرتب)، اقبال شناسی اور فنون، ص ۵۷

۲۳۳۔ صوفی، ماہنامہ، اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۱۲

۲۳۴۔ ایضاً، " انا للہ وانا الیہ راجعون" از مدیر، نومبر ۱۹۳۱ء، ص ۲۴

۲۳۵۔ ایضاً، اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۱۲

۲۳۶۔ صحیفہ، سہ ماہی، نومبر دسمبر ۱۹۷۷ء/ جنوری فروری ۱۹۷۸ء، اقبال نمبر (حصہ دوم)، ص ۷

۲۳۷۔ سید نذیر نیازی نے اس زمانے کی کم فرصتی اور پریشانی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "... مصروفیت تھی علاج معالجے، تیمارداری اور سلسلۂ درس وتدریس کی۔ پریشانی تھی ایک ایسی علالت کی جو روز بروز خطرناک شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔" (مکتوبات اقبال، ص ۴۹)

۲۳۸۔ سید نذیر نیازی (مرتب)، مکتوبات اقبال، ص ۶۷

۲۳۹۔ ڈاکٹر سلیم اختر (مرتب)، اقبال شناسی اور فنون، ص ۵۶-۵۷

۲۴۰۔ سید نذیر نیازی (مرتب)، مکتوبات اقبال، ص ۳۶

۲۴۱۔ جبکہ "اقبالیات نذیر نیازی" (مرتبہ عبداللہ شاہ ہاشمی، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۶ء) میں صفحہ ۱۲ پر اسے خطبۂ الہ آباد کی تمہید نہیں بلکہ ایک الگ مضمون ظاہر کیا گیا ہے۔

۲۴۲۔ صوفی، ماہنامہ "ہندی اسلامی ریاست" از سید نذیر نیازی، مئی ۱۹۳۱ء، ص ۴۳-۵۴

۲۴۳۔ ایضاً، اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۱۲

۲۴۴۔ ایضاً، "سر محمد اقبال کا خطبہ صدارت باجلاس آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء" مترجمہ سید نذیر نیازی، اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۱۱-۲۶

۲۴۵۔ سید نذیر نیازی (مرتب)، مکتوبات اقبال، ص ۳۲۱

۲۴۶۔ ایضاً، ص ۶۷

۲۴۷۔ صوفی، ماہنامہ، اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۱۲

۲۴۸۔ ماہ نو، ماہنامہ، لاہور، "اقبال اور پاکستان" از ممتاز حسن، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۳۰۷

۲۴۹۔ سید نذیر نیازی (مرتب)، مکتوبات اقبال، ص ۳۲۱

۲۵۰۔ صوفی، ماہنامہ، (کوائف سرکولیشن از ادارۂ "صوفی")، اپریل ۱۹۳۱ء، سرورق

۲۵۱۔ انقلاب، روزنامہ، "خطبۂ علامہ اقبال رسالہ "صوفی" میں مفت طلب کیجیے" (اشتہار)، ۱۸/ مارچ ۱۹۳۱ء، ص ۶

۲۵۲۔ سید نذیر نیازی (مرتب)، مکتوبات اقبال، ص ۶۷

۲۵۳۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال، مسلم انڈیا (آل انڈیا مسلم لیگ اجلاس منعقدہ الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء خطبۂ صدارت)، پنڈی بہاؤالدین، صوفی منزل، ۱۹۳۱ء، سرورق

۲۵۴۔ صوفی، ماہنامہ، "سر اقبال کا خطبۂ صدارت" (اشتہار)، مئی ۱۹۳۱ء، ص ۳

۲۵۵۔ (i) ایضاً، "ایک علیحدہ مسلمان صوبہ۔ سر محمد اقبال کی زبردست تجویز!" از ایک اعتدال پسند ہندو کے قلم سے، اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۴۵۔۴۷

(ii) ایضاً، "مسلم نمائندگان اور گاندھی صاحب کی دہلی گفتگو" از ایک چشم دید گواہ کا بیان، مئی ۱۹۳۱ء، ص ۵۰-۵۱

(iii) ایضاً، "جداگانہ نیابت" از حسین شہید سہروردی، جولائی ۱۹۳۱ء، ص ۷۔۱۳

(iv) ایضاً، "ہندو مسلم مسئلہ" از مولوی سر محمد یعقوب، ص ۴۳

(v) ایضاً، "جداگانہ نیابت" از ڈاکٹر شفاعت احمد خاں، ص ۴۴۔۴۵

(vi) ایضاً، "ہندوستان کا مسئلہ قومی نہیں بین الاقوامی ہے" (ترجمہ) از تھیوڈو ماریسن، اکتوبر ۱۹۳۱ء، ص ۱۳۔۱۶

(vii) ایضاً، "سکھ اور ہندو" از مولانا یعقوب، نومبر ۱۹۳۱ء، ص ۴۳۔۴۷

(viii) ایضاً، "اشارات و واقعات" از ضیاالملک ملا رموزی، نومبر ۱۹۳۲ء، ص ۶

(ix) ایضاً، "مذہب کا صحیح اسلامی تصور" از مولانا یوسف سلیم چشتی، جنوری ۱۹۳۸ء، ص ۸۔۱۳

۲۵۶۔ ادبی دنیا، ماہنامہ، لاہور، "اقبال اور طریقت" از محمد عبداللہ قریشی، دور ششم، شمارہ نمبر ۲۴، اقبال نمبر (۱۹۶۶ء)، ص ۲۴۹۔۲۵۰

۲۵۷۔ ڈاکٹر محمد اجمل خان نیازی، فوق الکشمیر، ص ۵۰۹

۲۵۸۔ ادبی دنیا، ماہنامہ، دور ششم، شمارہ نمبر ۲۴، اقبال نمبر (۱۹۶۶ء)، ص ۲۶۱

۲۵۹۔ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ نے "اقبال اور گجرات" کے صفحہ ۲۶۹ پر حوالہ نمبر ۱۳ درج کرتے ہوئے اس خط کی تاریخ ۱۴ دسمبر ۱۹۱۸ء تحریر کی ہے۔ نیز کسی مجموعہ مکاتیب کا حوالہ بھی نہیں دیا، راقمہ نے اقبال اکادمی پاکستان لاہور کی لائبریری میں "متفرق مکاتیب اقبالؒ" کے نام سے علامہ کے خطوط کی فائل نمبر چھ میں خط نمبر ۲۶۷ کے تحت اس خط کا عکس ملاحظہ کیا ہے جس پر "انوار اقبال" میں بیان کردہ تاریخ ۱۶ دسمبر ۱۹۱۸ء ہی رقم ہے۔

۲۶۰۔ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۶۶

باب چہارم:

کلام اقبال

الف) اردو کلام

ب) فارسی کلام

اس باب میں علامہ اقبال کے کلام کو اردو اور فارسی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور علامہ کے "صوفی" میں شائع ہونے والے اردو اور فارسی کلام کے بیان میں اس مجلے کی زمانی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے۔غزلیات کے لئے کوئی الگ عنوان قائم نہیں کیا گیا۔ایک تو غزلیات کی تعداد کچھ زیادہ نہیں، دوسرے زمانی ترتیب کو قائم رکھنا مقصود تھا۔یعنی اردو کلام کے ذیل میں منظومات اور غزلیات دونوں کو اکٹھا پیش کیا گیا ہے اور یہی انداز فارسی کلام کے سلسلے میں اپنایا گیا ہے۔

الف)

اردو کلام

ماہ + سال	عنوان	پہلا مصرعہ	صفحہ نمبر
جنوری ۱۹۰۹ء	غزل	زمانہ آیا ہے بےحجابی کا عام دیدار یار ہوگا	۱۴
ایضاً	ایضاً	چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں	۱۴
مارچ ۱۹۰۹ء	پیامِ عشق	سن اے طلبگار درد پہلو! میں ناز ہوں تو نیاز ہو جا	۹
اپریل ۱۹۰۹ء	برگِ گل	کیوں نہ ہوں ارماں مرے دل میں کلیم اللہ کے	۱۴
جولائی ۱۹۰۹ء	کلامِ اقبال	نگاہ پائی ازل سے جو نکتہ بیں میں نے	۲۵-۲۶
ایضاً	ایضاً	کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے	۲۶
اکتوبر ۱۹۱۰ء	غم	گو سراپا کیف عشرت ہے شراب زندگی	۴-۵
اگست ۱۹۱۱ء	شکوہ	کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں	۸-۱۲
اکتوبر ۱۹۱۱ء	حضرت بلال	چمک اٹھا جو ستارہ تیرے مقدر کا	۱۲
ایضاً	سوز و ساز	غُرۂ شوال ہے نورِ نگاہ روزہ دار	۳۵-۳۶
نومبر ۱۹۱۱ء	ایک ناتمام نظم کے چند شعر	کل ایک شوریدہ خواب گاہ نبی پہ رو رو کے کہہ رہا تھا	۷
ایضاً	قطعہ	کل ملا مجھ سے جو اقبال تو پوچھا میں نے	۳۶
دسمبر ۱۹۱۱ء	بلادِ اسلامیہ	سرزمیں دلّی کی مسجودِ دلِ غم دیدہ ہے	۳۴-۳۵
جنوری ۱۹۱۲ء	دردِ عشق	اے دردِ عشق ہے گہر آبدار تو	۱۱
فروری ۱۹۱۲ء	نویدِ صبح	آتی ہے مشرق سے جب ہنگامہ در دامن سحر	۳
اپریل ۱۹۱۲ء	طفل شیر خوار	میں نے چاقو تجھ سے چھینا ہے تو چلاتا ہے تو	۴۱
مئی ۱۹۱۲ء	کلام اقبال	تو قیس اگر نہیں تو بن سے کیا کام	۸

ایضاً	ایضاً	کبھی اے حقیقت منتظر نظر آلباس مجاز میں	۸-۹
جون ۱۹۱۲ء	شمع اور شاعر	دوش میگفتم بہ شمع منزل ویران خویش	۲۶-۲۹
جولائی ۱۹۱۲ء	نعتیہ کلام	نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر	۱۶-۱۷
اگست ۱۹۱۲ء	دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں	ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستور ہے	۵-۶
ستمبر ۱۹۱۲ء	پیام اقبال	اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے	۱۷
نومبر ۱۹۱۲ء	رات اور شاعر ایک دلآویز مکالمہ	کیوں مری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں	۳۷
جنوری ۱۹۱۳ء	جواب شکوہ	دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے	۲۷-۳۰
فروری ۱۹۱۳ء	گورستان شاہی	آسماں بادل کا پہنے خرقۂ دیرینہ ہے	۶-۸
مارچ ۱۹۱۳ء	شفاخانہ حجاز	اک پیشوائے قوم نے اقبال سے کہا	۲۲
مئی ۱۹۱۳ء	پھول	تجھے کیوں فکر ہے اے گل دل صد چاک بلبل کی	۱۹
جون ۱۹۱۳ء	چاند	اے قمر کیا خامشی افزا ہے تیری روشنی	۳۳
جولائی ۱۹۱۳ء	فاطمہ بنت عبداللہ	فاطمہ! تو آبروئے ملت مظلوم ہے	۳
جون ۱۹۱۴ء	نوجوان مسلم سے خطاب	کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟	۳
اگست ۱۹۱۴ء	جزیرۂ سسلی	رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونناب بار	۷
جنوری ۱۹۱۵ء	حمیت	روہیلا کس قدر ظالم جفا جو کینہ پرور تھا	۸
فروری ۱۹۱۵ء	آنکھوں میں ہے حسینہ تیری کمال اس کا	جس کی نمود دیکھی چشم ستارہ بین نے	۶
مارچ ۱۹۱۵ء	کلام اقبال	بخت مسلم کی شب تار سے ڈرتی ہے سحر	۳۰
ایضاً	ایضاً	دیکھئے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک	۳۰
اپریل ۱۹۱۵ء	نوائے غم	زندگانی ہے میری مثل رباب خاموش	۵
مئی ۱۹۱۶ء	حضرت بلال حبشیؓ	لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے	۳
فروری و مارچ ۱۹۱۷ء	اپنی مٹی سے عیاں شعلہ سینائی کر	پردہ چہرے سے اٹھا انجمن آرائی کر	۶۰

اکتوبر ۱۹۱۷ء	معراج کی رات	رہِ یک گام ہے ہمت کیلئے عرش بریں	۶
اکتوبر ۱۹۱۸ء	ایثارِ صدیقؓ	اِک دن رسول پاک نے اصحاب سے کہا	۳۳
دسمبر ۱۹۱۸ء	عشق اور موت	فرشتہ تھا اک عشق تھا نام جس کا	۳۴
ستمبر ۱۹۱۹ء	قران السعدین	گرچہ تو زندانیٔ اسباب ہے	۷
ایضاً	ایضاً	سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں	۷-۸
نومبر ۱۹۱۹ء	سیاسی گداگری	بہت آزمایا ہے غیروں کو تو نے	۳۳
فروری ۱۹۲۰ء	مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند	ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند	۱۴
مئی و جون ۱۹۲۰ء	کلام اقبال	ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز	۲۱
ایضاً	ایضاً	ہر زائر چمن سے یہ کہتی ہے خاک باغ	۲۱
ایضاً	ایضاً	اخبار میں یہ لکھتا ہے لندن کا پادری	۲۱
اگست ۱۹۲۰ء	والدۂ مرحومہ کی یاد میں	ذرہ ذرہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے	۶-۹
ایضاً	پیغام اقبال	ہم نشیں افسانۂ بیداریٔ جمہور چھیڑ	۱۷
دسمبر ۱۹۲۱ء	سرمایہ داروں کا تکیہ	سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں	۱۱
ایضاً	لشکر یاجوج ماجوج	محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے	۱۱
ایضاً	ماران غوک خور	کارخانے کا ہے مالک مردک ناکردہ کار	۱۱
ایضاً	چورن	شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ "رندلم یزل"	۱۱
مئی ۱۹۲۲ء	خضر راہ	ساحل دریا پہ میں اِک رات تھا محو نظر!	۱۱-۱۳
نومبر ۱۹۲۲ء	ستارہ	قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجھکو	۲۳
ایضاً	پیام صبح	اجالا جب ہوا رخصت جبین شب کی افشاں کا	۳۰
فروری ۱۹۲۳ء	مدینہ کے کبوتر کی یاد	رحمت ہو تیری جاں پر اے مرغ نامہ بر	۳
ایضاً	نکتے	ہند کی کیا پوچھتے ہو اے حسینانِ فرنگ	۳۶

ایضاً	ایضاً	عمل عاشقوں کے ہیں بے طور سارے	۳۶
اپریل ۱۹۲۳ء	طلوع اسلام	غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں	۴۳
جولائی ۱۹۲۳ء	موت اور زندگی کی حقیقت	آتی ہے ندی جبینِ کوہ سے گاتی ہوئی	۱۶
ستمبر ۱۹۲۳ء	شکسپیئر	شفق صبح کو دریا کا خرام آئینہ	۴۳
جنوری ۱۹۲۴ء	نوائے اقبال	نہ دام بھی غزل آشنا ہے طائران چمن تو کیا	۳
اکتوبر ۱۹۲۵ء	ہستیٔ بیتاب	ہے عجب مجموعۂ اضداد اے اقبال تو!	۱۰
اگست ۱۹۲۶ء	خفتگانِ خاک سے استفسار	مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقاب روئے شام	۱۵-۱۶
ایضاً	قطعۂ اقبال	مسلم کی نبض دیکھ کے کہنے لگا طبیب	۲۶
فروری ۱۹۲۷ء	وطنیت	اس دور میں مے اور ہے اور جام جم اور	۱۰
دسمبر ۱۹۲۷ء	پیغام سروش	تمدن-تصوف-شریعت-کلام	۳۴
جنوری ۱۹۲۸ء	زندگی	اتر کر جہانِ مکافات میں	۳
جنوری ۱۹۳۴ء	دین وسیاست	کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی	۲۴
نومبر ۱۹۳۴ء	بادۂ شبانہ	ہو شگفتہ تیرے دم سے چمن دہر تمام	۳۰
جون ۱۹۳۵ء	پنجاب کے پیرزادوں سے	حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر	۸
ایضاً	باغی مرید	ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی	۲۰
مئی ۱۹۳۶ء	لا الٰہ الا اللہ	خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ	۵
ستمبر واکتوبر ۱۹۳۶ء	مرد مسلمان	ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن	۳۲
نومبر ۱۹۳۶ء	او غافل افغان!	رومی بدلے شامی بدلے بدلا ہندوستان	۱۶

جنوری ۱۹۰۹ء، غزل، زمانہ آیا ہے بےحجابی کا عام دیدار یار ہوگا، ص ۱۴

(۱) یہ غزل "صوفی" میں شائع ہونے والے کلام اقبال کا سب سے پہلا نمونہ ہے۔ یہ علامہ اقبال کا تازہ کلام نہیں تھا کیونکہ یہ "مخزن" مارچ ۱۹۰۷ء کے شمارے میں شائع ہو چکی تھی۔ "صوفی" میں اس مطبوعہ غزل کو اس لئے شامل کیا گیا کہ جن دنوں یہ "صوفی" میں شائع ہوئی ان دنوں علامہ کی طبیعت شعر گوئی کی

طرف مائل نہ تھی- اس پہلو پر باب سوم میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے- مدیر "صوفی" نے اس غزل کے زمانۂ تخلیق کو چھپانے کی کوشش نہیں کی بلکہ "اقبال از کیمبرج" لکھ کر اس کے زمانۂ تصنیف کی طرف اشارہ کر دیا-

"صوفی" میں یہ غزل اٹھارہ اشعار پر مشتمل ہے جبکہ "بانگ درا"[۲] میں اس کے سترہ اشعار شامل ہوئے اور ایک شعر ترک کر دیا گیا، جو "صوفی" میں شائع شدہ غزل کا دسواں شعر ہے- یہ شعر باقیات کے مجموعوں "باقیات اقبال"[۳]، "سرود رفتہ"[۴]، "نوادر اقبال"[۵] اور "ابتدائی کلام اقبال"[۶] میں موجود ہے تاہم "نوادر اقبال" میں اس غزل کے دوسرے شعر کو بھی قلمزد ظاہر کیا گیا ہے جو حقائق کے منافی ہے اس لئے کہ "بانگ درا" میں یہ شعر موجود ہے- دسویں شعر کو ترک کرنے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صابر کلوروی لکھتے ہیں کہ "—— 'زبان گویا' کا مقام و محل درست نہیں تھا اور پھر 'سکوت مزار' کی ترکیب اقبال کے عمومی رجحانات اور خیالات سے ہم آہنگ نہ تھی- اس لئے اس شعر کو بانگ درا میں شامل نہیں کیا"[۷]- "" کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کی غزلیات "مئے دو آتشہ" کا آغاز بھی اسی غزل سے ہوتا ہے- یہاں بھی اشعار کی تعداد "مخزن" اور "صوفی" کی طرح اٹھارہ ہے تاہم اشعار کی ترتیب مختلف ہے[۸]- اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی صاحب نے پہلی بیاض کھو جانے کے بعد دوسری بیاض کو ترتیب دینے میں حافظے پر بھی انحصار کیا تھا- شاید اسی وجہ سے اشعار اوپر تلے درج ہو گئے ورنہ خود اقبال نے "بانگ درا" میں فقط ایک شعر کو حذف کرتے ہوئے "مخزن" اور "صوفی" کی ترتیب کو قائم رکھا ہے-

ڈاکٹر گیان چند نے بیاضوں کی روشنی میں اس غزل کے دو عنوان "مژدہ" اور "نوید اقبال" بیان کئے ہیں[۹]- ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے اس غزل کو ۱۹۰۸ء[۱۰] کی تخلیق بیان کیا ہے حالانکہ یہ مارچ ۱۹۰۷ء کے "مخزن" میں شائع ہوئی اور خود اقبال نے بھی "بانگ درا" میں اس غزل پر مارچ ۱۹۰۷ء ہی درج کیا ہے- ڈاکٹر گیان چند نے بیاض عماد کی روشنی میں اس غزل کی شان نزول بیان کرتے ہوئے اسے سرور جہاں آبادی کے تقاضے کا نتیجہ قرار دیا ہے[۱۱]- ڈاکٹر گیان چند کو اس معاملے میں بیاض کو سمجھنے میں کہیں غلطی ہوئی ہے اگر ایسا نہیں تو انہیں بیاضِ عماد کی تائید نہیں کرنا چاہئے تھی کیونکہ یہ اس غزل کی نہیں بلکہ ایک دوسری غزل ع "چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں" کی شان نزول ہے- جو دسمبر ۱۹۰۶ء کے "مخزن" میں شائع ہوئی تھی- اس پر ایڈیٹر "مخزن" نے نوٹ لکھتے ہوئے سرور جہاں آبادی کے تقاضے کا ذکر کیا ہے اور اقبال کے خط کے اقتباس کو پیش کیا ہے[۱۲]- گویا یہ ع '...... عام دیدار یا رہوگا' والی غزل سے تین ماہ قبل کا واقعہ ہے- اگر ڈاکٹر گیان چند "مخزن" دسمبر ۱۹۰۶ء کا شمارہ ملاحظہ فرماتے تو وہ بیاض عماد کے موقف کی تائید کے بجائے تردید کرتے-

جنوری ۱۹۰۹ء، (غزل)، چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں، ص ۱۴

"صوفی" کے صفحہ چودہ پر اقبال کی پہلی غزل 'زمانہ آیا ہے بے حجابی کا......' درج کرنے کے بعد "دیگر" کا عنوان قائم کر کے بالترتیب جلیل، اقبال اور صادق کی غزلیں درج کی گئی ہیں- ان شعراء میں سے کسی کا نام نہیں لکھا گیا بلکہ ان کی غزلوں کے مقطع میں موجود تخلص سے ان کے ناموں کا پتہ چلتا ہے- اقبال

کی یہ مشہور غزل "دیگر" کے زیرِ عنوان درج ہونے کے باعث نمایاں طور پر نظر نہیں آتی - یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صابر کلوروی نے اس صفحہ پر نمایاں طور پر شائع ہونے والی غزل '...... عام دیدار یار ہوگا' کا تذکرہ تو اپنی فہرست میں کیا ہے (۱۳) تاہم "صوفی" کے اسی صفحہ سے چھپنے والی اقبال کی یہ غزل ان کی نگاہوں سے اوجھل رہی -

یہ غزل سب سے پہلے "مخزن" دسمبر ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی (۱۴) - اس کی شان نزول یہ ہے کہ سرور جہاں آبادی جن کی منظومات اکثر "مخزن" کی زینت بنتی تھیں، نے اقبال کو تخلیقی غیر فعالیت کے رویے کو ترک کر کے شعر و سخن کی دنیا میں لوٹ آنے کی تحریک دینے کے لئے ایک نظم بعنوان "فضائے برشگال اور پروفیسر اقبال" اگست ۱۹۰۶ء کے "مخزن" میں شائع کرائی - جس میں اقبال کو دعوتِ سخن دیتے ہوئے کہا کہ

پلا شراب کہ ہیں مغتنم یہ دن ساقی
کہاں یہ سبزہ و گل - پھر کہاں یہ صحبت یار
بہار آئی ، شگفتہ ہوئے گل پنجاب
چہک چہک ! کہ کدھر تو ہے بلبلِ پنجاب (۱۵)

ترانہ سنج ہو او بلبلِ ریاضِ سخن
کہاں ہے تو کہ چمن میں فضا کے دن آئے
ترے بغیر ہیں مُرغانِ نغمہ زن خاموش
ترے بغیر ہے یاروں کی انجمن خاموش (۱۶)

اقبال تک سرور جہاں آبادی کی یہ نظم پہنچی تو انہوں نے جواب میں اظہارِ تشکر کے طور پر یہ غزل بھجوائی جو "مخزن" میں مدیر کے نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی - اس نوٹ میں علامہ کے خط کا اقتباس بھی نقل کیا گیا - نوٹ یوں ہے کہ "ہمارے مکرم منشی درگا سہائے صاحب سرور جہاں آبادی کی تحریک بے سود نہ ثابت ہوئی آخر شیخ محمد اقبال صاحب سے ایک غزل لکھوا کے ہی رہی - شیخ صاحب لکھتے ہیں کہ " گو مصروفیت کا ابھی وہی عالم ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ حضرت سرور جنہوں نے میری خاموشی کو توڑنا چاہا ہے کہیں ناراض نہ ہو جائیں اسلئے انکی نظم کے شکریہ میں سردست یہ غزل بھیجتا ہوں امید ہے کہ عنقریب کچھ اور بھی بھیجوں گا (۱۷) -" ابتدائی غزل بارہ اشعار پر مشتمل تھی - "صوفی" میں بھی اس کے بارہ اشعار شائع ہوئے تاہم "بانگ درا" میں شامل کرتے ہوئے اقبال نے شعر نمبر ۳، ۴، ۵ اور ۱۰ حذف کر دیئے (۱۸) - " کلیات اقبال " مرتبہ عبدالرزاق میں بھی یہ غزل شامل ہے لیکن حافظے پر انحصار کرنے کے باعث اشعار کی ترتیب تبدیل شدہ

ہے اور مقطع میں تحریف نظر آتی ہے (۱۹)۔" نوادر اقبال" میں اسے " کلیات اقبال" مرتبہ عبدالرزاق سے نقل کیا گیا ہے تاہم مقطع درج ہونے سے رہ گیا ہے (۲۰)۔" ابتدائی کلام اقبال" میں بھی ترتیب اشعار میں تبدیلی نظر آتی ہے (۲۱)۔اس غزل کے مختلف نمونوں میں اختلاف متن بھی موجود ہے۔" باقیات اقبال (۲۲)"،" سرود رفتہ (۲۳)" اور " رخت سفر (۲۴)" میں چار متروک اشعار تیسرے، چوتھے، پانچویں اور دسویں کو پیش کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صابر کلوروی نے ان اشعار کو ترک کرنے کی وجوہ اشعار کا معیاری نہ ہونا، بندشیں چست نہ ہونا اور مفہوم کا مبہم ہونا بیان کی ہیں (۲۵)۔" صوفی" میں شائع شدہ غزل میں دو مصرعوں میں سہو کتابت کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی " روانی بحر میں افتادگی تیری کنارے میں" کے الفاظ میں " افتادگی تیری" کو" تیری افتادگی" اور گیارھویں شعر کے مصرعہ اولیٰ " سکوں نا آشنا رہنا اسے سامان ہستی ہے" میں " اسے" کو" اسی" اور " ہے" کو" سے" لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے بیاضوں کی روشنی میں اس غزل کا عنوان " رموز توحید (۲۶)" بیان کیا ہے۔

مارچ ۱۹۰۹ء، پیام عشق، سن اے طلبگار درد پہلو! میں ناز ہوں تو نیاز ہو جا، ص ۹

" صوفی " میں چھپنے والی اس نظم کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست (۲۷) میں نہیں گویا" صوفی" کا یہ شمارہ انہیں دستیاب نہیں ہوا۔ یہ نظم " مخزن" اکتوبر ۱۹۰۸ء (۲۸) میں شائع ہوئی۔ غزل کی ہیئت میں ہے، مطلع مقطع بھی موجود ہیں یعنی اسے غزل نما نظم کہا جا سکتا ہے۔ یہ مزاجاً نظم ہے کہ اس میں موضوع کا تسلسل موجود ہے اور دوسرے یہ کہ خود اقبال نے " بانگ درا (۲۹)" میں اسے حصہ نظم میں شامل کیا ہے۔ اس کے باوجود ڈاکٹر گیان چند (۳۰) نے اسے غزل کے طور پر پیش کیا ہے۔" کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی اسے غزل سمجھا گیا ہے (۳۱)۔ ابتداً یہ نظم آٹھ اشعار پر مشتمل تھی" بانگ درا" میں شامل کرتے ہوئے علامہ اقبال نے اس کا چوتھا شعر ترک کر دیا اور ساتویں شعر کے مصرعہ ثانی ع" فدائے ملت ہو یعنی آتش زن طلسم مجاز ہو جا (۳۲)" کو اصلاح دے کر" فدائے ملت ہو" کو" فدا ہو ملت پہ" کے الفاظ میں تبدیل کر دیا۔" اصلاحات اقبال (۳۳)" میں اس اصلاح کی نشاندہی ہو چکی ہے۔" ابتدائی کلام اقبال" اور" ماہ نو (۳۴)" میں منسوخ شعر اور اصلاح دونوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔" رخت سفر (۳۵)" اور" جامعہ (۳۶)" میں حذف شدہ شعر کو پیش کیا گیا ہے تاہم یہ عجیب بات ہے کہ" رخت سفر" میں شائع ہو جانے کے باوجود ڈاکٹر صابر کلوروی نے متروکہ شعر کو" غیر مدون (۳۷)" قرار دیا ہے۔

اپریل ۱۹۰۹ء، برگِ گل، کیوں نہ ہوں ارماں مرے دل میں کلیم اللہ کے، ص ۱۴

یہ نظم اقبال نے ۱۹۰۳ء میں لکھ کر خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ پر بھجوائی تاہم اقبال کو درگاہ پر بنفس نفیس یہ نظم پیش کرنے کی سعادت اس وقت نصیب ہوئی جب وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے وطن واپس آئے اور بمبئی سے لاہور آتے ہوئے ۲۶ رجولائی ۱۹۰۸ء کو خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ پر سلام کے لئے حاضر ہوئے (۳۸)۔ گویا ۱۹۰۳ء کی لکھی ہوئی یہ نظم ۱۹۰۸ء میں بزبانِ شاعر پیش ہونے کے باعث ایک مرتبہ پھر اہمیت اختیار کر گئی۔ یہی وجہ تھی کہ " صوفی" نے اپنے اجراء کے بعد اس نظم تک رسائی حاصل کر کے ابتدائی چوتھے شمارے میں اسے پیش کر دیا۔

ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست (۳۹) میں " صوفی" میں اشاعت کے حوالے سے اس نظم کا تذکرہ نہیں ملتا یعنی " صوفی " کا یہ شمارہ انہیں حاصل نہیں ہو سکا۔

یہ نظم سب سے پہلے "مناجات" کے عنوان سے ہفتہ وار "وطن" لاہور، ۲۹ر جولائی ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی پھر "ایک دردمند دل کی عرض" کے عنوان سے "پنجۂ فولاد" لاہور، ۱۷ر اگست ۱۹۰۳ء میں اشاعت پذیر ہوئی (۴۰) اور پھر مدیر "مخزن" نے علامہ کی مراد بر آنے پر اس کا عنوان "ایک دردمند دل کی عرض" تبدیل کر کے "برگِ گل" رکھ دیا اور ایک نوٹ کے ساتھ مخزن کی ستمبر ۱۹۰۳ء (۴۱) کی اشاعت میں شامل کیا۔ "رختِ سفر" میں "مخزن" میں اشاعت کا سن سہواً ستمبر ۱۹۱۳ء درج ہو گیا ہے (۴۲)۔ "صوفی" میں اس نظم کو "مخزن" سے ہی نقل کیا گیا ہے کیونکہ ایک تو نظم کا عنوان وہی ہے جو "مخزن" نے پیش کیا دوسرے "صوفی" میں نظم پر نوٹ بھی وہی ہے جو مدیر "مخزن" نے اپنی اشاعت میں اس نظم پر درج کیا تھا۔ ۶ر اکتوبر ۱۹۲۶ء کو روزنامہ "سیاست" نے اس نظم کو "محمد شریف" کے نوٹ کے ساتھ شائع کیا جس میں روزنامہ "زمیندار" کے ایڈیٹر کو مزارات پر دعا کی مخالفت کا جواب دیا گیا تھا (۴۳)۔

اس نظم کی تخلیق کی بنیاد وہ واقعہ ہے جو اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطاء محمد سے وابستہ ہے کہ ملٹری انجینئرنگ سروس، بلوچستان میں علامہ کے بڑے بھائی کو سب اوورسیر سے ایس۔ ڈی۔ او کے عہدے پر ترقی ملی تو ان کے حاسدین نے انہیں اسٹور سے مال خورد برد کرنے کے مقدمے میں الجھا دیا۔ اقبال اس مصیبت سے بڑے پریشان رہے، خود بلوچستان گئے اور وائسرائے ہند لارڈ کرزن کو لکھ کر اس معاملے میں انصاف کے لئے مدد حاصل کی (۴۴)۔ ساتھ ہی ساتھ روحانی مدد حاصل کرنے کے لئے فریاد کی صورت میں یہ نظم چھاپ کر خواجہ حسن نظامی کے ذریعے خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پر بھیجی جسے عرس کے موقعے پر پڑھا گیا اور اس زمانے میں اس کا ایک شعر مزار کے دروازے پر آویزاں کیا گیا (۴۵)۔ بالآخر مصیبت رفع ہو گئی۔ ۶ر اگست ۱۹۰۳ء کے خط میں حبیب الرحمان خاں شروانی کو لکھتے ہیں کہ "—— الحمدللہ کہ دشمنوں کے منہ میں خاک پڑی۔ بھائی صاحب بری ہوئے۔ اگر چہ روپیہ کثیر خرچ ہوا تاہم شکر ہے ہماری مصیبت کا خاتمہ ہوا (۴۶)۔" یہ نظم ۴۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ "باقیاتِ اقبال (۴۷)" اور "رختِ سفر (۴۸)" میں بیالیس اشعار ہی پیش کئے گئے ہیں۔" کلیاتِ اقبال (۴۹)" مرتبہ عبدالرزاق میں حافظے پر انحصار کرنے کے باعث سات اشعار درج ہونے سے رہ گئے گویا ۳۵ اشعار درج ہوئے۔ اس کے تتبع میں "نوادرِ اقبال (۵۰)" اور "سرودِ رفتہ (۵۱)" میں بھی وہی کلیات والے ۳۵ اشعار ہی پیش کئے گئے۔ جو سات اشعار ان مجموعوں میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے انہیں "روزگارِ فقیر (۵۲)" کے ذریعے منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔

اس نظم کی مختلف اشاعتوں میں متن کے اختلافات موجود ہیں جن کی تفصیل "ابتدائی کلامِ اقبال (۵۳)" میں موجود ہے۔ اقبال نے اس نظم کو کسی مجموعہ کلام میں شامل نہیں کیا کیونکہ یہ خالصتاً نجی نوعیت کی نظم تھی اور اس میں مستقل اہمیت کا مواد نہ ہونے کے برابر تھا (۵۴)۔ البتہ اس نظم کا ایک مصرعہ ع "لا کے دریا میں نہاں موتی ہیں الا اللہ کے (۵۵)" معمولی سی ترمیم کے ع "لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا" کے ساتھ اب بھی "بانگِ درا (۵۶)" میں "سوامی رام تیرتھ" نامی نظم میں موجود ہے۔ "سوامی رام تیرتھ" سب سے پہلے "مخزن" جنوری ۱۹۰۷ء (۵۷) کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ اس نظم میں بھی یہ ترمیم شدہ مصرعہ موجود ہے، یہاں اس مصرعہ کو دواوین میں پیش کیا گیا ہے۔ گویا ۱۹۰۳ء میں خواجہ نظام الدین اولیاء کے حضور پیش کی گئی نظم کا مصرعہ ۱۹۰۷ء میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ "سوامی رام تیرتھ" کے لئے مستعار لے لیا گیا۔

جولائی ۱۹۰۹ء، کلام اقبال، نگاہ پائی ازل سے جونکتہ بیں میں نے، ص ۲۵-۲۶

"صوفی" کا یہ شمارہ بھی ڈاکٹر صابر کلوروی کو فراہم نہیں ہوا - اس لئے ان کی مرتبہ فہرست میں "صوفی" کے حوالے سے اس نظم کا ذکر نہیں ملتا (۵۸) - یہ نظم پہلے پہل "مخزن" ستمبر ۱۹۰۴ء (۵۹) میں شائع ہوئی، لیکن "مخزن" میں یہ نظم "تازہ غزلیں" کے عنوان سے شائع ہوئی - کیونکہ یہ غزل کی ہیئت میں مطلع مقطع کے ساتھ تھی اور آخری پانچ اشعار کو الگ غزل تصور کرتے ہوئے "تازہ غزلیں" کا عنوان درج کیا گیا - "صوفی" میں یہ "کلام اقبال" کے عنوان سے طبع ہوئی اور علامہ اقبال نے "بانگ درا" میں شامل کرتے ہوئے مطلع مقطع سمیت کل دس اشعار حذف کئے اور "سرگزشت آدم" کے عنوان سے نظم کی حیثیت سے پیش کر دیا (۶۰) - اقبال نے شعر نمبر ۱، ۲، ۸، ۱۲، ۱۶، ۱۷ اور ۲۴ تا ۲۸ حذف کئے - یہ اشعار حذف کرنے کی وجہ نظم کو مربوط بنانا اور تسلسل کو قائم رکھنا تھا (۶۱) - اس نظم کے مختلف متون میں معمولی اختلاف ہے (۶۲) جبکہ ڈاکٹر صابر کلوروی اس نظم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "... متن کا کوئی اختلاف موجود نہیں (۶۳) - "باقیات اقبال (۶۴)"، "سرود رفتہ (۶۵)" اور "رخت سفر (۶۶)" میں حذف شدہ دس اشعار کو پیش کیا گیا ہے - تاہم "سرود رفتہ" میں سہواً حذف شدہ آٹھویں شعر کے بجائے ساتویں شعر کو درج کر دیا گیا ہے، جو "بانگ درا" میں موجود ہے - "کلیات اقبال (۶۷)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس نظم کے کل ۲۷ اشعار پیش کئے گئے ہیں جبکہ بوجوہ اس نظم کے حذف شدہ اشعار میں سے آٹھواں شعر درج نہیں کیا گیا - اس کی پیروی میں "نوادر اقبال (۶۸)" میں بھی اس شعر کو چھوڑ کر بقیہ ۲۷ اشعار درج کئے گئے ہیں - کلیات میں آٹھویں شعر کی جگہ پر سطر کھینچ دی گئی ہے جبکہ "نوادر اقبال" میں اس کی پابندی نہیں کی گئی - صرف "ابتدائی کلام اقبال (۶۹)" میں یہ نظم اپنے تمام وکمال اٹھائیس اشعار کے ساتھ پیش ہوئی ہے - اس نظم کا مقطع جو "بانگ درا" میں حذف ہو گیا یوں ہے -

عجب شے ہے صنم خانۂ امیر، اقبال
میں بت پرست ہوں رکھ دی کہیں جبیں میں نے (۷۰)

اس مقطعے میں "امیر" آ جانے سے ڈاکٹر صابر کلوروی، ڈاکٹر گیان چند اور محمد عبداللہ قریشی کا ذہن امیر مینائی اور ان کے مجموعہ کلام "صنم خانۂ عشق" کی طرف گیا ہے (۷۱) - تاہم راقمہ کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں سید مظفر حسین برنی کا خیال زیادہ قرین قیاس ہے جو انہوں نے علامہ کے ۱۹۰۳ء میں مغل کوٹ (بلوچستان) سے لکھے گئے ایک خط بنام سید محمد تقی شاہ کے اس اقتباس کہ "امیر کہاں ہے، خدا کے لئے وہاں ضرور جایا کریں - مجھے بہت اضطراب ہے - خدا جانے اس میں کیا راز ہے جتنا دور ہو رہا ہوں، اتنا ہی اس سے قریب ہو رہا ہوں (۷۲) -" پر ڈاکٹر رفیع الدین کے حوالے سے حاشیہ درج کرتے ہوئے پیش کیا ہے کہ "امیر بیگم کا تعلق گوطوائفوں کے ایک گھرانے سے تھا لیکن وہ اور اس خاندان کی دیگر خواتین تائب ہو چکی تھیں - امیر بیگم اردو، فارسی اساتذہ کے کلام سے شناسا ہونے کے علاوہ خود بھی شعر کہتی تھیں - نہایت فصیح و بلیغ اردو میں بات چیت کرتی تھیں اس وجہ سے اقبال ان سے بہت متاثر تھے -
تقریباً اسی زمانے میں ۱۹۰۴ء میں اپنی ایک نظم "سرگزشت آدم" کے مقطع میں اپنے اس تعلق خاطر کا اظہار —— کیا ہے (۷۳) -"

جولائی ۱۹۰۹ء، کلام اقبال، کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے، ص ۲۶

یہ غزل "صوفی" میں "سرگزشت آدم" کے فوراً بعد درج کی گئی ہے۔ اقبال کی یہ دونوں تخلیقات ایک ہی عنوان "کلام اقبال" کے تحت یکے بعد دیگرے پیش کی گئی ہیں۔ ایک ہی شمارے میں درج ہونے کے باعث "سرگزشت آدم" کی طرح اس غزل کا حوالہ بھی ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں نہیں ملتا (۷۴)۔ ابتداء میں یہ غزل چودہ اشعار پر مشتمل تھی جو "مخزن" جون ۱۹۰۴ء کے شمارے میں شائع ہوئی (۷۵)۔ تاہم "صوفی" میں اس کے صرف پانچ اشعار پیش کیے گئے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان پانچ اشعار کا انتخاب علامہ اقبال نے نہیں بلکہ مدیر "صوفی" نے ادارتی مجبوریوں کے تحت کیا۔ مدیر "صوفی" کلام اقبال کے سلسلے کو صفحہ ۲۶ سے آگے بڑھانا نہیں چاہتے تھے اور "سرگزشت آدم" پیش کرنے کے باعث اس صفحہ پر کل پانچ سطریں ہی مزید پیش کی جاسکتی تھیں لہٰذا بہ امر مجبوری انہیں اس غزل کے پانچ اشعار کا انتخاب کرنا پڑا۔ ورنہ خود اقبال نے "بانگ درا" کی ترتیب کے وقت اس غزل کے نو اشعار کا انتخاب کیا اور باقی پانچ اشعار کو ترک کیا (۷۶)۔ "مخزن" کی ترتیب اشعار کو سامنے رکھا جائے تو مدیر "صوفی" نے شعر نمبر ۱، ۲، ۴، ۱۰ اور ۱۴ کا انتخاب پیش کیا جبکہ بانگ درا" کے حوالے سے دیکھا جائے تو "صوفی" کی غزل کا شعر نمبر ۱، ۲ اور ۵ "بانگ درا" میں شعر نمبر ۱، ۲ اور ۹ کے طور پر موجود ہیں اور شعر نمبر ۳، ۴ متروک اشعار کے ذیل میں آتے ہیں جو دیگر متروک اشعار کے ساتھ "باقیات اقبال (۷۷)"، "رخت سفر (۷۸)"، "سرود رفتہ (۷۹)" اور چودہ اشعار پر مشتمل مکمل غزل میں "کلیات اقبال (۸۰)"، "نوادر اقبال (۸۱)" اور "ابتدائی کلام اقبال (۸۲)" میں نظر آتے ہیں تاہم ان میں سے "کلیات اقبال" مرتبہ عبدالرزاق میں اشعار کی ترتیب مختلف ہے جو حافظے پر انحصار کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ "صوفی" کے مطبوعہ اشعار میں متن کا کوئی اختلاف موجود نہیں۔

اکتوبر ۱۹۱۰ء، غم، گو سراپا کیف عشرت ہے شراب زندگی، ص ۴-۵

اس نظم کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست (۸۳) میں نہیں گویا "صوفی" کا یہ شمارہ بھی ان کی رسائی سے باہر رہا۔ یہ نظم سب سے پہلے "فلسفۂ غم" کے عنوان سے "مخزن" جولائی ۱۹۱۰ء (۸۴) میں شائع ہوئی۔ ازاں بعد "وکیل" امرتسر ۲۷ راگست ۱۹۱۰ء اور جون ۱۹۱۳ء، "ادیب" الٰہ آباد جون ۱۹۱۱ء اور روزنامہ "پیسہ اخبار" ۱۳ ردسمبر ۱۹۲۸ء میں یہ مکمل نظم یا اس کے اقتباسات اشاعت پذیر ہوتے رہے (۸۵)۔ اس نظم کو اقبال نے اپنے ہم جماعت اور پرانے دوست سر میاں فضل حسین کے والد محترم کی وفات پر اظہار ہمدردی کے طور پر لکھا تاہم مولوی محمد عبدالرزاق کو اس سلسلے میں غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہ نظم میاں فضل حسین کی والدہ کی رحلت پر لکھی گئی (۸۶)۔ حالانکہ نظم کی پہلی اشاعت پر "مخزن" میں اقبال کا نوٹ درج ہے جس میں انہوں نے اسے میاں فضل حسین کے "والد بزرگوار" کی رحلت کے موقع پر کہی گئی نظم بیان کیا ہے۔ علامہ اقبال نوٹ میں لکھتے ہیں کہ "ذیل کے اشعار میں نے اپنے قدیم دوست اور ہم جماعت میاں فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور کی خدمت میں ان کے والد بزرگوار کی ناگہانی رحلت کے موقع پر بطور تسلی نامے کے لکھے تھے۔ اگرچہ میری تحریر پرائیویٹ تھی، اور اسکی اشاعت کچھ ضرور نہ تھی تاہم میں چاہتا ہوں کہ یہ اشعار میاں صاحب موصوف کے احبا اور معرفین تک بھی پہنچیں جنھوں نے اس موقع پر میاں صاحب موصوف کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا ہے (۸۷)۔" تاہم "بانگ درا" میں علامہ اقبال نے یہ نوٹ درج نہیں کیا اور نہ ہی سر میاں فضل حسین کے والد کی وفات کا تذکرہ کیا۔ بلکہ فقط میاں فضل حسین کے نام معنون (۸۸) کر دیا ہے۔

"مخزن" میں اس نظم کے چھ بند ہیں جو ۳۲ اشعار کے حامل ہیں "بانگ درا"(۸۹) میں اقبال نے اسی تعداد کو برقرار رکھا، عنوان بھی "مخزن" کی طرح "فلسفۂ غم" ہی رہنے دیا۔ تاہم "صوفی" میں اس نظم کا عنوان "وکیل" امرتسر کی پہلی اشاعت کی طرح "غم" ہے اور یہ ۲۵ اشعار پر مشتمل پانچ بندوں میں پیش کی گئی ہے۔ پانچ اشعار پر مشتمل چوتھا بند مکمل طور پر اس میں موجود نہیں اور پانچویں بند کا چوتھا اور چھٹے بند کا تیسرا شعر بھی غائب ہیں۔ راقمہ کے خیال میں یہ اشعار مدیرانہ کتر بیونت یا انتخاب کی زد میں نہیں آئے بلکہ سہواً، اس نظم میں شامل نہیں ہو پائے کیونکہ "صوفی" میں اس نظم کی پیش کش بہت ہی عجیب وغریب تھی کہ اس نظم کو تین کالموں میں رقم کیا گیا۔ مثلاً تین شعروں پر مشتمل پہلے بند کے چھ مصرعوں کی ترتیب کچھ یوں تھی:

پہلا مصرعہ ، دوسرا مصرعہ ، تیسرا مصرعہ

چوتھا مصرعہ ، پانچواں مصرعہ ، چھٹا مصرعہ

اس ترتیب میں اشعار کے مصرعے بکھر کر رہ گئے اور عجب طرح کا ابہام پیدا ہوا۔ ایک نظر دیکھنے سے قاری کو پہلا اور چوتھا مصرعہ ایک شعر نظر آتا ہے۔ دوسرا اور پانچواں مصرعہ ایک شعر دکھائی دیتا ہے اور تیسرا اور چھٹا مصرعہ ایک شعر لگتا ہے۔ اگر اشعار کو حقیقی ترتیب کے حوالے سے دیکھا جائے تو دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ تیسرے کالم میں ہے تو دوسرا مصرعہ پہلے کالم میں درج ہے۔ یوں گویا ابہام کے باعث سہو کتابت کے امکانات بڑھ گئے اور پھر سہو کتابت کا واقعہ پیش بھی آ گیا جو راقمہ کے خیال میں مدیر "صوفی" کے علم میں تھا۔ کیونکہ نظم کے پانچویں بند کے تیسرے شعر کا مصرعہ شعر کو مکمل کرنے کی غرض سے دوسرے اور تیسرے کالم کے درمیانی وقفے میں عمودی درج کیا گیا ہے۔ حقیقتاً اس مقام پر نظم کے تین مصرعے درج ہونے سے رہ گئے تھے۔ ایک مصرعہ درج کر کے شعر مکمل کر دیا گیا اور باقی دو مصرعے جو ایک مکمل شعر بنتا تھا، کو نظر انداز کر دیا گیا گویا اسی طرح پوری نظم میں سے پانچ شعروں پر مشتمل چوتھا بند اور پانچویں اور چھٹے بند میں سے ایک ایک شعر نظر انداز ہو گئے، کیونکہ ان سب کو درمیانی وقفوں میں کھپانا ممکن نہ تھا۔ ورنہ اس نظم کے آخری دو بند "صوفی" کی جولائی ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں "موت اور زندگی کی حقیقت" کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں(۹۰)۔ ان میں وہ اشعار بھی شامل ہیں جو "صوفی" کی اس اشاعت میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ اس سے یہ خیال تقویت حاصل کرتا ہے کہ پہلی اشاعت میں اشعار درج نہ ہونے کی کوئی اور وجہ نہیں سوائے اس کے کہ یہ اشعار مجبوراً نظر انداز کرنا پڑے۔

اس نظم میں اختلافات متن کثرت سے موجود ہیں جن میں کئی ایک کی نشاندہی "باقیات اقبال(۹۱)"، "سرود رفتہ(۹۲)"، "اصلاحات اقبال(۹۳)" اور "تنقیدیں اور خاکے(۹۴)" میں کر دی گئی ہے تاہم اس کے باوجود کئی اختلافات کی نشاندہی کرنا ابھی باقی ہے۔ جیسے "صوفی" میں "دیدہء بینا کو" تحریر ہے جبکہ "مخزن" اور "بانگ درا" میں "دیدہء بینا میں" لکھا گیا ہے۔ "صوفی" اور "بانگ درا" میں "روح کا اک نغمہ" لکھا ہے جبکہ مخزن میں "روح کا ایک نغمہ" لکھا گیا ہے۔ "صوفی" میں "آئینہ جس کا" درج کیا ہے جبکہ "مخزن" اور "بانگ درا" میں اسے تبدیل کر کے "جس کا جام دل" درج کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں" جس کا دل سرمست جام" رقم ہے جبکہ "مخزن" اور "بانگ درا" میں "جو سدا مست شراب" رقم کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں ایک مصرعہ یوں ہے

کہ "پہروہی جوئے رواں مانند تارسیم ہے" جبکہ "مخزن" اور "بانگ درا" میں یہ مصرعہ یوں ہے "دوقدم پر پھروہی جومثلِ تارسیم ہے"" کلیات اقبال (۹۵) "مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس مکمل نظم کو پیش کیا گیا ہے۔ "بیاض بانگ درا" میں اس نظم کا ایک غیر مطبوعہ شعر موجود ہے، جو درج ذیل ہے:

خواب ہے ہم کو جرس جس دم جگا سکتی نہیں
عقل کی مشعل رہ منزل دکھا سکتی نہیں (۹۶)

ڈاکٹر صابر کلوروی نے "سرود رفتہ" پر اصلاحات کے ذیل میں آنے والے شعر کو متروک کے طور پر پیش کرنے کا الزام عائد کیا ہے (۹۷)۔ لیکن "سرود رفتہ" کے مطالعے سے یہ الزام سچ ثابت نہیں ہوتا۔

اگست ۱۹۱۱ء، شکوہ، کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں، ص ۸-۱۲

یہ نظم علامہ اقبال نے اپریل ۱۹۱۱ء کو انجمن حمایت اسلام کے چھبیسویں سالانہ جلسے میں پڑھی جو ریواز ہوسٹل اسلامیہ کالج لاہور کے صحن میں منعقد ہوا۔ علامہ کے والد محترم بھی اس جلسے میں تشریف فرما تھے۔ وہ نظم سن کر آبدیدہ ہوئے بغیر نہ رہے (۹۸)۔ ولایت سے واپسی کے بعد یہ پہلی نظم ہے جو اقبال نے انجمن کے کسی جلسے میں پڑھی (۹۹)۔ یہ نظم "پنجاب ریویو"، "مخزن"، "تمدن"، "علی گڑھ میگزین" اور "ادیب" میں شائع ہوئی (۱۰۰)۔

جون ۱۹۱۱ء کے "مخزن" میں "شکوہ" شائع ہوئی (۱۰۱)۔ اس پر مدیر "مخزن" کے نوٹ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نظم "مخزن" میں اشاعت سے قبل "پنجاب ریویو" میں چھپ چکی تھی تاہم ڈاکٹر صابر کلوروی نے اپنی فہرست میں "پنجاب ریویو" کی اشاعت کو "مخزن" کے زمانے کے بعد یعنی جولائی ۱۹۱۱ء (۱۰۲) میں بیان کیا ہے۔ "صوفی" میں اس نظم کا ماخذ "پنجاب ریویو" بیان کیا گیا ہے۔ "صوفی" کا یہ شمارہ بھی ڈاکٹر صابر کلوروی تک نہیں پہنچا کیونکہ اس نظم کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ بھی ان کی فہرست میں شامل نہیں (۱۰۳)۔

یہ نظم مسدس کی ہیئت میں ۳۱ بندوں پر مشتمل ہے۔ "کلیات اقبال (۱۰۴)" مرتبہ عبدالرزاق، "بانگ درا (۱۰۵)" اور دیگر رسائل میں یہ اکتیس بندوں کے ساتھ ہی شائع ہوئی ہے لیکن ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور ڈاکٹر صابر کلوروی نے اقبال کی بیاضوں کی روشنی میں بند ۱۲، ۱۳، بند ۱۵، ۱۶ اور بند ۱۷، ۱۸ء کے درمیان آنے والے اس نظم کے تین متروک بند پیش کئے ہیں (۱۰۶)۔ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے ابتدائی طور پر "شکوہ" کے چونتیس بند تصنیف کئے لیکن تین بندوں کو غیر معیاری تصور کرتے ہوئے ترک کر دیا اور ۳۱ بندوں کو پیش کرنا بہتر خیال کیا۔ "سرود رفتہ (۱۰۷)" اور "اقبال اور انجمن حمایت اسلام (۱۰۸)" میں نظم کے پچیسویں بند کے پانچویں مصرعے میں ترمیم کی نشاندہی کی گئی ہے۔ محمد عبداللہ قریشی نے بھی ڈاکٹر سید تقی حسین جعفری کے مضمون "شکوہ اور جواب شکوہ" کا ابتدائیہ لکھتے ہوئے پوری نظم میں اسی ایک مصرعے میں ترمیم کا ذکر کیا ہے (۱۰۹)۔ جبکہ "اصلاحات اقبال (۱۱۰)" میں ایک اور ترمیم جو چھٹے بند کے دوسرے مصرعے سے متعلق ہے کو پیش کیا گیا ہے۔ "اقبال کی طویل نظمیں (۱۱۱)" میں ان دونوں ترمیمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صابری کلوروی نے ستائیسویں بند کے چوتھے مصرعے میں مزید ایک ترمیم کا ذکر کیا ہے (۱۱۲)۔ ان کے علاوہ بھی چند معمولی ترمیمات نظر آتی ہیں۔ مثلاً "صوفی" میں ساتویں بند

کے پہلے مصرعے میں "جنگجوؤں" درج ہے جبکہ "بانگ درا" میں اس کی جگہ "جنگوں" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ "صوفی" اور "بانگ درا" میں آٹھویں بند کے دوسرے مصرعے میں "میداں سے" استعمال ہوا ہے جبکہ "مخزن" میں "میداں میں" آیا ہے۔ تیرہویں بند کے چوتھے مصرعے میں لفظ "سینے" استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ "بانگ درا" اور "مخزن" میں اسے "سینوں" لکھا گیا ہے۔ آخری بند کے تیسرے مصرعے میں "صوفی" اور "مخزن" میں "مے عہد وفا" درج ہے تاہم "بانگ درا" میں اسے "نئے عہد وفا" لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ "صوفی" میں اس نظم کے حوالے سے کتابت اور املا کی کچھ اغلاط بھی نظر آتی ہیں۔

<u>اکتوبر ۱۹۱۱ء، حضرت بلال، چمک اٹھا جو ستارہ تیرے مقدر کا، ص ۱۲</u>

یہ نظم "مخزن" ستمبر ۱۹۰۴ء [(۱۱۳)] میں شائع ہوئی۔ "صوفی" میں اس نظم کے چھپنے کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں نہیں ملتا [(۱۱۴)]۔ "صوفی" اور "مخزن" میں یہ سولہ اشعار کے حامل چار بندوں پر مشتمل ہے تاہم "بانگ درا" میں یہ تیرہ اشعار کے تین بندوں کی صورت میں ہے [(۱۱۵)]۔ "بانگ درا" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے پہلے بند کے پانچویں، تیسرے بند کے پہلے اور چوتھے بند کے دوسرے شعر کو ترک کر دیا نیز دوسرے اور تیسرے بند کو یکجا کر کے ایک بند کی صورت میں پیش کیا، جس کے باعث بندوں کی تعداد چار سے کم ہو کر تین رہ گئی۔ "کلیات اقبال [(۱۱۶)]" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "ابتدائی کلام اقبال [(۱۱۷)]" میں متروک اشعار سمیت پوری نظم موجود ہے، جبکہ "باقیات اقبال [(۱۱۸)]"، "سرود رفتہ [(۱۱۹)]" اور "رخت سفر [(۱۲۰)]" میں محض تین متروک اشعار پیش کر دیئے گئے ہیں۔ "نوادر اقبال [(۱۲۱)]" میں متروک اشعار میں سے صرف ایک شعر درج کیا گیا ہے۔ نظم میں دو مقامات پر متنی اختلافات موجود ہیں۔ جن میں سے ایک اختلاف "مثل سلیماں" کو "صورت سلماںؓ" لکھنے کی نشاندہی "ابتدائی کلام اقبال [(۱۲۲)]" اور دوسرے اختلاف "خوشاوہ روز" کو "خوشاوہ دور" لکھے جانے کی نشاندہی "مہک [(۱۲۳)]" میں ہو چکی ہے۔

<u>اکتوبر ۱۹۱۱ء، سوز و ساز، غرہ شوال ہے نور نگاہ روزہ دار، ص ۳۵-۳۶</u>

یہ نظم "صوفی" اور "مخزن [(۱۲۴)]" میں بیک وقت شائع ہوئی۔ تاہم "مخزن" میں اس نظم پر درج نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظم "صوفی" اور "مخزن" میں پہلی مرتبہ شائع نہیں ہوئی بلکہ ان سے قبل دیگر ذرائع سے بھی منظر عام پر آ چکی تھی [(۱۲۵)]۔ "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود نہیں [(۱۲۶)]۔ فقط "صوفی" میں اس نظم کا عنوان "سوز و ساز" درج کیا گیا ہے جبکہ "بانگ درا [(۱۲۷)]"، "مخزن [(۱۲۸)]"، "سرود رفتہ [(۱۲۹)]" اور "اصلاحات اقبال [(۱۳۰)]" میں اس کا عنوان "غزہ شوال یا ہلال عید" درج کیا گیا ہے۔ "باقیات اقبال [(۱۳۱)]" میں اس کا عنوان صرف "غرہ شوال" اور "کلیات اقبال [(۱۳۲)]" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "ہلال عید رمضاں" درج کیا گیا ہے۔ "بیاض بانگ درا" میں خود اقبال نے اس کا عنوان "باقیات اقبال" کی طرح صرف "غرہ شوال" تحریر کیا ہے [(۱۳۳)]۔ یہ نظم دو بندوں پر مشتمل ہے۔ "صوفی" میں پہلے بند کے طربیاتی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے، اس کا عنوان "ساز" درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے بند کے المیاتی مزاج کے پیش نظر اس کا عنوان "سوز" درج کیا گیا ہے جبکہ دیگر معلوم اشاعتوں میں بندوں کے الگ الگ عنوانات درج نہیں کیے گئے۔ "صوفی" میں یہ نظم کل بیس اشعار پر مشتمل ہے جبکہ "مخزن" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی

عبدالرزاق میں یہ ایک شعر کے اضافے کے ساتھ اکیس اشعار کی حامل ہے۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے "بیاض اقبال" اول کی روشنی میں اس نظم کے بند نمبر ایک کے تیسرے شعر کے طور پر ایک مزید شعر کو غیر مطبوعہ قرار دے کر پیش کیا ہے۔ شعر یہ ہے:

اے مہ نو ہم کو تجھ سے الفت دیرینہ ہے
سرگزشت ملت بیضا کا تو آئینہ ہے (۱۳۴)

لیکن مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ یہ شعر "صوفی" اور "بانگ درا" سمیت تمام معلوم اشاعتوں میں موجود ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ مطبوعہ نظم میں اس شعر کے مصرعہ اولیٰ کو ثانی اور مصرعہ ثانی کو اولیٰ کے طور پر پیش کر دیا گیا ہے۔ یعنی حقیقتاً یہ نظم اکیس سے زیادہ اشعار پر مشتمل نہیں۔ "بانگ درا" میں اس نظم کے اٹھارہ اشعار کو پیش کیا گیا۔ "مخزن" میں چھپنے والے اکیس اشعار کے حوالے سے دیکھا جائے تو تین شعروں، پہلے بند میں ساتویں اور دوسرے بند میں سترہویں اور اٹھارہویں کو ترک کیا گیا۔ "صوفی" میں شائع شدہ اس نظم کے بیس اشعار کو مدنظر رکھا جائے تو دو شعر، پہلے بند میں ساتواں اور دوسرے بند میں سترہواں ترک ہوئے۔ تینوں متروک اشعار "سرود رفتہ" اور "باقیات اقبال" میں پیش کئے گئے ہیں۔ جبکہ "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں متروک اشعار سمیت مکمل نظم موجود ہے۔ "بانگ درا" میں اشعار کی ترتیب "صوفی" سے مختلف اور "مخزن" کے مطابق ہے۔ نظم میں اختلافات متن موجود ہیں۔ دوسرے اور پانچویں شعر میں اختلاف متن کی نشاندہی "اصلاحاتِ اقبال (۱۳۵)" میں ہو چکی ہے۔ تاہم "صوفی" اور "بانگ درا" کے متن کا تقابل کیا جائے تو مزید اختلافات نظر آتے ہیں۔ "صوفی" میں "غرہ شوال ہے" لکھا گیا ہے تو "بانگ درا" میں "غرہ شوال اے" لکھا ہے۔ "صوفی" میں "ذرا انسان کی بستی" درج ہے تو "بانگ درا" میں "ذرا دنیا کی بستی" درج کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں "ملت مرحوم" تحریر ہے تو "بانگ درا" میں "امت مرحوم" تحریر کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں "ترک نے اپنی خلافت" رقم ہے تو "بانگ درا" میں "ترک ناداں نے خلافت" رقم کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں "مغرب کے ایوانوں" ہے تو "بانگ درا" میں "مغرب کے میدانوں" ہے۔ اسی طرح "صوفی" میں "دیکھ کر خاموش" ہے تو "بانگ درا" میں "دیکھ اور خاموش" مرقوم ہے۔

متروک اشعار میں بھی متن کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ "مخزن" میں "کہیں دامی" درج ہے جبکہ "باقیات اقبال" میں "مخزن" کی اسی اشاعت کا حوالہ دے کر سہواً "کہن دامی" درج کیا گیا ہے۔ "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "سرود رفتہ" میں بھی "کہن دامی" ہی لکھا گیا ہے۔ "صوفی" میں "شہباز مراکو" تحریر ہے۔ جبکہ "مخزن" میں "شہباز مراقش" تحریر کیا گیا ہے۔ "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق، "باقیات اقبال" اور "سرود رفتہ" میں املا کو بدل کر "شہباز مراکش" لکھ دیا گیا ہے۔ حالانکہ "باقیات اقبال" کے مرتبین نے "مخزن" کے حوالے سے ہی اشعار نقل کئے ہیں۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے "اقبال" از احمد دین کے حوالے سے متروک اشعار کے ضمن میں ایک مزید اختلاف "صید" کو "عید" لکھے جانے کی نشاندہی کی ہے (۱۳۶)۔

نومبر ۱۹۱۱ء، ایک ناتمام نظم کے چند شعر، کل ایک شوریدہ خواب گاہ نبی پہ رو رو کہ کہہ رہا تھا، ص ۷

یہ نظم جولائی ۱۹۱۱ء کے "پنجاب ریویو" میں شائع ہوئی (۱۳۷)۔ "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے

(۱۳۸)۔ "پنجاب ریویو (۱۳۹)" اور "بانگ درا (۱۴۰)" میں اس نظم کا عنوان "قطعہ" ہے جبکہ "کلیات اقبال (۱۴۱)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس نظم کے ایک مصرعے "مسافران حرم کو ظالم رہ کلیسا بتا رہے ہیں" کو عنوان کے طور پر درج کر دیا گیا ہے۔ "صوفی" میں اسے "ایک ناتمام نظم کے چند شعر" کا عنوان دیا گیا ہے، اس سے موضوع کی ناتمامی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ "صوفی" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں یہ نظم چھ اشعار پر مشتمل ہے جبکہ "بانگ درا" میں اس نظم کو درج کرتے ہوئے اس کے چار اشعار پیش کیے گئے اور "صوفی" میں چھپنے والی نظم کا چوتھا اور پانچواں دو شعر ترک کر دیئے گئے۔ نیز تیسرے شعر کے مصرعہ ثانی کو اصلاح کے ضمن میں مکمل طور پر تبدیل کر دیا گیا۔ اصلاح کے نتیجے میں تبدیل ہونے والا یہ مصرعہ وہی ہے جسے "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں عنوان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کلیات میں اشعار کی ترتیب بھی "صوفی" سے مختلف ہے۔ "اقبال (۱۴۲)" از مولوی احمد دین میں نظم کی اشاعل "بانگ درا" کے مطابق ہے۔ اصلاح شدہ مصرعے کی نشاندہی "اصلاحات اقبال (۱۴۳)" میں کر دی گئی ہے۔ "رخت سفر (۱۴۴)" میں اصلاح شدہ مصرعے کے ساتھ ساتھ دونوں متروک اشعار بھی پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اس نظم میں چند اختلافات متن موجود ہیں جیسے اصلاح سے قبل کے مصرعے میں "صوفی" کے متن میں "کلیسا دکھا رہے" درج ہے تو "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "رخت سفر" میں "کلیسا بتا رہے" درج کیا گیا ہے۔ آخری شعر میں "صوفی" اور "بانگ درا" میں "یہ انجمن" لکھا ہے جبکہ "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "وہ انجمن" لکھا گیا ہے۔

نومبر ۱۹۱۱ء، قطعہ، کل ملا مجھ سے جو اقبال تو یو چھا میں نے، ص ۳۶

یہ قطعہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے چھبیسویں سالانہ جلسے منعقدہ اپریل ۱۹۱۱ء میں اپنی مشہور نظم "شکوہ" پیش کرنے سے قبل تحت اللفظ میں پیش کیا (۱۴۵)۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس قطعہ کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ موجود ہے (۱۴۶)۔ یہ قطعہ سب سے پہلے "مخزن" کے مئی ۱۹۱۱ء (۱۴۷) کے شمارے میں شائع ہوا۔ "صوفی" اور "مخزن" میں اس کا عنوان "قطعہ" درج ہے۔ "کلیات اقبال (۱۴۸)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں آخری شعر کے مصرعہ اولیٰ ع "ڈھب مجھے قوم فروشی کا نہیں یاد کوئی" کو بطور عنوان پیش کیا گیا ہے۔ "رخت سفر (۱۴۹)" میں اس کا عنوان "ڈھب کوئی قوم فروشی کا نہیں یاد مجھے" اور "نوادر اقبال (۱۵۰)" میں "ڈھب مجھے قوم فروشی کا کوئی یاد نہیں" تحریر ہے۔ جبکہ "بانگ درا (۱۵۱)" کو ترتیب دیتے ہوئے اقبال نے اس کا عنوان تبدیل کر کے "نصیحت" رکھ لیا۔ "باقیات اقبال (۱۵۲)"، "سرود رفتہ (۱۵۳)" اور "اصلاحات اقبال (۱۵۴)" میں اس کا عنوان "بانگ درا" کی طرح "نصیحت" ہی درج کیا گیا ہے۔ "مخزن" اور "صوفی" میں یہ سولہ اشعار پر مشتمل ہے جبکہ "بانگ درا" میں اس قطعہ کے چوتھے اور آخری تین یعنی کل چار اشعار کو ترک کرتے ہوئے بارہ اشعار درج کیے گئے۔ "باقیات اقبال"، "سرود رفتہ" اور "رخت سفر" میں چاروں متروک اشعار کو پیش کیا گیا ہے جبکہ "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "نوادر اقبال" میں متروک اشعار سمیت پوری نظم موجود ہے۔ "بیاض بانگ درا (۱۵۵)" میں دس مزید اشعار ملتے ہیں۔ یوں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ متروکات کی کل تعداد چودہ ہو جاتی ہے۔ راقمہ کا خیال ہے کہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں اس

قطعے کو تحت اللفظ پڑھتے ہوئے مطبوعہ غیر مطبوعہ متروک اشعار سمیت مکمل قطعہ پیش کیا تھا تاہم "مخزن" میں اس کی اشاعت سے قبل نظر ثانی کے دوران اقبال نے ان دس اشعار کو حذف کر دیا۔ "مخزن" میں اس قطعہ پر مدیر "مخزن" نے نوٹ درج کرتے ہوئے لکھا کہ "... اب یہ قطعہ انہوں نے (علامہ اقبال نے) کسی قدر ترمیم کے ساتھ اشاعت کے لئے ہمیں عنایت کیا ہے (۱۵۶)۔" اقبال نے "مخزن" میں اشاعت کے وقت ان اشعار کو شائع نہیں ہونے دیا، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ان اشعار کے علاوہ باقی اشعار میں ان کا موقف پورے طور پر آ گیا ہے۔ اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی لکھتے ہیں کہ "ایک ملاقات میں میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ آپ نے اپنی نظم میں جو یہ شعر لکھا ہے:

ڈھب مجھے قوم فروشی کا نہیں یاد کوئی

اور پنجاب میں ملتا نہیں استاد کوئی

اس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ سر محمد شفیع جیسے استاد کی موجودگی میں آپ کو یہ شعر نہ لکھنا چاہئے تھا۔ ہنس کر فرمایا کہ "شعر اسی لئے کہا گیا ہے تا کہ لوگ وہی سوال کریں جو آپ نے کیا ہے۔ اسی سوال میں پورا جواب مضمر ہے (۱۵۷)۔"، "بانگ درا" کو ترتیب دیتے ہوئے اقبال نے اس قطعہ کے پہلے مصرعے کو نئے عنوان کی مناسبت سے تشکیل دینے کی غرض سے اصلاح کی۔ "اصلاحات اقبال"، "رخت سفر" اور "سرود رفتہ" میں اس اصلاح کی نشاندہی کی جا چکی ہے۔ اس قطعہ میں اختلافات متن بھی موجود ہیں۔ جیسے "صوفی" میں "دست پرور" لکھا ہے تو "بانگ درا" اور "مخزن" میں "دست پرورد" اور "نوادر اقبال" میں "دست پروردہ" لکھا گیا ہے۔ "صوفی" میں "مدحت سرکار پہ" درج ہے تو "نوادر اقبال" میں "مدحت سرکار یہ" درج کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں "پر تیری تشہیر کا ساز" رقم ہے تو "نوادر اقبال" میں "پر تشہیر کا ساز" رقم کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں "ہے نہیں تجھ کو" تحریر ہے تو "نوادر اقبال" میں "ہے کہ ہے تجھ کو" تحریر کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں "تیری مینائے سخن" ہے تو "کلیات اقبال" مرتبہ عبدالرزاق میں "تیرے مینائے سخن" ہے۔ "صوفی" میں "کہوں تم سے" لکھا گیا ہے تو "سرود رفتہ" میں "کہوں تجھ سے" لکھا ہے حالانکہ "بیاض بانگ درا" میں "تم" ہی لکھا گیا ہے۔ "صوفی"، "مخزن" اور دیگر اشاعتوں میں "نہیں کوئی استاد" تحریر ہے تو "باقیات اقبال" میں "مخزن" کا حوالہ دے کر سہواً "مخزن" سے مختلف متن پیش کرتے ہوئے "کوئی استاد نہیں" تحریر کیا گیا ہے۔

دسمبر ۱۹۱۱ء، بلاد اسلامیہ، سرزمیں دلی کی مسجود دل غم دیدہ ہے، ص ۳۴-۳۵

یہ نظم ''بانگ درا'' (ص ۱۴۵-۱۴۷) میں موجود ہے۔ ''صوفی'' کے دسمبر ۱۹۱۱ء کے شمارے میں تو ''بلاد اسلامیہ'' شائع ہوئی، لیکن ڈاکٹر صابر کلوری کی فہرست کے مطابق ''صوفی'' کے اس شمارے میں علامہ اقبال کی نظم ''ہمارا تاجدار'' شائع ہوئی (۱۵۸)۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے یہ معلومات ''صوفی'' سے براہ راست نہیں بلکہ ''پنجاب ریویو'' کے واسطے سے فراہم کی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان سے غلطی سرزد ہوئی۔ یہ نظم چونکہ راقمہ کو بہت بعد میں دستیاب ہوئی اس لیے اس کا تفصیلی جائزہ یہاں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

جنوری ۱۹۱۲ء، دردِ عشق، اے دردِ عشق ہے گہر آبدار تو، ص ۱۱

یہ نظم سب سے پہلے "پنجہء فولاد" میں ۲۸ ستمبر ۱۹۰۳ء کو شائع ہوئی (۱۵۹)- ڈاکٹر گیان چند کے مطابق "پنجہء فولاد" کے بعد یہ "العصر" مارچ ۱۹۱۳ء میں چھپی (۱۶۰)- حالانکہ اس دوران یہ جنوری ۱۹۱۲ء کے "صوفی" میں اشاعت پذیر ہوئی - ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں بھی اس نظم کے "صوفی" میں شائع ہونے کا ذکر نہیں ملتا (۱۶۱)- "صوفی" سمیت نظم کے تمام ابتدائی نمونے اکیس اشعار پر مشتمل ہیں- " کلیات اقبال (۱۶۲)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں سہواً اس نظم کا تیسرا شعر درج ہونے سے رہ گیا ہے- اس کے تتبع میں "نوادر اقبال (۱۶۳)" میں بھی اسی غلطی کا اعادہ کرتے ہوئے بیس اشعار پیش کیے گئے -علامہ اقبال نے "بانگ درا (۱۶۴)" میں اکیس میں سے تیرہ اشعار درج کیے اور شعر نمبر چھ، گیارہ اور سولہ تا اکیس کل آٹھ اشعار کو ترک کر دیا - ڈاکٹر صابر کلوروی نے اشعار کو ترک کرنے کا سبب ان کا مبہم ہونا بیان کیا ہے (۱۶۵)- "رخت سفر (۱۶۶)" میں یہ تمام متروک اشعار پیش کر دیئے گئے ہیں- "ابتدائی کلام اقبال"، " کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور " نوادر اقبال" میں متروک اشعار سمیت پوری نظم درج کر دی گئی ہے- نیز " نوادر اقبال" میں نظم کے چھٹے متروک شعر کو ایک اور مقام پر سہواً متفرقات کے ذیل میں بھی پیش کر دیا گیا ہے (۱۶۷)- "بانگ درا" میں پیش کرتے ہوئے اقبال نے اس نظم کے پانچویں، ساتویں اور پندرہویں شعر کے پہلے مصرعوں میں ترمیم کی ہے- ان تینوں ترمیمات کی نشاندہی " اصلاحات اقبال (۱۶۸)"، "ابتدائی کلام اقبال" اور "مہک (۱۶۹)" میں کر دی گئی ہے- "صوفی" میں ایک مقام پر اس نظم کے تمام دستیاب نمونوں کے برعکس " جگر گداز" کو سہواً " جگر گذار" لکھا گیا ہے-

فروری ۱۹۱۲ء، نوید صبح، آتی ہے مشرق سے جب ہنگامہ در دامن سحر، ص ۳

یہ نظم ۳ رجنوری ۱۹۱۲ر کے " زمیندار" میں صفحہ اول پر شائع ہوئی (۱۷۰)- جنوری ۱۹۱۲ء کے " مخزن" میں بھی شامل اشاعت رہی (۱۷۱)- ازاں بعد فروری ۱۹۱۲ء کے "صوفی" کی زینت بنی- علامہ اقبال نے "بانگ درا (۱۷۲)" میں اس نظم پر سن ۱۹۱۲ء تحریر کیا ہے- ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے " زمیندار" اور " صوفی" میں چھپنے کا حوالہ موجود نہیں (۱۷۳)- یہ نظم دو بندوں کی صورت میں کل آٹھ اشعار پر مشتمل ہے- "بانگ درا" میں درج کرتے ہوئے اس کے کسی شعر کو حذف نہیں کیا گیا- البتہ چوتھے، پانچویں اور ساتویں کل تین اشعار میں اصلاح کی گئی ہے- ان تینوں اصلاحات کی نشاندہی " اصلاحات اقبال (۱۷۴)" میں کی جا چکی ہے- " کلیات اقبال (۱۷۵)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس نظم کو " صبح " کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے- " اقبالیات (۱۷۶)" میں " زمیندار" کے حوالے سے درج کیے گئے اس نظم کے پہلے شعر میں ایک اختلاف نظر آتا ہے کہ جہاں " خاموشی سفر " کے بجائے " خاموشی سے سفر" لکھا گیا ہے-

اپریل ۱۹۱۲ء، طفل شیر خوار، میں نے چاقو تجھ سے چھینا ہے تو چلاتا ہے تو، ص ۱۴۱

" مخزن" فروری ۱۹۰۴ء (۱۷۷) کے شمارے میں یہ نظم سب سے پہلے شائع ہوئی - بیاض ہسٹری کمیشن کی فہرست میں بھی اس نظم کا سن فروری ۱۹۰۴ء بیان کیا گیا ہے (۱۷۸)- ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ موجود نہیں (۱۷۹)- علامہ اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد اپنے

چھوٹے بھائی امتیاز کے حوالے سے اس نظم کی شان نزول بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "چچا جان کے تعلیم کے لئے انگلستان جانے سے پہلے کا واقعہ ہے- میری عمر اس وقت قریباً پانچ سال ہوگی- ابا جان جہاں تعینات تھے چچا جان ان سے ملنے وہاں آئے ہوئے تھے- ایک دن وہ ابا جان کے کمرے میں فرش پر بیٹھے کچھ لکھنے پڑھنے کے کام میں مصروف تھے- میرا چھوٹا بھائی امتیاز مرحوم جوان دنوں کوئی ڈیڑھ سال کا ہوگا، ان کے پاس پہنچ گیا- تھوڑی دیر بعد اس کے چیخنے چلانے کی آواز آئی- بھابھی (بھابی) جی دوڑی گئیں تو دیکھا کہ سیاہی کی دوات فرش پر الٹی پڑی ہے- چچا جان کے کچھ کاغذات اور امتیاز کے ہاتھ سیاہی سے لت پت ہیں- امتیاز صاحب دھاڑ رہے ہیں- بھابھی (بھابی) جی اور چچا جان اسے گود میں اٹھائے چپ کرانے کی کوشش کر رہے ہیں- بھابھی (بھابی) جی نے اسے گود میں لے کر تادیباً مارنا چاہا تو انہیں روک دیا-" بانگ درا" کی نظم "طفل شیر خوار" اسی واقعہ کی یادگار ہے [۱۸۰]"- یہ نظم بیس اشعار پر مشتمل تھی تاہم "بانگ درا [۱۸۰]" میں درج کرتے ہوئے علامہ اقبال نے اس نظم کے دوسرے، تیسرے، چھٹے اور آٹھویں سے بارہویں تک کل آٹھ اشعار کو ترک کر دیا- ڈاکٹر صابر کلوروی نے اشعار کو ترک کرنے کی وجہ بعض الفاظ وتراکیب کا اشعار کی تاثیر کو غارت کرنا بیان کی ہے- ان کے خیال میں اصلاح شدہ شعر میں بھی ایک لفظ کا معنوی پس منظر واضح نہیں ہو سکا تھا- اس لئے تبدیلی ناگزیر تھی [۱۸۲] - اقبال نے شعر نمبر تیرہ چودہ کی ترتیب الٹ دی اور شعر نمبر چودہ کے مصرعہ ثانی میں ترمیم کی- " کلیات اقبال [۱۸۳] " مرتبہ مولوی عبدالرزاق، " ابتدائی کلام اقبال [۱۸۴] " اور " مظلوم اقبال [۱۸۵] " میں متروک اشعار سمیت پوری نظم موجود ہے- " ابتدائی کلام اقبال " میں اس نظم کو تین بندوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جبکہ کسی اور نمونے میں یہ پابندی نہیں کی گئی- " سرود رفتہ [۱۸۶] " اور " باقیات اقبال [۱۸۷] " میں فقط متروک اشعار کو پیش کیا گیا ہے- تاہم دونوں مجموعوں میں اصلاح شدہ شعر کو بھی سہواً متروک کے طور پر پیش کرتے ہوئے کل نو اشعار درج کئے گئے ہیں- دونوں مقامات پر " مخزن " کو ماخذ قرار دینے کے باوجود دونوں نے یکساں طور پر " مخزن " کے متن کو نقل کرنے میں لغزش دکھائی ہے- " مخزن " میں " اس کو گرانے میں مزا " درج ہے تو " سرود رفتہ " اور " باقیات اقبال " میں " اس کے گرانے کا مزہ " تحریر کیا گیا ہے- " مخزن " میں " پرواہ " لکھا گیا ہے جبکہ ان دونوں مجموعات میں " پروا " درج ہے- اسی طرح ''مخزن'' میں ''سبز پتے'' رقم ہے تو ان دونوں میں " سبز پتی " لکھا گیا ہے- " مظلوم اقبال " میں بھی " سبز پتی " ہی درج ہے- انہی متروک اشعار کے ذیل میں اور بھی اختلافات نظر آتے ہیں یعنی " صوفی " میں " ہوتی جائیگی " تحریر ہے تو " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اسے " ہو تو جائیگی " لکھا گیا ہے- " صوفی " میں " نو اسیر حلقہ " ارقام ہے تو ''ابتدائی کلام اقبال'' میں ''تو اسیر حلقہ'' لکھا گیا ہے- ''صوفی'' میں ''دل میں ہے تمنا'' درج ہے تو " مظلوم اقبال " میں " دل میں تمنا " رقم کیا گیا ہے- اسی طرح اس نظم کے پہلے شعر کے مصرعہ ثانی میں بھی متن کا اختلاف نظر آتا ہے- " صوفی " میں " نامہرباں سمجھا " تحریر ہے جبکہ " بانگ درا "، " مخزن "، " مظلوم اقبال " میں " مجھے نامہرباں سمجھا " اور " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں " مگر نامہرباں سمجھا " تحریر کیا گیا ہے- " مہک [۱۸۸] " میں ایک اصلاح شدہ شعر کی نشاندہی کر دی گئی ہے-

مئی ۱۹۱۲ء، کلام اقبال، تو قیس اگر نہیں تو بن سے کیا کام، ص ۸

یہ رباعی (۱۸۹) اقبال کے متداول کلام میں شامل نہیں- انجمن حمایت اسلام لاہور کے ستائیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۵ تا ۷/اپریل ۱۹۱۲ء میں علامہ اقبال نے ۷/اپریل بروز اتوار (۱۹۰) اپنی مشہور نظم "شمع و شاعر" پیش کرنے سے قبل متفرق کلام کے کچھ نمونے پیش کئے جن میں سے ایک یہ رباعی بھی تھی (۱۹۱)- محمد حنیف شاہد نے اس اجلاس کی تاریخ ۱۶/اپریل (۱۹۲) بیان کی ہے جو درست نہیں- اجلاس میں پیش کئے جانے کے بعد سب سے پہلے یہ ۱۶/اپریل ۱۹۱۲ء کی اشاعت کے ذریعے منظر عام پر آئی (۱۹۳)- "پیسہ اخبار" میں یہ ۱۸/اپریل ۱۹۱۲ء کو طبع ہوئی (۱۹۴)- ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ موجود ہے- تاہم محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے براہ راست "صوفی" کے اس شمارے تک رسائی حاصل نہیں کی- کیونکہ انہوں نے "صوفی" کی اشاعت کے برعکس اس کا عنوان "بنائے قومیت" اور پہلا مصرعہ یوں درج کیا ہے کہ ع" تو قیس نہیں تو تجھ بن کیا کام (۱۹۵)" جبکہ ''صوفی'' میں اسے کسی خاص عنوان کے بغیر ''کلام اقبال'' کے زیرعنوان درج کیا گیا ہے اور پہلا مصرعہ یوں ہے کہ ''تو قیس اگر نہیں تو بن سے کیا کام''- ''باقیات اقبال (۱۹۶)'' میں اسے ''بنائے قومیت'' کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے- ''زمیندار'' اور ''پیسہ اخبار'' کے مطبوعہ نمونوں (۱۹۷)، ''باقیات اقبال'' اور ''صوفی'' کے متن کو پیش نظر رکھا جائے تو متن کے کچھ اختلافات بھی نظر آتے ہیں- پہلا مصرعہ ''صوفی'' اور ''پیسہ اخبار'' میں یوں درج ہے کہ ع ''تو قیس اگر نہیں تو بن سے کیا کام'' جبکہ "زمیندار" میں ع" تو قیس اگر نہیں، بن سے کیا کام" اور "باقیات اقبال" میں ع" تو قیس نہیں تو تجھ کو بن سے کیا کام" درج کئے گئے ہیں- دوسرا مصرعہ "صوفی" اور "پیسہ اخبار" میں اس طرح ہے کہ ع" گر جیب میں زر نہیں تو راہزن سے کیا کام" جبکہ "زمیندار" میں "گر جیب میں زر نہیں تو زن سے کیا کام" اور "باقیات اقبال" میں ع" زر پاس نہیں تو راہزن سے کیا کام" تحریر کئے گئے ہیں- "صوفی"، "پیسہ اخبار" اور "زمیندار" میں آخری یعنی چوتھا مصرعہ یوں ہے کہ "مسلم ہے جو تو پھر وطن سے کیا کام" جبکہ "باقیات اقبال" میں اسے ع" مسلم ہے اگر تو تو وطن سے کیا کام" لکھا گیا ہے-

<u>مئی ۱۹۱۲ء، کلام اقبال، کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز میں، ص ۸-۹</u>

اس غزل اور متذکرہ بالا رباعی (تو قیس اگر --- الخ) کو ایک ہی عنوان ''کلام اقبال'' کے تحت اوپر تلے ''صوفی'' میں درج کیا گیا ہے- تاہم ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں رباعی کے ''صوفی'' میں چھپنے کا حوالہ تو موجود ہے لیکن اس کے ساتھ چھپنے والی غزل کے ''صوفی'' میں درج ہونے کا حوالہ پیش نہیں کیا گیا (۱۹۸)- اس سے راقمہ کے اس خیال کو تقویت حاصل ہوتی ہے جس کا اظہار متذکرہ بالا رباعی کے ذیل میں کیا گیا ہے کہ ڈاکٹر صابر کلوروی نے براہ راست ''صوفی'' سے استفادہ نہیں کیا- یہ غزل بھی متذکرہ بالا رباعی کی طرح انجمن حمایت اسلام کے ستائیسویں سالانہ جلسے میں ۷/اپریل ۱۹۱۲ء کو ''شمع اور شاعر'' پیش کئے جانے سے قبل متفرق کلام سناتے ہوئے پہلے نمبر پر پیش کی گئی (۱۹۹)- یہ غزل سب سے پہلے ''پیسہ اخبار'' ۱۸/اپریل ۱۹۱۲ء میں اشاعت پذیر ہوئی (۲۰۰)- بعد ازاں ''صوفی'' اور ''مخزن'' مئی ۱۹۱۲ء، ''خطیب'' ۲۲ مئی ۱۹۱۲ء، ''نظام المشائخ'' مئی ۱۹۱۶ء اور پھر ''پیسہ اخبار'' ۳/دسمبر ۱۹۲۵ء میں اشاعت پذیر ہوئی (۲۰۱)- ڈاکٹر گیان چند نے بیاضوں کی روشنی میں اس غزل کا عنوان ''جذبات اقبال'' بیان کیا ہے (۲۰۲)- ''صوفی'' میں یہ غزل

چھ اشعار پر مشتمل ہے۔ ''کلیات اقبال (۲۰۳)'' مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی یہ انہی چھ اشعار کی حامل ہے۔ البتہ یادداشت پر انحصار کرنے کے باعث اشعار کی ترتیب مختلف ہے۔ ''خطیب'' میں ''صوفی'' کے مطبوعہ نمونے کے چوتھے شعر کو حذف کرتے ہوئے پانچ اشعار پیش کئے گئے (۲۰۴)۔ ''بانگ درا (۲۰۵)'' میں درج کرتے ہوئے اقبال نے ''صوفی'' میں مطبوعہ چھ اشعار میں سے چوتھے اور پانچویں کو ترک کر دیا اور باقی چار اشعار کے ساتھ تین نئے شعر شامل کر کے کل سات اشعار کا حامل بنا دیا۔ نیز دوسرے اور تیسرے شعر کو اصلاح کے ساتھ پیش کیا۔ ''بانگ درا'' میں اقبال نے ''صوفی'' کے مطلع کو برقرار رکھا، دوسرے اور تیسرے شعر کو ''بانگ درا'' میں پانچویں اور چھٹے شعر کے طور پر پیش کیا، آخری شعر کو ''بانگ درا'' میں تیسرا شعر بنایا۔ یوں گویا اقبال نے ''بانگ درا'' میں دوسرے، چوتھے اور ساتویں شعر کا نیا اضافہ کیا۔ دونوں متروک اشعار کی نشاندہی ڈاکٹر صابر کلوروی نے کر دی ہے (۲۰۶)۔ جبکہ ان میں سے ایک کی نشاندہی ''اوراق گم گشتہ (۲۰۷)'' اور ''اقبال (۲۰۸)'' از احمد دین اور دوسرے کی نشاندہی ''رخت سفر (۲۰۹)'' میں کی جا چکی ہے۔ عبدالمجید سالک متروک اشعار میں آنے والے لفظ ''وطن'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''... بعض لوگوں کے نزدیک یہ اخبار ''وطن'' (مدیر: مولوی انشاء اللہ) پر چوٹ تھی۔ جس میں علامہ کے خلاف ایک مضمون چھاپا گیا تھا (۲۱۰)۔'' راقمہ کے خیال میں یہ بات درست محسوس ہوتی ہے کیونکہ اسی اجلاس میں پیش کی گئی رباعی میں بھی "وطن" کا لفظ آیا ہے کہ ع '... تو پھر وطن سے کیا کام'۔ دوسرے تیسرے شعر میں کی جانے والی اصلاح کی نشاندہی ''اصلاحات اقبال (۲۱۱)'' میں کر دی گئی ہے۔

غزل کے مختلف متون میں اختلافات بھی نظر آتے ہیں۔ "صوفی" اور دیگر میں "منتظر نظر آ" لکھا ہے جبکہ "باقیات اقبال" میں اسے "منتظرا" لکھا گیا ہے۔ "صوفی" اور دیگر میں "میری جبین نیاز" ہے جبکہ "پیسہ اخبار" میں "تری جبین ناز" لکھا گیا ہے۔ اسی طرح "صوفی" اور دیگر میں ع "نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں" درج ہے جبکہ "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں حافظے پر انحصار کے باعث ع "نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں" درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح "صوفی" میں ع "تجھے کیا سنائے ہمنشیں ہمیں موت میں جو مزہ ملا" ارقام ہے۔ "اقبال" از احمد دین اور "خطیب" میں "سنایئے" کی ترمیم کے ساتھ مصرعہ درج ہے۔ جبکہ "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں ع "تجھے کیا بتاؤں میں ہمنشیں مجھے موت میں جو مزا ملا" رقم کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں ع "کوئی آج مسلم خستہ جاں کو یہ جا کے میرا پیام دے" درج ہے جبکہ "رخت سفر" میں ع "کوئی جا کے مسلم خستہ جاں کو سنائے میرا پیام یہ" درج کیا گیا ہے۔ "صوفی" اور دیگر میں "جو شکستہ" لکھا گیا ہے۔ "بانگ درا" میں "کہ شکستہ" لکھا ہے۔ "صوفی" میں "عزیز ہے" لکھ دیا گیا ہے جبکہ "بانگ درا" اور دیگر میں "عزیز تر ہے" لکھا گیا ہے۔

جون ۱۹۱۲ء، شمع اور شاعر، دوش میگفتم بہ شمع منزل ویران خویش، ص ۲۶-۲۹

یہ نظم فروری ۱۹۱۲ء (۲۱۲) میں لکھی گئی اور ۱۶؍ اپریل ۱۹۱۲ء کو انجمن حمایت اسلام کے ستائیسویں سالانہ جلسے میں سنائی گئی (۲۱۳)۔ یہ ایک تمثیلی مکالماتی نظم ہے جس میں شمع اور شاعر کا مکالمہ پیش کیا گیا ہے۔ اسی لئے اس کا عنوان "شمع اور شاعر" رکھا گیا ہے۔ تاہم اس کا حقیقی عنوان اقبال کے خیال میں "پیغام سروش" ہونا چاہیے تھا (۲۱۴)۔ یہ نظم سب

سے پہلے ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء کے "زمیندار" میں شائع ہوئی - اس میں آخری تین بند پیش کئے گئے (۲۱۵) - ازاں بعد ۲۹؍اپریل ۱۹۱۲ء کے "وطن" اخبار اور اپریل ۱۹۲۲ء کی روداد انجمن (۲۱۶) میں اشاعت پذیر ہوئی - ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ درج نہیں (۲۱۷) - یہ نظم انجمن حمایت اسلام نے خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ اور نفیس کاغذ پر چھپوائی جو آٹھ آنے میں "زمیندار" کے دفتر سے مل سکتی تھی - اس کی فروخت کا سب روپیہ انجمن کے ذریعے قومی امور پر صرف کرنے کا منصوبہ بنایا گیا (۲۱۸) - پروفیسر جعفر بلوچ نے غلام رسول مہر کے حوالے سے یہ معلومات فراہم کی ہیں کہ اس رقم سے اقبال کو تبلیغ اسلام کے لئے جاپان بھیجنا مقصود تھا (۲۱۹) - تاہم عبدالمجید سالک کے مطابق مولانا ظفر علی خان نے جلسے میں اس بات کا اعلان تو کیا لیکن "پیسہ اخبار" نے اسے جوش میں آکر پیش کی گئی ایک تجویز قرار دیا اور خود اقبال نے بھی اس سے اتفاق نہیں کیا (۲۲۰) - "صوفی" میں یہ نظم ستاسی اشعار پر مشتمل گیارہ بندوں میں ہے - "بانگ درا (۲۲۱)" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے شعر نمبر سینتالیس کو ترک کر دیا جو نظم کے ساتویں بند کا حصہ ہے - "باقیات اقبال (۲۲۲)"، "سرود رفتہ (۲۲۳)"، "اقبال (۲۲۴)" از احمد دین، "اقبال اور انجمن حمایت اسلام (۲۲۵)" میں اس متروک شعر کی نشاندہی کی جا چکی ہے - جبکہ "کلیات اقبال (۲۲۶)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں متروک شعر سمیت نظم کے ۸۷ شعر درج کر دیئے گئے ہیں - ڈاکٹر صابر کلوروی نے بیاض کی روشنی میں چودہ غیر مطبوعہ متروک اشعار کو پیش کیا ہے (۲۲۷) - جن میں سے سات اشعار کی نشاندہی ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کر چکے تھے (۲۲۸) - "بانگ درا" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے اس نظم کے بعض اشعار میں اصلاح بھی کی - "اصلاحات اقبال (۲۲۹)" میں "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کی روشنی میں چار اصلاحات کی نشاندہی کی گئی ہے - ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے بیاضوں کی روشنی میں اس نظم کے کچھ اشعار کو غیر مطبوعہ قرار دے کر پیش کیا ہے تاہم ان میں سے چار شعر ایسے ہیں جو غیر مطبوعہ کے ذیل میں نہیں بلکہ اصلاحات کے زمرے میں آتے ہیں (۲۳۰) - بہر حال "صوفی" اور "بانگ درا" کے متن کا تقابل کیا جائے تو ان کے علاوہ چند مزید اختلافات متن نظر آتے ہیں - جیسے "صوفی" میں "سودایئے" درج ہے تو "بانگ درا" میں "سودائی" ہے - "صوفی" میں "آیا جو ہوا" ہے تو "بانگ درا" میں "مثل جو ہوا" ہے - "صوفی" میں "سینہ" ہے "بانگ درا" میں "سینے" ہے - "صوفی" میں "آئینہ" ہے تو "بانگ درا" میں "آئینے" ہے - "صوفی" میں "نگہت" ہے تو "بانگ درا" میں "نکہت" ہے - علاوہ ازیں "صوفی" میں سہو کتابت کے آثار بھی ملتے ہیں جہاں "کہ" کو "کے" اور "لب ریز" کو "لب زیر" لکھا گیا ہے -

جولائی ۱۹۱۲ء، نعتیہ کلام، نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر، ص ۱۶-۱۷

یہ نعتیہ کلام اقبال کے متداول کلام میں شامل نہیں - سب سے پہلے یہ "زمیندار" میں شائع ہوا - ڈاکٹر صابر کلوروی کے مطابق یہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں شامل ہوا (۲۳۱) - جبکہ عبدالکافی ادیب کے مطابق یہ ۱۶؍مئی ۱۹۱۲ء کو شامل اشاعت ہوا (۲۳۲) - جولائی ۱۹۱۲ء کے "صوفی" میں چھپنے کے بعد یہ "کشمیری میگزین" ۲۱؍جنوری ۱۹۱۹ء اور "العزیز" بٹالہ نومبر ۱۹۱۹ء میں چھپا (۲۳۳) - ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس کلام کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ درج نہیں (۲۳۴) - یہ علامہ اقبال کے اس کلام میں سے ہے جس سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خاں نے انجمن حمایت اسلام کے ستائیسویں سالانہ جلسے میں اقبال کو جاپان بھجوانے کی تجویز پیش کی (۲۳۵) - "زمیندار" میں اس کلام کا عنوان "رسول اکرم صلعم" ہے، "باقیات اقبال (۲۳۶)" اور "سرود رفتہ (۲۳۷)" میں اس کا عنوان "نعت" درج کیا گیا ہے - جبکہ "رخت سفر (۲۳۸)" میں اسے بلا عنوان پیش کیا گیا ہے - "صوفی" اور "باقیات اقبال" میں یہ

سترہ اشعار پر مشتمل ہے جبکہ "سرود رفتہ" اور "رخت سفر" میں اس کے تیرہویں شعر کو حذف کر کے کل سولہ اشعار پیش کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے عبدالقوی دسنوی کے حوالے سے تیرہویں شعر کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ کسی مجموعے میں شامل نہیں جبکہ یہ "باقیات اقبال" میں موجود ہے۔ اسی طرح انہوں نے پہلا مصرعہ درج کرتے ہوئے سہواً 'نگاہ عاشق کی تاڑلیتی ہے ... ' تحریر کیا ہے [(۲۳۹)]۔ "اودھ پنچ" کی اس نعت پر اعتراض کے جواب میں فوق نے لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ اخبارات و رسائل نے بے احتیاطی سے نقل کرنے میں اقبال کے کلام میں خامیوں کو جگہ دی ہے۔ جیسے اس کلام کے تیرہویں شعر میں غلط طور پر "بوئے زلف معنبر ین کی" لکھا گیا ہے جبکہ اصل میں اقبال نے "بو کسی زلف عنبرین کی" لکھا تھا [(۲۴۰)]۔ "صوفی" کے نعتیہ کلام کا موازنہ دیگر متون سے کیا جائے تو کئی اختلافات نظر آتے ہیں۔ جیسے "صوفی" میں "تیرے کوچہ" ہے تو "رخت سفر" اور "سرود رفتہ" میں "تیرے کوچے" ہے۔ "صوفی" میں "سوتے" ہے تو "باقیات اقبال" میں "سوئے" ہے۔ "صوفی" میں "حور و جنت" ہے تو "سرود رفتہ"، "باقیات اقبال" اور "رخت سفر" میں "حور جنت" ہے۔ "صوفی" میں "زرشفاعت" ہے تو "باقیات اقبال" میں "دُرشفاعت" ہے۔ "صوفی" میں "ثناء گو" ہے تو "باقیات اقبال" اور "سرود رفتہ" میں "ثناء گر" ہے۔ "صوفی" میں "مکر" ہے تو "باقیات اقبال" میں "مگر" ہے۔ ''صوفی'' میں ''نکل رہی تھی'' ہے تو ''سرود رفتہ'' اور ''رخت سفر'' میں ''نکل رہی ہے'' درج ہے۔ "صوفی" میں "زلف معنبر یں کی" ہے تو "باقیات اقبال" میں "زلف معنبر یں کو" ہے۔ "صوفی" میں "خدا کی راہ" ہے تو "باقیات اقبال" میں "خدا کی رہ" ہے۔ "صوفی" میں "دبک میں" ہے تو "سرود رفتہ" اور "رخت سفر" میں "دبک کے" ہے۔ "صوفی" میں "لحد پہ" ہے تو "سرود رفتہ" اور "رخت سفر" میں "لحد میں" ہے۔ "صوفی" میں "در پہ" ہے تو "زمیندار"، "رخت سفر"، "باقیات اقبال" اور "سرود رفتہ" میں "در پر" ہے۔

اگست ۱۹۱۲ء، دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں، ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستور ہے، ص ۵-۶

یہ نظم جون ۱۹۱۲ء میں لکھی گئی [(۲۴۱)]۔ جولائی ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی [(۲۴۲)]۔ اس کے بعد "صوفی" میں اور پھر "نظام المشائخ" نومبر ۱۹۱۳ء اور مئی ۱۹۲۷ء کی زینت بنی [(۲۴۳)]۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں شائع ہونے کا ذکر موجود نہیں ہے [(۲۴۴)]۔ یہ نظم اٹھارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے دو بند ہیں۔ "بانگ درا [(۲۴۵)]" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے موضوع کی مناسبت سے اس کا عنوان "مسلم" رکھ لیا۔ حالانکہ ابتدائی اشاعتوں میں نظم کے سب سے آخری مصرعے کو ہی عنوان کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ "بانگ درا" میں اقبال نے اس نظم کے کسی شعر کو ترک نہیں کیا۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے بیاضوں کی روشنی میں ایک متروک شعر کو پیش کیا ہے۔ جو یہ ہے: ؎

سینہ سوزاں ترا فریاد سے معمور ہے
نالہ عادت ہے تری ، رونا ترا دستور ہے [(۲۴۶)]

تاہم مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ یہ شعر متروک کے ذیل میں نہیں بلکہ اصلاحات کے ذیل میں آتا ہے کیونکہ اس کا مصرعہ اولیٰ "بانگ درا" اور دیگر مطبوعہ نمونوں میں پہلے شعر کے مصرعہ ثانی کے طور پر موجود ہے۔ "بانگ درا" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے شعر ترک کرنے کے بجائے ان کو اصلاح سے

ہمکنار کیا- آٹھویں اور تیرہویں شعر میں کی گئی اصلاحوں کی نشاندہی "اصلاحات اقبال (۲۴۷)" میں کردی گئی ہے- بلکہ "بیاض بانگ درا (۲۴۸)" میں تیرہویں شعر کے دوسرے مصرعے سے متعلق ایک مزید اصلاح کی نشاندہی ہوتی ہے- اس کے علاوہ چند اور اصلاحات نظر آتی ہیں جیسے "صوفی" اور دیگر اشاعتوں میں پانچویں شعر کے دونوں مصرعوں میں ''خاموش ہو'' کو اقبال نے ''بانگ درا'' میں "خاموش رہ" کردیا- اسی طرح چھٹے شعر میں "محفل شب دوشینہ" کو "بانگ درا" میں "روشن شب دوشینہ" کردیا- چند اختلافات متن بھی ہیں جیسے "صوفی" میں "لیلیٰ تیرے" درج ہے تو "مخزن" میں ''لیلئے تیری درج کیا گیا ہے- اسی طرح ''صوفی'' میں ''چشم بر'' لکھا ہے تو ''مخزن'' میں "چشم پر" تحریر ہے- "مخزن" میں ایک مقام پر کتابت میں سہو بھی نظر آتا ہے- جہاں "سچ" کو "پانچ" لکھا گیا ہے- "کلیات اقبال (۲۴۹)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس نظم کا متن "صوفی" کے عین مطابق ہے-

ستمبر ۱۹۱۲ء، پیام اقبال، اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے، ص ۱۷

یہ نظم جون ۱۹۰۷ء کے "مخزن (۲۵۰)" میں شائع ہوئی- احمد دین نے اسے صرف ہندوستان کی سیاسی ہلچل پر منطبق کیا ہے (۲۵۱)- حالانکہ اقبال نے یہ نظم یورپ سے علی گڑھ کالج کے طلباء کے لئے لکھی تھی- کیپٹن منظور حسین لکھتے ہیں کہ "اس زمانے میں نوجوانان علی گڑھ میں انگریز پرنسپل کو الگ کر کے مسلمان پرنسپل مقرر کئے جانے پر اصرار تھا- چنانچہ نظم کے مقطع میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ بھی ہے (۲۵۲)- "اقبال نے اس کا عنوان "پیام اقبال" ہی رکھا تھا، لیکن مدیر "مخزن" نے اقبال کے مخاطبین کو سمجھتے ہوئے اس کا عنوان "طلبائے علی گڑھ کالج کے نام" مقرر کردیا اور اس سلسلے میں نظم پر ایک نوٹ بھی درج کردیا- گویا "صوفی" میں اس نظم کا عنوان وہی ہے جو پہلے پہل اقبال نے مقرر کیا- "بانگ درا (۲۵۳)" میں اقبال نے اس کا عنوان "طلبہ علی گڑھ کالج کے نام" رقم کیا ہے- ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کا حوالہ موجود نہیں (۲۵۴)- "صوفی" اور "مخزن" میں یہ نظم بارہ اشعار پر مشتمل ہے- "بانگ درا" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے اس کے تیسرے، چوتھے، پانچویں، ساتویں اور گیارہویں کل پانچ اشعار کو ترک کردیا اور باقی سات اشعار جنہیں "بانگ درا" میں پیش کیا ان کو بھی اصلاح کے کڑے عمل سے گزارا یعنی ان سب اشعار میں اصلاح کی- یہ تمام اصلاحیں "اصلاحات اقبال (۲۵۵)" میں پیش کردی گئی ہیں- "ابتدائی کلام اقبال (۲۵۶)" میں مکمل منسوخ متن اور "بانگ درا" کے متن کو الگ الگ پیش کردیا گیا ہے- "نوادر اقبال (۲۵۷)" میں "مخزن" کو ماخذ بیان کرتے ہوئے بارہ اشعار پیش کئے گئے ہیں- لیکن ان کا متن کلی طور پر "مخزن" کے مطابق نہیں- "کلیات اقبال (۲۵۸)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس نظم کا متن "بانگ درا" کے عین مطابق ہے جس سے ڈاکٹر گیان چند نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ "بانگ درا" سے قبل یہ متداول متن ضرور اشاعت سے ہمکنار ہو چکا تھا (۲۵۹)- "روزگار فقیر (۲۶۰)" میں اس نظم کے پانچ متروک اشعار پیش کرتے ہوئے سہواً اس نظم کے نویں شعر کو درج کردیا گیا ہے جو متداول کلام کا حصہ ہے- حالانکہ شعر نمبر سات درج کرنا چاہئے تھا، جو متروک اشعار میں سے درج ہونے سے رہ گیا ہے- اقبال نے جو اس نظم کے پانچ اشعار کو ترک کیا اور باقی سب میں اصلاح کی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس نظم کے اکثر اشعار میں بحر سے مطمئن نہیں تھے- جس کا اظہار انہوں نے کیپٹن منظور حسین کے نام ۸ر جون ۱۹۱۸ء کے خط میں کیا ہے (۲۶۱)- ڈاکٹر گیان چند اس سلسلے میں بحث کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انہیں

خارج از بحر قرار نہیں دیا جا سکتا البتہ انہیں نا مستحسن کہا جا سکتا ہے (۲۶۲)۔ ڈاکٹر صابر کلوروی متروک اشعار کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان اشعار کی بندشیں چست نہیں تھیں۔شعر اول میں تراکیب کی کثرت سے فارسیت کا غلبہ تھا، جن کے باعث یہ حذف کر دیئے گئے (۲۶۳)۔ متروک اشعار میں اختلافات متن بھی موجود ہیں۔"صوفی" میں "مستورے" درج ہے جبکہ "روزگار فقیر" میں "مستی ے" درج کیا گیا ہے۔"صوفی" اور "روزگار فقیر" میں "ساقی ہے اس کا اور ہی" ہے تو "ابتدائی کلام اقبال" میں "ساقی ہی اس کا اور ہے" تحریر کیا گیا ہے۔اسی طرح "صوفی" اور "روزگار فقیر" میں "سوز تمام" رقم ہے تو "ابتدائی کلام اقبال" میں "سوز دوام" رقم کیا گیا ہے۔

نومبر ۱۹۱۲ء، رات اور شاعر۔ایک دلآویز مکالمہ، کیوں مری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں، ص ۳۷

یہ نظم ستمبر ۱۹۱۰ء کے "پنجاب ریویو" میں شائع ہوئی (۲۶۴)۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ نہیں ملتا (۲۶۵)۔"کلیات اقبال (۲۶۶)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس کا عنوان "شب و شاعر" ہے۔"صوفی" میں یہ چودہ اشعار پر مشتمل ہے۔اس کے دو بند ہیں۔پہلے بند کا ذیلی عنوان 'رات' ہے جبکہ دوسرے بند کا ذیلی عنوان 'شاعر' ہے۔ دونوں بندوں میں سات سات اشعار پیش کئے گئے ہیں۔"بانگ درا (۲۶۷)" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے چودہ اشعار ہی پیش کئے۔"صوفی" کے متن کا تقابل "بانگ درا" سے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اقبال نے چوتھے شعر میں "گئے ہیں" کو "بانگ درا" میں "گیا ہے" کر دیا اور گیارھویں شعر، جس کا تعلق دوسرے بند سے ہے میں "سینے" کو "بانگ درا" میں "سینہ" کر دیا۔"اصلاحات اقبال (۲۶۸)" میں "پنجاب ریویو" اور "بانگ درا" کے متون کا مطالعہ کرتے ہوئے پانچویں شعر سے متعلق اصلاح کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔جلیل قدوائی نے بھی نظم کے ابتدائی نمونے کو سامنے رکھتے ہوئے چند اصلاحات و ترمیمات کی نشاندہی کی ہے (۲۶۹)۔"روزگار فقیر (۲۷۰)" میں دوسرے بند سے متعلقہ ایک متروک شعر کو پیش کیا گیا ہے۔ڈاکٹر صابر کلوروی کے مطابق یہ دوسرے بند کا ساتواں شعر تھا۔اقبال کی قلمی بیاض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر اصل نظم لکھنے کے بعد اضافہ کیا گیا۔تاہم سیاق و سباق کے اعتبار سے صحیح مفہوم پیدا نہ کر سکنے کے باعث ترک کر دیا گیا (۲۷۱)۔"کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کے متن کو دیکھیں تو چند مزید اختلافات نظر آتے ہیں۔مثلاً "صوفی" میں "مجھ میں" لکھا ہے تو کلیات میں "تجھ میں" ہے۔"صوفی" میں "سینے پہ" ہے تو کلیات میں "سینے میں" ہے۔"صوفی" میں "منزل میری" درج ہے تو کلیات میں "منزل تیری" درج کیا گیا ہے۔"صوفی" میں ایک مقام پر کتابت کی غلطی بھی نظر آتی ہے۔جہاں "مانند بو" کو "مانند پو" لکھا گیا ہے۔

جنوری ۱۹۱۳ء، جواب شکوہ، دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے، ص ۲۷-۳۰

یہ نظم ۳۰ر نومبر ۱۹۱۲ء کو لاہور میں منعقدہ جلسہ امداد مجروحین بلقان میں پڑھی گئی (۲۷۲)۔ یہ جلسہ زمیندارہ ٹرکش ریلیف فنڈ ٹرسٹ کے زیر انتظام (۲۷۳) موچی دروازہ لاہور کے باہر باغ میں ہوا (۲۷۴)۔"اقبال کی طویل نظمیں (۲۷۵)" اور "باقیات اقبال (۲۷۶)" میں سہواً اس نظم کو پیش کرنے کا سن بالترتیب ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۴ء بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ نظم نومبر میں پیش ہونے کے بعد دسمبر ۱۹۱۲ء میں ہی "تمدن" کی زینت بن چکی تھی (۲۷۷)۔اس نظم

کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۲۷۸) - یہ نظم مسدس کی ہیئت میں ہے- "صوفی" میں یہ اکتالیس بندوں پر مشتمل ہے- " کلیات اقبال (۲۷۹) " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی اس کے اکتالیس بند ہی پیش کئے گئے ہیں- تاہم " بانگ درا" کو ترتیب دیتے ہوئے علامہ اقبال نے اس نظم کے چھتیس بند درج کئے (۲۸۰) - جبکہ دوسرا، آٹھواں، سینتیسواں اور چالیسواں کل چار بند مکمل طور پر ترک کر دیئے- آٹھ بندوں کو مکمل کے بجائے جزوی طور پر ترک کیا گیا- جیسے بند نمبر ایک کے پانچویں چھٹے دو مصرعوں، بند نمبر نو کے پانچویں چھٹے دو مصرعوں، بند نمبر دس کے پہلے چاروں مصرعوں، بند نمبر چھبیس کے پہلے اور چوتھے تا چھٹے چار مصرعوں، بند نمبر ستائیس کے پانچویں چھٹے دو مصرعوں، بند نمبر انیس کے تیسرے مصرعے، بند نمبر پینتیس کے پہلے چار مصرعوں اور بند نمبر اکتالیس کے پانچویں چھٹے دو مصرعوں کو ترک کر کے ان کی جگہ نئے مصرعے شامل کئے گئے- " باقیات اقبال (۲۸۱) " اور " سرود رفتہ (۲۸۲) " میں فقط چار مکمل متروک بند درج کئے گئے ہیں- "نوادر اقبال (۲۸۳) " میں کل سات بند درج کئے گئے ہیں- جن میں سے تین مکمل متروک اور چار جزوی متروکات کے ذیل میں آتے ہیں- " رخت سفر (۲۸۴) " میں اس نظم کے کل نو بند پیش کئے گئے ہیں- جن میں سے چار مکمل متروک اور پانچ جزوی متروکات میں شمار ہوتے ہیں- نیز انتیسویں بند کے تیسرے مصرعے کی نئی صورت درج کرتے ہوئے سہواً " بانگ درا" کے مطابق متن درج نہیں کیا گیا- اسی طرح اکتالیسویں بند کے پہلے مصرعے میں "غنچے" کے بجائے "غنچہ" لکھا ہے- " کلیات اقبال (۲۸۵) " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اکتالیس بندوں پر مشتمل مکمل نظم پیش کی گئی ہے- جس میں مکمل اور جزوی متروکات سب شامل ہیں- روزنامہ " مشرق (۲۸۶) " میں اس نظم کے تین بند درج ہیں جن میں سے دو مکمل اور ایک جزوی طور پر ترک کردہ ہیں- ڈاکٹر صابر کلوروی نے اقبال کی قلمی بیاض میں سے مزید آٹھ اشعار اس دعوے کے ساتھ پیش کئے ہیں کہ یہ ہنوز شائع نہیں ہوئے (۲۸۷) - تاہم مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ان آٹھ اشعار میں سے چھ "صوفی" اور " کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں چھپ چکے ہیں اور جو دو شعر ان میں موجود نہیں انہیں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی چھپوا چکے ہیں (۲۸۸) - یوں گویا ڈاکٹر صابر کلوروی کے دعوے کے برخلاف آٹھوں شعر مطبوعہ قرار پاتے ہیں- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے پیش کردہ اشعار کا تقابل ڈاکٹر صابر کلوروی کے پیش کردہ اشعار سے کیا جائے تو متنی اختلاف بھی نظر آتے ہیں مثلاً ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے اشعار میں " ہے تم میں تو" درج ہے جبکہ ڈاکٹر صابر کلوروی نے " تم میں ہے تو" درج کیا ہے- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے اشعار میں " دہر کے "، " ہو تم" درج ہے- جبکہ ڈاکٹر صابر کلوروی کے پیش کردہ کلام میں " دہر کی " اور " تم ہو" درج کیا گیا ہے- اقبال کی قلمی بیاض میں پیش کردہ اشعار کا تقابل "صوفی" میں مطبوعہ اشعار سے کیا جائے تو دو مقامات پر اختلاف نظر آتا ہے- "صوفی" میں "یعنی اس گل کی" چھپا ہے جبکہ ڈاکٹر صابر کلوروی نے " گل شاعر کی" بیان کیا ہے- "صوفی" میں " عبادت کدہ عام" چھپا ہے جبکہ ڈاکٹر صابر کلوروی نے " عبادت کدہ سام" تحریر کیا ہے- "صوفی" کی نظم کا "بانگ درا" کے متن سے موازنہ کیا جائے تو کافی زیادہ اصلاحات و ترمیمات اور اختلافات نظر آتے ہیں- علاوہ ازیں " بانگ درا" میں اس نظم کو پیش کرتے ہوئے علامہ اقبال نے اس کے اشعار اور بندوں کی ترتیب بھی دل ڈالی ہے- جسے خوش آئند تصور کیا جاتا ہے- جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں کہ "...اس نظم میں ان ترمیموں سے زیادہ اہم اشعار کی ترتیب میں تبدیلی ہے جس کی وجہ سے نظم کا حسن بیان کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے (۲۸۹) " - " بانگ درا" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے

"صوفی" میں چھپنے والی اس نظم کے دسویں بند کے ٹیپ کے شعر کو نویں بند کے ٹیپ کے شعر کے طور پر پیش کیا، اسی طرح چھبیسویں بند کے دوسرے مصرعے کو پہلے کے طور پر اور تیسرے مصرعے کو چوتھے کے طور پر پیش کیا- بندوں کی ترتیب کو بدلتے ہوئے "صوفی" کے بند نمبر پینتیس کو "بانگ درا" میں آخری بند یعنی بند نمبر چھتیس بنا کر پیش کیا- اسی طرح "صوفی" کے آخری بند یعنی بند نمبر اکتالیس کو "بانگ درا" کے آخری بند کے بجائے بتیسویں بند کی حیثیت سے پیش کیا-

فروری ۱۹۱۳ء، گورستان شاہی، آسماں بادل کا پہنے خرقہ دیرینہ ہے، ص ۶-۸

یہ نظم علامہ اقبال کے قیام حیدر آباد کی یادگار ہے- مارچ ۱۹۱۰ء کو وہ پہلی بار حیدر آباد دکن گئے (۲۹۰)- اس مقصد کے لئے انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے دس دن کی رخصت لی- کیونکہ ان دنوں وہ وکالت کے ساتھ ساتھ گورنمنٹ کالج میں تدریسی فرائض بھی انجام دے رہے تھے (۲۹۱)- حیدر آباد دکن کے مختصر قیام کے دوران دولت آصفیہ کے معتمد محکمہ فنانس مسٹر نذر علی حیدری (سر اکبر حیدری) اور ان کی بیگم نے اقبال کے لئے مہمان نوازی میں کوئی کمی نہ چھوڑی- مسٹر حیدری ایک چاندنی رات میں اقبال کو سلاطین قطب شاہیہ کے مزاروں اور ان کے قریب گولکنڈہ کے تاریخی قلعہ پر لے گئے- انہیں دیکھ کر اقبال نے اس نظم کی صورت میں اپنے تاثرات قلمبند کئے اور اس پر ایک نوٹ درج کرتے ہوئے اسے مسٹر حیدری اور ان کی بیگم صاحبہ کے نام معنون کیا (۲۹۲)- یہ نظم سب سے پہلے "مخزن" میں شائع ہوئی- مدیر "مخزن" نے جون ۱۹۱۰ء کے شمارے میں خصوصیت سے اقبال کی دو نظمیں شائع کیں، جن میں سے "گورستان شاہی" ہے- ان پر نوٹ لکھتے ہوئے مدیر "مخزن" نے لکھا کہ "ان دو نظموں کو انکی اہمیت کی وجہ سے ہم سب مضامین سے اول جگہ دیتے ہیں- خصوصاً اس لئے کہ اگر ہم انہیں حصہ نظم میں رکھنا چاہتے تو شائقین کو اگلے مہینہ کے رسالے کے شائع ہونے تک اور انتظار کرنا پڑتا (۲۹۳)-" سید عبدالواحد معینی اقبال کی اس نظم پر انگریزی شاعر گرے کی مشہور نظم 'گورغریباں' کے اثرات کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ گرے کی اس نظم کا ایک ترجمہ چونکہ نظم طباطبائی نے بھی کیا تھا- غالب امکان یہی ہے کہ اس سفر میں نظم طباطبائی سے ملاقات کے باعث اقبال کی توجہ اس نظم کی طرف مبذول ہوئی ہو (۲۹۴)- ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ موجود ہے (۲۹۵)- "صوفی" اور "مخزن (۲۹۶)" میں یہ چونسٹھ اشعار پر مشتمل ہے جو بارہ بندوں میں پیش کئے گئے ہیں، بلکہ "کلیات اقبال (۲۹۷)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی اس کی یہی صورت ہے تاہم جب علامہ اقبال نے "بانگ درا (۲۹۸)" کو ترتیب دیا تو اس نظم کے اٹھاون اشعار بارہ بندوں میں پیش کئے جبکہ "صوفی" کے متن کو سامنے رکھیں تو سولہویں، چوالیسویں، پینتالیسویں، اڑتالیسویں، انچاسویں اور تریسٹھویں کل چھ اشعار کو ترک کر دیا اور شعر نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۶، ۱۲، ۱۳، ۱۹، ۲۳، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۴، ۵۱ اور ۵۵ کل سولہ اشعار کو اصلاح سے نوازا- ڈاکٹر صابر کلوروی کے خیال میں متروک اشعار نظم کی تاثیر میں اضافے کا باعث نہیں تھے اس لئے ترک کر دیئے گئے (۲۹۹)- "باقیات اقبال (۳۰۰)" میں فقط چھ متروک اشعار کو پیش کیا گیا ہے اور "اصلاحات اقبال (۳۰۱)" میں فقط چھ اصلاحات کی نشاندہی کر دی گئی ہے- جبکہ "سرود رفتہ (۳۰۲)"، "رخت سفر (۳۰۳)"، "اوراق گم گشتہ (۳۰۴)"، "ماہ نو (۳۰۵)"، "مہک (۳۰۶)"، "نقوش (۳۰۷)"، اور "افکار (۳۰۸)" میں متروک کے ساتھ ساتھ اصلاح شدہ اشعار کو بھی کافی حد تک پیش کر دیا گیا ہے-

مارچ ۱۹۱۳ء، شفاخانہ حجاز، اک پیشوائے قوم نے اقبال سے کہا، ص ۲۲

یہ نظم ۱۱/ اگست ۱۹۱۲ء کے " زمیندار " میں شائع ہوئی (۳۰۹) - " بیاض بانگ درا " میں علامہ اقبال نے اس کا سن تصنیف جون ۱۹۱۲ء تحریر کیا ہے (۳۱۰) - یہ نظم علامہ اقبال نے انگریزوں کی ایک چال کو ناکام بنانے کی غرض سے لکھی تھی - " نیرنگ خیال " کے مدیر حکیم یوسف حسن اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا ظفر علی خاں بہت زیادہ گھبراہٹ کے عالم میں علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تشویشناک انداز میں بتایا کہ حکومت نے ایک سرکلر جاری کیا ہے کہ چونکہ حج کے موقعے پر مسلمانوں کو بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لئے حجاز میں ہسپتال بنوائے جائیں - اس مقصد کے لئے پانچ لاکھ روپیہ انگریز حکومت دے گی اور پانچ لاکھ روپیہ مسلمانوں کو اکٹھا کر کے دینا ہوگا - علامہ اقبال کے استفسار پر اپنی تشویش ظاہر کرتے ہوئے مولانا نے گلوگیر انداز میں کہا کہ یہ محض انگریزوں کی چال ہے - انگریز جہاں قبضہ جمانا چاہتے ہیں - وہاں پہلے اسی انداز میں ہسپتال اور رفاعی ادارے کھولتے ہیں تاکہ اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے قبضہ کر سکیں - اس میں مسلمانوں کو شامل کر کے وہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں - اس طرح مسلمان حجاز سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے - علامہ اقبال نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں، شام کو اپنا چپڑاسی بھیج دیں میں چار پانچ شعر لکھ دوں گا، اپنے اخبار میں شائع کر دیں تو نہ کوئی چندہ دے گا، نہ ہسپتال بننے کی نوبت آئے گی اور نہ انگریز اپنا مقصد حاصل کر سکیں گے - نظم چھپتے ہی مسلمان خبردار ہو گئے اور انگریز کی سکیم دھری رہ گئی (۳۱۱) - اس نظم کے " صوفی " میں شائع ہونے کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۳۱۲) - " صوفی " میں یہ نظم آٹھ اشعار پر مشتمل ہے - " بانگ درا (۳۱۳) " میں بھی یہ آٹھ اشعار پر ہی مشتمل ہے تاہم " صوفی " کے برعکس یہاں اس کو چار چار اشعار کے دو بندوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے - " کلیات اقبال (۳۱۴) " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی اس کے دو بند ہیں - اقبال نے اس نظم میں چند معمولی اصلاحیں کیں - " زمیندار " سے " صوفی " تک آتے ہوئے " ایک پیشوائے " ، " اک پیشوائے " ہو گیا - " صوفی " سے " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق تک آتے آتے اس کے متن میں املا کو بدل کر حوالئے " کو حوالئی " ، " عیسے " کو " عیسیٰ " لکھا گیا اور " پردہ میں " کو " پردے میں " کر دیا گیا - پھر " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق سے " بانگ درا " تک آنے میں اقبال کو نظم کے ساتویں شعر میں صرف ایک اصلاح کرنا پڑی یعنی " دیں اور کو " ، " اوروں کو دیں " کی صورت میں ڈھال کر مصرعے کو رواں اور مفہوم کو واضح کر دیا گیا -

مئی ۱۹۱۳ء، پھول، تجھے کیوں فکر ہے اے گل دل صد چاک بلبل کی، ۱۹۰

" صوفی " کے علاوہ یہ نظم " کلیات اقبال (۳۱۵) " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں شائع ہوئی لیکن یہاں اس کا عنوان " گل " ہے - ڈاکٹر گیان چند نے بھی بیاضوں کی روشنی میں اس کا عنوان " گل " ہی بیان کیا ہے (۳۱۶) - ڈاکٹر صابر کلوروی نے اس نظم کے " صوفی " میں چھپنے کا حوالہ اپنی فہرست میں درج کیا ہے (۳۱۷) - " صوفی " میں یہ نظم سات اشعار پر مشتمل ہے - " بانگ درا (۳۱۸) " میں علامہ اقبال نے اس نظم کا کوئی شعر حذف نہیں کیا بلکہ ایک شعر کا اضافہ کیا ہے - جو " بانگ درا " میں نظم کا آٹھواں اور آخری شعر ہے - " صوفی " کے متن کے حوالے سے دیکھا جائے تو کسی شعر میں کوئی اصلاح نظر نہیں آتی البتہ " کلیات

اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کے حوالے سے "اصلاحات اقبال (۳۱۹)" میں ایک اصلاح کی نشاندہی کی گئی ہے۔ نیز "بیاض بانگ درا" میں دو اصلاحیں اور ایک غیر مطبوعہ متروک شعر بھی موجود ہیں (۳۲۰)۔ "صوفی" کے متن میں جو اختلاف نظر آتا ہے وہ حقیقتاً اختلاف نہیں بلکہ سہو کتابت کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر مصرعہ ثانی کے آخر پر "کرلے" کو "کرلی" لکھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں "کے" کو "کی" اور "لے" کو "لی" لکھا گیا ہے۔ "صوفی" کی ترتیب اشعار کو اقبال نے "بانگ درا" میں برقرار نہیں رکھا، جیسے "صوفی" کے دوسرے شعر کو "بانگ درا" میں ساتواں، تیسرے کو دوسرا، چوتھے کو تیسرا، پانچویں کو چوتھا، چھٹے کو پانچواں اور ساتویں کو چھٹا بنا دیا گیا۔

جون ۱۹۱۳ء، چاند، اے قمر کیا خامشی افزا ہے تیری روشنی، ص ۳۳

یہ نظم جولائی ۱۹۰۴ء کے "مخزن (۳۲۱)" میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ موجود ہے (۳۲۲)۔ "صوفی" اور "مخزن" میں یہ کل سترہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے دو بند ہیں۔ تاہم "بانگ درا (۳۲۳)" میں درج کرتے ہوئے علامہ اقبال نے اس کے پہلے، تیسرے، پانچویں اور چھٹے کل چار اشعار کو ترک کر دیا۔ جبکہ شعر نمبر گیارہ اور پندرہ کے ثانی مصرعوں کو اصلاح سے ہمکنار کیا اور بندوں کی پابندی کو ختم کر ڈالا۔ "رخت سفر (۳۲۴)"، "باقیات اقبال (۳۲۵)" اور "سرود رفتہ (۳۲۶)" میں محض متروک اشعار درج کئے گئے ہیں۔ باقیات کے ان تینوں مجموعوں میں متروک اشعار "مخزن" سے نقل کئے گئے ہیں، لیکن "باقیات اقبال" اور "سرود رفتہ" میں نقل کرنے میں احتیاط نہیں برتی گئی، یہی وجہ ہے کہ پہلے اور چھٹے شعر میں دو مقامات پر اغلاط راہ پا گئی ہیں۔ "کلیات اقبال (۳۲۷)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "ابتدائی کلام اقبال (۳۲۸)" میں متروک اشعار سمیت پوری نظم موجود ہے، تاہم گیان چند نے نویں شعر میں "گردش پرکار" کو "گردش پیکار" لکھا ہے۔ "مہک (۳۲۹)" میں فقط گیارہویں اور پندرہویں اصلاح شدہ اشعار کے نقش اول و ثانی کو پیش کیا گیا ہے۔ "تنقیدیں اور خاکے (۳۳۰)" میں متروک کے ساتھ ساتھ اصلاح شدہ اشعار کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے "ابتدائی کلام اقبال" میں دیگر غیر مطبوعہ مآخذ سے بھی اختلافات متن کی نشاندہی کی ہے۔ "صوفی" میں دسویں شعر میں ایک مقام پر "راہ میں" لکھا گیا ہے۔ جبکہ "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا" میں "رہ میں" درج کیا گیا ہے۔

جولائی ۱۹۱۳ء، فاطمہ بنت عبداللہ، فاطمہ تو آبروئے ملت مظلوم ہے، ص ۳

یہ نظم ۶/جون ۱۹۱۳ء کو "زمیندار" میں شائع ہوئی (۳۳۱)۔ پھر ۷/جون ۱۹۱۳ء کے "وکیل (۳۳۲)" اور ۱۰/جون ۱۹۱۳ء کے "ہمدرد" میں چھپی (۳۳۳) ازاں بعد جون ۱۹۱۳ء کے "تمدن" میں شائع ہوئی (۳۳۴)۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں اشاعت پذیر ہونے کا حوالہ درج نہیں البتہ "مخزن" جون ۱۹۱۳ء کے شمارے کا ایسا حوالہ درج ہے (۳۳۵) جس میں مذکورہ نظم موجود نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے "الہلال" میں "ناموران غزوہ طرابلس" اور "کارزار طرابلس" کے زیر عنوان مختلف مجاہدین کے حالات اور تصاویر سلسلہ وار شائع کیں۔ اسی سلسلے میں نومبر ۱۹۱۲ء کے "الہلال" میں "فاطمہ بنت عبداللہ" نامی ایک گیارہ سالہ مجاہدہ عربیہ کے حالات شائع کئے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس واقعے کے ضمن

میں اقبال کا ماخذ "الہلال" ہی تھا - خواہ انہوں نے ماخذ کا حوالہ درج نہیں کیا (۳۳۶) - دوسرے "بانگ درا" میں اقبال نے خود اس نظم پر زمانہ تحریر ۱۹۱۲ء ہی لکھا ہے جس سے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ اس نظم کا محرک "الہلال" ہی تھا - "فاطمہ بنت عبداللہ" کے علاوہ اس نظم کے عنوانات "فاطمہ (۳۳۷)" اور "یا د فاطمہ (۳۳۸)" بھی رہے - اکبر حیدری کشمیری نے "صوفی" میں چھپنے والی اس نظم کا عنوان "یاد فاطمہ" بیان کیا ہے (۳۳۹) - جبکہ "صوفی" میں اس کا عنوان "یاد فاطمہ" نہیں بلکہ "فاطمہ بنت عبداللہ" درج ہے - "صوفی" میں یہ نظم پندرہ اشعار پر مشتمل ہے اس کے دو بند ہیں - "کلیات اقبال (۳۴۰)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی یہ پندرہ اشعار کی حامل ہے، تاہم "بانگ درا (۳۴۱)" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے پندرہ میں سے بارہ اشعار پیش کئے اور بقیہ تین اشعار چوتھا، چھٹا اور چودھواں ترک کر دیئے - ڈاکٹر صابر کلوروی نے محذوف اشعار کی تعداد چار بیان کی ہے جو درست نہیں (۳۴۲) - تیسرے شعر کے مصرعہ ثانی کو ترک کر کے اقبال نے مصرعہ اولیٰ کو مصرعہ ثانی بنا کر پیش کیا اور مصرعہ اولیٰ کی جگہ ایک نیا مصرعہ پیش کر دیا - اسی طرح اقبال نے پہلے، دوسرے، بارہویں اور پندرہویں شعر میں ترمیم و اصلاح سے کام لیا - اس کے علاوہ "صوفی" اور "بانگ درا" کے متن کا موازنہ کرنے سے چند معمولی اختلافات نظر آتے ہیں - جو سہو کتابت کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں - پندرہ اشعار کی یہ نظم جو اقبال کی کڑی نگاہ سے گزری، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ نظم "اودھ پنچ" کے اعتراضات کا نشانہ بن چکی تھی (۳۴۳) - اور اقبال نہیں چاہتے تھے کہ "بانگ درا" میں شامل ہونے کے بعد اس پر کوئی انگلی اٹھا سکے - "رخت سفر (۳۴۴)" میں تینوں متروک اشعار کے ساتھ تین اصلاحات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے - "باقیات اقبال (۳۴۵)" میں دو متروک اور دو اصلاح شدہ اشعار کو پیش کیا گیا ہے - "سرود رفتہ (۳۴۶)" میں دو متروکات اور تین اصلاحات کو پیش کیا گیا ہے - "نوادر اقبال (۳۴۷)" میں صرف ایک متروک شعر کو درج کیا گیا ہے - "تنقیدیں اور خاکے (۳۴۸)" میں متروکات و اصلاحات دونوں کی نشاندہی کی گئی ہے - "اوراق گم گشتہ (۳۴۹)" میں متروک و اصلاح شدہ تمام اشعار کی کیفیت کو بیان کر دیا گیا ہے - "اصلاحات اقبال (۳۵۰)" میں چار اصلاحات کی نشاندہی ہو چکی ہے - روزنامہ "مشرق (۳۵۱)" میں دو اصلاحات جبکہ "نقوش (۳۵۲)" میں ایک اصلاح کو پیش کیا گیا ہے - "نقوش" میں دوسرے شعر سے متعلق اصلاح کو بیان کرتے ہوئے اسے ایک کرشمہ قرار دیا گیا ہے -

جون ۱۹۱۴ء، نوجوان مسلم سے خطاب، کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے، ص ۳

یہ نظم "صوفی" میں چھپنے کے بعد "کلیات اقبال (۳۵۳)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کی زینت بنی - "بانگ درا (۳۵۴)" میں شامل ہوئی اور پھر "ادبی دنیا" جنوری ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی (۳۵۵) - ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ موجود ہے (۳۵۶) - "صوفی" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس کے بارہ اشعار تھے - "بانگ درا" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے کسی شعر کو حذف نہیں کیا - "صوفی" کے متن کو سامنے رکھیں تو پہلے، دوسرے، ساتویں، دسویں اور گیارہویں اشعار میں چند اصلاحات کیں - "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کے حوالے سے دیکھیں تو شعر نمبر پانچ میں بھی ایک مزید اصلاح نظر آتی ہے - "اصلاحات اقبال (۳۵۷)" میں پانچویں اور گیارہویں شعر کی اصلاح بیان کر دی گئی ہے جبکہ دیگر اصلاحات کی نشاندہی باقی ہے - جیسے "صوفی" میں "ایک ٹوٹا" درج ہے تو "بانگ درا" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "اک ٹوٹا"

درج کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں "پاؤں سے" لکھا گیا ہے تو "بانگ درا" میں "پاؤں میں" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "پانوں سے" سے لکھا گیا ہے۔ "صوفی" میں "میرے تخیل" رقم ہے تو "بانگ درا" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "تیرے تخیل" رقم کیا گیا ہے۔ اسی طرح "صوفی" میں "یہ ایک عارضی" تحریر ہے تو "بانگ درا" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "وہ اک عارضی" تحریر کیا گیا ہے۔

اگست ۱۹۱۴ء، جزیرہ سسلی، رو لے اب دل کھولکر اے دیدہ خوننابہ بار، ص ۷

یہ نظم اقبال کے قیام یورپ کی آخری نظم ہے (۳۵۸)۔ سب سے پہلے یہ اگست ۱۹۰۸ء کے "مخزن (۳۵۹)" میں شائع ہوئی۔ اقبال کے یورپ سے واپس آنے پر ۲۶/جولائی ۱۹۰۸ء کو نظام الدین اولیاء کی درگاہ پر منعقدہ بزم میں شیخ عبدالقادر مدیر "مخزن" کی ملاقات اقبال سے ہوئی، اور مدیر "مخزن" دہلی سے لاہور پہنچنے تک یعنی جولائی ۱۹۰۸ء کی شام تک اقبال کے ہمراہ رہے۔ گویا مدیر "مخزن" نے اسی دوران یعنی ۲۷/جولائی کے آخری دنوں میں یہ نظم اقبال سے حاصل کی اور جلد ہی اگست ۱۹۰۸ء کے شمارے میں شائع کر دی۔ "مہک" میں اس نظم پر "مخزن" کے نوٹ کو پیش کرتے ہوئے ماخذ کا ذکر کیے بغیر یہ لکھا ہے کہ "اقبال نے یہ نظم ۲۶/جولائی ۱۹۰۸ء کو شیخ نظام الدین اولیاء کے مزار اقدس پر دوستوں کی ایک محفل میں پڑھی تھی (۳۶۰)"۔ تاہم راقمہ کا خیال ہے کہ یہ بات غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ ۲۶/جولائی ۱۹۰۸ء کو نظام الدین اولیاء کی درگاہ پر ہونے والی بزم میں اقبال نے یہ نظم نہیں بلکہ ۱۹۰۳ء کی تصنیف کردہ نظم کو ہی پیش کیا تھا، جو "برگ گل" کے نام سے مشہور ہے اور جسے انہوں نے دعا کی خاطر درگاہ پر بھجوایا تھا (۳۶۱)۔ "مہک" میں اس غلط فہمی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ "مخزن" میں اس نظم سے پہلے "ترانہ مسرت یعنی آمد اقبال" درج ہے جس پر غلام بھیک نیرنگ کا نوٹ بھی درج ہے۔ اس نوٹ میں وہ لکھتے ہیں کہ "... یہ چند سطریں ۲۶/جولائی ۱۹۰۸ء کو درگاہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ مقام دہلی میں ایک ایسی بزم میں پڑھی گئیں جس میں اقبال کی شمع کمال کے چند پروانے جمع تھے (۳۶۲)"۔ نوٹ کے یہ الفاظ نیرنگ کی اپنی نظم کے بارے میں تھے جبکہ "مہک" والوں نے ان الفاظ کا حکم "جزیرہ سسلی" پر بھی لگا دیا۔ جس کے باعث غلط فہمی راہ پا گئی۔ سسلی جو چار سو برس تک اسلامی تہذیب وتمدن کی آماجگاہ بنا رہا کے قریب سے اقبال ایک رات جہاز میں گزرے اور اس کی روشنیوں کو دیکھ کر ماضی کی یاد میں گم ہو گئے اور سسلی کا مرثیہ لکھ ڈالا۔ سردار امراؤ سنگھ شیر گل نے ۱۹۲۲ء میں اس نظم کو انگریزی میں منتقل کیا (۳۶۳)۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ موجود نہیں (۳۶۴)۔ ڈاکٹر گیان چند نے "گلشنِ سخن" کے حوالے سے اس کا نام "مرثیہ سسلی" بیان کیا ہے (۳۶۵)۔ ۱۹۳۱-۱۹۳۲ء میں مسلم یونیورسٹی سکول علی گڑھ میں علامہ اقبال کی موجودگی میں اس نظم کو پیش کیا گیا تو علامہ اور حاضرین کی آنکھیں نمناک تھیں (۳۶۶)۔ "مخزن"، "صوفی"، "کلیات اقبال (۳۶۷)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس کا نام "جزیرہ سسلی" ہے جبکہ "بانگ درا (۳۶۸)" میں اس عنوان کو قوسین میں درج کیا گیا ہے اور لفظ "صقلیہ" کو نئے عنوان کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس سے مفہوم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی کیونکہ جزیرہ سسلی کو عربی زبان میں صقلیہ کہتے ہیں (۳۶۹)۔ "صوفی"، "مخزن" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں یہ نظم سترہ اشعار اور چار بندوں پر مشتمل ہے جبکہ "بانگ درا" کی ترتیب کے وقت نظم کے چوتھے شعر کو ترک کرنے کے باوجود اس نظم کے اشعار کی تعداد سترہ ہی ہے، بندوں کی

تعداد بھی برابر رہی کیونکہ اولین متن کے چوتھے شعر کو حذف کر کے اس کی جگہ "بانگ درا" میں ایک نیا شعر پیش کر دیا گیا۔ شعر نمبر دو، تین، پانچ، چھ اور تیرہ کو اصلاح کے عمل سے گزارا گیا ہے بلکہ شعر نمبر تیرہ کو اس حد تک اصلاح دی کہ مفہوم کو برقرار رکھتے ہوئے اسے نیا پیراہن عطا کر دیا گیا۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کا یہ بیان درست نہیں کہ متروک اشعار کی تعداد تین ہے (۳۷۰)۔ "سرود رفتہ (۳۷۱)" اور "باقیات اقبال (۳۷۲)" میں متروک و اصلاح شدہ اشعار پیش کئے گئے ہیں تاہم دونوں میں شعر نمبر تین سے متعلق اصلاح درج ہونے سے رہ گئی ہے نیز "باقیات اقبال" میں شعر نمبر دو کے متن کو "مخزن" سے نقل کرتے ہوئے بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ "رخت سفر (۳۷۳)"، "اوراق گم گشتہ (۳۷۴)"، "تنقیدیں اور خاکے (۳۷۵)" اور "ابتدائی کلام اقبال (۳۷۶)" میں ترک شدہ شعر اور اصلاح کے حامل اشعار سب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ "اصلاحات اقبال (۳۷۷)" میں متروک شعر کو اصلاح کے زمرے میں پیش کیا گیا ہے البتہ شعر نمبر تیرہ کی اصلاح درج نہیں کی گئی۔ "ماہ نو (۳۷۸)" میں رئیس مینائی نے متروک و اصلاح شدہ تمام اشعار پیش کئے ہیں۔ جبکہ عزیز احمد نے فقط شعر نمبر تین اور تیرہ کو پیش کیا ہے اور سہواً شعر نمبر تیرہ کو نظم کا آخری شعر قرار دیا ہے۔

جنوری ۱۹۱۵ء، حمیت، روہیلا کس قدر ظالم جفا جو کینہ پرور تھا، ص ۸

"صوفی" کے علاوہ یہ نظم ابھی تک اس زمانے کے کسی اور اخبار یا رسالے کے حوالے سے سامنے نہیں آئی۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ درج نہیں (۳۷۹)۔ "صوفی" کے علاوہ بیاضوں میں بھی اس کا نام "حمیت" درج ہے (۳۸۰)۔ "کلیات اقبال (۳۸۱)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس کا عنوان "زوال حمیت" ہے۔ "صوفی" میں اس نظم پر ایک نوٹ درج ہے کہ "غلام قادر روہیلا نے شاہ عالم بادشاہ دہلی کی آنکھیں نکالی ڈالیں اور بہت سے ظلم کئے لیکن انسان انسان نہیں اگر اس میں کوئی خاص وصف نہ ہو۔ غلام قادر میں بھی ایک وصف تھا، جس کا ڈاکٹر محمد اقبال کی نظم سے پتہ ملتا ہے۔" اس نوٹ کے ساتھ کسی کا نام درج نہیں تاہم یہ ظاہر ہے کہ نوٹ اقبال کا نہیں تو مدیر "صوفی" کا ہے۔ "صوفی" کے علاوہ یہ نوٹ اس نظم کے ساتھ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ "صوفی" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں یہ نظم تیرہ اشعار پر مشتمل ہے۔ "بانگ درا (۳۸۲)" میں بھی یہ تیرہ اشعار کی حامل ہے گویا کوئی شعر ترک نہیں کیا گیا۔ البتہ "صوفی" کے متن کو سامنے رکھیں تو دو جگہ املاء کو تبدیل کیا یعنی "روہیلا" کو "روہیلہ" اور "یونہی" کو "یونہیں" لکھا اور شعر نمبر تین، پانچ، سات، آٹھ، نو، گیارہ اور بارہ کل سات اشعار میں اصلاحیں کیں۔ "اصلاحات اقبال" میں "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کے حوالے سے چھ اصلاحات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے بیاضوں کی روشنی میں بارہویں شعر کی ابتدائی صورت کو پیش کیا ہے (۳۸۳)۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے بارہویں شعر کی ایک مزید صورت کے ساتھ ساتھ تیرہویں شعر کی ابتدائی صورت بھی پیش کی ہے (۳۸۴)۔ "صوفی"، "بانگ درا" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کے متون کا جائزہ لیا جائے تو چند مزید اختلافات متن سامنے آتے ہیں۔ جیسے "صوفی" میں "حرم بر ہے تو" "بانگ درا" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "پھر کچھ" ہے تو "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "کچھ پھر" ہے۔ اسی شعر یعنی شعر نمبر آٹھ کی اصلاح "اصلاحات اقبال" میں پیش کی گئی ہے تاہم اس اختلاف کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ "صوفی" میں "چشم آمر" لکھا گیا ہے جبکہ "بانگ درا"

میں " چشم احمر " اور " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں " چشم اخگر " ہے- اسی طرح " صوفی " اور " بانگ درا " میں " بناوٹ تھی " درج ہے جبکہ " کلیات اقبال "مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں " بناوٹ تھا " درج کیا گیا ہے-

فروری ۱۹۱۵ء، آنکھوں میں ہے حسینہ تیری کمال اس کا، جس کی نمود دیکھی چشم ستارہ بین نے، ص ٦

یہ نظم اقبال کے قیام یورپ کی منظومات میں سے ہے- اس کا زمانہ تصنیف ستمبر ۱۹۰۷ء ہے- علامہ اقبال نے " بیاض بانگ درا " میں اپنے ہاتھ سے اس نظم پر " ہائیڈیل برگ ستمبر ۱۹۰۷ء " تحریر کیا ہے (۳۸۵) - یہ نظم " نظام المشائخ " رجب ۱۳۲۸ھ بمطابق جولائی اگست ۱۹۱۰ء (۳۸٦) میں شائع ہوئی- " ابتدائی کلام اقبال (۳۸۷) " میں سہواً جون، جولائی ۱۹۱۰ء لکھا گیا ہے- ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے " صوفی " میں چھپنے کا حوالہ موجود ہے (۳۸۸) - " بیاض بانگ درا " میں اس کا کوئی عنوان درج نہیں (۳۸۹) - " کلیات اقبال (۳۹۰) " مرتبہ مولوی عبدالرزاق، " بیاض عماد " اور " نظام المشائخ " میں اس کا عنوان " لامکاں کا مکاں " ہے (۳۹۱) - ڈاکٹر صابر کلوروی (۳۹۲) اور ڈاکٹر منیر احمد سلیچ (۳۹۳) نے " بانگ درا (۳۹۴) " میں پیش کردہ عنوان کو " صوفی " میں چھپنے والی نظم کا عنوان ظاہر کیا ہے- حالانکہ " صوفی " میں اس نظم کے آخری مصرعے کو عنوان کے طور پر درج کیا گیا ہے- " صوفی " میں یہ نظم پانچ اشعار پر مشتمل ہے- " بانگ درا " میں بھی یہ پانچ اشعار کی حامل ہے- کوئی شعر ترک نہیں کیا گیا تاہم " بانگ درا " میں اقبال نے اس نظم کو ایک نیا عنوان " سلیمیٰ " عطا کیا اور نئے عنوان کے تقاضے کے تحت شعر نمبر پانچ کے مصرعہ ثانی میں لفظ " حسینہ " کو بدل کر " سلیمیٰ " کر دیا اور دوسرے شعر میں " خلوتکدے " کی جگہ " ظلمت کدہ " لکھ دیا- " تنقیدیں اور خاکے (۳۹۵) " میں دونوں اصلاحات کی نشاندہی ہو چکی ہے- ڈاکٹر صابر کلوروی نے بیاضوں کی روشنی میں " نظام المشائخ " میں اشاعت سے قبل کی شعر نمبر پانچ کے مصرعہ ثانی سے متعلق ایک اصلاح کی نشاندہی کی ہے (۳۹٦) - دوسرے شعر سے متعلق اصلاح کے بارے میں ڈاکٹر صابر کلوروی لکھتے ہیں کہ "... علامہ کی بیاض میں یہ اصلاح موجود نہیں اور متن میں " ظلمت کدے " ہی درج ہے- بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ " صوفی " کے ایڈیٹر سے مسودہ نقل کرتے وقت بے احتیاطی ہوئی ہو (۳۹۷) - " ایک دوسرے مقالے پر اسی حوالے سے لکھتے ہیں کہ "... تبدیل کرنے کی وجہ کاتب کا اجتہاد ہے، علامہ اس کے ذمہ دار نہیں (۳۹۸) - " پہلی بات یہ کہ موصوف نے ایک مقام پر مدیر " صوفی " اور دوسرے مقام پر کاتب کو اس تبدیلی کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے- دوسرے مدیر " صوفی " پر اس تبدیلی کی ذمہ داری کسی طرح بھی عائد نہیں ہو سکتی- کیونکہ " صوفی " سے قبل اس نظم کی " نظام المشائخ " جولائی اگست ۱۹۱۰ء کی اشاعت میں بھی یہ اصلاح موجود تھی- ڈاکٹر گیان چند نے " ابتدائی کلام اقبال (۳۹۹) " میں ایک بیاض جس کا ماخذ " نظام المشائخ " ہے کے حوالے سے اس امر کی نشاندہی کی ہے- ڈاکٹر صابر کلوروی نے اس اصلاح کا ذمہ دار اقبال کو فقط اس لئے قرار نہیں دیا کہ " بانگ درا " کی بیاض میں یہ اصلاح درج نہیں- یوں دیکھا جائے تو " حسینہ " کو " سلیمیٰ " میں تبدیل کرنے والی اصلاح بھی بقول ان کے بیاض میں درج نہیں لیکن اسے انہوں نے اقبال کی اصلاح قبول کیا ہے اور پھر " بانگ درا " بجائے خود اس بات کی شہادت ہے کہ یہ اصلاح اقبال نے کی ہے- ان معروضات کی روشنی میں راقمہ کا خیال ہے کہ یہ دونوں اصلاحیں اقبال نے ہی کیں البتہ " ظلمت کدے " کو " خلوت کدے " میں تبدیل کرنے کے بعد حتمی طور پر انہوں نے " ظلمت کدہ " کو زیادہ مناسب و

موزوں تصور کیا۔

مارچ ۱۹۱۵ء، کلام اقبال، بخت مسلم کی شب تار سے ڈرتی ہے سحر، ص ۳۰

یہ ظریفانہ قطعہ اقبال کے متداول کلام میں شامل نہیں۔ یہ "زمانہ" کانپور جنوری ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا (۴۰۰)۔ عابد رضا بیدار نے سہواً "زمانہ" جنوری ۱۹۱۰ء میں اس کی اشاعت بیان کی ہے (۴۰۱)۔ "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں درج نہیں (۴۰۲)۔ "صوفی" کے ساتھ ساتھ وہ "صحیفہ (۴۰۳)"، "کلیات اقبال (۴۰۴)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق، "سرود رفتہ (۴۰۵)"، "نوادر اقبال (۴۰۶)"، "رخت سفر (۴۰۷)" اور "تبرکات اقبال (۴۰۸)" کا متن "بیاض بانگ درا (۴۰۹)" کے عین مطابق ہے۔ "باقیات اقبال (۴۱۰)" میں سہواً "یہ شب دیدہ آہو" کو "شب دیدہ آہو" لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے "رخت سفر" کے متن کو "باقیات اقبال" کے مماثل قرار دیا ہے (۴۱۱)، جبکہ حقیقتاً ایسا نہیں۔ "ماہ نو (۴۱۲)" میں عابد رضا بیدار نے "زمانہ" کانپور سے نقل کرتے ہوئے "شمس العلما" کو سہواً "شمع علماء" تحریر کیا ہے۔

مارچ ۱۹۱۵ء، کلام اقبال، دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک، ص ۳۰

یہ ظریفانہ قطعہ اور متذکرہ بالا قطعہ دونوں "صوفی" میں ایک ہی عنوان "کلام اقبال" کے تحت اوپر تلے درج کیے گئے۔ "زمانہ" جنوری ۱۹۱۵ء میں بھی انہیں اسی طرح درج کیا گیا تھا (۴۱۳)۔ عابد رضا بیدار نے سہواً "زمانہ" میں اشاعت کا سن جنوری ۱۹۱۰ء لکھا ہے تاہم قطعہ کے سامنے قوسین میں انہوں نے سن ۱۹۱۵ء بھی درج کیا ہے (۴۱۴)۔ اس قطعہ کو "بانگ درا (۴۱۵)" میں "ظریفانہ" کلام کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے۔ "صوفی" کا متن اور "ماہ نو (۴۱۶)" کا متن جو "زمانہ" سے نقل کیا گیا ہے میں اور "بانگ درا" کے متن میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ "کلیات اقبال (۴۱۷)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں ایک اختلاف نظر آتا ہے جہاں پہلے مصرعہ میں "کب تک" کو "کب تلک" لکھا گیا ہے۔

اپریل ۱۹۱۵ء، نوائے غم، زندگانی ہے مری مثل رباب خاموش، ص ۵

اس نظم کا زمانہ تصنیف ڈاکٹر گیان چند کے خیال میں دسمبر ۱۹۱۱ء ہے (۴۱۸)۔ اقبال نے عطیہ فیضی کے نام ۱۴ر دسمبر ۱۹۱۱ء کے خط کے ہمراہ دیگر نظموں کے ساتھ یہ نظم (۴۱۹) بھی ارسال کی۔ راقمہ کا خیال ہے کہ یقیناً اقبال نے اسی نظم کو غیر مطبوعہ (۴۲۰) بیان کیا ہے، کیونکہ باقی اشعار کے ساتھ ان کی تاریخیں درج کی گئی ہیں۔ یہ نظم جون ۱۹۱۲ء کے "مخزن (۴۲۱)"، ۲۲ر جون ۱۹۱۲ء کے "زمیندار" کے صفحہ اول پر شائع ہوئی (۴۲۲)۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں "صوفی" میں اشاعت کے حوالے سے اس نظم کا اندراج موجود نہیں (۴۲۳)۔ عطیہ فیضی کے نام ارسال کی گئی نظم اور "صوفی"، "مخزن" اور "کلیات اقبال (۴۲۴)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں مطبوعہ نظم آٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ عزیز احمد کے مطابق یہ نظم "بانگ درا" میں شامل نہیں (۴۲۵) لیکن یہ نظم "بانگ درا (۴۲۶)" میں موجود ہے اور آٹھ اشعار پر ہی مشتمل ہے۔ گویا کسی شعر کو ترک نہیں کیا گیا۔ "بانگ درا"، "مخزن" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں یہ دو بندوں پر مشتمل ہے جبکہ "صوفی" میں عطیہ فیضی کو ارسال کی گئی نظم کی طرح بند قائم کیے بغیر اشعار درج کر دیئے گئے ہیں۔ "صوفی" کی نظم کا

"بانگ درا" سے موازنہ کیا جائے تو تیسرے شعر سے لے کر ساتویں تک کل پانچ اشعار میں متن کا اختلاف نظر آتا ہے۔ "اصلاحات اقبال (۴۲۷)" میں "مخزن" کے حوالے سے چار اشعار کی نشاندہی ہو چکی ہے جبکہ پانچویں شعر کا اختلاف درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ "تنقیدیں اور خاکے (۴۲۸)" میں بھی چار اشعار کی نشاندہی کی گئی ہے۔ تاہم شعر نمبر چھ کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ اس نظم کے سلسلے میں یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ "بانگ درا" کے متن کا تقابل اگر عطیہ فیضی کو ارسال کردہ نظم سے کیا جائے تو چوتھے شعر کے مصرعہ ثانی میں کی گئی اصلاح کے علاوہ متن کا کوئی اور اختلاف نظر نہیں آتا۔ یعنی کہا جا سکتا ہے کہ اقبال نے اس نظم میں اصلاحات تو کیں لیکن "بانگ درا" کی ترتیب کے وقت ان کے سامنے نظم کی وہ صورت تھی جو عطیہ فیضی کو ارسال کی گئی تھی اور اس میں اقبال نے صرف ایک اصلاح کر کے "بانگ درا" میں پیش کر دیا۔

مئی ۱۹۱۶ء، حضرت بلال حبشیؓ، لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے، ص ۳

یہ نظم علامہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے اکتیسویں سالانہ جلسے میں ۲۳ر اپریل ۱۹۱۶ء کو انجمن کے صدر نواب ذوالفقار علی خاں کی صدارت میں پڑھی (۴۲۹)۔ اس نظم کے "صوفی" میں چھپنے کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۴۳۰)۔ یکم ستمبر ۱۹۲۷ء کے "پیسہ اخبار (۴۳۱)" میں یہ اشاعت سے ہمکنار ہوئی۔ "کلیات اقبال (۴۳۲)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی یہ موجود ہے۔ یہاں اس کا عنوان "نوائے اذان" لکھا گیا ہے۔ اقبال نے "بانگ درا (۴۳۳)" میں اس کا عنوان فقط "بلالؓ" درج کیا ہے۔ "صوفی"، "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا" سب جگہ یہ نظم دس اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ دو بندوں میں ہے۔ کوئی شعر ترک نہیں کیا گیا۔ البتہ چھٹے اور ساتویں شعر میں دو مقامات پر اختلاف نظر آتا ہے، "اقبال اور انجمن حمایت اسلام (۴۳۴)" میں دونوں کی نشاندہی کی جا چکی ہے جبکہ "اصلاحات اقبال (۴۳۵)" میں فقط ساتویں شعر کا احاطہ کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں چھٹے شعر کے مصرعہ ثانی میں املاء کی غلطی موجود ہے۔ جہاں "مستنیر" کو "مستغیر" لکھا گیا ہے۔

فروری و مارچ ۱۹۱۷ء، اپنی مٹی سے عیاں شعلہ سینائی کر، پردہ چہرے سے اٹھا انجمن آرائی کر، ص ۶۰

راقمہ کے خیال میں یہ غزل اقبال نے جولائی ۱۹۱۶ء سے قبل تصنیف کی، کیونکہ جولائی ۱۹۱۶ء میں ایک صاحب سعد اللہ نے اقبال کی خدمت میں اپنی آٹو گراف بک پیش کر کے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، اقبال نے اس پر اسی بحر و وزن اور قافیے ردیف کا حامل ایک شعر لکھ دیا۔ یہ شعر "روزگار فقیر (۴۳۶)" میں ایک نوٹ کے ساتھ درج ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غزل جولائی ۱۹۱۶ء میں آٹوگراف بک پیش کرنے سے قبل لکھی جا چکی تھی۔ یہ غزل "مخزن" فروری ۱۹۱۷ء (۴۳۷) میں شائع ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی یہ "صوفی" کی دو ماہ کی اکٹھی اشاعت فروری مارچ ۱۹۱۷ء میں "ڈاکٹر اقبال کا تازہ کلام" کے نوٹ کے ساتھ درج ہوئی۔ "صوفی" میں اس غزل کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۴۳۸)۔ "صوفی" میں اس غزل کے پانچویں شعر کے مصرعہ ثانی کو قبل اصلاح صورت میں عنوان کے طور پر پیش کر دیا گیا ہے۔ "مخزن" میں اس کا عنوان "سحر حلال" لکھا گیا ہے، جبکہ ڈاکٹر گیان چند نے بیاضوں کی روشنی میں اس کا عنوان "سحر ہلال" تحریر کیا ہے (۴۳۹)۔ "کلیات اقبال (۴۴۰)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اسے بلا عنوان حصہ

غزلیات میں شامل کیا گیا ہے۔ "صوفی"، "مخزن"، کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا[۴۴۱]" میں یہ آٹھ اشعار کی حامل ہے۔ "روزگار فقیر" میں اس غزل کا جو ایک شعر پیش کیا گیا ہے وہ ان مطبوعہ متون میں شامل نہیں۔ اس اعتبار سے اسے متروک شعر قرار دیا جاسکتا ہے۔ گویا اقبال نے غزل کی اشاعت سے قبل ہی اسے ترک کر دیا تھا۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے بیاض کی روشنی میں متروک شعر کی ابتدائی صورت بھی پیش کر دی ہے[۴۴۲]۔ "صوفی" کی غزل کا "بانگ درا" سے موازنہ کیا جائے تو تیسرے، چوتھے، پانچویں کل تین اشعار میں اصلاح نظر آتی ہے۔ ان تینوں اشعار کی نشاندہی "اصلاحات اقبال" میں ہو چکی ہے[۴۴۳]، " کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کو سامنے رکھیں تو چند اور اختلافات نظر آتے ہیں۔ مثلاً " کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "چہرے" کو "چہرہ" اور "سینے" کو "سینہ" لکھا گیا ہے۔ "صوفی"، "مخزن" اور " کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کی نسبت "بانگ درا" میں اس غزل کے اشعار کی ترتیب مختلف ہے۔ یعنی "صوفی" اور دیگر کے دوسرے شعر کو "بانگ درا" میں پانچویں، چوتھے کو دوسرے اور پانچویں کو چوتھے شعر کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

<u>اکتوبر ۱۹۱۷ء، معراج کی رات، رہ یک گام ہے ہمت کیلئے عرش بریں، ص ۶</u>

یہ نظم جو قطعہ کی صورت میں ہے "صوفی" میں سب سے پہلے اکتوبر ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں "صوفی" کی اس اشاعت کا حوالہ موجود ہے، تاہم اسی فہرست میں انہوں نے عابد رضا بیدار کے حوالے سے اس نظم کی اشاعت "صوفی" کے فروری مارچ ۱۹۱۷ء کے شمارے میں بھی بیان کی ہے[۴۴۴]۔ لیکن عابد رضا بیدار کی فراہم کردہ معلومات راقمہ کے خیال میں درست نہیں یقیناً ان سے سہو ہوا ہے، کیونکہ "صوفی" کا فروری مارچ ۱۹۱۷ء کا شمارہ خود راقمہ کی نگاہوں سے گزر چکا ہے۔ جس کے صفحہ ۶۰ پر علامہ کی ایک غزل بعنوان "اپنی مٹی سے عیاں شعلۂ سینائی کر" کے علاوہ کلام اقبال کا کوئی دیگر نمونہ موجود نہیں۔ گویا "صوفی" کے اکتوبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں اس نظم کی اشاعت کو پہلی اشاعت تصور کرنا چاہیے۔ "صوفی" میں اس نظم پر "ڈاکٹر اقبال کا تازہ کلام" کا نوٹ بھی اس موقف کو تقویت بخشتا ہے کہ یہ نظم کی پہلی اشاعت ہے۔ راقمہ کے خیال میں یہ نظم اقبال سے بالا بالا ہی حاصل کی گئی تھی۔ اس پہلو کو مقالے کے باب سوم میں موضوع بنایا گیا ہے۔ "صوفی" کے بعد یہ نظم ماہنامہ "طریقت" مئی ۱۹۱۸ء میں امام الدین رام نگری کے معراج کے موضوع پر ایک مضمون کا سرنامہ بنی نظر آتی ہے[۴۴۵]۔ اسی طرح " کلیات اقبال[۴۴۶]" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کی تقریب میں بھی اسے پیش کیا گیا ہے۔ "صوفی" اور "طریقت" میں اسے "معراج کی رات" کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے بیاضوں کی روشنی میں بھی یہی عنوان درج کیا ہے[۴۴۷]۔ "بانگ درا[۴۴۸]" میں اقبال نے اسے "شب معراج" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ "صوفی"، "طریقت"، " کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا" سب جگہ یہ دو اشعار کے قطعہ کی صورت میں ہے۔ "بانگ درا" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے اس کے دوسرے شعر کو پہلے اور پہلے شعر کو دوسرے کے طور پر پیش کیا اور "صوفی" کے دوسرے شعر، جو "بانگ درا" میں پہلا شعر ہے کے دونوں مصرعوں میں اصلاح کی، جس کے نتیجے میں "افق" کو "فلک" اور جسے صبح" کو "سحر جس کو" کے الفاظ میں تبدیل کر دیا گیا۔ "طریقت" اور " کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کو سامنے رکھا جائے تو دونوں میں متن کے

ایک ایک اختلاف کی نشاندہی ہوتی ہے- مثلاً "طریقت" میں "رہ یک گام" کو "رہ اک گام" لکھا گیا ہے، اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "مسلمان" کو "مسلمانوں" تحریر کیا گیا ہے-

اکتوبر ۱۹۱۸ء، ایثارِ صدیقؓ، اک دن رسول پاک نے اصحاب سے کہا، ص ۳۳

یہ نظم ستمبر ۱۹۱۸ء کے "کہکشاں" میں شائع ہوئی (۴۴۹) - ڈاکٹر صابر کلوروی نے اس نظم کی "صوفی" میں اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی وساطت سے درج کیا ہے (۴۵۰) - گویا وہ "صوفی" کے اس شمارے سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکے- "کہکشاں" میں اس عنوان "ایثار صدیق اکبر" جبکہ "صوفی" اور "کلیات اقبال (۴۵۱)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "ایثار صدیقؓ" کے عنوان سے شائع ہوئی - ڈاکٹر رحیم بخش شاہین نے "روایات اسلام" کے حوالے سے اس کا عنوان "حضرت صدیقؓ" بیان کیا ہے (۴۵۲)، جبکہ "بانگ درا (۴۵۳)" میں اس کا عنوان "صدیقؓ" ہے- "صوفی" میں یہ نظم تیرہ اشعار پر مشتمل ہے- "بانگ درا" میں بھی یہ تیرہ اشعار کی حامل ہے، تاہم "بانگ درا" میں "صوفی" کے برعکس اسے دو بندوں میں تقسیم کیا گیا ہے- پہلا بند سات اشعار پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے بند میں چھ اشعار درج کئے گئے ہیں- "بانگ درا" میں کوئی مکمل شعر ترک نہیں کیا گیا البتہ آٹھویں شعر کے مصرعہ ثانی کو ترک کر کے اس کی جگہ نیا مصرعہ پیش کر دیا گیا ہے، جو اصلاح کے ذیل میں ہی آئے گا- اس کے علاوہ شعر نمبر چار، چھ، دس اور تیرہ کل چار اشعار میں بھی اصلاح نظر آتی ہے- "اصلاحات اقبال (۴۵۴)" میں آٹھویں اور تیرھویں شعر کی اصلاحات کو پیش کیا گیا ہے- "اوراق گم گشتہ (۴۵۵)" میں چوتھے اور آٹھویں شعر میں اصلاح کی نشاندہی کی گئی ہے- "سرود رفتہ (۴۵۶)" میں تیرھویں شعر کے مصرعہ اولیٰ کی اولین اشاعت کی نشاندہی کی گئی ہے لیکن اس مصرعے میں سہواً "پروانوں" کو "پروانے" لکھا گیا ہے- "صوفی" کے حوالے سے دیکھا جائے تو شعر نمبر چھ اور دس میں اصلاح کی نشاندہی ہونا ابھی باقی ہے- "صوفی" میں "خویش اقارب" ہے جسے "بانگ درا" میں "خویش و اقارب" لکھا گیا- "صوفی" میں "ملک یمن" ہے جبکہ "بانگ درا" میں "ملک یمین" تحریر کیا گیا ہے-

دسمبر ۱۹۱۸ء، عشق اور موت، فرشتہ تھا اک عشق تھا نام جس کا، ص ۳۴

یہ نظم نومبر ۱۹۰۳ء کے "مخزن (۴۵۷)" میں اشاعت پذیر ہوئی - اس کے بعد ۵ر دسمبر ۱۹۰۳ء کے "پیسہ اخبار (۴۵۸)" کی زینت بنی - پھر "نیرنگ خیال (۴۵۹)" جنوری ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی - ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں شائع ہونے کا حوالہ موجود ہے (۴۶۰) - اقبال نے ٹینی سن کو اس نظم کا ماخذ بیان کیا ہے (۴۶۱) - ڈاکٹر گیان چند نے مزید معلومات فراہم کرتے ہوئے انگریزی شاعر الفریڈ ٹینی سن کی نظم "Love and Death" کو اس نظم کا ماخذ قرار دیا ہے (۴۶۲) - "مخزن" اور "ابتدائی کلام اقبال (۴۶۳)" میں یہ دو بندوں کی صورت میں انتیس اشعار کی حامل ہے- "کلیات اقبال (۴۶۴)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں شعر نمبر چودہ سہواً درج ہونے سے رہ گیا ہے جبکہ بقیہ اٹھائیس اشعار موجود ہیں- "بانگ درا (۴۶۵)" میں اس نظم کو پیش کرتے ہوئے اقبال نے شعر نمبر پانچ، آٹھ، نو، گیارہ، سترہ اور چھبیس یعنی کل چھ اشعار ترک کر دیئے- سید مرتضیٰ حسین فاضل

لکھنوی نے "برگِ گل (۴۶۶)" میں سہواً سات اشعار حذف کئے جانے کا ذکر کیا ہے، اور "سرودِ رفتہ" میں ان ساتوں اشعار کو درج کرنے کا حوالہ دیا ہے۔ جبکہ "سرودِ رفتہ (۴۶۷)" میں سات نہیں بلکہ چھ اشعار ہی درج ہیں۔ "کلیاتِ اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "ابتدائی کلامِ اقبال" میں یہ چھ متروک اشعار مکمل نظم کی صورت میں موجود ہیں۔ "سرودِ رفتہ"، "باقیاتِ اقبال (۴۶۸)" اور "رختِ سفر (۴۶۹)" میں بھی چھ متروک اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ "بانگِ درا" میں اقبال نے پہلے شعر کے مصرعہ ثانی میں اصلاح کی جس کی نشاندہی "اصلاحاتِ اقبال (۴۷۰)" اور "مہک (۴۷۱)" میں کی جا چکی ہے۔ متروک اشعار سمیت اختلافاتِ متن کا احاطہ "ابتدائی کلامِ اقبال (۴۷۲)" اور "باقیاتِ شعرِ اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ (۴۷۳)" میں ہو چکا ہے۔ "صوفی" میں بوجوہ اس نظم کے صرف تیرہ اشعار پیش کئے گئے۔ دو بندوں میں سے بارہ اشعار پر مشتمل پہلا بند مکمل طور پر حذف کر دیا گیا ہے جبکہ دوسرے بند کے کل سترہ اشعار میں سے پہلا دوسرا اور پانچواں حذف کر دیئے گئے اور پندرھویں، سولھویں شعر میں سے پندرھویں کے مصرعہ اولیٰ اور سولھویں کے مصرعہ ثانی کو ملا کر ایک شعر کے طور پر درج کر دیا گیا ہے۔ گویا "صوفی" کے اس اقتباس میں "مخزن" کے متروک اشعار میں سے شعر نمبر سترہ درج ہونے سے رہ گیا ہے اور شعر نمبر چھبیس درج کر دیا گیا ہے۔ "صوفی" کے اس اقتباس کا موازنہ کیا جائے تو ایک اختلاف نظر آتا ہے جہاں "صوفی" میں "کے آنکھوں" لکھا گیا ہے جبکہ "مخزن" اور "بانگِ درا" میں "کی آنکھوں" رقم کیا گیا ہے۔

<u>ستمبر ۱۹۱۹ء، قران السعدین، گرچہ تو زندانیِ اسباب ہے، ص ۷</u>

"صوفی" میں عنوان "قران السعدین" کے تحت لسان العصر اکبر الٰہ آبادی اور ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال کے کلام کے دو دو نمونے یکے بعد دیگرے درج کئے گئے ہیں۔ یہ غزل کلامِ اقبال کے انہی نمونوں میں سے پہلا نمونہ ہے۔ اس میں اقبال نے مسلمانوں کو لسان العصر کے پیغام کو یاد رکھنے کی طرف مائل کیا ہے۔ یہ غزل اقبال نے بزمِ خسرو دہلی کے مشاعرہ کے لئے لکھی "بیاضِ اقبال" میں اس غزل پر اقبال نے لکھا ہے کہ "بر مصرع مولینا اکبر ان وعد اللہ حق یاد رکھ برائے مشاعرہ بزمِ خسرو، دہلی (۴۷۴)"۔ "ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس غزل کے "صوفی" میں شائع ہونے کا حوالہ موجود ہے۔ تاہم پہلا مصرعہ درج کرتے ہوئے موصوف نے سہواً "اسباب" کو "احباب" لکھ دیا ہے (۴۷۵)۔ "صوفی" میں یہ غزل چار اشعار پر مشتمل ہے۔ "کلیاتِ اقبال (۴۷۶)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگِ درا (۴۷۷)" میں بھی یہ چار اشعار کی حامل ہے۔ گویا کوئی شعر ترک نہیں کیا گیا اور نہ ہی کوئی اصلاح کی گئی۔ البتہ "کلیاتِ اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں آیت کے الفاظ سہواً "یخلف" کے بجائے "تخلف" درج ہو گئے ہیں۔ نیز "بانگِ درا" میں کلامِ اقبال کے اس نمونے کو حصہ غزلیات کے آخر میں درج کیا گیا ہے جبکہ "کلیاتِ اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اسے "نکات (ظرافت آمیز اشعار)" کے ذیل میں رکھا گیا ہے۔

<u>ستمبر ۱۹۱۹ء، قران السعدین، سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں، ص ۷-۸</u>

یہ غزل "صوفی" میں "قران السعدین" کے زیرِ عنوان شائع ہونے والے کلامِ اقبال کا دوسرا نمونہ ہے۔ یہ غزل "مخزن" دسمبر ۱۹۰۴ء (۴۷۸) میں شائع ہوئی، پھر نومبر ۱۹۱۵ء کے "زمانہ (۴۷۹)" میں چھپی۔ "صوفی" میں اس غزل کی اشاعت کا حوالہ "ابتدائی کلامِ اقبال (۴۸۰)" اور ڈاکٹر صابر کلوروی

کی فہرست (۴۸۱) میں موجود ہے۔" صوفی" اور " مخزن" میں یہ غزل چودہ اشعار پر مشتمل ہے۔" کلیات اقبال (۴۸۲)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور " ابتدائی کلام اقبال (۴۸۳)" میں بھی اس کے چودہ اشعار پیش کئے گئے ہیں۔" نوادر اقبال (۴۸۴)" میں " کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق سے ہی چودہ اشعار کونقل کیا گیا ہے۔" بانگ درا (۴۸۵)" میں پیش کرتے ہوئے اقبال نے اس غزل کے شعر نمبر تین، پانچ، سات تا دس، بارہ اور تیرہ یعنی کل آٹھ اشعار کوترک کر دیا۔ یہ آٹھ متروک اشعار نظم کے مکمل نمونوں کے ساتھ ساتھ " باقیات اقبال (۴۸۶)" اور " رخت سفر (۴۸۷)" میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے اشعار کوترک کرنے کی وجہ بندشوں کا کمزور ہونا اور تکرار مضامین بیان کی ہے (۴۸۸)۔ متروک اشعار میں سے نویں اور دسویں شعر میں اختلاف متن نظر آتے ہیں۔" بانگ درا" کے حوالے سے دیکھا جائے تو پہلے، چوتھے اور چودھویں شعر میں اصلاحات بھی نظر آتی ہیں۔ ان اصلاحات واختلافات متن کی نشاندہی ڈاکٹر گیان چند (۴۸۹) اور ڈاکٹر صابر کلوروی (۴۹۰) نے کر دی ہے۔

نومبر ۱۹۱۹ء، سیاسی گداگری، بہت آزمایا ہے غیروں کو تو نے، ص ۳۳

یہ نظم جو چار اشعار کی حامل ایک چھوٹی سے تضمین کی صورت میں ہے۔ ۲۶ رستمبر اور ۲۷ رستمبر ۱۹۱۹ء کی درمیانی شب لکھی گئی۔ اقبال نے اسے " معارف" کے لئے لکھا اور اگلی صبح یعنی ۲۷ رستمبر ۱۹۱۹ء کو ایک خط کے ہمراہ اسے سید سلیمان ندوی مدیر " معارف" کے نام ارسال کر دیا۔ اس خط میں اقبال نے سید سلیمان ندوی کو لکھا کہ "... دوسرے صفحہ پر چند اشعار معارف کے لئے لکھتا ہوں، مدت سے یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی تھی۔ گزشتہ رات زکام کی وجہ سے سو نہ سکا، یہ تاثر ایک چھوٹی سے تضمین کی صورت میں منتقل ہو گیا۔ دردسر نے زیادہ شعر نہ لکھنے دیئے اور نہ طبیعت پر زیادہ زور دے سکا—— اگر یہ اشعار آپ کو پسند نہ ہوں یا رسالہ معارف کے لئے آپ انہیں موزوں تصور نہ فرمائیں تو واپس بھیج دیجئے (۴۹۱)"۔ یہ نظم اکتوبر ۱۹۱۹ء کے " معارف" میں شائع ہوئی (۴۹۲)۔" صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۴۹۳)۔ اقبال نے سید سلیمان ندوی کو ارسال کرتے ہوئے اس نظم پر کوئی عنوان درج نہیں کیا اور سید سلیمان ندوی کو عنوان تجویز کرنے کی دعوت دیتے ہوئے لکھا کہ " عنوان ان اشعار کا آپ خود تجویز کرلیں (۴۹۴)"۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی نے اس نظم کا عنوان " پولیٹیکل گداگری (۴۹۵)" تجویز کیا۔ اقبال نے ۱۰ ر اکتوبر ۱۹۱۹ء کے مکتوب بنام سید سلیمان ندوی میں اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ "... عنوان جو آپ نے تجویز فرمایا ہے ٹھیک ہے (۴۹۶)"۔"" صوفی" میں یہ " سیاسی گداگری" کے عنوان سے شائع ہوئی۔" کلیات اقبال (۴۹۷)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اسے " نکات (ظرافت آمیز اشعار)" کے ذیل میں بلاعنوان درج کیا گیا ہے۔" بانگ درا (۴۹۸)" میں اقبال نے اس کے لئے ایک اور عنوان " دریوزہ خلافت" پسند فرمایا، تاہم " بیاض اقبال" میں اس کا عنوان " خلافت و مسلمانان ہند (۴۹۹)" درج ہے۔ اقبال نے سید سلیمان ندوی کو اس نظم کے چار اشعار ارسال کئے تھے۔" معارف"، " صوفی"، " کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور " بانگ درا" میں یہ چار اشعار پر ہی مشتمل ہے تاہم " بانگ درا" میں اس کے پہلے شعر کو ترک کر کے اس کی جگہ نیا شعر پیش کیا ہے جسے جلیل قدوائی نے ناصحانہ اعتبار سے پہلے شعر کی نسبت بہتر خیال کیا ہے (۵۰۰)۔ اس متروک شعر میں ایک اختلاف نظر آتا ہے۔ اقبال نے سید سلیمان ندوی کو مکتوب

کے ہمراہ جو نظم ارسال کی تھی اس میں متروک شعر کے مصرعہ ثانی میں " خویش آ زمائی " تحریر کیا تھا (۵۰۱) - جبکہ " معارف " میں اسے " خود آ زمائی " لکھا گیا (۵۰۲) - اسی طرح "صوفی" اور" کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی اسے " خود آ زمائی " ہی تحریر کیا گیا ہے- حالانکہ " بیاض اقبال " میں بھی اسے " خویش آ زمائی " ہی لکھا گیا ہے- اسی طرح نظم کے شعر نمبر تین میں بھی اختلاف متن موجود ہے- اقبال نے سید سلیمان ندوی کو ارسال کردہ نظم میں اور " بیاض اقبال " میں " پادشائی " لکھا ہے- " بانگ درا " میں بھی اقبال نے یہی لکھا ہے جبکہ " صوفی " میں " بادشائی " اور " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں " بادشاہی " رقم کیا گیا ہے- اسی طرح " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس نظم کے دیگر متون سے اختلاف کرتے ہوئے " ہم جس کو " کو سہواً " جس کو ہم " لکھا گیا ہے- اس نظم کا چوتھا فارسی شعر جسے تضمین کیا گیا ہے میں اقبال نے ارادۃً لفظی تغیر کیا ہے- جس کا اقرار انہوں نے سید سلیمان ندوی کے نام ۲۷ر ستمبر ۱۹۱۹ء کے خط میں کیا ہے کہ اصل فارسی شعر کے لفظ " ناکساں " کو " دیگراں " میں تبدیل کر دیا گیا ہے- " بیاض اقبال " میں اقبال نے " دیگراں " کے آگے قوسین میں " (ناکساں) " لکھ کر کاٹ دیا ہے-

فروری ۱۹۲۰ء، مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آ ہو میں بند، ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند، ص ۱۴

چار اشعار پر مشتمل یہ چھوٹی سی نظم بقول اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی خواجہ حافظ شیرازی کے ایک فارسی شعر پر تضمین کی صورت میں ہے- یہ نظم اقبال نے ۲۶ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ، امرتسر میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسے میں اس وقت فی البدیہہ پیش کی جب مولانا محمد علی جوہر چھنڈواڑہ جیل سے اور مولانا شوکت علی بتویل جیل سے رہا ہو کر سیدھے امرتسر کی جلسہ گاہ میں پہنچے- اس زمانے میں برطانوی شہنشاہ کے حکم سے ہندوستان کے تمام سیاسی قیدیوں کو غیر مشروط رہا کیا گیا تھا- علی برادران کی رہائی بھی اس ضمن میں تھی- مسلم لیگ کے اس اجلاس میں علامہ اقبال سٹیج سیکرٹری تھے- آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر حکیم اجمل خاں کے حکم سے علامہ اقبال نے علی برادران کے خیر مقدم کے طور پر اس نظم کے اشعار پیش کئے (۵۰۳) - مولوی محمد عبدالرزاق نے " کلیات اقبال (۵۰۴) " میں اس نظم پر مختصر نوٹ درج کرتے ہوئے یہی معلومات فراہم کی ہیں کہ یہ اشعار علی برادران کے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر میں تشریف آوری کے موقعے پر پیش کئے گئے- یہ نظم جنوری ۱۹۲۰ء کے " نقیب " بدایوں میں " شہباز و شاہین " کے عنوان سے شائع ہوئی (۵۰۵) - ڈاکٹر گیان چند نے بھی بیاضوں کی روشنی میں اس کا یہی عنوان پیش کیا ہے (۵۰۶) - " صوفی " میں اس نظم کے دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی کو عنوان کے طور پر پیش کر دیا گیا ہے- " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اس کا عنوان " فلسفہ اسیری " درج کیا گیا ہے، جبکہ " بانگ درا (۵۰۷) " میں اقبال نے اس کا عنوان فقط " اسیری " تحریر کیا ہے- " صوفی "، " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق، " بانگ درا " اور " اقبال کے ہم نشین (۵۰۸) " سب جگہ یہ نظم چار اشعار پر مشتمل ہے، " بانگ درا " میں اس کا کوئی شعر ترک نہیں کیا گیا- تیسرے شعر میں ایک مقام پر اختلاف نظر آتا ہے، جہاں " صوفی "، " اقبال کے ہم نشین " اور " بانگ درا " میں " جو ہیں " لکھا گیا ہے- جبکہ " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اسے " کہ ہیں " تحریر کیا گیا ہے- اسی طرح خواجہ حافظ شیرازی کے فارسی شعر میں سہو کتابت کے آثار نظر آتے ہیں جیسے " صوفی " میں " قید وصید " کو " قید صید " لکھا گیا ہے اور " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں " ایں " کو "

کیں" لکھ دیا گیا ہے۔

مئی و جون ۱۹۲۰ء، کلام اقبال، ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز، ص ۲۱

انجمن حمایت اسلام لاہور کے پینتیسویں سالانہ اجلاس ۱۹۲۰ء میں اقبال نے کوئی مستقل نظم پیش کرنے کی بجائے دو تین چھوٹی نظمیں پیش کیں، جو "پیسہ اخبار" اور " کہکشاں" میں شائع ہوئیں (۵۰۹) ۔ "راقمہ کا قیاس ہے کہ "صوفی" کے زیر بحث شمارے میں " کلام اقبال" کے عنوان کے تحت اقبال کے کلام کے جو تین الگ الگ نمونے پیش کئے گئے ہیں وہی ہیں جن کو اقبال نے انجمن کے پلیٹ فارم سے پیش کیا تھا۔ زیر بحث نظم ان تینوں نظموں میں سے ایک ہے۔ یہ سات اشعار پر مشتمل ہے جو ایک نامعلوم فارسی شاعر کے ایک فارسی شعر پر تضمین کی صورت میں ہے۔ اس شعر کو "مہک (۵۱۰)" میں اقبال کے پسندیدہ اشعار کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ اس نظم کو اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے پینتیسویں سالانہ جلسے منعقدہ ۲ر تا ۴راپریل ۱۹۲۰ء کے ۴راپریل ۱۹۲۰ء بروز اتوار بوقت آٹھ بجے صبح کے پہلے اجلاس میں صدر انجمن نواب سر محمد ذوالفقار علی خاں کی صدارت میں پیش کیا۔ حاضرین کی درخواست پر پہلے تو اقبال پہلو تہی برتتے رہے، تاہم بالآخر یہ اشعار پیش کر کے حاضرین کو محظوظ کیا (۵۱۱) ۔ حاضرین میں اس وقت اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد بھی موجود تھے (۵۱۲) ۔ یہ نظم ۱۰راپریل ۱۹۲۰ء کے "پیسہ اخبار (۵۱۳)" میں شائع ہوئی۔ "ذکر اقبال (۵۱۴)" میں سہواً "پیسہ اخبار" میں نظم کی اشاعت کی تاریخ ۱۵راپریل ۱۹۲۰ء لکھی گئی ہے۔ اس کے تتبع میں ڈاکٹر صابر کلوروی نے بھی اپنی فہرست میں یہی غلط تاریخ ہی بیان کر دی ہے۔ ان کی فہرست میں اس نظم کے "صوفی" میں شائع ہونے کا حوالہ موجود ہے (۵۱۵) ۔ "پیسہ اخبار" اور " کلیات اقبال (۵۱۶)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کی اشاعت میں بھی اس نظم پر انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں پیش کئے جانے کا نوٹ درج کیا گیا ہے۔ 'صوفی" میں اس نظم کا کوئی عنوان موجود نہیں بلکہ یہ ایک اجتماعی عنوان " کلام اقبال" کے تحت درج کی گئی ہے۔ "پیسہ اخبار" میں یہ نظم " چراغ مصطفوی اور شرار بولہبی" کے عنوان سے، " کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "حیات ملیہ" کے عنوان سے درج ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے بیاضوں کی روشنی میں اس کا عنوان " فلسفہ حیات ملی" بیان کیا ہے۔ تاہم "بانگ درا (۵۱۷)" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے اسے "ارتقاء" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ "صوفی" اور دیگر اشاعتوں میں یہ سات اشعار کی حامل ہے۔ "بانگ درا" میں بھی اس کے سات اشعار ہیں۔ گویا کوئی شعر ترک نہیں کیا گیا۔ البتہ شعر نمبر چار تا سات کل چار اشعار میں اختلاف نظر آتا ہے۔ پانچویں اور ساتویں شعر کے اختلافات متن کی نشاندہی "اقبال اور انجمن حمایت اسلام" میں کر دی گئی ہے، جبکہ ساتویں شعر کے متعلق ایک اور اختلاف "مہک" میں بھی نظر آتا ہے۔ "صوفی"، "پیسہ اخبار" اور " کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کے چوتھے شعر میں " تب وتراش" لکھا گیا ہے، جبکہ "بانگ درا" میں " تپ وخراش" درج ہے۔ اسی طرح چھٹے شعر کے حوالے سے دیکھا جائے تو "صوفی" میں " تاب وملت" لکھا گیا ہے، جبکہ اس نظم کے دیگر تمام متون میں " تاب ملت" تحریر کیا گیا ہے۔

مئی و جون ۱۹۲۰ء، کلام اقبال، ہر زائر چمن سے یہ کہتی ہے خاک باغ، ص ۲۱

دو اشعار پر مشتمل یہ قطعہ "صوفی" میں " کلام اقبال" کے ذیل میں بلا عنوان چھپنے والا دوسرا نمونہ ہے۔ یہ متداول کلام اقبال میں شامل نہیں۔ "صوفی"

میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۵۱۸)- یہی وہ دو شعر ہیں جو بقول اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی، اقبال نے جلیانوالہ باغ امرتسر کے شہیدوں کی یادگار تعمیر کرنے کی غرض سے ۱۹۲۱ء میں چندے میں دیئے تھے (۵۱۹)- یہ قطعہ "صوفی" کے علاوہ "کلیات اقبال (۵۲۰)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق، "سرود رفتہ (۵۲۱)"، "باقیات اقبال (۵۲۲)"، "رخت سفر (۵۲۳)"، "نوادر اقبال (۵۲۴)" اور "اقبال کے ہم نشین (۵۲۵)" میں موجود ہے- "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں اسے "نکات (ظرافت آمیز اشعار)" کے ذیل میں پیش کیا گیا ہے- "سرود رفتہ" اور "باقیات اقبال" میں اس کا عنوان "جلیانوالہ باغ امرتسر" درج ہے- دونوں اشعار میں اختلاف متن موجود ہے- پہلے شعر میں "صوفی" اور دیگر میں "خاک باغ" لکھا گیا ہے جبکہ صرف "باقیات اقبال" میں اسے "خاک پاک" لکھا گیا ہے- ڈاکٹر صابر کلوروی نے لکھا ہے کہ "خاک پاک" کی ترکیب درست نہیں- صحیح ترکیب "خاک باغ" ہے (۵۲۶)- دوسرے شعر میں بھی ایک اختلاف ہے جہاں محض "صوفی" میں "جس کا" لکھا گیا ہے اور دیگر تمام متون میں "اس کا" درج کیا گیا ہے-

مئی و جون ۱۹۲۰ء، کلام اقبال، اخبار میں لکھتا ہے لندن کا پادری، ص ۲۱

چار اشعار کی حامل یہ نظم "صوفی" میں "کلام اقبال" کے ذیل میں بلاعنوان چھپنے والا تیسرا نمونہ ہے- یہ نظم اقبال کے متداول کلام کا حصہ نہیں- اسے اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے پینتیسویں سالانہ جلسے میں ۴؍اپریل ۱۹۲۰ء بروز اتوار، اڑھائی بجے بعد از دوپہر کے دوسرے اجلاس میں منشی الہ یار خاں منصف درجہ اول لاہور کی صدارت میں پیش کیا- اقبال نے اس جلسے میں حاضرین کو اپنے خیالات سے نوازا اور بتایا کہ ولایتی اخبار میں کنٹربری آف انگلینڈ (ولایت کے لاٹ پادری) نے کہا ہے کہ ہم اسلام کے دشمن نہیں- اقبال نے بتایا کہ لاہور کے بار روم میں اس کے متعلق دو چار شعر کہے تھے- جن سے ناظرین بھی محظوظ ہوں گے (۵۲۷)- اس نظم کے "صوفی" میں شائع ہونے کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۵۲۸)- "صوفی" کے علاوہ "کلیات اقبال" (۵۲۹) مرتبہ مولوی عبدالرزاق، "سرود رفتہ (۵۳۰)"، "باقیات اقبال (۵۳۱)"، "نوادر اقبال (۵۳۲)" اور "رخت سفر (۵۳۳)" میں بھی یہ نظم چار اشعار پر مشتمل ہے- روداد انجمن میں یہ نظم "لندن کا پادری" کے عنوان سے شائع ہوئی (۵۳۴)- "بیاض اقبال (۵۳۵)" میں یہ "پیغام اتحاد" کے عنوان سے موجود ہے، جبکہ اس نظم کے دیگر کسی متن پر عنوان درج نہیں- "نوادر اقبال" میں "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق سے نقل کرنے میں بے احتیاطی کی گئی ہے اور "مٹ جائے" کو "مٹ جاتے" لکھا گیا ہے- اسی طرح اس نظم کے دیگر تمام متون کے مقابلے میں محض "رخت سفر" میں "بلی چوہے کو" کی بجائے "چوہے کو بلی" تحریر کیا گیا ہے- "بیاض اقبال" میں دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی میں "دوں نہاد" لکھا گیا ہے جبکہ دیگر مطبوعہ متون میں اسے "بدنہاد" تحریر کیا گیا ہے- بیاض کے حوالے سے ڈاکٹر صابر کلوروی نے چوتھے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں اختلاف متن کو بھی پیش کیا ہے (۵۳۶)-

اگست ۱۹۲۰ء، والدہ مرحومہ کی یاد میں، ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے، ص ۶-۹

یہ نظم ایک شخصی مرثیہ ہے جو اقبال نے اپنی والدہ محترمہ امام بی بی کی یاد میں تصنیف کیا ہے- عبدالمجید سالک اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "... شاید ہی

دنیا کی زبانوں میں اس مرثیے کی کوئی نظیر مل سکے (۵۳۷) -" والدہ اقبال نے ۹ رنومبر ۱۹۱۴ء کو انتقال فرمایا، اقبال نے اگست ۱۹۱۵ء (۵۳۸) میں یہ نظم لکھی اور خوش نویس سے لکھوا کر اپنے والد محترم کو سیالکوٹ بھجوا دی جس میں بقول اعجاز احمد گیارہ بند اور نواسی اشعار تھے (۵۳۹) - اقبال نے کسی اخبار یا رسالے کو اشاعت کی غرض سے یہ نظم فراہم نہ کیا- لیکن ماہنامہ 'صوفی' میں اقبال کی یہ نظم بلا اجازت شائع کر دی گئی - "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کی تفصیل اس مقالے کے باب سوم میں بیان کر دی گئی ہے- ڈاکٹر منیر احمد سلیچ "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کا صحیح حوالہ بیان نہیں کر پائے (۵۴۰)، جبکہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس نظم کی اشاعت کا صحیح حوالہ موجود ہے (۵۴۱) - "صوفی" میں یہ نظم گیارہ بند اور ستانوے اشعار پر مشتمل ہے- "کلیات اقبال (۵۴۲)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی بندوں اور اشعار کی تعداد "صوفی" کے مطابق ہے- شیخ اعجاز احمد کے بقول جو نظم سیالکوٹ بھجوائی گئی تھی وہ نواسی اشعار پر مشتمل ہے یوں دیکھا جائے تو "صوفی" اور سیالکوٹ والی نظم میں آٹھ اشعار کا فرق سامنے آتا ہے، جبکہ شیخ اعجاز احمد نے نو اشعار (۵۴۳) کا فرق بیان کیا ہے جو درست نہیں- "بانگ درا (۵۴۴)" میں درج کرتے ہوئے اقبال نے اس کے ستانوے اشعار میں سے چھیاسی اشعار (۵۴۵) درج کیے اور شعر نمبر پانچ، چوبیس، پچیس، اکتیس، انچاس، پچاس، اٹھاون اور اسی تا تراسی کل گیارہ اشعار ترک کر دیئے اور بند نمبر تین اور پانچ کو دو دو حصوں میں تقسیم کر کے دو زائد بندوں کی مدد سے گیارہ بندوں کو تیرہ بنا دیا- اس نظم میں سے اشعار ترک کرنے کے عمل کو جگن ناتھ آزاد نے فنی طور پر قابل تحسین قرار دیا ہے- وہ لکھتے ہیں کہ " اشعار کو حذف کر دینے کا کمال فن اس نظم میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے جس کا عنوان ہے "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" - اس نظم میں اقبال نے مصرعوں میں تبدیلی نہیں کی لیکن گیارہ اشعار حذف کر کے نظم کے تاثر میں بحیثیت مجموعی ایک شدید اضافہ کر دیا ہے (۵۴۶) -" ڈاکٹر صابر کلوروی نے ان اشعار کو ترک کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان میں سے بعض اشعار زائد تھے اور بعض کی بندشیں کمزور تھیں (۵۴۷) - متروک اشعار کی نشاندہی "سرود رفتہ (۵۴۸)"، "رخت سفر (۵۴۹)"، "باقیات اقبال (۵۵۰)"، "تنقیدیں اور خاکے (۵۵۱)" اور "نقوش (۵۵۲)" میں ہو چکی ہے تاہم ان میں سے "تنقیدیں اور خاکے" میں متروک شعر نمبر اکتیس کی نشاندہی نہیں کی گئی- "روزگار فقیر (۵۵۳)" میں ان گیارہ اشعار کے علاوہ مزید ایک شعر پیش کر دیا گیا ہے، جس کی نشاندہی بیاضوں کی روشنی میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بھی کر چکے ہیں (۵۵۴) - ڈاکٹر صابر کلوروی نے بھی اس نظم کے آٹھ اشعار کو غیر مطبوعہ قرار دے کر پیش کیا ہے (۵۵۵) - جن میں سے چار اشعار "اورینٹل کالج میگزین (۵۵۶)" میں طبع ہو چکے ہیں اور ایک شعر جو مکمل متروک نہیں ہے ترمیم و اضافہ کے ساتھ 'صوفی" میں سولہویں اور "بانگ درا" میں پندرہویں شعر کے طور پر موجود ہے- یوں گویا ڈاکٹر صابر کلوروی حقیقتاً تین غیر مطبوعہ اشعار پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں- ان متروک اشعار میں اختلافات متن بھی موجود ہیں- جیسے "صوفی" میں "میں جب" لکھا ہے جبکہ "سرود رفتہ"، "باقیات اقبال" اور "نقوش" میں "میں جب میں" لکھا گیا ہے- "صوفی" اور دیگر متون میں "قومی فطرت" ہے جبکہ "نقوش" میں "قوی فطرت" لکھا گیا ہے- "صوفی" اور دیگر متون میں "ہے مدفن" رقم ہے جبکہ "نقوش" میں "مدفن ہے" تحریر کیا گیا ہے- اسی طرح "صوفی" اور "تنقیدیں اور خاکے" میں "لپٹا ہوا" لکھا گیا ہے جبکہ دیگر تمام متون میں "لپٹا ہوا" درج کیا گیا ہے- ڈاکٹر صابر کلوروی اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے پیش کردہ اشعار میں بھی اختلافات متن پائے جاتے ہیں-"

صوفی" اور "بانگ درا" کے متن کو سامنے رکھیں تو چند اصلاحات بھی نظر آتی ہیں۔ جیسے "صوفی" میں " کھوئی ہوئی" تھا "بانگ درا" میں " کھوئے ہوئے" تحریر کیا گیا۔ "صوفی" میں " خاک بے سپر" تھا "بانگ درا" میں " خاک پے سپر" لکھا گیا۔ "صوفی" میں "بیدردی" تھا "بانگ درا" میں "بیداری" لکھا گیا۔ "صوفی" میں "ہوتی ہیں"، "آ گئی"، "آزاد ہے"، "فنا معمور" اور "جہاں بے خامئی" لکھا گیا تھا جسے "بانگ درا" میں بالترتیب "ہوتے ہیں"، "آباد ہے" "فضا معمور" اور " وہاں بے حاصلی" لکھا گیا۔ اسی طرح "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کے متن کا "بانگ درا" سے موازنہ کیا جائے تو چند مزید اختلافات ملتے ہیں۔ "اصلاحات اقبال (۵۵۷)" میں "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق کے حوالے سے ایک اصلاح درج کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صابر کلوروی (۵۵۸) نے اس نظم کے شعر نمبر چار، سولہ اور چورانوے اور جلیل قدوائی (۵۵۹) نے شعر نمبر ترپن کی ابتدائی صورتوں کو پیش کیا ہے۔

<u>اگست ۱۹۲۰ء، پیغام اقبال، ہم نشیں افسانہ بیداری جمہور چھیڑ، ص ۱۷</u>

یہ نظم "صوفی" کے اس شمارے میں شائع کی گئی جس میں اقبال کی نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کو بلا اجازت شائع کر دیا گیا تھا۔ نیز اس نظم کے "صوفی" سے پہلے کسی اخبار یا رسالے میں اشاعت پذیر ہونے کے شواہد موجود نہیں۔ اس لئے راقمہ کا قیاس ہے کہ یہ غیر مطبوعہ اشعار بھی اسی واسطے اور ذریعے سے حاصل کئے گئے جس سے "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کے حصول کو ممکن بنایا گیا تھا۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں "صوفی" کے اسی شمارے میں شائع ہونے والی نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کا حوالہ تو موجود ہے تاہم "پیغام اقبال" کے عنوان سے شائع ہونے والی اس نظم کا حوالہ درج نہیں کیا گیا (۵۶۰)۔ گویا یا تو اس شمارے سے استفادہ کرنے میں بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا گیا ہے یا شمارہ ملاحظہ کئے بغیر کسی دیگر ماخذ سے ایک نظم کا دستیاب حوالہ ماخذ بیان کئے بغیر درج کر دیا گیا ہے۔ "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کے بعد رسالہ "زمانہ (۵۶۱)" نے اسے اپنی ستمبر ۱۹۲۰ء کی اشاعت میں پیش کیا۔ 'صوفی" میں شائع ہونے والی چھ اشعار کی اس نظم کو اقبال نے آئندہ اپنی مقبول عام نظم "خضر راہ" کا ایک جز بنا کر پیش کیا۔ "بانگ درا (۵۶۲)" میں یہ اشعار کی ترتیب میں تبدیلی اور چند اصلاحات کے ساتھ "خضر راہ" کے ذیلی عنوان "سرمایہ و محنت" کے تحت آٹھویں بند کے طور پر موجود ہے۔ مکمل نظم "خضر راہ" کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ نظم شعر نمبر ستاون سے باسٹھ تک موجود ہے۔ بند میں موجود اشعار کی ترتیب میں تبدیلی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو "بانگ درا" میں اقبال نے اس نظم کے پہلے شعر کو دوسرے، دوسرے کو چوتھے، چوتھے کو پانچویں اور پانچویں کو پہلے کے طور پر پیش کیا جبکہ تیسرے اور چھٹے شعر کی ترتیب کو برقرار رکھا۔ "خضر راہ" کا جز بناتے ہوئے اقبال نے اس نظم کے پہلے شعر کے پہلے مصرعے کو جو نظم کی انفرادی تمہیدی حیثیت میں موثر خطابیہ ندائیہ انداز لئے ہوئے تھا کو "خضر راہ" کے سیاق و سباق میں ڈھالنے اور مصرعے کی انفرادی اور تمہیدی حیثیت کو ختم کرنے کے لئے اصلاح سے ہمکنار کرتے ہوئے اسے نیا روپ عطا کیا ہے۔ "تنقیدیں اور خاکے (۵۶۳)" میں اس اصلاح کا احاطہ کیا گیا ہے تاہم جلیل قدوائی نے نئے مصرعے کے مقابلے میں پرانے مصرعے کو پسند کیا ہے۔ علاوہ ازیں "صوفی" میں اس نظم کے چھٹے شعر میں "ناداں ہو" لکھا گیا ہے جبکہ "زمانہ" اور "بانگ درا" میں "آزاد ہو" موجود ہے۔ "زمانہ" میں اس نظم کے چوتھے شعر میں املا کی بھی ایک غلطی موجود ہے جہاں "مرہم" کو "مرحم" لکھا گیا ہے۔

دسمبر۱۹۲۱ء، سرمایہ داروں کا تکیہ، سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں، ص۱۱

"صوفی" کے اس شمارے میں " کلام اقبال " کے تحت چار ظریفانہ مختصر منظومات پیش کی گئی ہیں، جن میں سے یہ پہلے نمبر پر درج کی گئی ہے۔ "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۵۶۴)۔ یہ دو اشعار پر مشتمل اور حکومت کی طرف سے کونسل ہال کی تعمیر پر ایک بھرپور طنز ہے۔ " کلیات اقبال (۵۶۵) " مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور " بانگ درا (۵۶۶) " میں اس کے دو اشعار بلاعنوان درج کئے گئے ہیں۔ جبکہ " بیاض اقبال (۵۶۷) " میں اس کا عنوان اقبال نے " نکتہ " تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے بیاضوں کی روشنی میں اس کا عنوان " سرمایہ داروں کا تکیہ " بیان کیا ہے (۵۶۸)۔ جو "صوفی" میں پیش کردہ عنوان کے مطابق ہے۔ متن کا کوئی اختلاف یا اصلاح موجود نہیں۔

دسمبر۱۹۲۱ء، لشکر یاجوج ماجوج، محنت و سرمایہ دنیا میں صف آراء ہو گئے، ص۱۱

" صوفی " میں " کلام اقبال " کے تحت دوسرے نمبر پر یہ ظریفانہ نظم پیش کی گئی ہے، جو تین اشعار پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں اس کا حوالہ موجود ہے (۵۶۹)۔ یہ قطعہ سب سے پہلے " صوفی " میں شائع ہوا (۵۷۰)۔ " کلیات اقبال (۵۷۱) " مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور " بانگ درا (۵۷۲) " میں اس کے تین اشعار بلاعنوان درج کئے گئے ہیں۔ " بیاض اقبال (۵۷۳) " میں اس کا عنوان " نکتہ " ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے بیاضوں کی روشنی میں اس کا عنوان " لشکر یاجوج و ماجوج " بیان کیا ہے (۵۷۴)، جو " صوفی " میں شائع ہونے والے عنوان کے مطابق ہے۔ اس نظم کا عنوان ایسا ہے کہ جس کے بارے میں اقبال بہت متجسس رہے اور اس سلسلے میں اپنی معلومات بڑھانے کے مواقع تلاش کرتے رہتے تھے۔ جیسے ۱۰/اکتوبر ۱۹۱۹ء کے مکتوب میں سید سلیمان ندوی سے کہتے ہیں کہ " کاش " یاجوج و ماجوج " پر آپ کوئی مضمون لکھتے، یہ امر تحقیق کا محتاج ہے (۵۷۵)۔ " اسی طرح نومبر ۱۹۲۸ء کو آل انڈیا اورینٹل کانفرنس لاہور کے ایک اجلاس میں شریک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے استاد پروفیسر ٹریٹن جنہوں نے " دجال " کے موضوع پر تحقیقی مضمون پیش کیا تھا سے علامہ اقبال نے یاجوج و ماجوج کے الفاظ کی ماہیت جاننے سے متعلق سوال کیا لیکن انہوں نے لاعلمی ظاہر کی (۵۷۶)۔ گویا اس نظم میں یاجوج و ماجوج کو ایک معنویت عطاء کرنے کے بعد بھی ان کی تسکین نہ ہوئی اور وہ مزید جاننے کے خواہاں رہے۔ اس ظریفانہ نظم میں بھی کوئی اصلاح یا اختلاف موجود نہیں۔

دسمبر۱۹۲۱ء، ماران غوک خور، کارخانے کا ہے مالک مردک ناکردہ کار، ص۱۱

روزنامہ " زمیندار " میں یہ نظم ۱۸/نومبر ۱۹۲۱ء کو شائع ہوئی (۵۷۷)۔ " صوفی " میں " کلام اقبال " کے تحت پیش کی جانے والی یہ تیسری ظریفانہ نظم ہے جو دو اشعار کی حامل ہے۔ " صوفی " میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۵۷۸)۔ " کلیات اقبال (۵۷۹) " مرتبہ مولوی عبدالرزاق، " انوار اقبال (۵۸۰) " اور " بانگ درا (۵۸۱) " میں اس کے دو اشعار بلاعنوان پیش کئے گئے ہیں۔ " بیاض اقبال (۵۸۲) " میں اس کا عنوان " نکتہ " ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے بیاضوں کی روشنی میں اس کا عنوان " ماران غوک خوار " درج کیا ہے (۵۸۳)۔ " کلیات اقبال " مرتبہ مولوی عبدالرزاق

میں دیگر متون کے برعکس "کارخانے" کو "کارخانہ" لکھا ہے۔ دیگر کوئی اختلاف متن یا اصلاح موجود نہیں۔

دسمبر ۱۹۲۱ء، چورن، شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ "رندلم یزل"، ص ۱۱

"صوفی" میں "کلام اقبال" کے تحت شائع ہونے والی یہ چوتھی اور آخری ظریفانہ نظم ہے، جو چار اشعار پر مشتمل ہے۔ "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں درج ہے (۵۸۴)۔ "کلیات اقبال (۵۸۵)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا (۵۸۶)" میں اس کے چار اشعار بلاعنوان پیش کیے گئے ہیں۔ "بیاض اقبال (۵۸۷)" میں اس کا عنوان "چورن" درج کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے بھی بیاضوں کی روشنی میں اس کا عنوان "چورن" ہی بتایا ہے (۵۸۸)۔ "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا" کے برعکس "صوفی" میں "مداوا" کو "مداوئی" لکھا گیا ہے۔ "بیاض اقبال" میں اقبال نے اسے "مداوے" تحریر کیا ہے۔ اس کے علاوہ متن کا کوئی اختلاف یا اصلاح موجود نہیں۔

مئی ۱۹۲۲ء، خضر راہ، ساحل دریا پہ میں اک رات تھا محو نظر!، ص ۱۱-۱۳

اقبال نے یہ نظم ۱۶/اپریل ۱۹۲۲ء (۵۸۹) کو انجمن حمایت اسلام کے سینتیسویں سالانہ جلسے منعقدہ اسلامیہ ہائی سکول، شیرانوالہ دروازہ، لاہور کے آخری اجلاس (۵۹۰) میں بعد از نماز مغرب سنائی۔ روزنامہ "سیاست" اور "پیسہ اخبار" نے اس کو شائع کیا (۵۹۱)۔ "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۵۹۲)۔ "صوفی" نے اس کو "ابوظفر" کے نوٹ کے ہمراہ روزنامہ "سیاست" سے حوالہ ماخذ درج کرتے ہوئے نقل کیا۔ تاہم اس کے باوجود ڈاکٹر صابر کلوروی کو مغالطہ ہوا ہے کہ یہ نظم "ابوظفر" نے رسالہ "صوفی" کو ارسال کی (۵۹۳)۔ اس نظم کو پیش کرنے سے قبل اقبال نے بقول جسٹس ایس۔ اے رحمان سامعین کو اس کی نقل لینے سے منع کیا تھا (۵۹۴)۔ شاید اسی وجہ سے روزنامہ "سیاست" میں اس نظم پر نوٹ درج کرنے والے نے اپنا نام محض "ابوظفر" ظاہر کیا اور اس خیال سے کوئی سابقہ لاحقہ استعمال نہیں کیا کہ کہیں آسانی سے پہچانا نہ جائے۔ اس زمانے میں شعر و ادب سے متعلق ''ابوظفر،، نام کی دو تین شخصیات موجود تھیں۔ جن میں سے ایک ''مولانا ابوظفر صاحب نازش رضوی (۵۹۵)" تھے، دوسرے منشی ابوظفر صاحب واثقؔ (۵۹۶) " تھے، تیسرا نام ڈاکٹر صابر کلوروی پیش کرتے ہیں۔ ان کے مطابق "ابوظفر" منشی محمد الدین فوقؔ کا قلمی نام تھا (۵۹۷)۔ محمد الدین فوقؔ کے ایک بیٹے کا نام ظفر تھا اور وہ ظفر برادرز کے نام سے اشاعت کتب کا کام بھی کرتے رہے۔ نیز فوقؔ کے "کشمیری میگزین" میں کشمیریوں کو سخن تلخ و شیریں، کہنے کے لئے "ابوظفر" کے نام سے مضامین بھی موجود ہیں۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کے خیال میں اس نظم پر درج کیا گیا نوٹ محمد الدین فوقؔ کا ہے، تاہم یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہر حال یہ نوٹ بجائے خود بڑا اہم اور معلومات افزاء ہے۔ نوٹ یوں ہے کہ "ترجمان حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹرایٹ لا کی نظم جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے ۳۷ ویں سالانہ جلسہ میں پڑھی گئی۔ اور جس نے نہ صرف ڈاکٹر صاحب کو بلکہ سامعین اور حاضرین کو جن کی تعداد ہزار تک تھی بے اختیار رلا دیا۔ اور اکثر لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ۔ نظم غلط نہ چھپ سکے۔ اور اسی لئے بعض الفاظ جو سنے نہیں جا سکے۔ یا جن کی سمجھ نہیں آ سکی چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ نظم کے جتنے بند جلسے میں پڑھے گئے ہیں وہ سب لکھ لئے گئے ہیں۔ مگر نظم

ابھی نامکمل ہے۔اور ڈاکٹر صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ بعد از تکمیل نظم بہت جلد چھاپ دیجائیگی۔اس نظم نے جو واقعی ترجمان حقیقت کیلئے ہی مبدء فیاض سے ودیعت کیگئی تھی۔حاضرین کے دل ودماغ پر جو وجدانی کیفیت طاری کی وہ بیان سے باہر ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اس مرتبہ یہ نظم نہ چھپوائی اور نہ لکھکر پڑھی۔ بلکہ ان کے حافظہ و ذہانت کا کمال یہ ہے کہ یہ نظم زبانی پڑھی گئی اور ابھی اور بھی پڑھی جاتی۔لیکن بوجہ علالت ڈاکٹر صاحب اس سے زیادہ نہ پڑھ سکے۔ (ابوظفر) (۵۹۸) " گویا "صوفی" میں مندرج یہی ساٹھ اشعار پر مشتمل آٹھ بند ہی جلسے میں پیش کئے جاسکے۔شعوری طور پر نظم کو اغلاط سے پاک رکھنے کی کوشش کے باوجود "صوفی" میں چھپنے والی اس نظم کے "بانگ درا (۵۹۹)" اور ۱۹۲۲ء میں کتابچے کی صورت میں چھپنے والی نظم "خضر راہ (۶۰۰)" سے موازنے کے بعد لاتعداد اغلاط نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (۶۰۱) اور عارف عبدالمتین (۶۰۲) نے اس نظم کا زمانہ تالیف ۱۹۴۱ء بیان کیا ہے، جبکہ بیاضوں کی روشنی میں اس نظم کا جو سن تصنیف سامنے آتا ہے وہ جنوری ۱۹۲۰ء (۶۰۳) ہے۔راقمہ کا خیال ہے کہ ایسی نظم کی تعمیر کا خیال بہت پہلے سے ان کے ذہن میں تھا اور وہ جزواً جزواً اس کی تکمیل کے لئے ۱۹۱۲ء سے ذہنی طور پر مصروف تھے، یونکہ فروری ۱۹۱۲ء میں لکھی گئی نظم "شمع و شاعر" جو "صوفی" اور "تمدن" جون ۱۹۱۲ء کی اشاعتوں میں شامل ہوئی کے ساتویں بند کے پہلے شعر کو "خضر راہ" میں شامل کرنے کے لئے حذف کیا گیا۔جس کا پہلا مصرعہ من وعن اس نظم کے دسویں بند میں شعر نمبر ستر کے مصرعہ اولیٰ کے طور پر "خضر راہ" (۱۹۲۲ء) اور "بانگ درا" میں موجود ہے۔اسی طرح اقبال کی نظم "دریوزہ خلافت" میں تضمین کی بنیاد بننے والے فارسی شعر کے مفہوم کو بھی اس نظم میں پیش کرنے کے لئے منتخب کیا اور "خضر راہ" (۱۹۲۲ء) اور "بانگ درا" میں دسویں بند کے شعر نمبر اکہتر کے مصرعہ اولیٰ کی زینت بنا دیا۔ "صوفی" کے ستمبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں ع " گرچہ تو زندانی اسباب ہے" والی غزل کے تیسرے شعر میں جس آیت کا حوالہ درج کیا گیا تھا۔اس کو اس نظم کے سب سے آخری مصرعے میں پہلے سے زیادہ موثر انداز سے پیش کیا گیا۔اسی طرح اقبال نے "خضر راہ" (۱۹۲۲ء) اور "بانگ درا" کے پانچویں بند کا شعر نمبر سینتیس جو ٹیپ کا شعر ہے اپنی نظم " کلاہ لالہ رنگ " سے "خضر راہ" کے لئے انتخاب کیا (۶۰۴)۔یوں اقبال نے رفتہ رفتہ اس نظم کے لئے اتنا مواد جمع کرلیا کہ انہیں نظم کے معیار کو برقرار رکھنے کے لئے بعض بند خود نکال دینا پڑے (۶۰۵)۔بیاضوں کی روشنی میں اس نظم کا جو سن تصنیف جنوری ۱۹۲۰ء سامنے آتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس سن تک اقبال نے اس نظم کی تعمیر و تشکیل کا بنیادی کام انجام دے لیا تھا، تاہم راقمہ کا خیال یہ ہے کہ یہ نظم اس سن تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچی بلکہ انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں پیش کرنے تک بھی یہ اپنی موجودہ شکل میں اقبال کے پاس موجود نہ تھی۔کیونکہ جلسہ میں پیش کیا گیا جو نامکمل متن "صوفی" میں شائع ہوا ہے اس میں "خضر راہ" (۱۹۲۲ء) اور "بانگ درا" میں چھپنے والا بند نمبر آٹھ موجود نہیں جو اگست ۱۹۲۰ء کے "صوفی" میں طبع ہو چکا تھا۔بلکہ " خضر راہ" (۱۹۲۲ء) اور "بانگ درا" کے بند نمبر نو کو آٹھ کے طور پر پیش کیا گیا۔گویا اس وقت تک اقبال نے "خضر راہ" (۱۹۲۲ء) اور "بانگ درا" کے بند نمبر آٹھ کو اس نظم میں شامل کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔یعنی نظم ابھی تکمیلی مراحل میں تھی اور آٹھویں بند کو شامل کر کے بعد از تکمیل اقبال نے اپنے وعدے کے بموجب اس نظم کو ۱۴ مئی ۱۹۲۲ء سے قبل شائع کرادیا (۶۰۶)۔"خضر راہ" کی یہ اشاعت اقبال کے منشی طاہر الدین کی وساطت سے ہوئی جنھوں نے مصنف کی

اجازت سے۱۹۲۲ء میں کریمی سٹیم پریس لاہور سے چھپوا کر پہلی بار اسے سولہ صفحات کے ایک کتابچے کی صورت میں پیش کیا (٦٠٧) - ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے منشی طاہرالدین کے حوالے سے چھپنے والی "خضرراہ" کا سن ۱۹۲۴ء بیان کیا ہے ممکن ہے انہیں بعد کا کوئی ایڈیشن دستیاب ہوا ہو کیونکہ ٦ر جنوری ۱۹۲۳ء کے "زمیندار" میں بھی طاہرالدین کی معرفت ایک اشتہار چھپا ہے جس میں "خضرراہ" کو فروخت کے لئے پیش کیا گیا ہے (٦٠٨) - ۱۹۲۲ء میں چھپنے والی "خضرراہ" اور "بانگ درا" میں شامل "خضرراہ" دونوں کے بندوں اور اشعار کی تعداد یکساں ہے- صرف دو مقامات پر متن کا اختلاف نظر آتا ہے- جیسے "خضرراہ" (۱۹۲۲ء) میں ایک مقام پر "آذری" لکھا گیا ہے تو "بانگ درا" میں اسے "ذ" کے بجائے "ز" سے تحریر کیا گیا ہے- "خضرراہ" (۱۹۲۲ء) میں شعر نمبر ترپن کے مصرعہ ثانی میں "چن چن کر" لکھا گیا ہے تو "بانگ درا" میں "چن چن کے" تحریر ہے- "کلیات اقبال (٦٠٩)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی یہ نظم موجود ہے- جو گیارہ بند اور چھیاسی اشعار کی حامل ہے- "خضرراہ" (۱۹۲۲ء) اور "بانگ درا" میں اقبال نے اس نظم کا شعر نمبر چالیس جو چھٹے بند کا تیسرا شعر ہے کو ترک کر کے بقیہ پچاسی اشعار گیارہ بندوں میں پیش کر دیئے- یہ متروک شعر "صوفی" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں موجود ہونے کے علاوہ "روزگار فقیر (٦١٠)"، "اقبال کی طویل نظمیں (٦١١)"، "اقبال اور انجمن حمایت اسلام (٦١٢)" اور "صحیفہ (٦١٣)" میں پیش کر دیا گیا ہے- تاہم "اقبال کی طویل نظمیں" میں متروک شعر میں اختلاف متن نظر آتا ہے- جہاں "ہے یہ" کو "یہ ہے" لکھا گیا ہے- "خضرراہ" (۱۹۲۲ء) اور "بانگ درا" میں درج اس نظم میں اصلاحیں بھی کیں جن میں سے کچھ "اقبال اور انجمن حمایت اسلام"، "تنقیدیں اور خاکے"، "اصلاحات اقبال (٦١٤)" اور "صحیفہ" اکتوبر دسمبر ۱۹۸٦ء میں پیش کر دی گئی ہیں- علاوہ ازیں "جہاں پیائے" کو "بانگ درا" میں "جہاں پیا"، "اگر کوئی عمل" کو "عمل کوئی اگر"، "زکوت" کو "زکات"، "پھر ہو" کو "ہو پھر" کر دیا گیا- "خضرراہ" (۱۹۲۲ء) اور "بانگ درا" میں اقبال نے اس نظم کی ترتیب اشعار کو بھی بعض جگہ تبدیل کیا- جیسے دوسرے بند میں شعر نمبر بارہ تیرہ کی ترتیب کو اور پانچویں بند میں شعر نمبر چونتیس پینتیس کی ترتیب کو الٹ دیا اور چھٹے بند میں شعر نمبر چوالیس کو چالیس بنا ڈالا اور شعر نمبر پینتالیس، چھیالیس کو بیالیس، تینتالیس کے طور پر پیش کیا- "صوفی" میں درج ہونے والی نظم میں ذیلی اور ضمنی عنوانات بھی درج نہیں تھے "خضرراہ" (۱۹۲۲ء) اور "بانگ درا" میں ان کا التزام بھی تھا-

<u>نومبر ۱۹۲۲ء، ستارہ، قمر کا خوف کہ ہے خطرہ سحر تجھکو، ص ۲۳</u>

یہ نظم جولائی ۱۹۰۹ء کے "مخزن (٦١٥)" میں شائع ہوئی- "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (٦١٦)- "صوفی"، "مخزن"، "کلیات اقبال (٦١٧)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا (٦١٨)" میں یہ آٹھ اشعار اور دو بندوں کی صورت میں ہے- گویا کوئی شعر ترک نہیں کیا گیا- البتہ ساتویں شعر کے مصرعہ ثانی میں ایک اختلاف نظر آتا ہے یعنی "مخزن" اور "صوفی" میں "آئینہ وار" لکھا ہے جبکہ "بانگ درا" میں اسے "آئینہ دار" لکھا گیا ہے- "بیاض بانگ درا (٦١٩)" میں اس نظم کے تین اشعار میں اصلاح کی گئی ہے-

<u>نومبر ۱۹۲۲ء، پیام صبح، اجالا جب ہوا رخصت جبین شب کی افشاں کا، ص ۳۰</u>

اس نظم کا ماخذ اقبال نے "لانگ فیلو (۶۲۰)" بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند کے مطابق لانگ فیلو ایک امریکی شاعر تھا۔ اقبال نے اس کی انگریزی نظم "Day Break" سے استفادہ کیا ہے (۶۲۱)۔ "پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی" نے ۱۸/اکتوبر ۱۹۲۴ء کو اقبال سے محکمہ تعلیم کے نصاب میں شامل کرنے کے لئے ان کی جن چار نظموں کے سلسلے میں اجازت چاہی تھی۔ یہ نظم بھی ان میں سے ایک ہے (۶۲۲)۔ یہ نظم یکم اکتوبر ۱۹۰۳ء کے "اردوئے معلٰی" میں شائع ہوئی (۶۲۳)۔ بعدازاں ۲۳/دسمبر ۱۹۰۳ء کے "فتنہ وعطر فتنہ" میں اشاعت پذیر ہوئی (۶۲۴)۔ "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۶۲۵)۔ "ابتدائی کلام اقبال (۶۲۶)" میں اس نظم کو "فتنہ وعطر فتنہ" سے نقل کیا گیا ہے۔ جہاں یہ بارہ اشعار کی حامل ہے۔ "کلیات اقبال (۶۲۷)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی اس کے بارہ اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ تاہم "صوفی" کی اشاعت میں یہ گیارہ اشعار پر مشتمل ہے، اور نظم کی ابتدائی اشاعت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس میں نواں شعر جو متروک کے ذیل میں آتا ہے درج نہیں کیا گیا۔ اقبال نے اسے "بانگ درا" میں شامل کیا تو محض نو اشعار پیش کئے گویا "صوفی" کے مطابق شعر نمبر چھ، سات، کل دو اشعار ترک کئے اور ابتدائی متن کو دیکھا جائے تو شعر نمبر چھ، سات، نو کل تین اشعار ترک کئے۔ "رخت سفر (۶۲۸)" میں تینوں متروک اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ "صوفی" کے متن کے حوالے سے دیکھا جائے تو اقبال نے شعر نمبر آٹھ تا گیارہ کل چار اشعار میں اصلاحات کیں جن کا احاطہ "ابتدائی کلام اقبال"، "اصلاحات اقبال (۶۲۹)" اور "مہک (۶۳۰)" میں ہو چکا ہے۔

فروری ۱۹۲۳ء، مدینہ کے کبوتر کی یاد، رحمت ہو تیری جاں پراے مرغ نامہ بر، ص ۳

یہ نظم الحاقی کلام کا نمونہ ہے۔ یہ علامہ اقبال کی تحریر کردہ تو نہیں البتہ باعث تحریر اقبال کی ذات ہی ہے۔ حقیقتاً یہ نظم مولانا ظفر علی خاں کی ہے جو انہوں نے علامہ اقبال کے ایک مرحوم کبوتر کی یاد میں تصنیف کی۔ یہ نظم مولانا ظفر علی خاں کے روزنامے "ستارہ صبح (۶۳۱)" میں ۲۴/نومبر ۱۹۱۷ء کو شائع ہوئی۔ عبدالمجید سالک نے سہواً "ستارہ صبح" میں اشاعت کی تاریخ ۴/نومبر ۱۹۱۷ء بیان کی ہے (۶۳۲) جو درست نہیں۔ "ستارہ صبح" میں اس نظم پر عنوان کو ساتھ ملا کر یہ نوٹ تحریر کیا گیا تھا کہ "مدینہ کے ایک کبوتر کی یاد میں. جسے علامہ کے ارادت کیش ہاتھوں نے پالا تھا۔ مگر ۲۰/نومبر ۱۹۱۷ء کو ایک بلی کا شکار ہو گیا۔" اس نوٹ میں علامہ اقبال کا ذکر تو تھا لیکن نظم کے ساتھ بحیثیت شاعر اقبال یا ظفر میں سے کسی کا نام درج نہیں کیا گیا تھا۔ نوٹ میں علامہ کا نام شامل ہونے کے باعث اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہوئی کہ یہ نظم اقبال کی ہے لہٰذا "صوفی" میں جب اس نظم کو پیش کیا گیا تو بحیثیت شاعر علامہ اقبال کا نام پیش کئے بغیر نوٹ میں اسے علامہ اقبال کی تحریر کردہ نظم ظاہر کیا گیا۔ "صوفی" میں نوٹ یوں درج کیا گیا کہ "علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لاء کے ارادت کیش ہاتھوں نے ایک کبوتر پالا تھا جو ظالم بلی نے شکار کر لیا۔ اس کی یاد میں آپ نے یہ چند شعر موزوں فرمائے ہیں۔" علامہ اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کو بھی یہی غلط فہمی تھی۔ ڈاکٹر صابر کلوروی لکھتے ہیں کہ یہ نظم "بیاض اعجاز" میں موجود ہے حالانکہ یہ علامہ کی نہیں ظفر علی خاں کی ہے (۶۳۳)۔ مولانا عبدالمجید سالک بھی مغالطے کی بناء پر اسے اقبال کی نظم قرار دیتے ہیں (۶۳۴)۔ مولوی محمد عبدالرزاق نے بھی اسے اقبال کی نظم خیال کرتے ہوئے "کلیات اقبال (۶۳۵)" میں شامل کیا ہے۔ سید عبدالواحد معینی نے بھی "باقیات اقبال" کے پہلے ایڈیشن میں اس کو اقبال کے استادزادے کی گواہی کے ساتھ پیش کرتے ہوئے لکھا کہ "... محمد

ذکی صاحب ابن شمس العلماء مولانا میر حسن نے بھی ایک بار اس کا ذکر کیا تھا (٦٣٦)۔" تاہم سید عبدالواحد نے "باقیات اقبال" کے دوسرے ایڈیشن میں اس نظم کو شامل نہیں کیا گویا غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد انہوں نے اس نظم کو "باقیات اقبال" سے خارج کر دیا۔ پھر یہ نظم اقبال کے ہاتھ کی لکھی گئی ان کی ذاتی بیاضوں میں بھی موجود نہیں مزید یہ کہ یہ مولانا ظفر علی خاں کے مجموعہ کلام "نگارستان (٦٣٧)" میں تاریخ تحریر ٢٢ رنومبر ١٩١٧ء کے ساتھ شائع ہو گئی جو اس بات کا کافی وشافی ثبوت ہے کہ یہ نظم اقبال کی نہیں ظفر علی خاں کی ہے۔ "نگارستان" میں اس نظم کا ابتدائی متن پیش کیا گیا ہے۔ جو "ستارہ صبح" میں شائع ہونے سے پہلے کا ہے۔ یعنی ٢٠ رنومبر کے واقعے پر ظفر علی خاں نے ٢٢ رنومبر کو اظہار خیال کیا اور ٢٤ رنومبر کو "ستارہ صبح" کی زینت بنا کر پیش کیا۔ ٢٢ رنومبر کے متن اور ٢٤ رنومبر کے متن کا موازنہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ظفر علی خاں نے اشاعت سے قبل تین اشعار میں اصلاح کی۔ اس کے علاوہ نظم کے دیگر متون کو دیکھا جائے تو متن کے کافی زیادہ اختلافات نظر آتے ہیں۔ بہر حال یہ بات طے ہے کہ یہ نظم اقبال کی نہیں کیونکہ نظم کا مجموعی مزاج اور انداز بھی اسے علامہ کے کلام سے قریب کرنے کی بجائے کلام ظفر علی خاں کے قریب لے جاتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن یہ نظم اقبال سے اس لئے منسوب ہو گئی کہ "ستارہ صبح" میں اس کی پہلی اشاعت پر شاعر کا نام درج نہیں تھا، اور نوٹ علامہ اقبال کے حوالے سے تحریر کیا گیا تھا۔

فروری ١٩٢٣ء، نکتے، ہند کی کیا پوچھتے ہوا ے حسینان فرنگ، ص ٣٦

چھ اشعار کا حامل یہ ظریفانہ قطعہ اقبال کے متداول کلام کا حصہ نہیں۔ اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "پنجاب میں مسلمانوں کا کوئی انگریزی اخبار نہیں تھا، تحریک خلافت کے زمانے میں یہ کمی بری طرح محسوس کی گئی، چند مسلم نوجوانوں نے لاہور سے 'مسلم آؤٹ لک' جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ علامہ اقبال نے اس پر چند اشعار کہے (٦٣٨)۔" 'مسلم آؤٹ لک' مطبع رفیق عام کے مالک مولوی عبدالحق نے جاری کیا تھا جس کے ایڈیٹر داؤد اپسن تھے (٦٣٩)۔ "صوفی" میں عنوان "نکتے" کے تحت اقبال کی دو تخلیقات کو پیش کیا گیا ہے۔ جن میں سے پہلے نمبر پر یہ قطعہ درج ہے۔ "صوفی" میں اس قطعہ کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے، تاہم یہ براہ راست نہیں، ڈاکٹر صابر کلوروی نے اس سلسلے میں اکبر حیدری کو اپنا ماخذ بیان کیا ہے (٦٤٠)۔ گویا ڈاکٹر صابر کلوروی "صوفی" کے اس شمارے تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ یہ قطعہ "بیاض اقبال (٦٤١)"، "کلیات اقبال (٦٤٢)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق، "سرود رفتہ (٦٤٣)"، "باقیات اقبال (٦٤٤)"، "نوادر اقبال (٦٤٥)"، "رخت سفر (٦٤٦)" اور "اقبال کے ہم نشین (٦٤٧)" میں موجود ہے۔ تاہم سب جگہ اس کے اشعار کی تعداد "صوفی" کی طرح چھ ہے۔ ان متون کا "صوفی" کے متن سے موازنہ کیا جائے تو شعر نمبر ایک، دو، تین، پانچ کل چار اشعار میں اختلاف نظر آتا ہے۔ جیسے "صوفی" میں "روزی ہے تنگ" لکھا گیا ہے، جبکہ دیگر تمام متون میں "روزی تنگ" لکھا ہے۔ "صوفی" اور دیگر متون میں "پر ہی یہ" درج ہے تو "اقبال کے ہم نشین" میں "ہی پہ یہ" تحریر کیا گیا ہے۔ اسی طرح "صوفی" میں "لک ودان" تحریر ہے اور "نوادر اقبال" میں "لک وتھ ان" رقم کیا گیا ہے۔ جبکہ "سرود رفتہ"، "باقیات اقبال" اور "رخت سفر" میں "بیاض اقبال" کے مطابق "لک ودن" لکھا گیا ہے۔ اسی طرح "نوادر اقبال" میں "مع" کو "معہ" اور "سرود رفتہ" میں "سخنور" کو سہواً "سخن در" تحریر کیا گیا ہے۔ "بیاض اقبال" کے حوالے سے ایک

اور اختلاف نظر آتا ہے جہاں دیگر متون کے خلاف "دلی" کو "دہلی" لکھا گیا ہے۔ "اقبال کے ہم نشین" میں اشعار کی ترتیب میں بھی فرق نظر آتا ہے جہاں پانچویں اور چھٹے شعر کی ترتیب کو الٹ دیا گیا ہے۔ تاہم "صوفی" میں اشعار کی ترتیب "بیاض اقبال" کے مطابق ہے۔ "بیاض اقبال" میں اس کا عنوان "نکتہ" تحریر کیا گیا ہے۔

فروری ۱۹۲۳ء، نکتے، عمل عاشقوں کے ہیں بےطور سارے، ص ۳۶

یہ ظریفانہ قطعہ "صوفی" میں "نکتے" کے زیر عنوان علامہ اقبال کی دوسرے نمبر پر درج کی جانے والی تخلیق ہے۔ "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں "نکتے" کے تحت شائع ہونے والی علامہ اقبال کی پہلی تخلیق کی طرح بالواسطہ درج کیا گیا ہے (۶۴۸)۔ یہ قطعہ بھی علامہ اقبال کے متداول کلام میں شامل نہیں۔ "صوفی" میں یہ تین اشعار پر مشتمل ہے۔ "بیاض اقبال (۶۴۹)"، "کلیات اقبال (۶۵۰)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق، "باقیات اقبال (۶۵۱)"، "نوادر اقبال (۶۵۲)"، "سرود رفتہ (۶۵۳)" اور "رخت سفر (۶۵۴)" میں بھی اس کے تین اشعار ہیں۔ اس کے پہلے دوسرے شعر میں اختلافات متن موجود ہیں۔ جیسے کہ "صوفی" اور دیگر میں "اجنڈا" ہے تو "باقیات اقبال" اور "رخت سفر" میں اسے "ایجنڈا" لکھا گیا ہے۔ "صوفی" میں "سرمایہ داری مبارک" ہے تو دیگر تمام متون میں "سرمایہ دار و مبارک" رقم کیا گیا ہے۔ اسی طرح کلیات اقبال مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "یوگنڈا" کو سہواً "پوگنڈا" لکھا گیا ہے۔ "بیاض اقبال" میں دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی میں "رہے مجھ کو" کی جگہ "مجھے میرا" لکھا گیا ہے۔ بیاض اقبال" میں اس کا عنوان "نکتہ" درج کیا گیا ہے۔

اپریل ۱۹۲۳ء، طلوع اسلام، غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں، ص ۴۳

یہ نظم علامہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے اڑتیسویں سالانہ جلسے کے آخری اجلاس میں ۳۱؍ مارچ ۱۹۲۳ء کو پیش کی (۶۵۵)۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے سہواً اسے انجمن کے ۱۹۲۴ء کے سالانہ جلسے میں پڑھی جانے والی نظم قرار دیا ہے (۶۵۶)۔ یہ "جامعہ" مارچ ۱۹۲۳ء کے شمارے میں اور "پیسہ اخبار" ۱۹؍اپریل ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ "زمیندار" ۶؍اپریل ۱۹۲۳ء میں اس کے دو بند اور "پیسہ اخبار" ۱۳؍دسمبر ۱۹۲۳ء میں صرف پانچواں یعنی ایک بند پیش کیا گیا (۶۵۷)۔ "صوفی" میں بھی اس کے محض دو بند پیش کیے گئے۔ "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۶۵۸)۔ یہ نظم چونکہ "بانگ درا" کی ترتیب سے قریب کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے اقبال نے بغیر کسی ترمیم اور حذف و اضافے کے اسے "بانگ درا" میں شامل کر دیا (۶۵۹)۔ "بانگ درا (۶۶۰)" میں یہ نظم نو بندوں اور بہتر اشعار پر مشتمل ہے۔ "صوفی" میں ایک مختصر تعارفی نوٹ کے ساتھ اس کے پانچویں اور چھٹے بند کو پیش کیا گیا۔ "بانگ درا" میں یہ دو بند شعر نمبر تینتیس سے شعر نمبر اڑتالیس تک کل سولہ اشعار کے حامل ہیں جبکہ "صوفی" میں شعر نمبر انتالیس کو چھوڑ کر دو بندوں میں پندرہ اشعار کو پیش کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں جو شعر درج ہونے سے رہ گیا ہے وہ اس نظم کا مقبول عام شعر ہے کہ

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم

جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

تاہم راقمہ کا قیاس ہے کہ یہ شعر اعمداً نکالا نہیں گیا بلکہ سہواً درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ کیونکہ اس نظم پر تحریر کئے گئے نوٹ میں خصوصیت سے اس شعر کے مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ "پہلے بند میں بتایا گیا ہے کہ مادی ساز و سامان کچھ چیز نہیں، بلکہ ایمان محکم اور عمل پیہم میں ملت بیضا کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔" ایسا ممکن نہیں کہ نوٹ کے ایک حصے میں اس شعر پر اظہار خیال کیا گیا ہو اور شعوری طور پر شعر درج کرنے سے احتراز کیا گیا ہو، یقیناً سہواً ایسا ہوا ہے۔ "صوفی" میں پیش کردہ ان دونوں بندوں کا "بانگ درا" میں موجود ان بندوں سے موازنہ کیا جائے تو کوئی اختلاف متن نظر نہیں آتا۔ البتہ "صوفی" کے متن کا موازنہ اگر "کلیات اقبال"[۶۶۱] مرتبہ مولوی عبدالرزاق سے کیا جائے تو دو مقامات پر اختلاف نظر آتا ہے۔ جیسے "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "صوفی" کے "پادشاہی" کو "بادشاہی" اور "بن کر گہر" کو "بن کے گہر" تحریر کیا گیا ہے۔

جولائی ۱۹۲۳ء، موت اور زندگی کی حقیقت، آتی ہے ندی جبین کوہ سے گاتی ہوئی، ص ۱۶

"موت اور زندگی کی حقیقت" کے عنوان سے یہ علامہ کی کوئی نئی نظم نہیں بلکہ علامہ کی اس نظم کا اقتباس ہے جو انہوں نے سر میاں فضل حسین کے والد کی وفات پر "فلسفہ غم" کے عنوان سے لکھی تھی۔ سب سے پہلے یہ "مخزن" جولائی ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی۔ "صوفی" کے اکتوبر ۱۹۱۰ء کے شمارے میں اسے "غم" کے عنوان سے پیش کیا گیا تھا۔ اکتوبر ۱۹۱۰ء کے "صوفی" میں "غم" کے عنوان سے شائع ہونے والی نظم کا جائزہ اس باب میں پیش کر دیا گیا ہے۔ جس کے مطابق "فلسفہ غم" کا پانچ اشعار پر مشتمل چوتھا مکمل بند اور پانچویں بند کا چوتھا اور چھٹے بند کا تیسرا شعر اس میں موجود نہیں تھے۔ "موت اور زندگی کی حقیقت" کے عنوان سے چوتھا بند تو پیش نہیں کیا گیا البتہ پانچویں اور چھٹے بند کو اس مرتبہ مکمل طور پر پیش کر دیا گیا ہے گویا ماقبل اشاعت میں ان بندوں کے جو شعر درج نہیں کئے جا سکے تھے، وہ بھی اس میں موجود ہیں۔ "موت اور زندگی کی حقیقت" کے تحت کل تیرہ اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ جو مسلسل نظم کے اعتبار سے شعر نمبر بیس سے شعر نمبر بتیس تک ہیں۔ ان اشعار کا موازنہ "صوفی" کی ماقبل اشاعت اور "بانگ درا" سے کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ متن میں ترمیم و اصلاح کا کام کسی حد تک ہو چکا ہے اور کسی حد تک ہونا باقی ہے، گویا اس متن کے کچھ حصے اصلاح کے بعد "بانگ درا" کے متن سے قریب ہیں اور کچھ ابھی تک ابتدائی متن کے مطابق ہیں جنہیں "صوفی" میں ان بندوں کی اشاعت کے بعد اصلاح سے ہمکنار کیا گیا۔ "صوفی" میں "موت اور زندگی کی حقیقت" کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے[۶۶۲]۔

ستمبر ۱۹۲۳ء، شیکسپیئر، شفق صبح کو دریا کا خرام آئینہ، ص ۴۳

یہ نظم اپریل ۱۹۱۷ء کے "مخزن"[۶۶۳] میں شائع ہوئی۔ "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے[۶۶۴]۔ "صوفی" میں یہ دو بندوں اور سات اشعار پر مشتمل ہے۔ "مخزن"، "کلیات اقبال"[۶۶۵] مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا"[۶۶۶] میں بھی اس کے سات اشعار ہیں تاہم "مخزن" میں بند قائم کئے بغیر اشعار پیش کر دیئے گئے ہیں۔ "صوفی" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی

عبدالرزاق میں اس کا عنوان "شکسپر" جبکہ "مخزن" اور "بانگ درا" میں "شیکسپیئر" درج کیا گیا ہے۔ "صوفی" کے متن کا موازنہ دیگر متون سے کیا جائے تو کئی اختلافات نظر آتے ہیں۔ جیسے "صوفی" میں "شاہد گل" ہے تو "مخزن"، "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا" میں "شاہد مے" ہے۔ "صوفی" میں "آئینہ خلق" ہے تو "مخزن"، "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا" میں "آئینہ حق" ہے۔ "صوفی"، "مخزن" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "تری فکر" ہے تو "بانگ درا" میں اسے "تیرے فکر" کر دیا گیا ہے۔ "صوفی" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "فلک رس" ہے تو "مخزن" میں اسے "فلک اس" تحریر کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں "روشن ہے" لکھا گیا ہے جبکہ دیگر متون میں "روشن تھی" تحریر کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں "جب تجھے" لکھا ہے جبکہ دیگر متون میں "تجھ کو جب" لکھا گیا ہے۔ "صوفی"، "مخزن" اور "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں "خورشید کو خورشید میں" تحریر کیا ہے جبکہ "بانگ درا" میں اسے "خورشید میں خورشید کو" لکھ دیا گیا۔ "صوفی"، "کلیات اقبال" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا" میں "مستور تیری" رقم کیا گیا ہے جبکہ "مخزن" میں اسے "معمور تیری" لکھا گیا ہے۔ "صوفی" میں ایک مقام پر سہو کتابت بھی ہے جہاں "بہار" کو "بہا" لکھا گیا ہے۔ "تنقیدیں اور خاکے (۶۶۷)" میں اس نظم کے چوتھے شعر کے مصرعہ ثانی اور چھٹے شعر کے مصرعہ اولیٰ کی ابتدائی صورتوں کو پیش کیا گیا ہے۔

جنوری ۱۹۲۴ء، نوائے اقبال، تہ دام بھی غزل آشنا رہے طائران چمن تو کیا، ص ۳

یہ غزل اسلامیہ کالج لاہور کے میگزین "کریسنٹ" میں اپریل ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی (۶۶۸)۔ "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۶۶۹)۔ "صوفی" میں یہ چار اشعار کی حامل ہے۔ "کلیات اقبال (۶۷۰)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق اور "بانگ درا (۶۷۱)" میں بھی اس کے چار اشعار پیش کیے گئے ہیں، تاہم فقط "صوفی" میں اس غزل کو "نوائے اقبال" کے عنوان سے پیش کیا گیا۔ متن کا موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تیسرے اور چوتھے شعر میں اصلاح کی گئی ہے۔ "اصلاحات اقبال (۶۷۲)" میں ان دونوں اشعار میں کی گئی اصلاحات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ نیز "صوفی" میں لفظ "زخمہ" کی املا درست نہیں ہے۔ اسے "زضمہ" لکھا گیا ہے۔

اکتوبر ۱۹۲۵ء، ہستی بیتاب، ہے عجب مجموعہ اضداد اے اقبال تو، ص ۱۰

یہ نظم "بانگ درا (۶۷۳)" کی معروف نظم "عاشق ہرجائی" کا اقتباس ہے۔ "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۶۷۴)۔ "عاشق ہرجائی"، "بانگ درا" میں دو بند اور پچیس اشعار پر مشتمل ہے۔ "صوفی" میں "ہستی بے تاب" کے عنوان سے اس کے پہلے بند کو پیش کیا گیا ہے، جو دس اشعار پر مشتمل ہے۔ "بانگ درا" میں بھی پہلا بند دس اشعار کا حامل ہے۔ گو کہ اس نظم کی اشاعت سے قبل ۳ ستمبر ۱۹۲۴ء کو "بانگ درا" کا پہلا ایڈیشن منظر عام پر آچکا تھا (۶۷۵)، لیکن اس اقتباس کو "بانگ درا" سے نقل نہیں کیا گیا بلکہ "بانگ درا" کی اشاعت سے قبل کے کسی دیگر ماخذ سے استفادہ کیا گیا، کیونکہ "صوفی" اور "بانگ درا" کے متن میں کافی اختلاف نظر آتا ہے۔ یعنی "بانگ درا" کے متن جسے نظر ثانی شدہ متن سمجھنا چاہیے کی موجودگی

میں ابتدائی متن پر مشتمل نظم پیش کر کے "صوفی" نے کلام اقبال کے متنی تقابل وموازنے کی طرف خاموش اشارہ کیا اور اسی طرح "بانگ درا" کی موجودگی میں آیندہ کئی ابتدائی متن کے نمونے پیش کیے۔ اس نظم میں اختلاف متن کے حوالے سے دیکھا جائے تو "صوفی" میں "تری ہے" کو "بانگ درا" میں "ہے تری" لکھا ہے۔ "صوفی" میں "مشرب میں رنگ مسلک" لکھا ہے تو "بانگ درا" میں "مسلک میں رنگ مشرب" ہے۔ "صوفی" میں "اک آستانہ" ہے تو "بانگ درا" میں "ایک آستانے" ہے۔ "صوفی" میں "مشہور ہے" لکھا ہے تو "بانگ درا" میں "مشہور بھی" لکھ دیا گیا ہے، اسی طرح "صوفی" میں "پرواہ" لکھا گیا ہے تو "بانگ درا" میں اسے "پروا" تحریر کیا گیا ہے۔

<u>اگست ۱۹۲۶ء، خفتگان خاک سے استفسار، مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقاب روئے شام، ص ۱۵-۱۶</u>

یہ نظم سب سے پہلے فروری ۱۹۰۲ء کے "مخزن (۶۷۶)" میں شائع ہوئی۔ "صوفی" میں اس کو "بانگ درا" کی موجودگی میں ابتدائی متن کے ساتھ پیش کیا گیا۔ "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود نہیں، حالانکہ اسی شمارے میں شائع ہونے والے اقبال کے ایک قطعہ کا حوالہ انہوں نے درج کیا ہے۔ (۶۷۷) گویا وہ پوری توجہ سے اس شمارے سے استفادہ نہیں کر سکے، یا کوئی ناقص شمارہ دستیاب ہوا۔ "مخزن" میں یہ نظم تین بندوں اور چالیس اشعار پر مشتمل تھی۔ "صوفی" میں بھی تین بند اور چالیس اشعار ہیں۔ "بانگ درا (۶۷۸)" میں اقبال نے اس نظم کے بند تو تین پیش کیے تاہم اشعار کی تعداد کو چالیس سے کم کر کے چھبیس کر دیا۔ وہ یوں کہ انہوں نے ابتدائی متن کے چالیس اشعار میں سے شعر نمبر چار تا سات، گیارہ، تیرہ، انیس تا بائیس، تیس، اکتیس، تینتیس، پینتیس، سینتیس، اڑتیس کل سولہ اشعار ترک کیے اور شعر نمبر گیارہ اور تیرہ دو متروک اشعار کی جگہ دو نئے شعر نظم میں شامل کیے۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے حذف شدہ اشعار کی تعداد اٹھارہ بیان کی ہے (۶۷۹) جو درست نہیں۔ ان کے خیال میں اشعار ترک کرنے کی وجہ نظم کو مختصر کرنا تھا۔ دو نئے اشعار کے علاوہ ابتدائی متن سے جو چوبیس اشعار "بانگ درا" میں شامل ہوئے، ان میں سے ابتدائی متن کے تیسویں شعر کو نظر ثانی کے بعد مفہوم برقرار رکھتے ہوئے نیا روپ عطا کیا۔ اسی طرح آٹھویں، چودھویں، چوبیسویں اور چھتیسویں شعر کو بڑے پیمانے پر اصلاح کے عمل سے گزارتے ہوئے چوبیس میں سے کل گیارہ اشعار کو اصلاح سے نوازا۔ جگن ناتھ آزاد اس نظم کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ "... اقبال نے بعد میں اس کے تین بندوں میں سے خاصے شعر حذف کر دیئے۔ بعض شعر نئے کہے بعض میں ضروری ترمیم کی۔ تب کہیں جا کے وہ اپنی اس کاوش سے مطمئن ہوئے (۶۸۰)۔" یہ نظم "کلیات اقبال (۶۸۱)" مرتبہ مولوی عبدالرزاق میں بھی موجود ہے۔ یہاں یہ تینتیس اشعار پر مشتمل ہے یعنی کل سات اشعار شعر نمبر پانچ، تیرہ، چودہ، اٹھارہ، تیس اور سینتیس درج نہیں کیے گئے۔ "ابتدائی کلام اقبال (۶۸۲)" میں اشعار کی تعداد تینتالیس ظاہر کر کے حقیقتاً پینتالیس شعر پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں سے چالیس اشعار تو "مخزن" کی اشاعت والے ہیں۔ دو وہ ہیں جو گیارہویں اور تیرہویں اشعار کی جگہ نئے شامل کیے گئے ہیں اور بقیہ تین چودھویں، تیسویں اور چھتیسویں شعر کی اصلاح شدہ صورتیں ہیں۔ "سرود رفتہ (۶۸۳)" میں سولہ متروک اور چار اصلاح سے متعلقہ اشعار پیش کیے گئے ہیں تاہم اصلاح سے متعلق اشعار میں سے تین کو متروک اشعار کے ضمن میں پیش کرنے کی غلطی کی گئی ہے۔ "باقیات اقبال (۶۸۴)" میں بھی سولہ متروک اشعار اور تین اصلاح سے متعلق اشعار پیش کیے گئے

ہیں - تاہم "مخزن" کا حوالہ دے کر "مخزن" کے متن کو پیش کرنے میں غلطی ہوئی ہے - جیسے "ابتدا و انتہا" کو "ابتداا و رانتہا" اور "بیہوش" کو "مدہوش" لکھا گیا ہے - یہی دو اغلاط "سرود رفتہ" میں بھی موجود ہیں - "رخت سفر (۶۸۵)" میں تیرہ متروک اشعار سہواً درج نہیں کئے جا سکے - متروکات کے علاوہ اصلاح کے ضمن میں بھی چار اشعار پیش کئے گئے، تاہم اس میں بھی اشعار کو "مخزن" سے نقل کرنے میں احتیاط کا مظاہرہ نہیں کیا گیا جیسے "ہوا" کو "درا"، "نشے" کو "نشہ"، "تفسیر" کو "تصویر" اور "تصویر" کو "تفسیر" لکھا گیا ہے - "نوادر اقبال (۶۸۶)" میں اس کے گیارہویں شعر کو سہواً متفرق اشعار میں پیش کر دیا گیا ہے - "اصلاحات اقبال (۶۸۷)" میں کل آٹھ اصلاحات کی نشاندہی کی گئی ہے - اسی طرح "مہک (۶۸۸)" میں بھی کل آٹھ اصلاحوں سے اشعار کے نقوش اول و ثانی کو پیش کیا گیا ہے - "باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ (۶۸۹)" میں غلط اور صحیح متن کی نشاندہی کی گئی ہے، جبکہ "ابتدائی کلام اقبال (۶۹۰)" میں اختلافات متن کا احاطہ کیا گیا ہے - اقبال نے اس نظم کو اپنے لئے اطمینان بخش بنانے کے لئے اشعار بلکہ مصرعوں کی ترتیب کو بھی الٹ دیا، جیسا کہ شعر نمبر دو اور تین کو اور شعر نمبر چوبیس اور چھتیس کے مصرعوں کو الٹ دیا گیا - گویا اس نظم کو ایک عظیم فن پارہ بنانے کے لئے اقبال نے اسے بھرپور توجہ کا مرکز بنائے رکھا -

<u>اگست ۱۹۲۶ء، قطعہ اقبال، مسلم کی نبض دیکھ کے کہنے لگا طبیب، ص ۲۶</u>

یہ ظریفانہ قطعہ اقبال کے متداول کلام کا حصہ نہیں - "صوفی" کے علاوہ اس قطعہ کے کہیں اور شائع ہونے کے آثار نہیں ملتے - باقیات کے کسی مجموعے میں بھی یہ شامل نہیں - گویا یہ اقبال کا غیر مدون کلام ہے - قطعہ یوں شائع ہوا:

"قطعۂ اقبال

مسلم کی نبض دیکھ کے کہنے لگا طبیب تیرا مرض ہے قلت سرمایہ حیات
رخصت ہوئی ہے زندگی سادۂ عرب کچھ رہ گیا اگر تو عجم کے تکلفات

(علامہ محمد اقبال)"

اس قطعہ کے تیسرے مصرعے میں سہو کتابت کے باعث "سادو" چھپ گیا ہے - ایک تو لفظ "سادو" مہمل ہے، دوسرے وزن میں نہیں آتا - لفظ "سادہ" وزن میں بھی آتا ہے اور مفہوم کے اعتبار سے بھی کھپ جاتا ہے کہ چوتھے مصرعے میں "تکلفات" کا لفظ لایا گیا ہے جو تیسرے مصرعے میں لفظ "سادہ" استعمال کئے جانے کا جواز پیدا کرتا ہے - یوں گویا یہ ترکیب "زندگی سادہ عرب" بنتی ہے - "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۶۹۱) - ڈاکٹر صابر کلوروی نے اپنے پی - ایچ - ڈی کے مقالے میں "صوفی" سے اسے نقل کیا ہے - تاہم "صوفی" میں سہو کتابت کے مقام پر ان سے سہو رفع ہونے کے بجائے مزید الجھ کر رہ گیا ہے - انہوں نے "صوفی" کے سہو آمیز لفظ "سادۂ عرب" کو "سادہ و عرب" تحریر کیا ہے اور "سادہ" کو عراق کا ایک شہر قرار دیا ہے کہ اس کے ملک "عرب" کے ساتھ میل کو اچھا نہیں سمجھا گویا اسے قطعہ کا عیب گردانا ہے - ان کے خیال میں اس قطعہ کا چوتھا مصرعہ بھی زوردار نہیں

جس کے باعث اقبال نے اسے "بال جبریل" میں شامل نہیں کیا (۶۹۲) - ڈاکٹر صابر کلوروی نے "بال جبریل" کا نام محض اس قطعہ کے سن اشاعت کو ذہن میں رکھتے ہوئے پیش کیا ہے، ورنہ اس مزاج کے قطعات تو "بانگ درا" میں موجود ہیں، "بال جبریل" میں نہیں- دوسرے یہ "صوفی" کا وہ زمانہ ہے جس میں "صوفی" نے "بانگ درا" کی اشاعت کے بعد کلام اقبال کے ابتدائی نمونوں کو پیش کرنا شروع کیا تھا- زیادہ امکان یہی ہے کہ یہ "بانگ درا" کی اشاعت سے قبل کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے لیکن بوجوہ "بانگ درا" میں شامل نہیں ہو سکا-

فروری ۱۹۲۷ء، وطنیت، اس دور میں مے اور ہے اور جام جم اور، ص ۱۰

یہ نظم بھی "بانگ درا (۶۹۳)" کی موجودگی میں "بانگ درا" سے مختلف متن کے ساتھ "صوفی" میں شائع کی گئی- ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں "صوفی" میں اس نظم کے شائع ہونے کا ذکر نہیں ملتا (۶۹۴) - "بانگ درا" میں اسے حصہ سوم یعنی ۱۹۰۸ء سے بعد کے کلام میں شمار کیا گیا ہے- "صوفی" اور "بانگ درا" دونوں میں یہ مسدس کی ہیئت میں چار بندوں پر مشتمل ہے گویا بارہ اشعار کی حامل ہے- "بانگ درا" میں اقبال نے اس پر ایک مختصر وضاحتی نوٹ درج کیا ہے کہ "یعنی وطن بحثیت ایک سیاسی تصور کے" یہ نوٹ "صوفی" میں موجود نہیں- متن کے موازنے سے پہلے، دوسرے اور بارہویں کل تین اشعار میں اختلاف نظر آتا ہے- "صوفی" کے متن میں "اور جام جم اور" لکھا ہے جبکہ "بانگ درا" میں اسے "جام اور ہے جم اور" تحریر کیا گیا ہے- "صوفی" میں "بنائی" تحریر ہے جبکہ "بانگ درا" میں "بنا کی" لکھا گیا ہے- اسی طرح "صوفی" میں "بٹتی ہے" رقم ہے جبکہ "بانگ درا" میں اسے "بٹتی ہے" تحریر کیا گیا ہے- ایک مقام پر املا کا اختلاف بھی ہے جہاں "صوفی" میں "آذر" لکھا گیا ہے جبکہ "بانگ درا" میں اسے "آزر" لکھ دیا گیا ہے- "بانگ درا" کی املا درست ہے چونکہ "صنم" کے حوالے سے یہی املا استعمال ہونا چاہئے-

دسمبر ۱۹۲۷ء، پیغام سروش، تمدن، تصوف، شریعت، کلام، ص ۳۴

یہ نظم "صوفی" کے ساتھ ساتھ رسالہ "فردوس" میں بھی دسمبر ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی (۶۹۵) -اشعار کی تعداد دونوں میں چار تھی البتہ "فردوس" میں اس کا عنوان "صوفی" سے مختلف یعنی "عشق کی آگ (۶۹۶)" تھا- "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کے حوالے سے نمایاں بات یہ تھی کہ اس پر مختصر نوٹ دیا گیا تھا کہ "علامہ اقبال کا تازہ ترین اردو کلام" "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۶۹۷) - بعد میں یہ نظم ۲۰ر دسمبر ۱۹۲۷ء کے "انقلاب (۶۹۸)" میں صفحہ اول پر شائع ہوئی - یہاں بھی اس کے چار اشعار ہیں تاہم نظم کا عنوان تو "صوفی" کی طرح "پیغام سروش" ہے لیکن ماخذ "فردوس" بیان کیا گیا ہے- نظم کے ان نمونوں میں متن کا کوئی اختلاف موجود نہیں - بعد میں علامہ اقبال نے اس نظم کو اپنی مشہور نظم "ساقی نامہ" کا جز بنا کر جنوری ۱۹۳۵ء (۶۹۹) میں منظر عام پر آنے والے مجموعہ کلام "بال جبریل (۷۰۰)" میں پیش کیا گویا کہا جا سکتا ہے کہ "ساقی نامہ" لکھنے کا آغاز اقبال نے دسمبر ۱۹۲۷ء سے کر دیا تھا- اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا یہ بیان محل نظر ہے کہ "... یہ نظم ۱۹۳۰ء کے بعد ہی لکھی گئی ہو گی (۷۰۱)" - "صوفی" میں شائع ہونے والی اس نظم کے چار اشعار "ساقی نامہ" کے دوسرے بند میں شعر نمبر بیس، بائیس، اکیس اور ٹیپ کے شعر نمبر چھبیس

کے طور پر موجود ہیں۔ یعنی "پیغام سروش" کے پہلے دوسرے شعر کی ترتیب کو اقبال نے "ساقی نامہ" میں الٹ دیا ہے۔ "پیغام سروش" کو "ساقی نامہ" کا جز بناتے ہوئے اقبال نے دوسرے اور تیسرے شعر کو اصلاح سے نوازا۔ "صوفی" میں "طلسم معانی، بیانِ" تھا جسے "بال جبریل" میں "لبھاتا ہے دل کو کلامِ" کر دیا گیا۔ "صوفی" کے تیسرے شعر میں مصرعہ اولیٰ میں "راویات" اور مصرعہ ثانی میں "خرافات" تھا، "بال جبریل" میں مصرعہ اولیٰ میں "خرافات" اور مصرعہ ثانی میں "روایات" کر دیا گیا۔

جنوری ۱۹۲۸ء، زندگی، اتر کر جہان مکافات میں، ص ۳

یہ نظم جنوری ۱۹۲۸ء کے "ہمایوں" میں شائع ہوئی (۷۰۲)۔ "صوفی" نے اسے حوالہ ماخذ درج کر کے "ہمایوں" سے نقل کیا۔ "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۷۰۳)۔ "صوفی" کے بعد یہ نظم "زمانہ" جنوری ۱۹۲۸ء میں شامل ہوئی (۷۰۴)۔ سب اشاعتوں میں اس کے اشعار کی تعداد چار ہے اور متن کا کوئی اختلاف موجود نہیں۔ اس نظم کو بھی "پیغام سروش" کی طرح اقبال نے "ساقی نامہ" کا جزو بنایا اور یہ اشعار پانچویں بند میں شعر نمبر چونسٹھ، پینسٹھ، چھیاسٹھ اور سرسٹھ کے طور پر پیش کئے۔ یہ چار اشعار اقبال نے بغیر کسی اصلاح کے من وعن "ساقی نامہ" کی زینت بنا دیئے۔

جنوری ۱۹۳۴ء، دین وسیاست، کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی، ص ۲۴

یہ نظم دسمبر ۱۹۳۳ء کے "نیرنگ خیال" میں شائع ہوئی۔ "صوفی" کی طرح "نظام المشائخ" کی جنوری ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں شامل ہوئی۔ پھر "پیشوا" نے مئی ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں اسے اپنے صفحات کی زینت بنایا (۷۰۵)۔ "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود ہے (۷۰۶)۔ "صوفی" میں یہ نظم سات اشعار کی حامل ہے۔ "بال جبریل (۷۰۷)" میں بھی اس کے سات اشعار ہی پیش کئے گئے۔ یہ نظم چونکہ "بال جبریل" کو ترتیب دینے کے زمانے کی ہے۔ اس لئے علامہ اقبال کو اس میں زیادہ ترمیم و اضافے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ "صوفی" اور "بال جبریل" کے متن کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نظم میں صرف پہلے شعر میں اقبال نے معمولی اصلاح کی جہاں "صوفی" میں شائع ہونے والے الفاظ "سائی کہاں" کو "بال جبریل" میں "ساقی کہاں" بنا دیا گیا۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے اس نظم کا اولین عنوان "ملک و دین (۷۰۸)" بیان کیا ہے۔

نومبر ۱۹۳۴ء، بادہ شبانہ، ہو شگفتہ تیرے دم سے چمن دہر تمام، ص ۳۰

یہ غزل اقبال کے متداول کلام میں شامل نہیں۔ یہ مئی ۱۹۰۳ء کے "مخزن" میں شائع ہوئی (۷۰۹)۔ تاہم مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صابر کلوروی کو مذکورہ شمارے میں یہ غزل نظر نہیں آئی۔ اس غزل کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ "گیان چند کے مطابق مخزن مئی ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی لیکن ہمیں مذکورہ شمارے میں یہ غزل نہیں ملی۔ "رخت سفر" (ص ۷۳) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزل "مخزن" میں مئی ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ گیان چند نے مخزن کا شمارہ خود نہیں دیکھا شاید "رخت سفر" پر بھروسہ کیا ہے (۷۱۰)۔ "حالانکہ اس غزل کو مئی ۱۹۰۳ء کے "مخزن" میں صفحہ چودہ پر "سید محمد تقی" کی معرفت بلاعنوان

درج کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں اس کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں شامل ہے [۷۱۱]۔ "صوفی" اور "مخزن" میں اس کے پانچ اور "رخت سفر [۷۱۲]" میں اس کے چار اشعار پیش کئے گئے۔ "رخت سفر" کے چاروں شعر "صوفی" میں موجود ہیں۔ "نوادر اقبال [۷۱۳]" میں اس غزل کے آٹھ اشعار درج کئے گئے ہیں جن میں وہ پانچ شعر بھی شامل ہیں جو "صوفی" کی زینت بنے۔ "باقیات اقبال [۷۱۴]" میں "مخزن" مئی ۱۹۰۳ء کے حوالے سے "صوفی" میں پیش کردہ پانچ اشعار سمیت کل نو اشعار درج کرنے کے بعد دیگر کے عنوان سے آٹھ مزید اشعار پیش کئے ہیں۔ "ابتدائی کلام اقبال [۷۱۵]" میں انہی اشعار کو باہم ملا کر سترہ اشعار کی غزل پیش کر دی ہے۔ "روزگار فقیر [۷۱۶]" اور "سرود رفتہ [۷۱۷]" دونوں میں آٹھ آٹھ اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ تاہم "روزگار فقیر" میں "باقیات اقبال" میں دیگر کے عنوان سے پیش کئے گئے آٹھ اشعار ہیں جن میں "صوفی" میں چھپنے والا کوئی شعر موجود نہیں جبکہ "سرود رفتہ" میں "صوفی" کے پانچ اشعار سمیت کل آٹھ اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ "صوفی" میں چھپنے والے پانچ اشعار کے حوالے سے دیکھا جائے تو ایک اختلاف "نوادر اقبال" میں نظر آتا ہے جہاں "جب آتا ہے" کو "آتا ہے جب" تحریر کیا گیا ہے۔ "باقیات اقبال" اور "مخزن" میں بھی ایک اختلاف سامنے آتا ہے جہاں "گر" کو "گو" رقم کیا گیا ہے، جبکہ "سرود رفتہ" میں دو اختلافات نظر آتے ہیں، ایک تو وہی "گر" کو "گو" لکھا گیا ہے، دوسرے "جوش زن" کو "جوش میں" رقم کیا گیا ہے۔ "صوفی" کے علاوہ دیگر نمونوں میں کہیں اس غزل کا عنوان درج نہیں۔ "ابتدائی کلام اقبال" میں "صوفی" میں چھپنے والے اشعار کے علاوہ دیگر اشعار سے متعلق اختلافات کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

جون ۱۹۳۵ء، پنجاب کے پیرزادوں سے، حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر، ص ۸

"بال جبریل" جنوری ۱۹۳۵ء میں منظر عام پر آ چکی تھی۔ آٹھ اشعار کی یہ نظم "صوفی" میں "بال جبریل [۷۱۸]" کے نمونے اور تعارف کے طور پر پیش کی گئی۔ اس نظم کا انتخاب مجلّہ "صوفی" کے موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے کیا گیا۔ اس پر حاشیہ درج کرتے ہوئے لکھا گیا کہ "از بال جبریل (یہ کتاب بقیمت تین روپیہ علاوہ محصول ڈاک دفتر رسالہ "صوفی" پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات سے مل سکتی ہے۔)" اس نظم میں نقل کرنے میں ایک مقام پر سہو ہوا ہے۔ جہاں "طرۂ دستار" کو "بال جبریل" سے ہٹ کر "طرہ دستار" لکھا گیا ہے۔ اس نظم کے "صوفی" میں پیش کئے جانے کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود نہیں [۷۱۹]۔

جون ۱۹۳۵ء، باغی مرید، ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی، ص ۲۰

چار اشعار کی حامل یہ نظم بھی "بال جبریل [۷۲۰]" سے نمونہ مشتے از خروارے کے مصداق پیش کی گئی ہے۔ اس نظم کے انتخاب میں مجلّہ "صوفی" کی اس موضوع سے دلچسپی کو بڑا دخل ہے۔ اس پر حاشیہ درج کرتے ہوئے لکھا گیا کہ "ماخوذ بال جبریل جو بقیمت تین روپیہ دفتر رسالہ صوفی سے مل سکتا ہے۔" "صوفی" میں اس نظم کے پیش کئے جانے کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں درج نہیں [۷۲۱]۔

مئی ۱۹۳۶ء، لاالٰہ الا اللہ، خودی کا سر نہاں لاالٰہ الا اللہ، ص ۵

یہ نظم علامہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے اکیاونویں سالانہ جلسے میں ۱۲/اپریل ۱۹۳۶ء کو محمد شہنواز خان والیٔ ممدوٹ کی صدارت میں پیش کی (۷۲۲)۔ "صوفی" نے اس نظم کو یہ نوٹ دے کر درج کیا کہ "ذیل کی نظم حضرت علامہ اقبال مدظلہ العالی نے یکشنبہ ۱۲/اپریل کو انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں پڑھی جو تبرکاً ہدیۂ ناظرین صوفی کیجاتی ہے۔" جلسے میں علامہ اقبال نے اس نظم کو "نغمہ سرمدی (۷۲۳)" کے عنوان سے پیش کیا۔ "صوفی" میں اس کی ردیف "لا الٰہ الا اللہ" کو عنوان بنا کر پیش کیا گیا۔ "صوفی" کے بعد "نظام المشائخ" نے علامہ اقبال کے پیش کردہ عنوان "نغمہ سرمدی" کے ساتھ اسے جون ۱۹۳۶ء کی اشاعت میں شامل کیا (۷۲۴)۔ "صوفی" میں اس نظم کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود نہیں (۷۲۵)۔ "صوفی" میں اس نظم کے سات اشعار ہیں۔ "ضرب کلیم (۷۲۶)" میں بھی علامہ اقبال نے اسے سات اشعار کے ساتھ پیش کیا تاہم اہم بات یہ ہے کہ یہاں انہوں نے اس نظم کو اپنے عطا کردہ عنوان "نغمہ سرمدی" سے محروم کر کے "لا الٰہ الا اللہ" کے عنوان سے پیش کیا۔ "ضرب کلیم" جولائی ۱۹۳۶ء کے آخری ایام میں منظر عام پر آئی تھی (۷۲۷)۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ نظم "ضرب کلیم" کی اشاعت سے قریب کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا اقبال نے "ضرب کلیم" میں شامل کرتے ہوئے اس میں کسی غیر معمولی اصلاح کی ضرورت محسوس نہ کی فقط چند ایک معمولی اصلاحوں اور اشعار کی ترتیب کو تبدیل کرنے کے بعد اسے مجموعے میں شامل کیا گیا۔ "صوفی" اور "ضرب کلیم" کے متن کا تقابل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "ضرب کلیم" میں اسے شامل کرتے ہوئے "تم نے" کو "تو نے" بنا دیا گیا، "یہ رشتہ یہ پیوند" کو "یہ رشتہ و پیوند" لکھا گیا اور "وہم گماں" کو "وہم و گماں" تحریر کیا گیا۔ "ضرب کلیم" میں ترتیب اشعار کو یوں تبدیل کیا گیا کہ "صوفی" کے دوسرے شعر کو تیسرا، تیسرے کو پانچواں، چوتھے کو دوسرا اور پانچویں کو چوتھا بنا کر پیش کیا گیا جبکہ پہلے، چھٹے اور ساتویں شعر کی ترتیب وہی رہی جو "صوفی" میں ہے۔

<u>ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۶ء، مرد مسلمان، ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن، ص ۳۲</u>

"ضرب کلیم" کی اشاعت کے بعد آٹھ اشعار کی اس نظم کو ایک نمونے کے طور پر انتخاب کر کے "صوفی" میں پیش کیا گیا اور نظم کے آخر پر کتاب اور ناشر کا حوالہ درج کرتے ہوئے لکھ دیا گیا کہ "" ضرب کلیم" ناشر طلوع اسلام، لاہور۔" صوفی" میں اس نظم کے پیش کئے جانے کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں موجود نہیں (۷۲۸)۔

<u>نومبر ۱۹۳۶ء، او غافل افغان!، رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان، ص ۱۶</u>

یہ نظم "ضرب کلیم (۷۲۹)" کی نظم "محراب گل افغان کے افکار" کا ایک اقتباس ہے۔ "صوفی" میں اسے "ضرب کلیم" کے تعارف کے طور پر پیش کیا گیا۔ "ضرب کلیم" میں نظم کے کل بیس حصے ہیں ان میں سے "صوفی" میں ساتویں حصے کو ایک غلطی کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ "صوفی" میں اس پر یہ نوٹ درج ہے کہ "حضرت علامہ اقبال مدظلہ العالی کے تازہ شاہکار "ضرب کلیم" کا ایک ورق ہدیہ قارئین ہے۔ کتاب چھپکر تیار ہو چکی ہے جو صوفی بک ڈپو پنڈی بہاؤ الدین سے دو ۲ روپیہ پر مل سکتی ہے۔" ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست (۷۳۰) میں اس اقتباس کے "صوفی" میں پیش کئے جانے کا حوالہ موجود نہیں۔

ب)

فارسی کلام

ماہ+سال	عنوان	پہلا مصرعہ	صفحہ نمبر
مئی ۱۹۱۲ء	کلام اقبال	ہمنشیں بے ریا یم از رہ اخلاص گفت	۸
اپریل ۱۹۱۶ء	ذکر حبیب	ہر کہ بر خاک پیر حیدر شاہ رفت	۲۵
اگست ۱۹۲۰ء	دربار رسالت میں (اقبال کے ہاتھوں) ہندوستان کی نذر	شعلہ در آغوش دارد عشق بے پروائے من	۳۸
جون ۱۹۲۱ء	عقل و ہوش	از من اے باد صبا گوئے بدانائے فرنگ	۳۷
مارچ ۱۹۲۲ء	کلام اقبال	صد صبح بلا خیزے، صد آہ شرر ریزے	۱۴
ایضاً	ایضاً	متاع قافلہ ما حجازیاں بردند	۱۴
ایضاً	ایضاً	فریب کشمکش عقل دیدنی دارد	۱۴
اکتوبر ۱۹۲۲ء	من و جان نیم سوزے تو و چشم نیم بازے	بملا زمان سلطاں خبرے دہم ز رازے	۳
نومبر ۱۹۲۲ء	نظارہ ڈل	تماشائے ڈل کن کہ ہنگام شام	۴۰
اپریل ۱۹۲۳ء	خودنگرے	ز انجم تا بہ انجم صد جہاں بود	۱۰
مئی ۱۹۲۳ء	پیام مشرق\زندگی	پرسیدم از بلند نگاہے حیات چیست	۳
جون ۱۹۲۳ء	پیام مشرق	اے امیر کامگار اے شہریار	۳-۴
ستمبر ۱۹۲۳ء	نغمہ ساربان حجاز	درہم و دینار من اندک و بسیار من	۳
دسمبر ۱۹۲۳ء	کلام اقبال	ہیچ می دانی کہ صورت بند ہستی با فرانس	۵
ایضاً	ایضاً	عرب از سرشک خونم ہمہ لالہ زار بادا!	۵
فروری مارچ ۱۹۲۴ء	دل	سوز سخن ز نالہ مستانہ دل است	۴۸
اپریل ۱۹۲۴ء	تنہائی	بہ بحر رفتم، گفتم بہ موج بے تابے	۳
ستمبر ۱۹۲۴ء	درس عمل	دانۂ سبحہ بہ زنار کشیدن آموز	۳
جون ۱۹۲۵ء	امی نبی	امئے پاک از ہوئی گفتار او	۱۰

جولائی ۱۹۲۵ء	مئے جوانہ	عرب کے باز دہد محفل شبانہ کجاست	۷
مارچ ۱۹۲۶ء	حیات ملت	ہر کہ عشق مصطفےٰ سامان اوست	۳
اپریل ۱۹۲۷ء	مکافات عمل	خواجہ راازبندہ پیغامے بگو	۲۱
فروری ۱۹۲۹ء	خطاب بہ علمائے حق	دین حق از کافری رسواتر است	۳۹-۴۰
فروری ۱۹۲۹ء	خطاب بہ اقوام شرق	درنہاد ماتب وتاب از دل است	۴۱-۴۲
مارچ ۱۹۲۹ء	پیغام شہید حضرت ٹیپو سلطان شہید	آتشے در دل دگر بر کردہ ام	۳
ستمبر ۱۹۲۹ء	ارمغان محقر بارگاہ حضور آقائے دو جہاںؐ	شعلہ درآغوش دارد عشق بے پروائے من	۳
نومبر و دسمبر ۱۹۲۹ء	درس عمل	ساحل افتادہ گفت گرچہ بسے زیستم	۳
مئی و جون ۱۹۳۰	دین ابراہیمؑ	اے کہ پرسی دین ابراہیمؑ چیست	۳۵
ستمبر ۱۹۳۰ء	نوائے وقت	خورشید بہ دامانم، انجم بہ گریبانم	۲۲
دسمبر ۱۹۳۰ء	محامد سردار کونین	در دل مسلم مقام مصطفےٰ است	۲۲
نومبر ۱۹۳۴ء	مسافر	از دیر مغاں آیم بے گردش صہبامست	۱۲

مئی ۱۹۱۲ء، کلام اقبال، ہمنشیں بے ریا یم از رہ اخلاص گفت، ص ۸

یہ قطعہ اقبال کے متداول کلام میں شامل نہیں - اس قطعہ کو اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے ستائیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۵ر تا ۷ر اپریل ۱۹۱۲ء میں ۷ر اپریل ۱۹۱۲ء بروز اتوار کو فی البدیہہ پیش کیا (۷۳۱) - محمد حنیف شاہد نے سہواً جلسے کی تاریخ ۱۶ر اپریل ۱۹۱۲ء بیان کی ہے (۷۳۲) جو قرین قیاس نہیں کیونکہ ۱۲ر اپریل ۱۹۱۲ء کے "پیسہ اخبار" میں اس جلسے کی رپورٹ شائع ہوئی - اس جلسے میں علامہ اقبال کو اپنی مشہور نظم "شمع اور شاعر" پیش کرنا تھی - نظم چونکہ طویل تھی اس لئے اقبال کو اسے دو نشستوں میں سنانا پڑا - ۷ر اپریل کے روز چار نشستیں منعقد ہوئیں جن میں سے دوسری اور تیسری نشستوں میں اقبال نے یہ نظم سنائی - ایک نشست کی صدارت مرزا سلطان احمد کو کرنا پڑی کیونکہ نواب ذوالفقار علی خان جنہیں پروگرام کے مطابق صدارت کرنا تھی وہ تشریف نہیں لا سکے تھے اور دوسری نشست کی صدارت فقیر سید افتخار الدین نے کی (۷۳۳) - "سرود رفتہ" میں نظم کی طوالت سے قطع نظر ایک دوسرے پہلو کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ انجمن حمایت اسلام کے اس جلسے جس میں علامہ اقبال "شمع و شاعر" پیش کرنے والے تھے کی دو نشستوں کی صدارت قبول کرنے کا وعدہ صدور ہائے جلسہ نے اس شرط پر کیا تھا کہ اقبال ان کی صدارت میں اپنی نظم پیش کریں گے - دونوں بضد رہے - کوئی فیصلہ نہ ہو سکا - لہٰذا انجمن نے یہ فیصلہ کیا کہ "شمع و شاعر" نصف ایک کی صدارت میں پیش کی جائے اور نصف دوسرے کی (۷۳۴) - چنانچہ نظم ختم ہونے کے بعد جب سب لوگ جلسہ گاہ سے نکلنے لگے تو مرزا سلطان احمد نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ "تم بھی عجب ہرجائی ہو، کبھی میری بغل میں اور کبھی فقیر افتخار الدین کی بغل میں - علامہ اقبال نے اس فقرہ کے جواب میں قطعہ فی البدیہہ پیش کیا (۷۳۵) - "۷ر اپریل ۱۹۱۲ء کو منظر عام پر آنے والا یہ قطعہ "زمیندار" کی ۱۷ر اپریل ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں شائع ہوا (۷۳۶) - ہفت روزہ "پیسہ اخبار" نے اسے ۱۸ر اپریل ۱۹۱۲ء کو پیش کیا (۷۳۷) - "صوفی" میں یہ چار اشعار پر مشتمل ہے - "باقیات اقبال"، "سرود رفتہ"، "نوادر اقبال"، "روزگار فقیر (جلد اول)"، "ذکر اقبال" اور "دانائے راز" میں بھی اس کے چار اشعار ہی پیش کئے گئے ہیں - "صوفی" میں اسے "کلام اقبال" کے زیر عنوان دوسرے نمبر پر پیش کیا گیا - "سرود رفتہ" اور "نوادر اقبال" میں اسے قطعہ کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے جبکہ "باقیات اقبال" میں اس کا عنوان "سلطان فقیر" درج کیا گیا ہے - متنی تقابل کیا جائے تو اس قطعہ کے شعر نمبر تین اور چار میں اختلاف نظر آتا ہے - جیسے "صوفی" اور دیگر تمام متون میں "امتیاز ظاہری" لکھا گیا ہے جبکہ صرف "باقیات اقبال" میں اسے "امتیاز ظاہر" لکھا گیا ہے، اسی طرح "صوفی" اور دیگر متون میں "بزم دل" تحریر کیا گیا ہے - جبکہ "باقیات اقبال"، "سرود رفتہ"، "روزگار فقیر" اور "دانائے راز" میں "بزم جاں" تحریر ہے -

اپریل ۱۹۱۶ء، ذکر حبیب، ہر کہ بر خاک پیر حیدر شاہ رفت، ص ۲۵

یہ قطعہ تاریخ بھی اقبال کے متداول کلام کا حصہ نہیں - اقبال سے یہ قطعہ مدیر "صوفی" ملک محمد الدین اعوان نے لکھوایا - مدیر "صوفی" اپنے پیر و مرشد پیر سید غلام حیدر شاہ جن کی وفات ۶ر جولائی ۱۹۰۸ء (۷۳۸) کو ہوئی کے سوانح، کرامات و ملفوظات پر "ذکر حبیب" کے نام سے ایک کتاب ترتیب دینا چاہتے تھے - "ذکر حبیب" کا خیال ان کے ذہن میں ۱۹۱۰ء سے موجود تھا اور وہ رفتہ رفتہ اس پر کام کرتے رہے - پیر غلام حیدر شاہ کے ملفوظات اور کرامات کو ان کے

لاتعداد عقیدت مندوں سے اکٹھا کرنا آسان نہ تھا چنانچہ مدیر" صوفی" نے جون ۱۹۱۰ء سے عرس نمبروں کا آغاز کیا اور "ذکر حبیب" کی اشاعت سے قبل جنوری ۱۹۲۲ء تک کل دس عرس نمبروں اور عام اشاعتوں کی مدد سے خاصا مواد فراہم کیا اور دسمبر ۱۹۲۳ء میں "ذکر حبیب" منظر عام پر آ گئی۔ گویا مدیر "صوفی" نے ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۳ء تک چودہ سال کے عرصے میں "ذکر حبیب" کے کام کو بغیر کسی عجلت کے بڑی احتیاط اور محنت سے انجام دیا۔ "ذکر حبیب" کو ترتیب دینے کے دوران ہی فروری ۱۹۱۶ء میں مدیر "صوفی" نے ملک کے اچھے اچھے شاعروں کو پیر غلام حیدر شاہ کی تاریخ وفات لکھنے کی دعوت دی اور جن گیارہ شعرائے کرام کی طرف سے قطعات موصول ہوئے انہیں اپریل ۱۹۱۶ء کے "صوفی" میں "ذکر حبیب" کے عنوان سے پیش کر دیا (۷۳۹)۔ جیسے کہ محمد الدین فوق کا بیان ہے کہ "... فروری ۱۹۱۶ء میں ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤ الدین نے جو حضرت مغفور کے مریدوں میں ہیں لکھا کہ میں حضرت مرحوم کی سوانحات عمر لکھ رہا ہوں۔ ان کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھدو ان کی فرمائش سے میں نے قطعہ تاریخ لکھا جو اپریل ۱۹۱۶ء کے رسالہ صوفی میں چھپ چکا ہے (۷۴۰)"۔ فوق کا مذکورہ قطعہ "صوفی" کی اپریل ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں "ذکر حبیب" کے عنوان کے تحت آٹھویں نمبر پر درج کیا گیا ہے، جبکہ اقبال کا قطعہ تاریخ اس اشاعت میں اکبرالہ آبادی کے قطعہ تاریخ کے بعد دوسرے نمبر پر شائع کیا گیا ہے، گویا یہ گیارہ قطعات تاریخ جن میں اقبال کا قطعہ تاریخ بھی شامل ہے قریب قریب ایک ہی زمانے میں مدیر "صوفی" کو موصول ہوئے اور اسی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ فوق کی طرح فروری ۱۹۱۶ء میں قریب قریب ایک ہی زمانے میں مدیر "صوفی" نے ان قطعات کو لکھنے کی دعوت بھی مختلف تخلیق کاروں کو بذریعہ خطوط دی۔ جن میں اقبال بھی شامل تھے۔ یعنی فروری ۱۹۱۶ء میں مدیر "صوفی" نے علامہ اقبال کو یہ قطعہ لکھنے کی دعوت دی جس کی تکمیل انہوں نے بلا تاخیر کی اور اپریل ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں ان کا یہ قطعہ منظر عام پر آ گیا۔ تاہم ڈاکٹر عبدالغنی اس قطعہ کے زمانہ تصنیف کا صحیح طور پر سراغ نہیں لگا سکے۔ ان کے خیال میں ۲۸/اپریل ۱۹۱۸ء تک تو یہ قطعہ تصنیف نہیں ہوا تھا (۷۴۱)۔ البتہ بیان کردہ اس تاریخ کے بعد ۱۹۱۸ء میں ہی کسی وقت یہ قطعہ مدیر "صوفی" کو موصول ہوا ہوگا (۷۴۲)۔ یہ تسامح ڈاکٹر عبدالغنی سے "صوفی" میں اس قطعہ تاریخ کی اشاعت کو نظر انداز کرنے سے ہوا۔ یہ قطعہ دو اشعار پر مشتمل ہے۔ "صوفی" میں اسے "ذکر حبیب" کے تحت اردو کلام کے نمونوں کے ساتھ دوسرے نمبر پر درج کیا گیا۔ "صوفی" میں اس قطعہ تاریخ کی اشاعت کا حوالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی فہرست میں بوجوہ موجود ہے (۷۴۳)۔ حالانکہ انہوں نے اپنی فہرست میں فارسی کلام کے حوالوں کو پیش کرنے سے احتراز کیا ہے۔ اس قطعہ پر مشتمل اقبال کے ہاتھ سے لکھی گئی تحریر کا عکس سب سے پہلے "ذکر حبیب" کے ساتھ دسمبر ۱۹۲۳ء میں منظر عام پر آیا (۷۴۴)۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ "صوفی" کی اپریل ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں اور خود "ذکر حبیب" (۷۴۵) میں ایک لفظ کو اقبال کی املا کے مطابق درج نہیں کیا گیا۔ خطی تحریر میں اقبال نے واضح طور پر "جلوہائے" تحریر کیا ہے جبکہ اسے کتابت میں "جلوہ ہائے" لکھ دیا گیا ہے۔ یہاں سے تمام متون میں اسی طرح نقل ہوتا رہا۔ "باقیات اقبال (۷۴۶)" اور "سرود رفتہ (۷۴۷)" میں یہ قطعہ شامل ہے۔ تاہم دونوں میں سہواً "امین" کو "زمین" اور "رسیدو" کو رسیدہ" لکھا گیا ہے۔ نیز اقبال نے اس قطعہ میں "مغفور" سے سن وفات اخذ کیا ہے جبکہ "باقیات اقبال" میں سہواً "مغفور گفت" کو سن وفات کا ماخذ ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ قطعہ "آئینہ تواریخ"، "گلبن تاریخ" اور "ام التواریخ" میں بھی موجود ہے (۷۴۸)۔

اگست ۱۹۲۰ء، دربار رسالت میں (اقبال کے ہاتھوں) ہندوستان کی نذر، شعلہ درآغوش دارد عشق بے پروائے من، ص ۳۸

یہ غزل علامہ اقبال نے عرشی امرتسری، مولانا ظفر علی خاں اور حکیم طغرائی امرتسری کے لگاتار تحریک دلانے پر لکھی۔ جنگ عظیم اول کے بعد ۱۹۱۹ء میں یورپی اتحادیوں نے ترکی اور عرب کے علاقہ جات سمیت پورے عالم اسلام پر اپنی حکمرانی قائم کر لی۔ مسلمانان عالم فطری طور پر تذبذب کا شکار ہوئے۔ برصغیر میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا تو ان دردناک حالات میں عرشی امرتسری نے روزنامہ "زمیندار" میں ۱۳ر مئی ۱۹۲۰ء کو اپنی ایک فارسی نظم چھپوائی جس میں علامہ اقبال کو قوم کی راہنمائی کے لئے دعوت سخن دی گئی تھی۔ مولانا ظفر علی خاں یہ اخبار خود لے کر علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے تو علامہ نے جواباً ایک غزل ع "دانی کہ چیست شیوہ مردان پختہ کار" لکھ کر دی گویا علامہ کا خیال تھا کہ ابھی کام کرنے کا وقت ہے باتیں کرنے کا نہیں۔ دوسرے روز مولانا ظفر علی خان نے علامہ کے جواب کا محاکمہ کیا اور پھر حکیم طغرائی امرتسری نے بھی جواب کا محاکمہ کرتے ہوئے مزید ایک نظم کہی بالآخر اتنے لوگوں کی تشویق رائیگاں نہ گئی اور اقبال نے مولانا ظفر علی خاں کو بتایا کہ انہوں نے اس سلسلے میں کچھ لکھنا شروع کر دیا ہے (۷۴۹)۔ "صوفی" میں چھپنے والی یہ غزل وہی ہے جو اتنے لوگوں کے اصرار کے بعد علامہ نے تصنیف کی۔ اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "... یہ علامہ مرحوم کے کسی مجموعہ کلام میں شامل نہیں ہے (۷۵۰)۔" حالانکہ علامہ نے اسے "پیام مشرق (۷۵۱)" کے حصہ غزلیات "مئ باقی" میں شامل کیا ہے۔ "روزگار فقیر (۷۵۲)" میں اس کا عنوان "صوفی" کی اس اشاعت سے مختلف "نذر ہندوستاں بہ دربار رسالت" بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں "صوفی" نے اس غزل کو "پیام مشرق" کی اشاعت کے بعد ستمبر ۱۹۲۹ء کی اشاعت میں "پیام مشرق" سے نقل کیا تو اس کا عنوان "ارمغان محقر بارگاہ حضور آقائے دو جہاں ﷺ (۷۵۳)" مقرر کیا، جبکہ "پیام مشرق" میں اقبال نے اسے بلاعنوان پیش کیا ہے۔ "صوفی" کے اگست ۱۹۲۰ء کے شمارے میں اس غزل کے چھ اشعار شائع ہوئے۔ علامہ اقبال نے اسے "پیام مشرق" میں شامل کرتے ہوئے شعر نمبر تین، چار یعنی دو شعر ترک کر دیئے اور بقیہ چار اشعار کے ساتھ تین نئے شعر شامل کر کے اسے سات اشعار کی حامل بنا دیا۔ "صوفی" کی اشاعت سے جو چار اشعار "پیام مشرق" میں شامل ہوئے اقبال نے ان میں سے دو کی ترتیب کو بھی بدلا یعنی پانچویں شعر کو چوتھے اور چھٹے شعر کو تیسرے کے طور پر پیش کیا اور آخر پر تین نئے شعر شامل کئے۔ دو متروک شعر "روزگار فقیر" میں موجود ہیں۔ "پیام مشرق" اور "صوفی" کے اس متن میں ایک اختلاف نظر آتا ہے، جہاں "صوفی" میں "چوں" لکھا گیا اور "پیام مشرق" میں "خوں" لکھا گیا ہے۔

جون ۱۹۲۱ء، عقل و ہوش، از من اے باد صبا گوئے بدانائے فرنگ، ص ۳۷

"بیاض اقبال (۷۵۴)" میں ان اشعار پر ۱۰ر اپریل ۱۹۱۹ء کی تاریخ رقم ہے۔ یہ تین شعر علامہ اقبال نے ۴ر ستمبر ۱۹۱۹ء کو بدایوں سے نکلنے والے رسالے "نقیب" کے لئے بھجوائے (۷۵۵)۔ کئی ماہ کا غیر تخلیقی عرصہ گزارنے کے بعد اقبال یہ اشعار لکھ سکے اور چونکہ "نقیب" کا تقاضا عرصے سے موجود تھا۔ اس لئے مدیر "نقیب" کو ارسال کر دیئے (۷۵۶)۔ "نقیب" میں علامہ کا ۴ر ستمبر کا خط جس میں اشعار شامل تھے بطور عکس تحریر شائع ہوا (۷۵۷)۔ اس خط میں اقبال نے اشعار پر کوئی عنوان درج نہیں کیا تھا گویا "نقیب" میں یہ اشعار بلاعنوان درج ہوئے تاہم "صوفی" میں یہ اشعار "عقل و ہوش" کے عنوان سے شائع

ہوئے۔ علامہ اقبال نے جب "پیام مشرق" کو ترتیب دیا تو ان اشعار کو اس کے حصہ "نقش فرنگ" میں "پیام" کے زیر عنوان پہلے بند کے ابتدائی تین اشعار کے طور پر پیش کیا۔ "پیام مشرق" اور دیگر متون میں کوئی اختلاف موجود نہیں۔ "بیاض اقبال" میں پہلے دو اشعار کے درمیان مزید ایک شعر موجود تھا جسے بیاض میں کاٹ دیا گیا ہے۔

مارچ ۱۹۲۲ء، کلام اقبال، صد صبح بلا خیزے، صد آہ شرر ریزے، ص ۱۴

یہ غزل "صوفی" کے اس شمارے میں "کلام اقبال" کے زیر عنوان پہلے نمبر پر شائع ہونے والی تخلیق ہے۔ "صوفی" میں اس غزل کے چار اشعار پیش کئے گئے۔ "پیام مشرق (۷۵۸)" کو ترتیب دیتے ہوئے اقبال نے اسے حصہ غزلیات "مئ باقی" میں شائع کیا اور "صوفی" میں شائع ہونے والے دوسرے شعر

آں صلح فراموشے، آں عربدہ انگیزے

آں پردہ نشیں شوخے، آں شوخ کم آمیزے

کو ترک کر دیا اور بقیہ تین اشعار کے ساتھ تین نئے شعر شامل کر کے اسے چھ اشعار کے ساتھ پیش کیا۔ چھ اشعار کی اصلاح شدہ غزل "بیاض اقبال (۷۵۹)" میں بھی موجود ہے۔ متروک شعر کے علاوہ "صوفی" کی اشاعت کے بقیہ تین شعر "پیام مشرق" میں پہلے، دوسرے اور پانچویں شعر کے طور پر پیش کئے گئے۔ "پیام مشرق" میں شامل کرتے ہوئے اقبال نے اس کے پہلے اور تیسرے شعر کو اصلاح سے ہمکنار کیا۔ مثلاً "صوفی" کی اشاعت کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں کے نصف اول کو ملا کر مصرعہ اولیٰ تشکیل دیا گیا اور اسی طرح دونوں مصرعوں کے نصف آخر کو ملا کر مصرعہ ثانی تعمیر کیا گیا۔ "صوفی" میں پہلا شعر یوں تھا:

صد صبح بلا خیزے، صد آہ شرر ریزے

صد نالۂ شبگیرے، یک شعر دلا ویزے

اصلاح کے بعد "پیام مشرق" میں یہ پہلا شعر یوں ہے:

صد نالۂ شبگیرے، صد صبح بلا خیزے

صد آہ شرر ریزے، یک شعر دلا ویزے

اسی طرح "صوفی" کی اشاعت میں تیسرے شعر کے مصرعہ ثانی میں "ایں" اور "آں" کو ایک دوسرے سے بدل ڈالا پہلے یہ مصرعہ یوں تھا۔ ع

ایں تیشۂ فرہادے، آں حیلۂ پرویزے

اصلاح کے بعد علامہ اقبال نے "پیام مشرق" میں اسے یوں پیش کیا: ع

آں تیشۂ فرہادے، ایں حیلۂ پرویزے

"پیام مشرق" میں اقبال نے تیسرے، چوتھے اور چھٹے شعر کو نئے اضافے کے طور پر پیش کیا۔

مارچ ۱۹۲۲ء، کلام اقبال، متاع قافلہ ما حجازیاں بردند، ص ۱۴

غزل کے یہ دو اشعار "صوفی" میں "کلام اقبال" کے عنوان کے تحت پیش کیا جانے والا اقبال کا دوسرا نمونہ ہے۔ "روزگار فقیر (۷٦۰)" کے مطابق یہ دو اشعار اقبال کے کسی مجموعہ میں شامل نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں اشعار "پیام مشرق (۷٦۱)" کے حصہ غزلیات "مئ باقی" میں سات اشعار کی اس غزل میں شعر نمبر چار اور پانچ کے طور پر موجود ہیں جس کا مطلع ہے: ؎

بشاخ زندگی ما نمے زتشنہ لبی است　　تلاش چشمہ حیواں دلیل کم طلبی است

ان دو اشعار میں سے اقبال نے دوسرا شعر مولانا غلام قادر گرامی کو ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۱ء کے خط میں ارسال کیا اور رائے طلب کرتے ہوئے لکھا کہ "... بھلا یہ شعر کیسا ہے۔ (نظیری اور حافظ کی غزلیں اس زمین میں مشہور ہیں۔ شاید آپ کی بھی ہے (۷٦۲)۔)" مولانا گرامی نے اقبال کے اس شعر کو پسند فرمایا (۷٦۳)۔ ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو گرامی کو ایک شعر بھجوانے کے بعد اقبال نے ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۱ء کے خط میں اس غزل کے مزید پانچ اشعار گرامی کو بھجوائے جن میں تیسرے نمبر پر وہ شعر بھی شامل ہے جو "صوفی" میں پہلے نمبر پر اور "پیام مشرق" میں چوتھے نمبر پر موجود ہے۔ اس غزل کی زمین اقبال کو بہت پسند تھی یہی وجہ تھی کہ انہوں نے گرامی کو بھی اس زمین میں شعر کہنے کی طرف مائل کیا۔ علامہ اقبال اس خط میں لکھتے ہیں کہ "ظہور مصطفوی والا شعر آپ نے پسند کیا۔ نظیری کی غزل اس پر خوب ہے مگر خواجہ حافظ کی غزل سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ اگر اس زمین میں آپ پہلے نہیں لکھ چکے تو ضرور لکھیے اور جو شعر ہوں خط میں تحریر فرمائیے، آپ کو گزشتہ ہفتہ خط لکھنے کے بعد ایک آدھ شعر اور ہو گیا تھا (۷٦۴)۔"" "صوفی" میں شائع ہونے والے ان دو اشعار میں سے پہلے شعر میں ایک مقام پر اختلاف نظر آتا ہے جہاں "صوفی" میں "کہ لب نہ کشائی" تحریر ہے جبکہ "پیام مشرق" میں "کہ زباں نکشائی" اور "روزگار فقیر" میں "تو لب نہ کشائی" لکھا گیا ہے۔ حالانکہ ابتدائی متن جو علامہ اقبال نے گرامی کو ارسال کیا اس میں اسے فقط "زباں نہ کشائی" تحریر کیا گیا تھا۔

مارچ ۱۹۲۲ء، کلام اقبال، فریب کشمکش عقل دیدنی دارد، ص ۱۴

غزل کے یہ دو اشعار "صوفی" میں "کلام اقبال" کے تحت پیش کیا جانے والا اقبال کا یہ تیسرا نمونہ ہے۔ "پیام مشرق (۷٦۵)" کو ترتیب دیتے ہوئے اقبال نے ان دو اشعار کو حصہ غزلیات "مئ باقی" میں سات اشعار پر مشتمل ایک غزل کے مطلع و مقطع کے طور پر پیش کیا۔ "صوفی" کے دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی میں ایک اختلاف نظر آتا ہے۔ "صوفی" میں "است اول" تحریر ہے جبکہ "پیام مشرق" میں اسے "است و دل" تحریر کیا گیا ہے۔

اکتوبر ۱۹۲۲ء، من و جان نیم سوزے تو و چشم نیم بازے، بملازمان سلطان خبرے دہم زرازے، ص ۳

یہ غزل "صوفی" میں چھ اشعار پر مشتمل ہے۔ "پیام مشرق (۷٦٦)" کو ترتیب دیتے ہوئے علامہ اقبال نے اس میں دو اشعار کا اضافہ کر کے "مئ باقی" حصہ غزلیات میں شائع کیا۔ "صوفی" میں اس غزل کے چھٹے شعر کے مصرعہ ثانی کو عنوان کے طور پر پیش کیا گیا جبکہ "پیام مشرق" میں یہ بلا عنوان درج ہے۔

"بیاض اقبال (۷۶۷)" میں اقبال نے عنوان کی جگہ لفظ "غزل" لکھا ہے۔ "پیام مشرق" میں اقبال نے شعر نمبر چار اور پانچ کا اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ اشعار کی ترتیب کو بھی تھوڑا سا بدلا یعنی "صوفی" کے شعر نمبر چار کو آٹھ اور شعر نمبر پانچ کو سات کے طور پر پیش کیا۔ اسی طرح شعر نمبر ایک کے مصرعہ ثانی میں اصلاح کرتے ہوئے "زنوائے" کو "پیام مشرق" میں "بنوائے" تحریر کیا اور شعر نمبر چھ کے مصرعہ اولیٰ ع "ز تغافل تو خام برہ تو ناتمام" کو اصلاح کے نتیجے میں الٹ کر ع "بہ رہ تو ناتمام، ز تغافل تو خام" کی صورت میں پیش کیا۔ ان دونوں اصلاحوں کی گواہی "بیاض اقبال" سے مل جاتی ہے۔

نومبر ۱۹۲۲ء، نظارۂ ڈل (کشمیر)، تماشائے ڈل کن کہ ہنگام شام، ص ۴۰

یہ قطعہ اقبال نے اگست ۱۹۲۱ء میں کشمیر کی جھیل ڈل کی سیر کے دوران غروب آفتاب کے منظر کے جھیل کو پانی میں منعکس ہونے کے دلفریب نظارے کو دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ جھیل ڈل کی دلفریبیوں سے اقبال پہلے سے واقف تھے کیونکہ "مخزن" میں اکتوبر ۱۹۰۱ء کے شمارے میں اقبال کے ایک دوست خوشی محمد ناظر ڈل کی سیر کا حال بڑے پرتاثیر انداز سے لکھ چکے تھے (۷۶۸)۔ پھر محمد الدین فوق کا رسالہ "رہنمائے کشمیر" بھی اقبال کی توجہ سیر کشمیر کی طرف مبذول کرانے میں کامیاب رہا۔ اقبال نے "رہنمائے کشمیر" دیکھنے کے بعد ۸/ جون ۱۹۱۷ء کے خط میں فوق کو لکھا کہ "... افسوس ہے کہ میں نے آج تک کشمیر کی سیر نہیں کی لیکن امسال ممکن ہے کہ آپ کا رسالہ مجھے بھی ادھر کھینچے (۷۶۹)۔" تاہم ۱۹۱۷ء میں اقبال کشمیر نہ جا سکے البتہ "رہنمائے کشمیر" نے سیر کشمیر کا خیال ان کے دل میں پختہ ضرور کر دیا جس کی تکمیل وہ ۱۹۲۱ء میں کر پائے۔ یہ قطعہ اقبال کی اجازت سے محمد عمر جو اس سیر میں علامہ کے ہمراہ تھے نے سب سے پہلے "ہزار داستان" میں شائع کرایا (۷۷۰)۔ "ہزار داستان" کے ایڈیٹر حکیم احمد شجاع اس قطعہ کو مصور صورت میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ لیکن عبدالرحمان چغتائی کی بیماری کے باعث ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی اور پھر وہ اس قطعہ کی اشاعت میں مزید دیر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انتظار کئے بغیر شائع کر دیا۔ "ہزار داستان" کے اداریہ میں وہ لکھتے ہیں کہ "'نظارہ ڈل، کی اشاعت کے لئے میں جناب محمد عمر صاحب فاروقی کا ممنون احسان ہوں۔ ان کی اور میری خواہش تو یہ تھی کہ "ترجمان حقیقت" کے ان اشعار کو ایک پیکر صوری میں متشکل کر کے پیش نظر کیا جاتا۔ مگر بہ قسمتی سے ہمارے سحر طراز مصور جناب عبدالرحمن چغتائی کی طویل علالت طبع سد راہ ہو گئی۔ علامہ اقبال کے اس نتیجہ فکر کو بہت دیر تک شائقین کی نگاہ سے چھپائے رکھنا ایک ظلم ہے، اور یہ سمجھ کر کہ حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را تو میں ناچار ان اشعار کو کسی بیرونی آرائش کے بغیر شائع کر رہا ہوں۔ کشمیر جنت نظیر کا بہترین نظارہ ہمارے ملک کے بہترین شاعر کے دل پر کیا اثر کر گیا۔ اس کی یادان اشعار میں ایک مدت تک محفوظ رہیگی (۷۷۱)۔" "ہزار داستان" میں یہ قطعہ محمد عمر کے نوٹ کے ساتھ درج کیا گیا۔ یہ نوٹ بجائے خود اہم ہے کیونکہ اس سے اس قطعہ کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے۔ محمد عمر لکھتے ہیں کہ "گذشتہ سال ماہ اگست میں جب علامہ اقبال قبلہ دو اہم مقدمات کی پیروی کے سلسلہ میں رونق افروز کشمیر ہوئے تو ایک دن مولوی احمد الدین صاحب وکیل لاہور اور منشی نور الٰہی صاحب تحصیلدار کے ایسے علم دوست اصحاب کی معیت میں ڈل کی سیر کے لئے گئے۔ ڈل وہی جھیل ہے جس کی یاد میں ہمایوں مرحوم کی زبان سے بے اختیار نکل گیا تھا۔

جی چاہتا ہے ہو میرا مسکن نسیم باغ

مر جایئے تو ڈل کے کنارے مزار ہو

دونوں وقت مل رہے تھے کہ شکارہ (ہلکی کشتی) اس انجمن ادب کو لئے ڈل میں پہنچ گیا - اس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا - شفق پھولی ہوئی تھی - اور اس منظر کا عکس ڈل کے شفاف پانی میں شرر افشانی کر رہا تھا - اس کیف آور نظارہ نے عجب کیفیت پیدا کر رکھی تھی - جس نے علامہ ممدوح کے دل پر خاص اثر پیدا کیا - تھوڑی دیر صحیفہ قدرت کے اس سنہری ورق کا مطالعہ کرنے کے بعد خلاق معانی بحر فکر میں غوطہ زن ہوئے - اور دو درشاہوار نکال لائے - آج ان انمول موتیوں سے 'ہزار داستان' کا گوشوارہ بنایا جاتا ہے - جناب کا ارادہ انہیں ایک نظم میں منسلک کرنے کا تھا - مگر گوناگوں مصروفیتوں نے اس خیال کو فعل میں منتقل نہ ہونے دیا - اب انہوں نے راقم الحروف کے تقاضائے بے ہنگام سے تنگ آ کر ان کی اشاعت کی اجازت عطا فرمائی - نقاش فطرت کی قدرت دیکھنا دو شعروں میں سارے منظر کی تصویر کھینچ دی ہے (۷۷۲) -" تاہم یہ عجیب بات ہے کہ محمد عمر نے اپنے رفیق کار نور الٰہی کے ہمراہ اسی قطعہ کو غیر مطبوعہ قرار دے کر ۱۹۴۵ء میں رسالہ "آج کل (۷۷۳)" میں اسے پھر سے شائع کرایا اور "ہزار داستان" میں شائع ہونے والے نوٹ میں ترمیم و اضافہ کر کے نوٹ کو نئی صورت دے دی اور "آج کل" میں شامل کر دیا - "آج کل" میں نوٹ یوں درج ہے کہ "اگست ۱۹۲۱ء وہ تاریخی مہینہ ہے جب حضرت اقبال آخری بار اپنے وطن مالوف کشمیر میں تشریف لائے اور اس سرزمین کا درد بھرے دل سے مطالعہ کیا - جس کے تاثرات انکے کلام مبارک میں جابجا پائے جاتے ہیں - مگر اسی کے پہلو میں آپ نے فضائے کشمیر کے متعلق جہانگیر کے زاویہ نگاہ کو نظر انداز نہ کیا - ان کے مشاہدہ کا ماحصل یہ تھا کہ معاشرتی لحاظ سے اس خطہ کے جہنم ہونے میں شک نہیں مگر مناظر فطرت کی فراوانی اور آب و ہوا کی شادابی کی رو سے جس نے کہا خوب کہا کہ زمین پر اگر فردوس ہے تو یہی خطہ کشمیر ہے - ان ناقابل فراموش ایام میں ایک دن جناب مولوی احمد الدین مرحوم وکیل لاہور منشی نور الٰہی مرحوم (میرے ازلی شریک کار) اور اس خاکسار نے بڑی جدوجہد کے بعد حضرت والا کو جھیل ڈل کی سیر پر مجبور کیا - جنہیں آنحضرت کا شرف قرب حاصل ہے ان پر مخفی نہیں کہ آپ کو کسی جگہ تشریف ارزانی فرمانے پر آمادہ کرنا کس قدر مشکل مہم تھی - موٹر کے ذریعہ نشاط باغ جا کر ڈل کی بہار دیکھنا آپ نے مصنوعی (خلاف فطرت) قرار دیا اور ہم تینوں آنحضرت کے ساتھ شکارے (ایک ہلکی سی کشتی) میں بیٹھ کر ڈل کی طرف روانہ ہوئے - شالامار، نسیم اور نشاط باغ کو پسند کیا - اور "زہد شکن" کا خطاب عطا کیا -

کیا جامع تعریف ہے - واپس ہوئے تو دونوں وقت مل رہے تھے - آفتاب آخر منزل پر پہونچ رہا تھا - شفق پھول رہی تھی اور یہ منظر سالم کا سالم ڈل کے شفاف پانی میں تیر رہا تھا - تھوڑی دیر تک صحیفہ قدرت کے اس سنہری ورق کا خاموشی سے مطالعہ کرنے کے بعد خلاق معانی بحر فکر میں غوطہ زن ہوئے اور دو در شہوار نکال لائے - جناب کا ارادہ انہیں ایک نظم میں منسلک کرنے کا تھا مگر طبیعت کا رجحان کسی اور طرف ہو گیا اور یہ دو اشعار میرے پاس پڑے رہے جو امانت اب میں "آجکل" کے حوالہ کرتا ہوں (۷۷۴) -" ان دونوں نوٹوں میں ڈل کی سیر کو اگست ۱۹۲۱ء کا واقعہ بیان کیا گیا ہے تاہم محمد عبداللہ قریشی اس سے اتفاق نہیں کرتے - ان کے خیال میں یہ واقعہ اگست سے پہلے کا ہے کیونکہ اقبال ڈل کی سیر کے بعد جولائی میں لاہور پہنچ چکے تھے - وہ لکھتے ہیں کہ "جولائی ۱۹۲۱ء

کے پہلے عشرے میں اقبال لاہور واپس آ گئے (۷۷۵)-" لیکن راقمہ کا خیال ہے کہ محمد عبداللہ قریشی کی تحقیق درست نہیں- اصل میں محمد عبداللہ قریشی کو مغالطہ ہوا ہے کیونکہ اقبال ۱۹۲۱ء میں کئی بار کشمیر جا کر لاہور واپس آئے- اقبال کے خطوط کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال مقدمات کے سلسلے میں ۱۸/اپریل (۷۷۶) کو شملے گئے اور دس روز کے بعد واپس آئے (۷۷۷)- اسی طرح ۴، ۵ اور ۷/مئی کو شملہ میں مقدمات پر بحث تھی (۷۷۸)-۱۱/ جولائی ۱۹۲۱ء سے قبل منشی سراج الدین کے مقدمہ کے سلسلے میں گئے (۷۷۹) تاہم کشمیر سے بیمار ہو کر واپس آئے (۷۸۰) لیکن ۲۱/جولائی ۱۹۳۱ء تک وہ بالکل خیریت سے تھے (۷۸۱)- یعنی صحت یاب ہو چکے تھے- اس کے بعد اقبال اگست ۱۹۲۱ء میں تبدیلی آب و ہوا کے لئے شملہ گئے اور طبیعت کی ناسازی کے باعث چار پانچ روز سے زیادہ قیام نہ کیا- ۳۰/اگست ۱۹۲۱ء کے خط جو حقیقتاً وحید احمد مسعود بدایونی کے نام ہے میں لکھتے ہیں کہ " تبدیلی ہوا کے لئے شملہ چلا گیا تھا، مگر وہاں جاتے ہی طبیعت اور بگڑ گئی اور چار پانچ روز کے بعد واپس آ گیا- اب خدا کے فضل سے کسی قدر اچھا ہوں (۷۸۲)-" اقبال نے اگست ۱۹۲۱ء میں کشمیر جانے کا ذکر ۱۱/اکتوبر ۱۹۲۱ء کے ایک خط بنام مہاراجہ کشن پرشاد میں مکرر کیا ہے- لکھتے ہیں کہ " سال گزشتہ نقرس نے بہت پریشان و مضمحل رکھا- امسال اگست میں ایک مقدمے کے لئے کشمیر جانے کا اتفاق ہوا- وہاں سے اسی مرض میں مبتلا ہو کر واپس آیا (۷۸۳)-" ان معروضات کی روشنی میں راقمہ کا خیال ہے کہ محمد عبداللہ قریشی کی تحقیق درست نہیں کیونکہ محمد عمر کے بیان کی گواہی اقبال کے خطوط سے مل جاتی ہے کہ اقبال اگست ۱۹۲۱ء میں کشمیر گئے- راقمہ کا قیاس ہے کہ اقبال اگست کے تیسرے عشرے میں کشمیر گئے اور ڈل کی سیر کی، کیونکہ ۱۳/اگست ۱۹۲۱ء کے خط میں اقبال نے منشی سراج الدین کو لکھا کہ "... وجوہات اپیل دو چار روز تک لکھ کر ارسال خدمت کر دوں گا (۷۸۴)-" گویا ۱۳/اگست کے بعد دو چار روز تک اقبال کا کشمیر جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا- جبکہ ۳۰/اگست ۱۹۲۱ء سے قبل وہ کشمیر میں چار پانچ روز گزار کر واپس بھی آ چکے تھے- لہٰذا یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اقبال اگست ۱۹۲۱ء کے تیسرے عشرے میں ڈل کی سیر پر گئے جہاں یہ قطعہ تصنیف ہوا- " صوفی " نے اس قطعہ کو ماخذ کا حوالہ درج کر کے " ہزار داستان " سے نقل کیا- یہ قطعہ " سرود رفتہ (۷۸۵)"، " باقیات اقبال (۷۸۶)"، " رخت سفر (۷۸۷)"، " تبرکات اقبال (۷۸۸)"، " حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں (۷۸۹)"، " اقبال اور کشمیر (۷۹۰)" اور مجلہ " اقبال (۷۹۱)" میں پیش کیا گیا ہے- متن کا ایک اختلاف نظر آتا ہے- جہاں " صوفی " اور دیگر متون میں " کہ ہنگام " تحریر ہے جبکہ " سرود رفتہ " اور " باقیات اقبال " میں اسے " بہ ہنگام " لکھا گیا ہے نیز مجلہ اقبال " میں ایک جگہ " ڈل " کو سہواً " دل " لکھ دیا گیا ہے " جو محض کتابت اور پروف خوانی کی غلطی معلوم ہوتی ہے-

اپریل ۱۹۲۳ء، خودنگرے، زانجم تا بہ انجم صد جہاں بود، ص ۱۰

یہ رباعی علامہ اقبال نے آئین سٹائین کے نظریہ تکوین اضافی پر غور و خوض کے بعد تصنیف کی (۷۹۲)- " صوفی " سے پہلے یہ رباعی " ہزار داستان (۷۹۳)" کے فروری ۱۹۲۳ء کے شمارے میں شائع ہوئی- " پیام مشرق (۷۹۴)" کو ترتیب دیتے ہوئے علامہ اقبال نے اسے حصہ رباعیات " لالہ طور " میں چھتر ویں رباعی کے طور پر بلاعنوان درج کیا- اس رباعی کا عنوان " خودنگرے " اقبال کے الفاظ میں تو ہے البتہ اقبال کا مقرر کیا ہوا نہیں- اصل میں

یہ عنوان حکیم احمد شجاع مدیر "ہزار داستان" کا مقرر کیا ہوا ہے۔ "ہزار داستان" کے صفحہ ادارت میں وہ لکھتے ہیں کہ "... قطعہ کا عنوان میں نے علامہ موصوف کی مشہور نظم تسخیر فطرت کے ایک باب پیدائش آدم کے ایک لاجواب شعر سے اخذ کیا ہے۔ جس میں انسان کی تخلیق کا مژدہ اس پیرایہ میں سنایا گیا ہے۔

فطرت آشفت کہ از خاک جہاں مجبور

خود گرے خود شکنے خود نگرے پیدا شد (۷۹۵) "

یہ شعر جس سے مدیر "ہزار داستان" نے عنوان حاصل کیا ہے اس رباعی کی طرح "پیام مشرق (۷۹۶)" میں ہی شامل ہے اور "افکار" کی نظم "تسخیر فطرت" کے پہلے حصے "میلاد آدم" میں دوسرے شعر کے طور پر موجود ہے۔ "بیاض اقبال (۷۹۷)" میں یہ بلاعنوان درج ہے۔ اس رباعی میں کوئی متنی اختلاف موجود نہیں۔

مئی ۱۹۲۳ء، پیام مشرق/زندگی، پرسیدم از بلند نگاہے حیات چیست، ص ۳

فروری ۱۹۲۳ء میں چودھری محمد حسین اپنے ایک مضمون "پیغام مشرق" کے ذریعے یہ نوید سنا چکے تھے کہ "پیام مشرق" زیر طبع ہے۔ ترتیب پا چکی ہے اور یہ کہ پہلا حصہ کاتب کے پاس لکھنے کو جا چکا ہے اور قریب قریب دو ماہ میں شائع ہو جائے گی (۷۹۸)۔ بالآخر "پیام مشرق" ۵ سے ۹ رمئی کے درمیان کسی روز مطبع سے چھپ کر آئی (۷۹۹)۔ "پیام مشرق" کی اشاعت کے ساتھ ہی مدیر "صوفی" نے اس کے "افکار" نامی حصے سے ایک نظم "زندگی (۸۰۰)" کو نمونے کے طور پر اس نوٹ کے ساتھ نقل کیا کہ "علامہ اقبال کی تازہ ترین تصنیف "پیام مشرق" کے متعلق ان صفحات پر ایک سے زائد مرتبہ تذکرہ آچکا ہے۔ آج ہم موثق معلومات کی بنا پر قارئین کرام تک یہ خوشخبری پہنچانے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ کہ یہ نادر روزگار (نادر روزگار) کتاب (ہے)۔ علامہ اقبال کے حیات پرور خیالات و افکار کے شیدائی اسے ہمارے ہاں سے منگا سکتے ہیں۔ جس نظم سے ہم آج "صوفی" کے صفحہ کو مزین کرتے ہیں۔ یہ اسی گلدستہ کا ایک عنبر بیز پھول اور اسی لڑی کا ایک شاہوار گوہر ہے۔ اور اس کی رباعیات قطعات مسلسل نظموں اور غزلوں میں سے کونسی چیز ایسی ہے جو اپنے اندر حقائق و معارف کے سمندر نہیں رکھتی۔ اس کو پڑھ کر ارباب بصیرت خود اندازہ فرمالیں گے کہ مشرقی دنیا کے اس سب سے بڑے شاعر کی بلندی منزلت اور رفعت مرتبت کا کیا عالم ہے۔" پانچ اشعار کی اس نظم کو "پیام مشرق" کے پہلے ایڈیشن (۸۰۱) سے نقل کرنے کے باوجود اس کے چوتھے اور پانچویں شعر میں اغلاط نظر آتی ہیں۔ جیسے "صوفی" میں "شوق مضمر" کو "سیر مضمر" اور "ہمی" کو "ہمیں" لکھ دیا گیا ہے۔

جون ۱۹۲۳ء، پیام مشرق، اے امیر کامگار اے شہریار، ص ۳-۴

"پیام مشرق" کی اشاعت کے بعد مدیر "صوفی" نے علامہ کے اس مجموعہ کلام کے تعارف کے لئے "پیش کش" بحضور امیر امان اللہ خاں سے بعض اقتباسات ایک نوٹ کے ساتھ درج کئے۔ نوٹ یوں ہے کہ "جیسا کہ ہم اپنی گذشتہ اشاعت میں عرض کر چکے ہیں۔ علامہ اقبال کے حیات پرور افکار عالیہ کا تازہ ترین مرقع شائع ہو گیا۔" پیام مشرق" پر مفصل انتقاد کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کا اچھی طرح مطالعہ کرلیں۔ یہ سطور صرف قارئین کرام تک اس کی

اشاعت کی بشارت پہنچانے کے لئے سپرد قلم کیجا رہی ہیں - ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ اعلیٰ حضرت ضیغم اسلام امیر امان اللہ خاں غازی خلد اللہ تعالیٰ ملکہ، واجلالہ، کی ذات والا صفات سے منسوب ہے - ذیل میں ہم اسی انتساب کے بعض حصے یہاں درج کرتے ہیں - علامہ ممدوح نے کس طرح ایک ایک مصرعہ کو اسلامی زندگی کے حقائق کا سمندر بنا دیا ہے اور اعلیٰحضرت امیر غازی کو غیور ملت افغانیہ کی تہذیب کیلئے کیسے کیسے معارف بتائے ہیں -"" پیام مشرق" میں "پیش کش" کے سات بند ہیں - جن میں سے "صوفی" نے پہلے، چوتھے، پانچویں اور ساتویں کل چار بندوں کو پیش کیا ہے اور اس میں بھی "پیام مشرق" کے چوتھے بند کے پانچویں اور ساتویں بند کے پانچویں، چھٹے اور ساتویں شعر کو حذف کر دیا ہے -" پیام مشرق" کے پہلے ایڈیشن (۸۰۲) سے نقل کرنے کے باوجود بعض غلطیاں نظر آتی ہیں - ساتویں بند کے آخری چھ اشعار کو "صوفی" کی مابعد اشاعت مارچ ۱۹۲۶ء میں "حیات ملت" کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے -

ستمبر ۱۹۲۳ء، نغمۂ ساربان حجاز، درہم و دینار من اندک و بسیار من، ص ۳

مئی ۱۹۲۳ء میں "پیام مشرق" کا پہلا ایڈیشن منظر عام پر آیا تو یہ نظم اس میں شامل نہیں تھی - علامہ اقبال "پیام مشرق" کے پہلے ایڈیشن میں کچھ اہم نظمیں شامل کرنے کے لئے مزید انتظار کرنا چاہتے تھے لیکن اپنے والد محترم کے اصرار پر نظموں کا اضافہ کئے بغیر بہ عجلت پہلا ایڈیشن شائع کر دیا (۸۰۳) -" پیام مشرق" کا دوسرا ایڈیشن مارچ ۱۹۲۴ء کے آخری ہفتہ میں ۲۷/مارچ ۱۹۲۴ء سے قبل منظر عام پر آیا تو اس کے "افکار" نامی حصے میں "حدی (نغمہ ساربان حجاز)" کے عنوان سے یہ نظم موجود تھی (۸۰۴) - گویا" پیام مشرق" میں شامل ہونے سے قبل یہ نظم "صوفی" میں اشاعت پذیر ہوئی - یہی وجہ ہے کہ "صوفی" کا متن جسے اس نظم کا ابتدائی متن قرار دیا جا سکتا ہے میں اور" پیام مشرق (۸۰۵)" کے متن میں کافی اختلافات نظر آتے ہیں -" صوفی" اور" پیام مشرق" دونوں میں یہ نظم آٹھ بندوں پر مشتمل ہے تاہم "پیام مشرق" میں شامل کرتے ہوئے اقبال نے اس کے پہلے بند میں مصرعوں کی ترتیب کو بدل ڈالا یعنی "صوفی" کے پہلے مصرعے کو" پیام مشرق" میں تیسرے، دوسرے کو چوتھے، تیسرے کو پانچویں، چوتھے کو پہلے اور پانچویں کو دوسرے مصرعے کے طور پر پیش کیا - تیسرے بند کے چوتھے مصرعے میں "تندروئے" کو "تندروی" میں تبدیل کیا - چوتھے بند کے تیسرے مصرعے میں "راہ رواں" کو "راہ داں" میں، پانچواں بند کے پہلے دوسرے مصرعوں میں "خرام" کو "زمام" اور "زمام" کو "خرام" میں اور اسی بند کے تیسرے مصرعے میں "بے خودش" کو "بے خورش" میں، چھٹے بند کے پانچویں مصرعے میں "غزل" کو "غزال" میں آٹھویں بند کے دوسرے مصرعے میں "زیروغش" کو "زیرو بمش"، تیسرے میں "قافلہ ہائے" کو "قافلہ ہا" اور پانچویں مصرعے میں "چہرہ سا" کو "چہرہ سائے" میں تبدیل کر دیا -

دسمبر ۱۹۲۳ء، کلام اقبال، ہیچ می دانی کہ صورت بند ہستی با فرانس، ص ۵

"صوفی" میں "کلام اقبال" کے عنوان سے پیش کیا جانے والا اقبال کا یہ پہلا نمونہ کلام ہے - یہ نظم اقبال نے سر مائیکل اوڈوائر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کی فرمائش پر جنگ عظیم اول میں برطانیہ کی فتح کے سلسلے میں پنجاب پبلسٹی کمیٹی لاہور (۸۰۶) کے مشاعرے منعقدہ بریڈلا ہال لاہور میں ۱۵/دسمبر ۱۹۱۸ء کو نواب ذوالفقار علی خاں کی صدارت میں پیش کی (۸۰۷) -" برگ گل (۸۰۸)" میں ایک مقام پر مشاعرے کی تاریخ سہواً ۱۵/ستمبر ۱۹۱۸ء لکھ دی گئی ہے جو حقائق کے

منافی ہے۔ یہ وہی مشاعرہ ہے جہاں اقبال نے اپنی اردو نظم "شعاع آفتاب" بھی پیش کی۔ ان نظموں کی خاص بات یہ تھی کہ ان کا کوئی تعلق فتح یا جنگ سے نہیں تھا۔ شیخ اعجاز کا خیال ہے کہ شاید "پنجاب کا جواب" نظم کے سلسلے میں علامہ پر انگریز سرکار کے بارے میں حسن ظن رکھنے کے جو اعتراضات بعض حلقوں میں کیے گئے وہ ان تک پہنچ چکے تھے (۸۰۹)۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ نے جلسے میں شریک ہونے کے باوجود اس کے موضوع کو نظر انداز کر دیا۔ یہ نظم "زمانہ" جنوری ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی (۸۱۰)۔ اور "برگ گل" کے مطابق ۲۴ رجنوری ۱۹۱۹ء کو لاہور سے شائع ہونے والے ایک مجموعہ کلام "انتخاب لاجواب، انتخاب لاجواب، کے صفحہ گیارہ پر اشاعت پذیر ہوئی (۸۱۱)۔ "زمانہ" میں فروری ۱۹۱۹ء کے شمارے میں کرنل بھولا ناتھ نے اس نظم پر اعتراضات کیے جن کا محاکمہ "زمانہ" مارچ ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں خواجہ عبدالواحد ندوی نے کیا (۸۱۲)۔ "صوفی" میں اس نظم کو "کلام اقبال" کے عنوان کے تحت گویا بلا عنوان پیش کیا گیا جبکہ "زمانہ" میں اس کا عنوان "نصیب ماز جہان است بعد ہمت ما" اور "انتخاب لاجواب، انتخاب لاجواب" میں "تقسیم ازل" پیش کیا گیا ہے۔ "بیاض اقبال" (۸۱۳) میں بھی یہ "تقسیم ازل" کے عنوان سے موجود ہے۔ "صوفی" میں بوجوہ اس کے چار اشعار درج کیے گئے جبکہ علامہ اقبال نے مشاعرے میں اس کے پانچ اشعار پیش کیے تھے (۸۱۴)۔ "بیاض اقبال"، "باقیات اقبال (۸۱۵)"، "ذکر اقبال (۸۱۶)"، "اوراق گم گشتہ (۸۱۷)"، "ماہ نو (۸۱۸)" اور "برگ گل (۸۱۹)" میں اس کے مکمل پانچ اشعار ہی موجود ہیں۔ "صوفی" نے جس ایک شعر کو حذف کیا وہ "ماہ نو" میں تیسرے جبکہ دیگر تمام متون میں دوسرے شعر کے طور پر موجود ہے۔ "صوفی" کے متن کا موازنہ دیگر متون سے کیا جائے تو اس نظم کے چار میں سے پہلے کے سوا بقیہ تین شعروں میں اختلاف نظر آتا ہے۔ جیسے "چشم حیراں" کو "ذکر اقبال" میں "چشم بے خواب"، "تابر" کو "برگ گل" (ص ۳۰۲) میں "نابر"، "مضراب" کو "برگ گل" (ص ۲۷۷) میں "مضطرب" اور "چیزے" کو "برگ گل" (ص ۳۰۳) میں "چیزی" تحریر کیا گیا ہے۔

دسمبر ۱۹۲۳ء، کلام اقبال، عرب از سرشک خونم ہمہ لالہ زار بادا، ص ۵

یہ غزل "صوفی" میں "کلام اقبال" کے تحت پیش کیا جانے والا اقبال کا دوسرا نمونہ کلام ہے۔ یہ غزل "پیام مشرق" کے پہلے ایڈیشن میں شامل نہیں تھی۔ "پیام مشرق" کا دوسرا ایڈیشن مارچ ۱۹۲۴ء کے آخری ہفتے میں منظر عام پر آیا تو اضافہ شدہ غزلیات (۸۲۰) میں یہ غزل بھی "پیام مشرق" میں موجود تھی۔ گویا "صوفی" میں اس غزل کے متن کو "پیام مشرق" میں شمولیت سے قبل ابتدائی متن کے طور پر پیش کیا گیا۔ "صوفی" میں اس غزل کے چھ اشعار ہیں جبکہ "پیام مشرق" (۸۲۱) میں درج کرتے ہوئے اقبال نے ساتویں شعر کے ایک اضافے کے ساتھ اس کو سات اشعار کی حامل بنا دیا اور ترتیب اشعار کو بھی کسی قدر بدل ڈالا "پیام مشرق" میں "صوفی" کے دوسرے شعر کو چوتھا، چوتھے کو دوسرا، پانچویں کو چھٹا اور چھٹے کو پانچواں بنا کر پیش کیا گیا۔ دو اشعار میں معمولی اختلاف بھی نظر آتا ہے۔ جیسے "صوفی" میں دو مقامات پر "تپش ست" لکھا گیا تھا جسے "پیام مشرق" میں "تپش است" لکھا گیا۔ اسی طرح "صوفی" میں "درآئی" تحریر تھا "پیام مشرق" میں اسے "درائی" کر دیا گیا۔

فروری مارچ ۱۹۲۴ء، دل، سوز سخن زنالہ مستانہ دل است، ص ۴۸

یہ غزل "پیام مشرق (۸۲۲)" کے حصہ غزلیات "مئ باقی" میں شامل ہے لیکن "پیام مشرق" کے پہلے ایڈیشن میں یہ موجود نہ تھی - اقبال نے اسے مارچ کے آخری ہفتہ میں ۲۷/ مارچ ۱۹۲۴ء سے قبل منظر عام پر آنے والے "پیام مشرق" کے دوسرے ایڈیشن میں اضافے کے طور پر شامل کیا (۸۲۳) - گویا یہ غزل "پیام مشرق" کے ذریعے منظر عام پر آنے سے تھوڑا قبل "صوفی" میں اشاعت پذیر ہوئی - "صوفی" میں اس غزل کی ردیف کی مناسبت سے اس کا عنوان "دل" درج کیا گیا ہے جبکہ "پیام مشرق" میں یہ بلا عنوان موجود ہے - "صوفی" اور "پیام مشرق" دنوں میں اشعار کی تعداد بھی یکساں یعنی سات ہے - متن کا کوئی اختلاف بھی موجود نہیں -

اپریل ۱۹۲۴ء، تنہائی، بہ بحر رفتم، گفتم بہ موج بے تابے، ص ۳

یہ نظم "پیام مشرق (۸۲۴)" کے حصہ "افکار" میں چار بند مخمس کی صورت میں موجود ہے - تاہم مئی ۱۹۲۳ء میں جب "پیام مشرق" کا پہلا ایڈیشن منظر عام پر آیا تو یہ نظم اس میں موجود نہ تھی، کیونکہ اس وقت تک یہ تخلیق نہ ہو سکی تھی - اگر تخلیق ہو چکی ہوتی تو پہلے ایڈیشن کا حصہ ضرور بنتی - یہ نظم دسمبر ۱۹۲۳ء میں اس وقت تخلیق ہوئی جب "علی گڑھ میگزین" کے مدیر خواجہ منظور حسین نے سجاد حیدر یلدرم کی وساطت سے میگزین کے لئے تازہ کلام فراہم کرنے کی درخواست کی اور اقبال نے فوراً اسی خط کی پشت پر یہ نظم تحریر کر کے سجاد حیدر یلدرم کے نام ارسال کر دی اور لکھ بھیجا کہ "ڈیر سجاد! "اس خط کے پچھلے صفحے پر چند اشعار لکھتا ہوں - ایڈیٹر صاحب کو دے دیجیئے - اس وقت جلدی میں ہوں - معاف کیجیئے گا، علیحدہ کاغذ پر نہیں لکھ سکا (۸۲۵) - علامہ اقبال نے اس نظم کو مارچ ۱۹۲۴ء میں منظر عام پر آنے والے "پیام مشرق" کے دوسرے ایڈیشن میں اضافے کے طور پر شامل کر دیا - یہیں سے "صوفی" نے اس کو نقل کیا، تاہم نقل کرنے میں بے احتیاطی کا مظاہرہ کرنے کے باعث "صوفی" کا متن کئی اغلاط کا حامل ہے، جس کا اندازہ اقبال کی نظم کے اس خطی عکس کو دیکھ کر ہوتا ہے جو اقبال نے سجاد حیدر بلرام کے خط کی پشت پر درج کی تھی - یہ عکس "صحیفہ اقبال (۸۲۶)" میں موجود ہے - اس خطی عکس کو دیکھ کر ایک اصلاح کا علم بھی ہوتا ہے جو اس نظم کے دوسرے بند کے دوسرے مصرعے سے متعلق ہے - جہاں خطی عکس میں اقبال نے "آہ فغاں" لکھا ہے اور بعد ازاں اصلاح کرتے ہوئے "پیام مشرق" میں اسے "آہ و فغاں" لکھ دیا ہے - "صوفی" کی اغلاط یوں ہیں کہ "رفتم و گفتم" کو "رفتم، گفتم"، "کشید و پیچ" کو "کشید، پیچ"، تین مقامات پر "است" کو "ست" اور "و لے" کو "دلے" لکھ دیا گیا ہے - بعد ازاں اکتوبر ۱۹۲۴ء کے "زمانہ (۸۲۷)" میں یہ نظم شائع ہوئی -

ستمبر ۱۹۲۴ء، درس عمل، دانہ سبحہ بہ زنار کشیدن آموز، ص ۳

یہ غزل "پیام مشرق (۸۲۸)" کے حصہ غزلیات "مئ باقی" میں شامل ہے تاہم راقمہ کا قیاس ہے کہ "صوفی" میں اسے "پیام مشرق" سے نقل نہیں کیا گیا، کیونکہ "صوفی" میں یہ غزل پانچ اشعار پر مشتمل ہے اور عنوان بھی درج کیا گیا ہے، جبکہ "پیام مشرق" میں یہ آٹھ اشعار کی حامل ہے اور بلا عنوان درج کی گئی ہے - اگر اسے "پیام مشرق" سے نقل کیا جاتا تو اس کے آٹھ اشعار پیش کئے جاتے لہٰذا راقمہ کا خیال ہے کہ جس طرح "صوفی" نے علامہ اقبال کے اردو کلام کے مجموعوں کی موجودگی میں کلام اقبال کے ابتدائی نمونوں کو پیش کرنا شروع کیا تھا اسی طرح فارسی کلام کے ضمن میں بھی "صوفی" نے "پیام مشرق" میں اس

غزل کی موجودگی میں اس کا ابتدائی نمونہ پیش کیا- گو کہ "صوفی" میں شائع شدہ ان پانچ اشعار میں کوئی اختلاف نظر نہیں آیا تاہم "پیام مشرق" میں شعر نمبر دو، چھ اور آٹھ کے اضافے سے "صوفی" کے اشعار کی ترتیب "پیام مشرق" میں یوں بدل گئی ہے کہ پہلے شعر کے علاوہ "صوفی" کا دوسرا شعر "پیام مشرق" میں تیسرے، تیسرا چوتھے، چوتھا پانچویں اور پانچواں ساتویں شعر کے طور پر درج کیا گیا ہے-" بیاض اقبال (۸۲۹)" میں اس کے نو شعر تھے جن میں سے ایک کاٹ دیا گیا اور بقیہ "پیام مشرق" میں شامل کر لئے گئے-

<u>جون ۱۹۲۵ء، امی نبی، امئے پاک از ہوئی فتاراو، ص۱۰</u>

پانچ اشعار کی یہ نظم ۱۰/اپریل ۱۹۱۸ء (۸۳۰) میں شائع ہونے والے علامہ اقبال کے مجموعہ کلام "رموز بے خودی (۸۳۱)" میں شامل ہونے کے بعد "صوفی" میں کلام اقبال کے ابتدائی نمونے کے طور پر پیش کی گئی- "رموز بے خودی" میں ان پانچ اشعار کو "در معنی ایں کہ جمیعت حقیقی از محکم گرفتن نصب العین ملیہ ونصب العین امت محمد یہ حفظ ونشر توحید است" کے تحت دوسرے بند، جو بتیس اشعار پر مشتمل ہے میں شعر نمبر انیس سے شعر نمبر تیس تک درج کیا گیا ہے، کسی شعر میں کوئی اصلاح نظر نہیں آتی -

<u>جولائی ۱۹۲۵ء، مئے جوانہ، عرب کہ باز دہد محفل شبانہ کجاست، ص ۷</u>

یہ غزل علامہ اقبال کے جون ۱۹۲۷ء میں منظر عام پر آنے والے مجموعہ کلام "زبور عجم (۸۳۲)" میں شامل ہے- یہ "زبور عجم" کے حصہ دوم جس کے بارے میں اقبال نے گرامی کو لکھا تھا کہ "دوسرے حصے میں آدم کے خیالات آدم کے متعلق ہیں (۸۳۳)"- میں سترہویں نمبر پر درج کی گئی ہے- "صوفی" نے اسے "زبور عجم" کی اشاعت سے بہت پہلے پیش کیا- گویا "صوفی" کے متن کو اس غزل کے ابتدائی متن کی حیثیت حاصل ہے- "زبور عجم" میں اسے بلا عنوان درج کیا گیا ہے، البتہ دونوں متون میں اشعار کی تعداد سات ہے- متن کا صرف ایک معمولی اختلاف نظر آتا ہے جہاں "صوفی" میں پانچویں شعر میں لفظ "خیزد" تحریر ہے تو "زبور عجم" میں علامہ اقبال نے اسے "خیز و" تحریر کیا ہے-

<u>مارچ ۱۹۲۶ء، حیات ملت، ہر کہ عشق مصطفےٰ سامان اوست، ص۳</u>

"حیات ملت" کے عنوان سے پیش کردہ یہ چھ اشعار "پیام مشرق (۸۳۴)" کی "پیش کش" کا اقتباس ہیں- یہ اشعار "پیش کش" کے ساتویں یعنی آخری بند کے گیارہ تا سولہ درج کئے گئے آخری چھ اشعار ہیں- ان کا عنوان ان چھ اشعار میں سے تیسرے شعر کے مصرعہ اولیٰ ع "زانکہ ملت را حیات از عشق اوست" سے اخذ کردہ ہے- یہ اشعار "صوفی" کی ماقبل اشاعت جون ۱۹۲۳ء میں پیش کردہ "پیش کش" کے اقتباسات کے ایک جز کے طور پر شائع ہو چکے ہیں- تاہم "صوفی" کی دونوں اشاعتوں میں ان اشعار میں اغلاط کی نوعیت یکساں ہے- "صوفی" کے بعد یہی چھ اشعار ۱۵/دسمبر ۱۹۲۷ء کے "انقلاب (۸۳۵)" میں ہدیہ بحضور شہریار غازی" کے عنوان سے درج کئے گئے- تاہم ان کا متن "صوفی" کے برخلاف "پیام مشرق" کے متن کے مطابق یعنی اغلاط سے پاک ہے- حیات اقبال کے چند مخفی گوشے (۸۳۶)" میں "انقلاب" کی اشاعت کا حوالہ موجود ہے-

اپریل ۱۹۲۷ء، مکافاتِ عمل، خواجہ راز بندہ پیغامے بگو، ص ۲۱

یہ نظم ۹/اپریل ۱۹۲۷ء کے روزنامہ "انقلاب" میں شائع ہوئی (۸۳۷)۔"انقلاب" نے اسے "نیرنگ خیال" کے عید نمبر سے نقل کیا (۸۳۸)۔"صوفی" نے ماخذ کا حوالہ درج کر کے "انقلاب" سے اسے نقل کیا۔"انقلاب" میں اس نظم پر ایک نوٹ درج کیا گیا تھا۔"صوفی" میں بھی اسی نوٹ کو آخری فقرے میں معمولی سی ترمیم کے ساتھ بعینہ پیش کر دیا گیا ہے۔"بیاضِ اقبال (۸۳۹)" میں اسے "بندگی نامہ" کے تحت دوسرے بند کے حصے کے طور پر درج کیا گیا ہے۔سات اشعار کی یہ نظم سوڈان کے مجاہد درویشوں کے سردار مہدی سوڈانی کے حوالے سے ہے۔فروری ۱۹۳۲ء (۸۴۰) میں جب اقبال نے "جاوید نامہ" مرتب کیا تو اس میں "نمودار شدن درویش سودانی (۸۴۱)" کے عنوان سے پچیس اشعار کی نظم دو بندوں کی صورت میں پیش کی اور اس نظم کے پانچویں شعر کو اصلاح کے ساتھ پانچویں نمبر پر ہی اور چھٹے شعر کے مصرعہ اولیٰ کو اصلاح کے ساتھ اور مصرعہ ثانی کو من وعن چوتھے شعر کے طور پر پیش کیا۔جبکہ سات اشعار کی نظم میں سے پہلے چار اور ایک آخری کل پانچ اشعار کو ترک کر دیا گیا۔"صوفی" کے ماخذ یعنی "انقلاب" سے یہ نوٹ اور سات اشعار "حیاتِ اقبال کے چند مخفی گوشے (۸۴۲)" میں پیش کر دیئے گئے ہیں، گویا متروک و اصلاح پانے والے تمام اشعار اس میں موجود ہیں، تاہم "انقلاب" سے نقل کرنے میں بے احتیاطی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، نوٹ میں "مجاہد درویشوں" کی جگہ "مہدی درویشوں" اور اشعار میں دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں "ے" کو "می" لکھ دیا گیا ہے۔جبکہ "صوفی" میں نقل کرنے میں احتیاط کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔"بیاضِ اقبال" سے متنی تقابل سے پتہ چلتا ہے کہ "انقلاب" میں سہواً "آدمے" کو "آدمی"، "می کند" کو "ے کند" اور "درعمل" کو "ازعمل" لکھا گیا، یہی اغلاط "صوفی" کے ساتھ ساتھ دیگر متون میں بھی نقل ہو گئیں۔

فروری ۱۹۲۹ء، خطاب بہ علمائے حق، دینِ حق از کافری رسواتر است، ص ۴۰

اس نظم کے خطی عکس کے مطابق علامہ اقبال نے یہ نظم ۷/فروری ۱۹۲۹ء کو لکھی (۸۴۳)۔۹/فروری ۱۹۲۹ء کے "انقلاب" میں آئندہ روز اس نظم کے شائع ہونے کی اطلاع درج ہوئی (۸۴۴)۔۱۰/فروری ۱۹۲۹ء کے "انقلاب" میں صفحہ اول پر یہ شائع ہوئی۔اسے "انقلاب" کے ہیڈ کاتب منشی عبدالقدوس نے رقم کیا (۸۴۵)۔"صوفی" نے "انقلاب" سے ماخذ کا حوالہ درج کرتے ہوئے اسے نقل کیا۔یہ نظم چار بندوں اور چھبیس اشعار پر مشتمل ہے۔اس نظم کو "جاوید نامہ (۸۴۶)" میں درج کرتے ہوئے علامہ اقبال نے ایک مکمل بند جو اس نظم کا چوتھا بند ہے ترک کر دیا اور تین بندوں پر مشتمل نظم پیش کی۔یوں اقبال نے شعر نمبر سات تا نو اور بیس تا چھبیس کل دس اشعار ترک کر کے متروک اشعار نمبر سات، آٹھ، نو کی جگہ نئے اشعار کا اضافہ کیا اور کل انتیس اشعار کے ساتھ نظم "جاوید نامہ" میں پیش کی۔اقبال نے پہلے بند سے جو تین شعر ترک کر کے تین نئے شعر درج کئے ان میں سے دو شعر پہلے بند میں شامل کئے اور ایک شعر کو دوسرے بند کا پہلا شعر بنا دیا۔"جاوید نامہ" میں اقبال نے اس کو نیا عنوان "سعید حلیم پاشا" عطا کیا۔علاوہ ازیں اس نظم کے متروک اشعار میں سے اقبال نے شعر نمبر چوبیس اور پچیس دو اشعار کو "جاوید نامہ (۸۴۷)" میں ہی "خطاب بہ جاوید (سخنے بہ نژادِ نو)" کے تحت چوتھے بند میں شعر نمبر پانچ اور چھ کے طور پر پیش کیا۔متروک اشعار سمیت مکمل نظم "سرودِ رفتہ (۸۴۸)" میں بھی موجود ہے۔اس نظم کو "جاوید نامہ" میں شامل کرتے ہوئے اقبال نے اس میں اصلاحات

کیں۔ جیسے شعر نمبر دس کے مصرعہ ثانی ع "برامان اللہ رواداری خروج ؟" کو اصلاح کے بعد یوں کر دیا کہ ع "از نفسہائے تو ملت را ثبات" اسی طرح "عروج" کو "حیات" میں، "بگو" کو "بگوے"، "تنش" کو "تپش"، "رمز حرف" کو "شرح رمز"، "نمے" کو "نمی" اور "زاں آنسوے" کو "زانسوے" میں تبدیل کر دیا۔ "صوفی" میں ایک مقام پر سہو کتابت بھی موجود ہے جہاں "کم نگاہ" کو "گم نگاہ" تحریر کر دیا گیا ہے۔

فروری ۱۹۲۹ء، خطاب بہ اقوام شرق، درنہاد ماتب وتاب از دل است، ص ۴۱-۴۲

۱۶ر فروری ۱۹۲۹ء کے "انقلاب" میں اس نظم کے آیندہ روز شائع ہونے کی اطلاع درج ہوئی (۸۴۹)۔ ۱۷ر فروری ۱۹۲۹ء کے "انقلاب" میں یہ صفحہ اول پر شائع ہوئی۔ اسے "انقلاب" کے ہیڈ کاتب منشی عبدالقدوس نے رقم کیا تھا (۸۵۰)۔ "صوفی" میں اسے حوالہ ماخذ درج کر کے "انقلاب" سے نقل کیا گیا۔ "انقلاب" میں اس نظم کے عنوان میں "شرق" کی بجائے "مشرق" کا لفظ استعمال ہوا تھا۔ "صوفی" میں اسے "شرق" کر دیا گیا۔ یہ نظم چار بندوں اور چھبیس اشعار پر مشتمل ہے۔ علامہ اقبال نے "جاوید نامہ (۸۵۱)" ترتیب دیتے ہوئے "حرکت بہ کاخ سلاطین مشرق نادر، ابدالی، سلطان شہید" کے ذیلی عنوان "ابدالی" کے تحت پیش کیا تو یہ تین بند اور پچیس اشعار پر مشتمل تھی۔ "ابدالی" کے زیر عنوان اس نظم کو درج کرتے ہوئے اقبال نے اس کے شعر نمبر تین، چار، آٹھ اور دس تا چھبیس یعنی کل بیس اشعار ترک کر دیئے اور انیس نئے اشعار کا اضافہ کیا۔ "صوفی" میں چھپنے والی نظم کے پہلے دوسرے شعر کی ترتیب تو "ابدالی" کے تحت وہی ہے جبکہ "صوفی" کے شعر نمبر پانچ کو "ابدالی" کے تحت تیسرے، چھٹے کو چوتھے، ساتویں کو پانچویں اور نویں کو چھٹے شعر کے طور پر پیش کیا گیا نیز "صوفی" میں نویں شعر کی حیثیت ٹیپ کے شعر کی تھی جسے "ابدالی" کے ذیل میں ختم کر دیا گیا۔ متروک اشعار سمیت یہ مکمل نظم "سرود رفتہ (۸۵۲)" میں موجود ہے۔ نظم کے مختلف متون میں اختلاف متن نظر آتے ہیں۔ جیسے "صوفی" میں "بند وجز" لکھا ہے تو "سرود رفتہ" میں "پیچ وجز"، "صوفی" اور "سرود رفتہ" میں "شہر کابل اندریں" تحریر ہے تو "جاوید نامہ" میں اس کی جگہ "ملت افغاں درآں" درج ہے۔ "جاوید نامہ" اور "سرود رفتہ" میں نویں شعر میں تین مقامات پر "است" آیا ہے جبکہ "صوفی" میں اسے "ست" لکھا ہے۔ "صوفی" میں "بانگ او" رقم ہے تو "سرود رفتہ" میں "رنگ و بو" ہے "صوفی" میں "ایست" ہے تو "سرود رفتہ" میں "است" تحریر ہے۔ علامہ اقبال نے اس نظم کے متروک اشعار میں سے شعر نمبر چودہ کے مصرعہ ثانی کو "جاوید نامہ (۸۵۳)" میں ہی "در حضور شاہ ہمدان۔ زندہ رود" کے زیر عنوان پانچویں شعر کے مصرعہ اولیٰ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اسی طرح متروک اشعار میں سے شعر نمبر اٹھارہ تا پچیس یعنی کل آٹھ اشعار "جاوید نامہ (۸۵۴)" میں ہی "سعید حلیم پاشا۔ شرق وغرب" کے ذیل میں پہلے بند کے طور پر شامل کر دیئے گئے ہیں۔

مارچ ۱۹۲۹ء، پیغام شہید۔ حضرت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ، آتشے در دل دگر بر کردہ ام، ص ۳

یہ نظم علامہ اقبال کے متداول کلام میں شامل نہیں۔ "صوفی" کے ساتھ ساتھ یہ نظم روزنامہ "انقلاب" کے "سالگرہ عید نمبر" میں شائع ہوئی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ "انقلاب" کی جس اشاعت میں یہ نظم شائع ہوئی اس پر سہواً کوئی تاریخ درج نہیں کی گئی۔ عابد رضا بیدار نے دیگر شواہد کی روشنی میں اس کی تاریخ کا تعین کیا ہے۔ ان کے خیال میں یہ نظم "انقلاب" میں ۱۲ر مارچ ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی (۸۵۵)۔ "برہان (۸۵۶)" میں اسے "انقلاب" سے نقل کیا گیا

ہے۔"صوفی" اور برہان دونوں میں یہ پانچ اشعار کی حامل ہے۔ اس نظم کا پانچواں شعر "اسرار خودی (۸۵۷)" میں "شرح اسرار اسمائے علی مرتضیٰؓ" کے تحت چھتیسویں شعر کے طور پر موجود ہے۔ "صوفی" اور "برہان" میں پیش کردہ اس نظم کے عنوان ایک جیسے ہیں تاہم دو مقامات پر اختلاف نظر آتا ہے جیسے "صوفی" میں "نیام" لکھا گیا ہے تو "برہان" میں "یندم" لکھا ہے۔ اسی طرح "صوفی" میں "زندگی است" تحریر ہے تو "اسرار خودی" اور "برہان" میں "زندگیست" درج کیا گیا ہے۔

ستمبر ۱۹۲۹ء، ارمغان محقر بارگاہ حضور آقائے دوجہاں، شعلہ در آغوش دارد عشق بے پروائے من، ص ۳

یہ غزل "صوفی" میں "پیام مشرق (۸۵۸)" سے نقل کی گئی کیونکہ تعداد اشعار اور متن میں بھی کوئی فرق نہیں۔ یہ وہی غزل ہے جسے علامہ اقبال نے عرشی امرتسری، مولانا ظفر علی خاں اور حکیم طغرائی کے اصرار پر لکھا اور جو متروک اشعار سمیت یعنی اپنے ابتدائی متن کے ساتھ اگست ۱۹۲۰ء کے "صوفی" میں شائع ہو چکی ہے۔ "صوفی" کی پہلی اشاعت میں اس کا عنوان "دربار رسالت میں (اقبال کے ہاتھوں) ہندوستان کی نذر" تھا اور اب اس اشاعت میں "ارمغان محقر بارگاہ حضور آقائے دوجہاں ﷺ" ہے تاہم "پیام مشرق" میں اسے بلاعنوان ہی درج کیا گیا ہے۔

نومبر دسمبر ۱۹۲۹ء، درس عمل، ساحل افتادہ گفت گرچہ بسے ہے زیستم، ص ۳

"صوفی" کے اس شمارے میں "درس عمل" کو پیش کرنا مقصود نہیں بلکہ آزاد انصاری نے علامہ اقبال کی اس نظم کا جو ترجمہ کیا ہے، اسے پیش کرنا اس اشاعت کا حقیقی مقصد ہے۔ ترجمہ سے قبل چونکہ علامہ اقبال کی نظم کو بھی پیش کیا گیا ہے، اس لیے علامہ کا متن زیر بحث ہے۔ ترجمے کا محاکمہ اس کے موقعے پر درج کیا جائے گا۔ یہ نظم علامہ اقبال کے مجموعہ کلام "پیام مشرق (۸۵۹)" کے "افکار" نامی حصے میں موجود ہے۔ "پیام مشرق" کے پہلے ایڈیشن (۸۶۰) میں اقبال نے اسے "نقش فرنگ" کے ذیل میں پیش کیا اور "صوفی" میں درج ایک ایک مصرعے کے درمیان وقفہ ظاہر کر کے دو دو مصرعوں میں تقسیم کر دیا گویا اس کو دو شعروں کی بجائے چار شعروں میں پیش کیا، تاہم "پیام مشرق" کے دوسرے ایڈیشن (۸۶۱) میں اقبال نے اسے "افکار" کے ذیل میں پیش کیا اور دو دو مصرعوں کو ملا کر ایک مصرعہ ترتیب دیا۔ گویا دوسرے ایڈیشن میں اسے چار اشعار کی بجائے دو اشعار میں پیش کیا۔ "پیام مشرق" میں اس کا عنوان "صوفی" سے مختلف یعنی "زندگی و عمل" ہے اور اقبال نے وضاحتی نوٹ درج کرتے ہوئے لکھا کہ "در جواب نظم ہائنا موسوم "بہ سوالات"" دو اشعار کی اس نظم میں پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں "پیام مشرق" کے ساتھ موازنے سے متن کی دو اغلاط کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جیسے "صوفی" میں "لیک" لکھا ہے جبکہ "پیام مشرق" میں "ہیچ" لکھا گیا ہے۔ اسی طرح "صوفی" میں "کیستم" لکھا گیا ہے جبکہ "پیام مشرق" میں "چیستم" درج کیا گیا ہے۔ "مہک" (اقبال نمبر ۷۵۔ ۱۹۷۴ء، ص ۲۸۳) میں یہ "صوفی" کی طرح "درس عمل" کے عنوان سے موجود ہے۔ ایک اختلاف کے علاوہ سارا متن "صوفی" کے مطابق ہے۔ وہ اختلاف یہ ہے کہ پہلے مصرعے میں "صوفی" میں "بسے" لکھا گیا ہے جبکہ "مہک" میں "لبے" لکھ دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر منیر سلیچ نے اس نظم کی "صوفی" میں اشاعت کے سلسلے میں صحیح حوالہ درج نہیں کیا۔ وہ نومبر دسمبر ۱۹۲۹ء کی بجائے سہواً صرف نومبر ۱۹۲۹ء (۸۶۲) لکھ گئے ہیں۔

مئی و جون ۱۹۳۰ء، دین ابراہیمؑ، اے کہ پرسی دین ابراہیمؑ چیست، ص ۳۵

یہ نظم علامہ اقبال کے متداول کلام میں شامل نہیں۔ "صوفی" کے ساتھ ساتھ یہ نظم ۱۰ر جون ۱۹۲۷ء کے "انقلاب" کے عید نمبر میں صفحہ اول پر شائع ہوئی (۸۶۳)۔ "صوفی" اور "انقلاب" کے متن میں کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں جگہ یہ پانچ اشعار کی حامل ہے۔ اس نظم کے تیسرے شعر کا مصرعہ ثانی وہی ہے جو اقبال نے "اسرار خودی (۸۶۴)" میں "مرحلہ دوم ضبط نفس" کے تحت بارہویں شعر کے مصرعہ ثانی کے طور درج کیا تھا۔ یہ نظم "حیات اقبال کے چند مخفی گوشے (۸۶۵)" میں "انقلاب" کے حوالے سے موجود ہے۔

ستمبر ۱۹۳۰ء، نوائے وقت، خورشید بہ دامانم، انجم بہ گریبانم، ص ۲۲

یہ نظم "پیام مشرق (۸۶۶)" کے حصہ "افکار" میں موجود ہے۔ "بیاض اقبال (۸۶۷)"، "صوفی" اور "پیام مشرق" تینوں میں یہ پانچ بند مخمس کی صورت میں ہے۔ "بیاض اقبال" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظم کا ابتدائی عنوان "نوائے روزگار" تھا۔ اسے "پیام مشرق" سے نقل کیا گیا ہے لیکن بے احتیاطی کے باعث چوتھے بند میں "روح رواں پاکم" کو "روح پاکم" لکھ دیا گیا ہے۔ "بیاض اقبال" اور "پیام مشرق" دونوں سے اس بے احتیاطی کی تصدیق ہوتی ہے۔

دسمبر ۱۹۳۰ء، محامد سردار کونین، در دل مسلم مقام مصطفےٰ ست، ص ۲۲

"صوفی" میں شائع ہونے والی یہ نظم اصل میں "اسرار خودی (۸۶۸)" کا ایک اقتباس ہے۔ "صوفی" میں یہ نظم تیرہ اشعار کی حامل ہے جو "اسرار خودی" میں "در بیاں اینکہ خودی از عشق و محبت استحکام می پذیرد" کے تحت پہلے بند میں شعر نمبر پندرہ تا پچیس اور شعر نمبر اکتیس، بتیس کے طور پر موجود ہیں۔ "صوفی" میں بتیسویں شعر کو ٹیپ کا شعر بنا کر پیش کیا گیا ہے، جبکہ "اسرار خودی" میں یہ ٹیپ کا شعر نہیں۔ متن کا کوئی اختلاف موجود نہیں۔

نومبر ۱۹۳۴ء، مسافر، از دیر مغاں آیم بے گردش صہبا مست، ص ۱۲

یہ غزل علامہ اقبال کی مثنوی "مسافر (۸۶۹)" کی پہلی اشاعت کے موقعے پر اس مجموعے کے نمونہ کلام کے طور پر "صوفی" میں پیش کی گئی۔ علامہ اقبال ۲۱ر اکتوبر سے ۲ر نومبر ۱۹۳۳ء (۸۷۰) تک سید راس مسعود، سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر ہادی حسن (پروفیسر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی) کے ہمراہ حکومت افغانستان کی دعوت پر وہاں کی تعلیمی تنظیم کا خاکہ تیار کرنے اور مشورہ دینے کی غرض سے سرکاری مہمان رہے۔ (۸۷۱) واپسی پر اقبال نے ایک سیاحت نامہ نظم کیا جس کا پہلا ایڈیشن نومبر ۱۹۳۴ء میں منظر عام پر آیا (۸۷۲)۔ "صوفی" نے اسی ایڈیشن سے "مسافر۔ علامہ سر محمد اقبال کا تازہ شاہکار" کے عنوان سے ایک نوٹ کے ساتھ یہ غزل قارئین "صوفی" کی خدمت میں پیش کی۔ "صوفی" میں اس غزل پر درج نوٹ یوں ہے کہ "سال گذشتہ علامہ سر محمدؒ اقبال افغانستان تشریف لے گئے تھے۔ موصوف نے اپنے تاثرات کو سلک مروارید میں پرو کر اہل ملک کے سامنے "مسافر" کے نام سے پیش کیا ہے۔ علامہ ممدوح کے ان تازہ افکار کا ایک نمونہ نذر قارئین ہے۔ کتاب "مسافر" نہایت اعلیٰ کاغذ پر دیدہ زیب طباعت و کتابت کے ساتھ آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہے اور علامہ سر

محمد اقبال مکلوڈ روڈ سے صرف بارہ آنے میں مل سکتی ہے۔" مسافر" کی تعریف اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ یہ علامہ سر محمد اقبال کا نتیجہ فکر ہے۔ امید ہے کہ تشنگان ادب اس ادبی سرمایہ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ (ادارہ)" نوٹ کے بعد سات اشعار کی یہ غزل نقل کرنے کے بعد ایک سطر میں مینیجر "صوفی" کا نوٹ بھی درج ہے کہ " یہ کتاب رسالہ صوفی کے دفتر سے بھی اسی قیمت بارہ آنہ علاوہ محصول میں دستیاب ہو سکتی ہے۔ (منیجر)" ۔ "صوفی" کے متن میں ساتویں شعر کے مصرعہ ثانی میں سہواً است کو" مست" لکھ دیا گیا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(باب چہارم)

۱۔ مخزن، ماہنامہ، لاہور، "غزل" (زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہوگا) از اقبال، مارچ ۱۹۰۷ء، ص ۷۱-۷۲

۲۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۴۰-۱۴۲

۳۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۶۶ء، ص ۴۴۹

۴۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۹ء، ص ۱۵۸

۵۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، علی گڑھ، سرسید بک ڈپو، ۱۹۶۲ء، ص ۲۹۷

۶۔ ڈاکٹر گیان چند، ابتدائی کلام اقبال، حیدرآباد، اردو ریسرچ سینٹر، ۱۹۸۸ء، ص ۳۱۱

۷۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، مقالہ برائے پی - ایچ - ڈی، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، (۱۹۹۰ء)، ص ۱۶۱

۸۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، حیدرآباد دکن، عماد پریس، ۱۳۴۳ھ، ص ۱-۲

۹۔ صحیفہ، سہ ماہی، "اقبال سے متعلق کچھ تحقیق پارے" از ڈاکٹر گیان چند، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۱۰

۱۰۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، سرگزشت اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۶۶

۱۱۔ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۵

۱۲۔ مخزن، ماہنامہ، "غزل اقبال" (چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں)، دسمبر ۱۹۰۶ء، ص ۶۴

۱۳۔ اقبال، سہ ماہی، "کلام اقبال کی اشاعت کی زمانی ترتیب" از صابر کلوروی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۶

۱۴۔ مخزن، ماہنامہ، دسمبر ۱۹۰۶ء، ص ۶۴

۱۵۔ مخزن، ماہنامہ، "فضائے برشگال اور پروفیسر اقبال" از سرور جہاں آبادی، اگست ۱۹۰۶ء، ص ۵۴

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ایضاً، نوٹ بر "غزل اقبال" از (مدیر)، دسمبر ۱۹۰۶ء، ص ۶۴

۱۸۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۳۸

۱۹۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۸-۹

۲۰۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۷۵-۷۶

۲۱۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۹۹

۲۲۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۴۵۰

۲۳۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۵۸

۲۴۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، کراچی، محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ، ۱۹۷۷ء، ص ۸۶

۲۵۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۶۰

۲۶۔ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر، دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۱۰

۲۷۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۶

۲۸۔ مخزن، ماہنامہ، "پیام عشق" از اقبال، اکتوبر ۱۹۰۸ء، ص ۵۸

۲۹۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۲۹

۳۰۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۳۳۰

۳۱۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۴

۳۲۔ صوفی، ماہنامہ، "پیام عشق" از اقبال، مارچ ۱۹۰۹ء، ص ۹

۳۳۔ محمد بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، پٹنہ، مکتبہ دین و دانش، ۱۹۵۰ء، ص ۵۴

۳۴۔ ماہ نو، ماہنامہ، لاہور، ادارہ مطبوعات پاکستان، "خدنگ جستہ" از رئیس مینائی، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۲۴

۳۵۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۱۱

۳۶۔ جامعہ، ماہنامہ، دہلی، جامعہ ملیہ، "اقبالیات" از عبدالقوی دسنوی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۱۹

۳۷۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۳۹

۳۸۔ محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، ص ۲۳۰-۲۳۱

۳۹۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۶

۴۰۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۱۵

۴۱ مخزن، ماہنامہ، "برگ گل" از اقبال، ستمبر ۱۹۰۳ء، ص ۴۱-۴۳

۴۲ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۶۱

۴۳ سیاست، روزنامہ، لاہور، "ڈاکٹر سر محمد اقبال کی دعا - بہ درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ" ۶ را کتوبر ۱۹۲۶ء، صفحہ اول

۴۴ (i) شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص ۵

(ii) اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۵۲-۵۳

۴۵ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۵۲

۴۶ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص ۶

۴۷ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۱۶۹-۱۷۷

۴۸ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۶۱-۱۶۷

۴۹ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۴-۱۷

۵۰ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۲۵۰-۲۵۵

۵۱ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۵۲-۵۵

۵۲ فقیر سید وحید الدین (مرتب)، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۵۷۵-۵۷۷

۵۳ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۴۰۳-۴۰۴

۵۴ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۱۹

۵۵ صوفی، ماہنامہ، "برگ گل" از اقبال، اپریل ۱۹۰۹ء، ص ۱۴

۵۶ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۱۴

۵۷ مخزن، ماہنامہ، "سوامی رام تیرتھ" از اقبال، جنوری ۱۹۰۷ء، ص ۴۹

۵۸ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل، ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۶

۵۹ مخزن، ماہنامہ، "تازہ غزلیں" از اقبال، ستمبر ۱۹۰۴ء، ص ۶۰-۶۱

۶۰ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۸۱-۸۲

۶۱ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۶۴

۶۲۔ ایضاً، ص۴۲۳

۶۳۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۳۶

۶۴۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۳۵-۳۳۶

۶۵۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۲۲-۱۲۳

۶۶۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۰۶-۱۰۷

۶۷۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۶-۱۸

۶۸۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۵۳-۵۷

۶۹۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۶۳-۲۶۴

۷۰۔ صوفی، ماہنامہ، " کلام اقبال" از اقبال، جولائی ۱۹۰۹ء، ص ۲۶

۷۱۔ (i) صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۳۶

(ii) ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۶۵

(iii) محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص ۲۲

۷۲۔ سید مظفر حسین برنی (مرتب)، کلیات مکاتیب اقبال (جلد اول)، لاہور، ترتیب پبلشرز، (س-ن)، ص ۲۷-۳۷

۷۳۔ ایضاً، ص ۲۷

۷۴۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۶

۷۵۔ مخزن، ماہنامہ، " تازہ غزلیں" (کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے) از اقبال، جون ۱۹۰۴ء، ص ۵۹-۶۰

۷۶۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۰۶

۷۷۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۴۴۳

۷۸۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۹۳

۷۹۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۶۲

۸۰۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۹

۸۱۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۵۲-۵۳

۸۲۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۵۰-۲۵۱

۸۳۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۶

۸۴۔ مخزن، ماہنامہ، "فلسفہ غم" از اقبال، جولائی ۱۹۱۰ء، ص ۵۵-۵۶

۸۵۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۳۳

۸۶۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۰۳

۸۷۔ مخزن، ماہنامہ، نوٹ بر "فلسفہ غم" از اقبال، جولائی ۱۹۱۰ء، ص ۵۵

۸۸۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۵۵

۸۹۔ ایضاً، ص ۱۵۵-۱۵۷

۹۰۔ صوفی، ماہنامہ، "موت اور زندگی کی حقیقت" از اقبال، جولائی ۱۹۲۳ء، ص ۱۶

۹۱۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۶۱

۹۲۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۳۴

۹۳۔ محمد بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۵۹-۶۰

۹۴۔ جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۲ء، ص ۱۵۱-۱۵۲

۹۵۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۰۳-۱۰۶

۹۶۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری AIM. 1977.219، مخزونہ اقبال اکادمی پاکستان لائبریری لاہور، ص ندارد

۹۷۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۹۴

۹۸۔ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۸۰

۹۹۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، لاہور، گلوب پبلشرز، (۱۹۷۰ء)، ص ۲۷

۱۰۰۔ (i) ایضاً

(ii) اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۷-۱۱۸، ۱۲۲

۱۰۱۔ مخزن، ماہنامہ، "شکوہ" از اقبال، جون ۱۹۱۱ء، ص ۶۰-۶۶

۱۰۲۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۷

۱۰۳۔ ایضاً

۱۰۴۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال،ص ۱۸۱-۱۹۰

۱۰۵۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۶۳-۱۷۰

۱۰۶۔ (i)اورینٹل کالج میگزین، "علامہ اقبال کا کچھ غیر مطبوعہ کلام" از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، شمارہ خاص (حصہ دوم)، ۱۹۸۳ء، ص ۵۰-۵۱

(ii) الف- صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۹۵

ب- "بیاض بانگ درا" (عکسی)، نمبری AIM. 1977. 207 مخزونہ اقبال اکادمی پاکستان لائبریری لاہور میں اقبال کی تحریر دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صابر کلوروی سے متروک اشعار پیش کرنے میں ایک مقام پر سہو ہوا ہے- انہوں نے اقبال کے تحریر کردہ لفظ "بت خانے" کو "بت خانہ" لکھا ہے-

۱۰۷۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۳۴

۱۰۸۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۳

۱۰۹۔ ادبی دنیا، ماہنامہ، ابتدائیہ بر مضمون "شکوہ اور جواب شکوہ" از محمد عبداللہ قریشی، اپریل مئی ۱۹۷۱ء، ص ۱۷

۱۱۰۔ محمد بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۶۱

۱۱۱۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، ص ۲۸

۱۱۲۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۳۲۰

۱۱۳۔ مخزن، ماہنامہ، "بلالؓ" از اقبال، ستمبر ۱۹۰۴ء، ص ۴۵-۴۶

۱۱۴۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۷-۱۱۸

۱۱۵۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۸۰-۸۱

۱۱۶۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۹۲-۹۳

۱۱۷۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۶۱-۲۶۲

۱۱۸۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۳۴

۱۱۹۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۲۱-۱۲۲

۱۲۰۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۹-۲۰

۱۲۱۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۳۰۰

۱۲۲۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۴۲۲

۱۲۳۔ مہک، سالنامہ، "اقبال کے اشعار- (نقوش اول-نقوش ثانی)" از (ادارہ)، گوجرانوالہ، گورنمنٹ کالج، ۱۹۷۴ء-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۲۶۰

۱۲۴۔ مخزن، ماہنامہ، "غزہ شوال یا ھلال عید" از اقبال، اکتوبر ۱۹۱۱ء، ص ۴۷-۴۸

۱۲۵۔ ایضاً، نوٹ بر "غرہ شوال یا ھلال عید" از (مدیر مخزن)، ص ۴۷

۱۲۶۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۷-۱۱۸

۱۲۷۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۸۱

۱۲۸۔ مخزن، ماہنامہ، اکتوبر ۱۹۱۱ء، ص ۴۷

۱۲۹۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۳۵

۱۳۰۔ محمد بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۶۳

۱۳۱۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۶۳

۱۳۲۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۸۴

۱۳۳۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری AIM. 1977.219

۱۳۴۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۹۷

۱۳۵۔ محمد بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۶۳-۶۴

۱۳۶۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۹۷

۱۳۷۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۷

۱۳۸۔ ایضاً، ص ۱۱۸

۱۳۹۔ ایضاً، ۱۱۷

۱۴۰۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۶۲

۱۴۱۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۸۷

۱۴۲۔ مولوی احمد دین، اقبال، مشفق خواجہ (مرتب)، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۹ء، ص ۲۶۰

۱۴۳۔ محمد بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۶۱

۱۴۴۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۹

۱۴۵۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۱-۸۲

۱۴۶۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۸

۱۴۷۔ مخزن، ماہنامہ، "قطعہ" از اقبال، مئی ۱۹۱۱ء، ص ۵۷-۵۸

۱۴۸۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۵۸-۵۹

۱۴۹۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۱۳-۱۱۴

۱۵۰۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۱۹۰-۱۹۱

۱۵۱۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۷۶-۱۷۷

۱۵۲۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۶۲

۱۵۳۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۳۴

۱۵۴۔ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۶۲

۱۵۵۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری AIM. 1977. 214 مخزونہ اقبال اکادمی پاکستان لائبریری لاہور، ص ندارد

۱۵۶۔ مخزن، ماہنامہ، نوٹ بر "قطعہ" "از مدیر "مخزن"، مئی ۱۹۱۱ء، ص ۵۷

۱۵۷۔ پروفیسر صابر کلوروی (مرتب)، اقبال کے ہم نشین، لاہور، مکتبہ خلیل، ۱۹۸۵ء، ص ۶۸-۶۹

۱۵۸۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۸

۱۵۹۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۲۳

۱۶۰۔ ایضاً، ص ۴۰۷

۱۶۱۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۸

۱۶۲۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۴۲-۱۴۳

۱۶۳۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۲۶۲-۲۶۳

۱۶۴۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۵۰-۵۱

۱۶۵۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۳۱

۱۶۶۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۲۱۶-۲۱۷

۱۶۷۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۳۰۲

۱۶۸۔ محمد بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۳۵

۱۶۹۔ مہک، سالنامہ، ۱۹۷۴-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۲۵۵-۲۵۶

۱۷۰۔ اقبالیات، سہ ماہی، "اقبال "زمیندار" میں"، از عبدالکافی ادیب، جولائی ۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۵

۱۷۱۔ مخزن، ماہنامہ، "نوید صبح" از محمد اقبال، جنوری ۱۹۱۲ء، ص ۶۶

۱۷۲۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۱۱-۲۱۲

۱۷۳۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۸

۱۷۴۔ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۲۷

۱۷۵۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۶۸

۱۷۶۔ اقبالیات، سہ ماہی، جولائی ۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۵

۱۷۷۔ مخزن، ماہنامہ، "طفل شیر خوار" از اقبال، فروری ۱۹۰۴ء، ص ۴۲-۴۳

۱۷۸۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۶۵

۱۷۹۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۹

۱۸۰۔ اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۱۳۶

۱۸۱۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۶۶-۶۷

۱۸۲۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۳۴، ۳۱۷

۱۸۳۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۴۰-۴۴

۱۸۴۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۳۵-۲۳۶

۱۸۵۔ اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۱۴۱-۱۴۲

۱۸۶۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۱۴-۱۱۵

۱۸۷۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۱۷-۳۱۸

۱۸۸۔ مہک، سالنامہ، ۱۹۷۴-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۲۵۹

۱۸۹۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، ص ۲۰۷

۱۹۰۔ پیسہ اخبار ہفت روزہ، لاہور "سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام لاہور" (رپورٹ)، ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء، ص ۲۹

۱۹۱۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۲۰۷

۱۹۲۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۳

۱۹۳۔ اقبالیات، سہ ماہی، جولائی ۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۷-۳۱۸

۱۹۴۔ "پیسہ اخبار" ہفت روزہ، لاہور، "کلام اقبال" از اقبال، ۱۸/اپریل ۱۹۱۲ء، ص ۴

۱۹۵۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۹

۱۹۶۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۲۰۷

۱۹۷۔ اقبالیات، سہ ماہی، جولائی ۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۸

۱۹۸۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۹

۱۹۹۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۲۰۷

۲۰۰۔ پیسہ اخبار ہفت روزہ، ۱۸/اپریل ۱۹۱۲ء، ص ۴

۲۰۱۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۹، ۱۲۳، ۱۳۱

۲۰۲۔ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۱۰

۲۰۳۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۹

۲۰۴۔ رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۷۵ء، ص ۲۶-۲۷

۲۰۵۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۸۰-۲۸۱

۲۰۶۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۲۰۷

۲۰۷۔ رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۲۷

۲۰۸۔ احمد دین، اقبال، مشفق خواجہ (مرتب)، ص ۴۹۶

۲۰۹۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۸۷

۲۱۰۔ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۱۱۴

۲۱۱۔ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۸۳

۲۱۲۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۸۳

۲۱۳۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۳

۲۱۴۔ اقبالیات، سہ ماہی، جولائی ۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۵، ۳۱۷

۲۱۵۔ ایضاً

۲۱۶۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۹

۲۱۷۔ ایضاً

۲۱۸۔ اقبالیات، سہ ماہی، جولائی ۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۷

۲۱۹۔ سیارہ، ماہنامہ، لاہور، "اقبال اور ظفر علی خاں - اشتراک فکر و عمل کے چند پہلو" از پروفیسر جعفر بلوچ، اقبال نمبر ۱۹۹۲ء، ص ۳۷۷

۲۲۰۔ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۸۲

۲۲۱۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۸۳-۱۹۵

۲۲۲۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۶۴

۲۲۳۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۳۵

۲۲۴۔ احمد دین، اقبال، ڈاکٹر مشفق خواجہ (مرتب)، ص ۴۴۱

۲۲۵۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۵

۲۲۶۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۲۰۷

۲۲۷۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۹۷

۲۲۸۔ اورینٹل کالج میگزین، شمارہ خاص (حصہ دوم)، ۱۹۸۳ء، ص ۵۱-۵۲

۲۲۹۔ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۶۴-۶۵

۲۳۰۔ اورینٹل کالج میگزین، شمارہ خاص (حصہ دوم)، ۱۹۸۳ء، ص ۵۱-۵۲

۲۳۱۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۸۰

۲۳۲۔ اقبالیات، سہ ماہی، جولائی ۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۸

۲۳۳۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۵، ۱۲۷

۲۳۴۔ ایضاً، ص ۱۱۹

۲۳۵۔ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۸۲

۲۳۶۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۴۰۰-۴۰۲

۲۳۷۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۶۲-۶۳

۲۳۸۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۷۸-۷۹

۲۳۹۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۸۰

۲۴۰۔ محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص ۳۷۸

۲۴۱۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (بانگ درا)، ص ۱۹۵

۲۴۲۔ مخزن، ماہنامہ، "دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں" از اقبال، ص ۶۳-۶۴

۲۴۳۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۰، ۱۳۲

۲۴۴۔ ایضاً، ص ۱۱۹

۲۴۵۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۹۵-۱۹۶

۲۴۶۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۹۸

۲۴۷۔ بشیر الحق سنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۶۵-۶۶

۲۴۸۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری AIM. 1977.219، ص ندارد

۲۴۹ے مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۲۰۱-۲۰۲

۲۵۰ے مخزن، ماہنامہ، "طلبائے علیگڑھ کالج کے نام" از اقبال، ص ۵۷-۵۸

۲۵۱ے احمد دین، اقبال، ڈاکٹر مشفق خواجہ (مرتب)، ص ۱۶۰

۲۵۲ے مہک، سالنامہ، "علامہ اقبال کا کلام لافانی کیسے بنا؟" از کیپٹن منظور حسین مرحوم، ۱۹۷۴ء-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۲۲۲

۲۵۳ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۱۴-۱۱۵

۲۵۴ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۹

۲۵۵ے بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۵۰-۵۱

۲۵۶ے ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۳۱۲-۳۱۳

۲۵۷ے عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۲۵۶-۲۵۷

۲۵۸ے مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۲۹

۲۵۹ے ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۳۳۹

۲۶۰ے فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۵۷۷-۵۷۸

۲۶۱ے بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۲۸۷

۲۶۲ے ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۳۱۵

۲۶۳ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۳۸

۲۶۴ے (i) بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۶۲

(ii) اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۷

۲۶۵ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۹

۲۶۶ے مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۴۳-۱۴۴

۲۶۷ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۷۲-۱۷۳

۲۶۸ے بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۶۲

۲۶۹ے جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، ص ۱۵۸-۱۵۹

۲۷۰۔ فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۶۰۹

۲۷۱۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۹۵

۲۷۲۔ (i) صوفی، ماہنامہ، نوٹ بر "جواب شکوہ" از (مدیر)، جنوری ۱۹۱۳ء، ص ۲۷

(ii) مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۹۰

(iii) نقوش، ادبی مجلہ، "اقبال کی اپنے کلام پر نظر ثانی" از جگن ناتھ آزاد، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۵۸

۲۷۳۔ نقوش، ادبی مجلہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۵۸

۲۷۴۔ احمد دین، اقبال، مشفق خواجہ (مرتب)، ص ۱۹۶

۲۷۵۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، ص ۴۳

۲۷۶۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۶۶

۲۷۷۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۹

۲۷۸۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۲۷۹۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۹۰-۲۰۱

۲۸۰۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۹۹-۲۰۸

۲۸۱۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۶۶-۳۶۸

۲۸۲۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۳۶-۱۳۷

۲۸۳۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۳۰۲-۳۰۴

۲۸۴۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱-۶

۲۸۵۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۹۰-۲۰۱

۲۸۶۔ مشرق، روزنامہ، لاہور، "علامہ اقبال کا غیر مطبوعہ کلام" از سید سرفراز احمد، ۲۱/اپریل ۱۹۸۳ء، ادارتی صفحہ

۲۸۷۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۹۸

۲۸۸۔ اورینٹل کالج میگزین، شمارہ خاص (حصہ دوم)، ۱۹۸۳ء، ص ۵۲

۲۸۹۔ نقوش، ادبی مجلہ، اقبال نمبر، ستمبر ۱۹۷۷ء، ص ۲۵۸

۲۹۰۔ صحیفہ، سہ ماہی، "اقبال کی دو نظمیں اور ان کا پس منظر" از تحسین سروری، اکتوبر ۱۹۷۳ء (حصہ اول)، اقبال نمبر، ص ۶۱

۲۹۱۔ اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۲۱۸

۲۹۲۔ مخزن، ماہنامہ، نوٹ بر "گورستان شاہی" از اقبال، جون ۱۹۱۰ء، ص ۵

۲۹۳۔ ایضاً، "نظم اقبال" (نوٹ) از مدیر، ص ۲

۲۹۴۔ اقبال، سہ ماہی، "کلیات اقبال کی سرگزشت" از سید عبدالواحد معینی، اپریل ۱۹۶۶ء، ص ۱۴

۲۹۵۔ ایضاً، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۰

۲۹۶۔ مخزن، ماہنامہ، "گورستان شاہی" از اقبال، جون ۱۹۱۰ء، ص ۵-۸

۲۹۷۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۷۸-۸۳

۲۹۸۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۴۹-۱۵۳

۲۹۹۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۹۴

۳۰۰۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۵۵-۳۵۶

۳۰۱۔ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۵۸-۵۹

۳۰۲۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۳۲-۱۳۳

۳۰۳۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ۲۰۴-۲۰۸

۳۰۴۔ رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۲۱۴-۲۱۷

۳۰۵۔ ماہ نو، ماہنامہ، "خدنگ جستہ" از رئیس مینائی، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۲۵-۲۲۶

۳۰۶۔ مہک، سالنامہ، "مخزن اور اقبال" از (ادارہ)، ۱۹۷۴-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۲۲۶-۲۳۱

۳۰۷۔ نقوش، ادبی مجلہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۵۹-۲۶۰

۳۰۸۔ افکار، ادبی مجلہ، "اقبال کی ایک نادر تحریر" از کامل القادری، اپریل مئی ۱۹۶۹ء، خاص نمبر، ص ۱۸-۲۱

۳۰۹۔ اقبالیات، سہ ماہی، جولائی ۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۲۰

۳۱۰۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری AIM. 1977. 219، ص ندارد

۳۱۱۔ محمد طفیل، مکرم، لاہور، ادارہ فروغ اردو، ۱۹۸۶ء، ص ۱۶۲-۱۶۳

۳۱۲۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۰

۳۱۳۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۹۸

۳۱۴۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۸۸-۸۹

۳۱۵۔ ایضاً، ص ۱۳۸

۳۱۶۔ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۱۱

۳۱۷۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۰

۳۱۸۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۴۹-۲۵۰

۳۱۹۔ بشیرالحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۸۰

۳۲۰۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبر AIM.1977. 219، ص ندارد

۳۲۱۔ مخزن، ماہنامہ، "چاند" از اقبال، جولائی ۱۹۰۴ء، ص ۴۱

۳۲۲۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۰

۳۲۳۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۷۸-۸۰

۳۲۴۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۱۳

۳۲۵۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۳۳

۳۲۶۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۲۱

۳۲۷۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۴۲-۴۳

۳۲۸۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۵۱-۲۵۲

۳۲۹۔ مہک، سالنامہ، ۱۹۷۴-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۲۶۰

۳۳۰۔ جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، ص ۱۴۳-۱۴۵

۳۳۱۔ اقبالیات، سہ ماہی، جولائی ۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۲۱

۳۳۲۔ صحیفہ، سہ ماہی، "اقبال کی ایک نظم سلیمیٰ" از پروفیسر صابر کلوروی، جنوری مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۷۸

۳۳۳۔ ایضاً، "اقبال کی ایک نظم فاطمہ بنت عبداللہ اور "الہلال" از اکبر حیدری کشمیری، جولائی ستمبر ۱۹۹۳ء، ص ۳۹

۳۳۴۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۰

۳۳۵۔ ایضاً

۳۳۶۔ صحیفہ، سہ ماہی، جولائی ستمبر ۱۹۹۳ء، ص ۲۸، ۴۰-۴۱

۳۳۷۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۹۰

۳۳۸۔ صحیفہ، سہ ماہی، جولائی ستمبر ۱۹۹۳ء، ص ۴۰

۳۳۹۔ ایضاً، ص ۳۹

۳۴۰۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۹۰-۹۱

۳۴۱۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۱۴-۲۱۵

۳۴۲۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۹۹

۳۴۳۔ ایضاً، ص ۱۴

۳۴۴۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۴۵-۱۴۶

۳۴۵۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۷۱

۳۴۶۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۳۷-۱۳۸

۳۴۷۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۳۰۰

۳۴۸۔ جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، ص ۱۷۴-۱۷۶

۳۴۹۔ رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۳۰-۳۲

۳۵۰۔ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۷۳

۳۵۱۔ مشرق، روزنامہ، ۲۱/اپریل ۱۹۸۳ء، ادارتی صفحہ

۳۵۲۔ نقوش، ادبی مجلہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۶۱

۳۵۳۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۵۸

۳۵۴۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۸۰

۳۵۵۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۳

۳۵۶۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۳۵۷۔ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۶۳

۳۵۸۔ ماہ نو، ماہنامہ، "اقبال اور سسلی" از عباداللہ فاروقی، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۳۲۷

۳۵۹۔ مخزن، ماہنامہ، "جزیرہ سسلی" از اقبال، اگست ۱۹۰۸ء، ص ۶۳-۶۴

۳۶۰۔ مہک، سالنامہ، "اقبال کے چند تمہیدی شذرات" از ادارہ، ۱۹۷۴-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۱۹

۳۶۱۔ محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، ص ۲۳۱

۳۶۲۔ مخزن، ماہنامہ، نوٹ بر "ترانہ مسرت یعنی آمد اقبال" از نیرنگ، اگست ۱۹۰۸ء، ص ۶۲

۳۶۳۔ محمد صدیق، علامہ اقبال اور ان کے بعض احباب، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۸ء، ص ۱۴۳-۱۴۴

۳۶۴۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۲

۳۶۵۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۴۴۵

۳۶۶۔ یونس جاوید (مرتب)، صحیفہ اقبال، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۶ء، ص ۱۴۴-۱۴۵

۳۶۷۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۷۴-۷۵

۳۶۸۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۳۳-۱۳۴

۳۶۹۔ ماہ نو، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۳۲۷

۳۷۰۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۳۹

۳۷۱۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۳۰

۳۷۲۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۵۲

۳۷۳۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۳-۱۴

۳۷۴۔ رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۳۷-۳۸

۳۷۵۔ جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، ص ۱۴۰-۱۴۲

۳۷۶۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۴۴۵-۴۴۶

۳۷۷۔ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۵۵-۵۶

۳۷۸ ماہ نو، ماہنامہ، (i) "خدنگ جستہ"، از رئیس مینائی (ii) "اقبال کا ردکردہ کلام" از عزیز احمد، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۲۳-۲۲۴، ۳۴۶

۳۷۹ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۲

۳۸۰ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۱۱

۳۸۱ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۸۳-۸۴

۳۸۲ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۱۷-۲۱۹

۳۸۳ اورینٹل کالج میگزین، شمارہ خاص (حصہ دوم)، ۱۹۸۳ء، ص ۵۳

۳۸۴ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۳۲۲

۳۸۵ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری AIM.1977.219، ص ندارد

۳۸۶ (i) صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۸

(ii) اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۶

۳۸۷ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۳۲۱، ۴۴۰

۳۸۸ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۲

۳۸۹ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری AIM. 1977.219، ص ندارد

۳۹۰ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۹۵

۳۹۱ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۸

۳۹۲ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۲

۳۹۳ ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، اقبال اور گجرات، ص ۳۴۴

۳۹۴ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۲۱

۳۹۵ جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، ص ۱۴۰

۳۹۶ صحیفہ، سہ ماہی، جنوری مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۸۵

۳۹۷ ایضاً

۳۹۸ے ایضاً، ص ۸۸

۳۹۹ے ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۴۴۰

۴۰۰ے (i) محمد بشیر الحق دیسوی (مرتب)، تبرکات اقبال، دہلی، عارف پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۹ء، ص ۳، ۲۵

(ii) صحیفہ، سہ ماہی، "نوادر اقبال" از اکبر علی خاں، تیرھواں شمارہ، ۱۹۶۰ء، ص ۱۷

۴۰۱ے ماہ نو، ماہنامہ، "ایک جوئے کوہستان - موج رواں" از عابد رضا بیدار، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۰۳

۴۰۲ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۲

۴۰۳ے صحیفہ، سہ ماہی، تیرھواں شمارہ، ۱۹۶۰ء، ص ۱۷

۴۰۴ے مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۳۰

۴۰۵ے غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۲۲۹

۴۰۶ے عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۳۱۱

۴۰۷ے محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۵۱

۴۰۸ے محمد بشیر الحق دیسوی (مرتب)، تبرکات اقبال، ص ۲۵

۴۰۹ے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری AIM. 1977.214، ص ندارد

۴۱۰ے سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۴۶۰

۴۱۱ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۲۱۲

۴۱۲ے ماہ نو، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۰۳

۴۱۳ے ایضاً

۴۱۴ے ایضاً

۴۱۵ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۸۸

۴۱۶ے ماہ نو، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۰۳

۴۱۷ے مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۳۰

۴۱۸ے صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۲

۱۹۔ عطیہ بیگم، اقبال، ضیاء الدین برنی (مترجم)، ص ۸۰

۲۰۔ ایضاً، ص ۸۷

۲۱۔ مخزن، ماہنامہ، "نوائے غم" از اقبال، جون ۱۹۱۲ء، ص ۵۴

۲۲۔ اقبالیات، سہ ماہی، جولائی ۱۹۸۹ء، جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۹

۲۳۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۲

۲۴۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۹۸

۲۵۔ ماہ نو، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، ص ۴۴

۲۶۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۲۴-۱۲۵

۲۷۔ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۵۲-۵۳

۲۸۔ جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، ص ۱۵۲-۱۵۳

۲۹۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۶

۳۰۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۳

۳۱۔ پیسہ اخبار، روزنامہ، "حضرت بلال حبشی" از اقبال، یکم ستمبر ۱۹۲۷ء، ص ۴

۳۲۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۶۸-۱۶۹

۳۳۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۴۱

۳۴۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۶۸

۳۵۔ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۸۷

۳۶۔ فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۵۷۵

۳۷۔ (i) بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۸۲

(ii) ڈاکٹر صابر کلوروی نے اپنی فہرست میں "مخزن" کی اس اشاعت کو فروری مارچ کی اکٹھی اشاعت ظاہر کیا ہے جو "اصلاحات اقبال" کی روشنی میں درست نہیں۔

۳۸۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۴

۴۳۹ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۱۰

۴۴۰ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۷-۸

۴۴۱ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۷۹-۲۸۰

۴۴۲ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۲۰۷

۴۴۳ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۸۲

۴۴۴ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۴

۴۴۵ طریقت، ماہنامہ، "معراج کی رات" از امام الدین رام نگری، مئی 1918ء، ص ۱۲

۴۴۶ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۹

۴۴۷ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۱۱

۴۴۸ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۴۹

۴۴۹ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۵

۴۵۰ ایضاً

۴۵۱ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۹۷

۴۵۲ رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۳۳

۴۵۳ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۲۴-۲۲۵

۴۵۴ محمد بشیر الحق دسنوی، اصلاحات اقبال، ص ۷۶

۴۵۵ رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۳۳

۴۵۶ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۳۸

۴۵۷ مخزن، ماہنامہ، "عشق اور موت" از اقبال، نومبر ۱۹۰۳ء، ص ۴۲-۴۳

۴۵۸ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۱

۴۵۹ نیرنگ خیال، ادبی مجلہ، لاہور "عشق اور موت" از علامہ اقبال، جنوری ۱۹۲۷ء، لاہور نمبر، ص ۱۸

۴۶۰ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۵

۶۶۱ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۵۷

۶۶۲ے ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۲۶

۶۶۳ے ایضاً، ص ۲۲۴-۲۲۵

۶۶۴ے مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۰۶-۱۰۸

۶۶۵ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۵۷-۵۸

۶۶۶ے برگ گل، سالنامہ، کراچی، وفاقی گورنمنٹ اردو کالج، "اقبال کے کچھ متروک اشعار" از سید مرتضی حسین فاضل لکھنوی، ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۹۹

۶۶۷ے غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۱۲-۱۱۳

۶۶۸ے سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۱۳

۶۶۹ے محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۳۸-۱۳۹

۶۷۰ے بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۳۸

۶۷۱ے مہک، سالنامہ، ۱۹۷۴-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۲۵۹

۶۷۲ے ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۴۰۹

۶۷۳ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۳۳

۶۷۴ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی، مشتمل بر اقتباسات بانگ درا، پیام مشرق، مسافر، زبور عجم وغیرہ)، نمبری AIM.1977.213، مخزونہ اقبال اکادمی پاکستان لائبریری لاہور، ص ندارد

۶۷۵ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۶

۶۷۶ے مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۳۴

۶۷۷ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۸۲

۶۷۸ے مخزن، ماہنامہ، "سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں" از اقبال، دسمبر ۱۹۰۴ء، ص ۶۲-۶۳

۶۷۹ے سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۴۵۳

۶۸۰ے ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۴۲۶

۴۸۱۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۶

۴۸۲۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۹-۱۰

۴۸۳۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۷۲-۲۷۳

۴۸۴۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۵۸-۶۰

۴۸۵۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۰۶-۱۰۷

۴۸۶۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۴۵۲-۴۵۳

۴۸۷۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۸۷-۸۸

۴۸۸۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۵۹

۴۸۹۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۴۲۶-۴۲۷

۴۹۰۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۵۹

۴۹۱۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص ۱۰۵-۱۰۶

۴۹۲۔ (i) اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۶

(ii) ماہ نو، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۲۶

۴۹۳۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۷

۴۹۴۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص ۱۰۷

۴۹۵۔ (i) "معارف" میں یہ اسی عنوان سے شائع ہوئی اور یہ وہی عنوان ہے جس سے اقبال نے اتفاق کیا تھا۔

(ii) اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۶

(iii) ماہ نو، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۲۶

۴۹۶۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص ۱۰۷

۴۹۷۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۳۳-۳۴

۴۹۸۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۵۴

۴۹۹۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی۔ مشتمل بر اقتباسات بانگ درا، پیام مشرق، مسافر، زبور عجم وغیرہ)، نمبری

AIM.1977.213، ص ندارد

۵۰۰۔ جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، ص ۱۵۱

۵۰۱۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص ۱۰۶-۱۰۷

۵۰۲۔ ماہ نو، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۲۶

۵۰۳۔ پروفیسر صابر کلوروی (مرتب)، اقبال کے ہم نشین، ص ۴۲-۴۳

۵۰۴۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۵۷

۵۰۵۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۷

۵۰۶۔ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۱۱

۵۰۷۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۵۳

۵۰۸۔ پروفیسر صابر کلوروی (مرتب)، اقبال کے ہم نشین، ص ۴۲-۴۳

۵۰۹۔ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۱۰۹

۵۱۰۔ مہک، سالنامہ، ۱۹۷۴-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۳۹

۵۱۱۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۶-۸۷

۵۱۲۔ شیخ اعجاز، مظلوم اقبال، ص ۱۲۴

۵۱۳۔ پیسہ اخبار، روزنامہ، "چراغ مصطفوی اور شرار بولہبی" از اقبال، ۱۰/اپریل ۱۹۲۰ء، ص ۳

۵۱۴۔ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۱۰۹

۵۱۵۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۷

۵۱۶۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۲۱۱

۵۱۷۔ ڈاکٹر محمد علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۲۳

۵۱۸۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۷

۵۱۹۔ پروفیسر صابر کلوروی (مرتب)، اقبال کے ہم نشین، ص ۳۸

۵۲۰۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۳۳

۵۲۱ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۲۰۳

۵۲۲ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۲۳۸

۵۲۳ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۵۵

۵۲۴ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۲۹۳

۵۲۵ پروفیسر صابر کلوروی (مرتب)، اقبال کے ہم نشین، ص ۳۸

۵۲۶ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۲۰۸

۵۲۷ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۷

۵۲۸ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۷

۵۲۹ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۳۱

۵۳۰ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۲۲۹

۵۳۱ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۴۵۹

۵۳۲ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۳۱۱-۳۱۲

۵۳۳ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۱۵۳-۱۵۴

۵۳۴ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۷

۵۳۵ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی-مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM. 1977. 213، ص ندارد

۵۳۶ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۲۱۲

۵۳۷ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۸۶

۵۳۸ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۳۶

۵۳۹ فقیر سید وحید الدین (مرتب)، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۳۹۴

۵۴۰ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ، اقبال اور گجرات، ص ۳۴۴

۵۴۱ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۸

۵۴۲ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۰۹-۱۱۶

۵۴۳ے اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۶۷

۵۴۴ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۲۶-۲۳۶

۵۴۵ے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے "اقبال کی طویل نظمیں" میں سہواً یہ تعداد ارسٹھ بیان کی ہے۔

۵۴۶ے نقوش، ادبی مجلہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۶۱

۵۴۷ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۲۰۰

۵۴۸ے غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۳۸-۱۳۹

۵۴۹ے محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۲۰-۲۱

۵۵۰ے سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۳۷۲-۳۷۳

۵۵۱ے جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، ص ۱۶۶-۱۶۸

۵۵۲ے نقوش، ادبی مجلہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۶۱

۵۵۳ے فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۶۱۰

۵۵۴ے اورینٹل کالج میگزین، شمارہ خاص، حصہ دوم، ۱۹۸۳ء، ص ۵۳

۵۵۵ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۲۰۰

۵۵۶ے اورینٹل کالج میگزین، شمارہ خاص، حصہ دوم، ۱۹۸۳ء، ص ۵۳-۵۴

۵۵۷ے محمد بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۷۷

۵۵۸ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۲۰۰، ۳۲۲

۵۵۹ے جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، ص ۱۶۹

۵۶۰ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۸

۵۶۱ے زمانہ، ماہنامہ، کانپور، "پیغام اقبال" از اقبال، ستمبر ۱۹۲۰ء، ص ۱۵۵

۵۶۲ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۶۳

۵۶۳ے جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، ص ۱۴۵-۱۴۶

۵۶۴ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۸

۵۶۵ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۲۹-۳۰

۵۶۶ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۹۱

۵۶۷ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی - مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM. 1977. 213، ص ندارد

۵۶۸ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۱۲

۵۶۹ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۸

۵۷۰ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۲۱۳

۵۷۱ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۳۰

۵۷۲ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (بانگ درا)، ص ۲۸۹

۵۷۳ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی - مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM. 1977. 213، ص ندارد

۵۷۴ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۱۲

۵۷۵ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص ۱۰۹

۵۷۶ انقلاب، روزنامہ، "اورینٹل کانفرنس کا اجلاس - عربی فارسی اور ژند کا شعبہ" از نامہ نگار، ۲۸ نومبر ۱۹۲۸ء، صفحہ اول

۵۷۷ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۸

۵۷۸ ایضاً

۵۷۹ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۳۰

۵۸۰ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۳۰۶

۵۸۱ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۹۱

۵۸۲ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی - مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM. 1977. 213، ص ندارد

۵۸۳ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۱۲

۵۸۴ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۸

۵۸۵ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۳۱

۵۸۶ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۹۰

۵۸۷ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی-مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM. 1977. 213، ص ندارد

۵۸۸ے صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۱۲

۵۸۹ے (i) اقبال، خضر راہ، لاہور، شیخ مبارک علی تاجر کتب، ۱۹۴۵ء، ص ندارد (ابتدائی صفحہ)

(ii) محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۷

۵۹۰ے (i) راوی، سالنامہ، لاہور، گورنمنٹ کالج، "من و اقبال" از جسٹس ایس-اے رحمان، اپریل ۱۹۷۴ء، صد سالہ اقبال نمبر، ص ۴۷

(ii) اقبال، خضر راہ، ص ندارد (ابتدائی صفحہ)

۵۹۱ے (i) صوفی، ماہنامہ، "خضر راہ" از اقبال، مئی ۱۹۲۲ء، ص ۱۳

(ii) محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۶۶-۱۶۷

۵۹۲ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۹

۵۹۳ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۹

۵۹۴ے (i) ڈاکٹر صابر کلوروی نے اپنے پی-ایچ-ڈی کے مقالے "باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ" (ص ۱۹) میں حوالہ درج کرتے ہوئے سہواً سید نذیر نیازی کو اس بیان کا راوی ظاہر کیا ہے، جبکہ حقیقی راوی جسٹس ایس-اے رحمان ہیں۔

(ii) راوی، سالنامہ، اپریل ۱۹۷۴ء، صد سالہ اقبال نمبر، ص ۴۷

۵۹۵ے صوفی، ماہنامہ، "ترانہ وحدت" از مولانا ابوظفر نازش رضوی، اپریل ۱۹۲۹ء، ص ۳

۵۹۶ے مخزن، ماہنامہ، "افسانۂ شوق" از ابوظفر واقفؔ، جون ۱۹۱۲ء، ص ۶۶

۵۹۷ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۹

۵۹۸ے صوفی، ماہنامہ، نوٹ بر "خضر راہ" از ابوظفر، مئی ۱۹۲۲ء، ص ۱۱

۵۹۹ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۵۵-۲۶۶

۶۰۰ے علامہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، خضر راہ، لاہور، کریمی سٹیم پریس، ۱۹۲۲ء، ص ۱-۱۶

۶۰۱ے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، ص ۸۷-۸۸

۶۰۲ے ماہ نو، ماہنامہ "خضر راہ اقبال کی ایک طویل نظم" از عارف عبدالمتین، اپریل ۱۹۸۵ء، ص ۹

۶۰۳ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۶۱

۶۰۴۔ (i) صحیفہ، سہ ماہی، "گنج بادآورد" مرتبہ اکبر علی خاں، دسمبر جنوری ۱۹۵۹ء، ص ۲۵، ۳۷

(ii) سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۲۳۳

۶۰۵۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص ۱۱۹

۶۰۶۔ ایضاً، ص ۱۲۹-۱۳۱

۶۰۷۔ علامہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، خضر راہ (۱۹۲۲ء)، سرورق-۱۶

۶۰۸۔ (i) ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، کتابیات اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۱۲

(ii) زمیندار، روزنامہ، "خضر راہ" (اشتہار)، ۶ر جنوری ۱۹۲۳ء، ص ۷

۶۰۹۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۲۱۲-۲۱۹

۶۱۰۔ فقیر سید وحیدالدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۶۱۰

۶۱۱۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، ص ۸۸

۶۱۲۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۶۷

۶۱۰۔ فقیر سید وحیدالدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۶۱۰

۶۱۱۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، ص ۸۸

۶۱۲۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۶۷

۶۱۳۔ صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۷

۶۱۴۔ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۸۱

۶۱۵۔ مخزن، ماہنامہ، "ستارہ"، از اقبال، جولائی ۱۹۰۹ء، ص ۶۱

۶۱۶۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۹

۶۱۷۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۲۵-۱۲۶

۶۱۸۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۴۷-۱۴۸

۶۱۹۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری 219. 1977. AIM، ص ندارد

۶۲۰۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۵۶

۲۲۱ۓ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص۳۲۱

۲۲۲ۓ فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد اول)، لاہور، آتش فشاں پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء، ص۱۰۶-۱۰۸

۲۲۳ۓ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص۱۱۱

۲۲۴ۓ (i) ایضاً

(ii) ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص۲۳۰، ۴۱۱

۲۲۵ۓ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص۱۲۹

۲۲۶ۓ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص۲۳۰

۲۲۷ۓ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص۱۲۱-۱۲۲

۲۲۸ۓ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص۱۴۷

۲۲۹ۓ بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۳۸

۲۳۰ۓ مہک، سالنامہ، ۱۹۷۴-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۲۵۸

۲۳۱ۓ ستارہ صبح، روزنامہ، لاہور، "مدینہ کے ایک کبوتر کی یاد میں" از (ندارد)، ۲۴۰ر نومبر ۱۹۱۷ء، صفحہ اول

۲۳۲ۓ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۸۷

۲۳۳ۓ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص۶۲

۲۳۴ۓ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۸۷

۲۳۵ۓ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۸۷-۸۸

۲۳۶ۓ سید عبدالواحد معینی (مرتب)، باقیات اقبال، دہلی، اردو پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۲ء، ص ۷۷

۲۳۷ۓ مولانا ظفر علیخاں، نگارستان، لاہور، یونائیٹڈ پبلشرز، بار اول (س-ن)، ص ۸۰

۲۳۸ۓ پروفیسر صابر کلوروی (مرتب)، اقبال کے ہم نشین، ص ۳۹

۲۳۹ۓ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۲۳۰

۲۴۰ۓ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص۱۲۹

۲۴۱ۓ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی - مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM. 1977.213، ص ندارد

۴۲۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص۳۲-۳۳

۴۳۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص۲۲۹-۲۳۰

۴۴۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ۴۶۰-۴۶۱

۴۵۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص۳۰۹-۳۱۰

۴۶۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص۱۵۱-۱۵۲

۴۷۔ پروفیسر صابر کلوروی (مرتب)، اقبال کے ہم نشین، ص۳۹-۴۰

۴۸۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص۱۲۹

۴۹۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی-مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری 213 .AIM.1977، ص ندارد

۵۰۔ مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۲۷

۵۱۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص۴۶۱

۵۲۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص۳۱۰

۵۳۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص۲۳۰

۵۴۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص۱۵۰

۵۵۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص۸۸

۵۶۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، ص۱۱۵

۵۷۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص۱۲۹-۱۳۰

۵۸۔ ایضاً

۵۹۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، ص۱۱۵

۶۰۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص۲۶۷-۲۷۶

۶۱۔ مولوی عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص۲۲۰-۲۲۶

۶۲۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص۱۳۰

۶۳۔ مخزن، ماہنامہ، "شیکسپیئر" از اقبال، اپریل ۱۹۱۷ء، ص۲۳

۲۶۴ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۰

۲۶۵ے مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۵۲-۵۳

۲۶۶ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۵۱

۲۶۷ے جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، ص ۱۵۵

۲۶۸ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۰

۲۶۹ے ایضاً

۲۷۰ے مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۲۴

۲۷۱ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۸۱-۲۸۲

۲۷۲ے بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۸۳-۸۴

۲۷۳ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۲۲-۱۲۳

۲۷۴ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۱

۲۷۵ے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۸۲ء، ص ۲۳

۲۷۶ے مخزن، ماہنامہ، "خفتگان خاک سے استفسار" از اقبال، فروری ۱۹۰۲ء، ص ۳۷-۳۹

۲۷۷ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۲

۲۷۸ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۳۸-۴۰

۲۷۹ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۲۹

۲۸۰ے نقوش، ادبی مجلہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۵۳

۲۸۱ے مولوی محمد عبدالرزاق (مرتب)، کلیات اقبال، ص ۱۰۱-۱۰۳

۲۸۲ے ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۱۴۴-۱۴۶

۲۸۳ے غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۱۰۰-۱۰۱

۲۸۴ے سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۲۸۸-۲۹۱

۲۸۵ے محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۲۱۳-۲۱۵

۶۸۶ے عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۳۰۰

۶۸۷ے بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، ص ۲۷-۲۸

۶۸۸ے مہک، سالنامہ، ۱۹۷۴-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۲۴۹-۲۵۱

۶۸۹ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۲۹

۶۹۰ے ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۳۷۷-۳۷۸

۶۹۱ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۲

۶۹۲ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیق و تنقیدی جائزہ، ص ۲۶۲

۶۹۳ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۶۰-۱۶۱

۶۹۴ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۲

۶۹۵ے (i) اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۲

(ii) صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، اقبال نمبر، ص ۹

۶۹۶ے ایضاً

۶۹۷ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۲

۶۹۸ے انقلاب، روزنامہ، "پیغام سروش" از اقبال، ۲۰ر دسمبر ۱۹۲۷ء، صفحہ اول

۶۹۹ے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۲۹

۷۰۰ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بال جبریل)، ص ۱۲۲-۱۲۹

۷۰۱ے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، ص ۱۷۱

۷۰۲ے (i) صحیفہ، سہ ماہی، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۹

(ii) اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۲

۷۰۳ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۲

۷۰۴ے ایضاً

۷۰۵ے ایضاً، ص ۱۳۴-۱۳۵

۷۰۶۔ ایضاً، ص۱۳۴

۷۰۷۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بال جبریل)، ص۴۱۰

۷۰۸۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص۳۷۱

۷۰۹۔ مخزن، ماہنامہ، (بلاعنوان پانچ اشعار از اقبال)، (معرفت) سید محمد تقی، مئی ۱۹۰۳ء، ص۱۴

۷۱۰۔ صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص۱۵۱

۷۱۱۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص۱۳۵

۷۱۲۔ محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص۷۳-۷۴

۷۱۳۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص۶۱-۶۲

۷۱۴۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص۴۱۴-۴۱۵

۷۱۵۔ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص۲۱۰-۲۱۱

۷۱۶۔ فقیر سید وحید الدین (مرتب)، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص۵۱۲-۵۱۳

۷۱۷۔ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص۱۵۳

۷۱۸۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بال جبریل)، ص۴۵۰-۴۵۱

۷۱۹۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص۱۳۵

۷۲۰۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بال جبریل)، ص۴۵۸

۷۲۱۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص۱۳۵

۷۲۲۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص۸۹

۷۲۳۔ حمایت اسلام، مجلہ، لاہور، ۱۶/اپریل ۱۹۳۶ء، ص۳

۷۲۴۔ اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص۱۳۵

۷۲۵۔ ایضاً

۷۲۶۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (ضرب کلیم)، ص۴۷۷-۴۷۸

۷۲۷۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص۳۵

۲۸ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۶

۲۹ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (ضرب کلیم)، ص ۶۲۶-۶۴۱

۳۰ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۶

۳۱ے "پیسہ اخبار" ہفت روزہ، لاہور، "سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام لاہور" (روداد)، ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء، ص ۲۹

۳۲ے محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۳

۳۳ے (i) "پیسہ اخبار" ہفت روزہ، ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء، ص ۲۹

(ii) سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۲۰۸

(iii) عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، ص ۳۲۰

(vi) سید نذیر نیازی (مرتب)، دانائے راز، ص ۲۳۶

(v) محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۴

(vi) عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۸۲-۸۳

۳۴ے غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۲۰۲

۳۵ے فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد اول)، ص ۷۰

۳۶ے اقبالیات، سہ ماہی، جولائی ۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۷-۳۱۸

۳۷ے پیسہ اخبار ہفت روزہ، لاہور، "کلام اقبال" از اقبال، ۱۸/اپریل ۱۹۱۲ء، ص ۴

۳۸ے "سرود رفتہ" میں حاشیہ درج کرتے ہوئے مرتبین نے سہواً پیر حیدر شاہ کی وفات کا سن ۱۹۰۷ء بیان کیا ہے۔

۳۹ے صوفی، ماہنامہ، "ذکر حبیب" (قطعات تاریخ وفات)، اپریل ۱۹۱۶ء، ص ۲۵-۳۰

۴۰ے محمد الدین فوق، کلام فوق، لاہور، ظفر برادرس تاجران کتب، بار دوم، ۱۹۳۳ء، ص ۱۷۵

۴۱ے صحیفہ، سہ ماہی، مارچ اپریل ۱۹۷۷ء، ص ۲۴

۴۲ے ایضاً، ص ۲۸

۴۳ے اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۳

۴۴ے ملک محمد الدین (مولف)، ذکر حبیب (سلسلہ مطبوعات صوفی کی پہلی جلد)، ص ندارد (خطی عکس)

۴۵ے ایضاً،ص ۱۱۱

۴۶ے سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۴۸۴-۴۸۵

۴۷ے غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۲۴۶

۴۸ے صابر حسین کلوروی، باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۲۹۲

۴۹ے پروفیسر صابر کلوروی (مرتب)، اقبال کے ہم نشین، ص ۴۰-۴۲

۵۰ے ایضاً،ص ۴۲

۵۱ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)،ص ۳۵۲

۵۲ے فقیر سید وحید الدین (مرتب)، روزگار فقیر (جلد دوم)،ص ۴۸۴-۴۸۵

۵۳ے صوفی، ماہنامہ "ارمغان محقر ببارگاہ حضور آقائے دوجہان ﷺ" از علامہ اقبال، ستمبر ۱۹۲۹ء، ص ۳

۵۴ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال، (عکسی - مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM.1977.213، ص ندارد

۵۵ے بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۱۷۵

۵۶ے شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص ۱۰۴

۵۷ے ماہ نو، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۱۷

۵۸ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۳۳۱

۵۹ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی - مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM.1977.213، ص ندارد

۶۰ے فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۵۰۰

۶۱ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۳۳۴-۳۳۵

۶۲ے محمد عبداللہ قریشی (مرتب)، مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۷۹

۶۳ے ایضاً،ص ۱۸۰

۶۴ے ایضاً

۶۵ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)،ص ۳۳۲-۳۳۴

۶۶ے ایضاً،ص ۳۲۰

۶۷ ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی- مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبر AIM.1977.213، ص ندارد

۶۸ ے مخزن، ماہنامہ، " کشمیر جنت نظیر- ڈل " از خوشی محمد ناظر، اکتوبر ۱۹۰۱ء، ص ۷-۹

۶۹ ے بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۶۵

۷۰ ے ہزار داستان، ادبی مجلہ، لاہور نوٹ بر " نظارہ ڈل (کشمیر) " از محمد عمر، اکتوبر ۱۹۲۲ء، ص ۳

۷۱ ے ایضاً، " دریا بہ حباب اندر (صفحہ ادارت) " از ایڈیٹر، ص ۲

۷۲ ے ایضاً، ص ۳

۷۳ ے آجکل، ادبی مجلہ، دہلی " حضرت اقبال کا ایک غیر مطبوعہ قطعہ " از محمد عمر (نور الہی)، یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء، ص ۳۵

۷۴ ے ایضاً

۷۵ ے محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، ص ۳۱۳

۷۶ ے اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۳۰۷

۷۷ ے خان محمد نیاز الدین خاں (مرتب)، مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں، ص ۳۷

۷۸ ے اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۳۰۹

۷۹ ے بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۱۶۰-۱۶۱

۸۰ ے محمد عبداللہ قریشی (مرتب)، مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۷۵

۸۱ ے اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۳۰۳

۸۲ ے شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص ۴۲۷

۸۳ ے محمد عبداللہ قریشی (مرتب)، اقبال بنام شاد، ص ۲۵۶

۸۴ ے بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۱۶۲

۸۵ ے غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۲۱۱

۸۶ ے سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۲۷۰

۸۷ ے محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، ص ۲۱۸

۸۸ ے محمد بشیر الحق دیسنوی (مرتب)، تبرکات اقبال، ص ۳۹

۷۸۹ے محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، ص ۳۱۳

۷۹۰ے سلیم خاں گمی، اقبال اور کشمیر، ص ۱۱۱

۷۹۱ے اقبال، سہ ماہی، (i) "نوادر اقبال" از اختر راہی، (ii) "علامہ اقبال اور صاحبزادہ محمد عمر (نور الٰہی)" از کلیم اختر، اکتوبر ۱۹۷۶ء، ص ۷۴،۵۳

۷۹۲ے ہزار داستان، ادبی مجلہ، "دریا بہ حباب اندر (صفحہ ادارت)" از ایڈیٹر، فروری ۱۹۲۳ء، ص ۲

۷۹۳ے ایضاً، "خودنگرے" از اقبال، ص ۳

۷۹۴ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۲۲۰

۷۹۵ے ہزار داستان، ادبی مجلہ، فروری ۱۹۲۳ء، ص ۲

۷۹۶ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۲۵۵

۷۹۷ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی - مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM.1977.213، ص ندارد

۷۹۸ے ہزار داستان، "پیغام مشرق" از محمد حسین، فروری ۱۹۲۳ء، ص ۱۲

۷۹۹ے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۱۳۱

۸۰۰ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۲۹۵

۸۰۱ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، پیام مشرق، لاہور، مطبع کریمی، ۱۹۲۳ء، بار اول، ص ۱۰۹

۸۰۲ے ایضاً، ص ط - ع

۸۰۳ے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۱۲۹-۱۳۰

۸۰۴ے ایضاً، ص ۱۳۳، ۱۳۷

۸۰۵ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۲۷۹-۲۸۲

۸۰۶ے برگ گل، سالنامہ، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء، ص ۳۰۲

۸۰۷ے (i) عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۹۰

(ii) سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۲۳۷

(iii) اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۱۲۳

۸۰۸ے برگ گل، سالنامہ، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء، ص ۳۰۲

۸۰۹ے اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۱۲۴

۸۱۰ے (i) ماہ نو، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۰۳-۲۰۴

(ii) ڈاکٹر رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۴۲۰

۸۱۱ے برگ گل، سالنامہ، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء، ص ۳۰۲

۸۱۲ے ڈاکٹر رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۴۲۰-۴۲۹

۸۱۳ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی-مشتمل بر اقتباسات بانگ دراوغیرہ)، نمبری AIM. 1977.213، ص ندارد

۸۱۴ے عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۹۰-۹۱

۸۱۵ے سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، ص ۲۳۷

۸۱۶ے عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۹۰-۹۱

۸۱۷ے رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۴۲۰

۸۱۸ے ماہ نو، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۲۰۳-۲۰۴

۸۱۹ے برگ گل، سالنامہ، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء، ص ۲۷۷، ۳۰۲-۳۰۳

۸۲۰ے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ، ص ۱۳۸

۸۲۱ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۳۴۹-۳۵۰

۸۲۲ے ایضاً، ص ۳۴۱-۳۴۲

۸۲۳ے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ، ص ۱۳۸

۸۲۴ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۲۸۸

۸۲۵ے یونس جاوید (مرتب)، صحیفہ اقبال، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۶ء، ص ۱۴-۱۵

۸۲۶ے ایضاً

۸۲۷ے زمانہ، ماہنامہ، کانپور، "تنہائی" از اقبال، اکتوبر ۱۹۲۴ء، ص ۱۷۰

۸۲۸ے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۳۲۷-۳۲۸

۸۲۹ـ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی۔مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM.1977.213، ص ندارد

۸۳۰ـ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۹۶

۸۳۱ـ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (رموز بے خودی)، ص ۱۳۹۔۱۴۰

۸۳۲ـ ایضاً، (زبور عجم)، ص ۴۷۰

۸۳۳ـ محمد عبداللہ قریشی (مرتب)، مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۲۴۱

۸۳۴ـ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۱۹۰۔۱۹۱

۸۳۵ـ انقلاب، روزنامہ "ہدیہ بحضور شہریار غازی" از اقبال، ۱۵ر دسمبر ۱۹۲۷ء، صفحہ اول

۸۳۶ـ محمد حمزہ فاروقی (مرتب)، حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، ۱۹۸۸ء، ص ۵۴

۸۳۷ـ انقلاب، روزنامہ، "مکافات عمل" از علامہ اقبال، ۹ر اپریل ۱۹۲۷ء، صفحہ اول

۸۳۸ـ ایضاً

۸۳۹ـ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی۔مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM.1977.213، ص ندارد

۸۴۰ـ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۱۵۵

۸۴۱ـ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ)، ص ۶۸۵۔۶۸۶

۸۴۲ـ محمد حمزہ فاروقی (مرتب)، حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، ص ۴۵۔۴۶

۸۴۳ـ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۳۰۷

۸۴۴ـ انقلاب، روزنامہ، "خطاب بہ علمائے حق حضرت علامہ اقبال کی ایک اور نظم" از مدیر انقلاب، ۹ر فروری ۱۹۲۹ء، ص ۳

۸۴۵ـ ایضاً، "خطاب بہ علمائے حق" از علامہ اقبال، ۱۰ر فروری ۱۹۲۹ء، صفحہ اول

۸۴۶ـ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ)، ص ۶۶۴۔۶۶۵

۸۴۷ـ ایضاً، ص ۷۸۹

۸۴۸ـ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۶۷۔۶۸

۸۴۹ـ انقلاب، روزنامہ "خطاب بہ اقوام مشرق حضرت علامہ اقبال کی تیسری تازہ نظم" از مدیر، ۱۶ر فروری ۱۹۲۹ء، ص ۴

۸۵۰ـ ایضاً، خطاب بہ اقوام مشرق" از اقبال، ۱۷ر فروری ۱۹۲۹ء، صفحہ اول

۵۵۱ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ)، ص ۶۵ے ۶۷ے

۵۵۲ غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، ص ۷۸-۸۰

۵۵۳ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ)، ص ۷۴ے

۵۵۴ ایضاً، ص ۶۵۳-۶۵۴

۵۵۵ برہان، ادبی مجلہ، دہلی، "جوئے کہستان کی موج رواں" از عابد رضا بیدار، دسمبر ۱۹۶۰ء، ص ۳۷۲-۳۷۳

۵۵۶ ایضاً، ص ۳۷۵

۵۵۷ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز)، ص ۴۹

۵۵۸ ایضاً، (پیام مشرق)، ص ۳۵۲-۳۵۳

۵۵۹ ایضاً، ص ۲۹۸

۵۶۰ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، پیام مشرق، (بار اول)، ص ۱۶۹

۵۶۱ ایضاً، لاہور، کریمی پریس، ۱۹۲۴ء، بار دوم، ص ۱۵۰

۵۶۲ ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، اقبال اور گجرات، ص ۳۴۴

۵۶۳ انقلاب، روزنامہ، "دین ابراہیم علیہ السلام" از علامہ اقبال، ۱۰ر جون ۱۹۲۷ء، عید نمبر، صفحہ اول

۵۶۴ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز)، ص ۴۲

۵۶۵ محمد حمزہ فاروقی (مرتب)، حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، ص ۴۸

۵۶۶ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۲۵۹-۲۶۰

۵۶۷ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بیاض اقبال (عکسی - مشتمل بر اقتباسات بانگ درا وغیرہ)، نمبری AIM. 1977. 213، ص ندارد

۵۶۸ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز)، ص ۱۹

۵۶۹ ایضاً، ص ۸۷۲-۸۷۳

۵۷۰ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۱۵۹

۵۷۱ ماہ نو، ماہنامہ، "اقبال کے چند نوادر" از اکبر علی خاں، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۳۴۹

۵۷۲ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۱۶۰

باب پنجم:

نثر اقبال

الف) اقبال کی اردو نثر

ب) اقبال کی انگریزی نثر کے اردو تراجم

الف)

اقبال کی اردو نثر

شاعری کی طرح اقبال کی نثر بھی منفرد مقام کی حامل ہے کیونکہ ان کی نثری تحریروں میں فکری قوت حکمت وعلمیت اور استدلال کے سہارے عروج پر نظر آتی ہے۔ جس کے باعث اقبال کا نثری سرمایہ شاعری کی نسبت محدود ہونے کے باوجود اپنی وقعت اور اہمیت کے اعتبار سے کسی طرح کم رتبہ نہیں۔ اقبال کا یہ نثری سرمایہ ان کے خطبات، تقاریر، بیانات، مضامین، مکاتیب اور آراء کی صورت میں موجود ہے۔ یہ سب نثری نمونے اردو اور انگریزی زبانوں میں ہیں۔ اردو زبان کے ساتھ ساتھ اقبال کے انگریزی زبان کو ذریعہ اظہار کے طور پر اپنانے کے دیگر وجوہ کے علاوہ راقمہ کے خیال میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اقبال انگریزی زبان میں اس وقت اظہار خیال کرتے تھے جب وہ قومی یا بین الاقوامی سطح پر علمی یا سیاسی حوالے سے کوئی موقف پیش کرنا چاہتے۔ اس طرح ان کا موقف ان کے الفاظ میں بغیر کسی ابہام کے پوری قطعیت کے ساتھ حکمران طبقے یا اہل مغرب تک جلد از جلد پہنچ جاتا جبکہ برصغیر کا مسلمان طبقہ جو انگریزی خواں نہیں تھا۔ تراجم کے ذریعے اقبال کے افکار وتصورات اور خیالات سے آگہی حاصل کرتا یہی وجہ ہے کہ مجلّہ "صوفی" میں بھی اقبال کے دو طرح کے نثری نمونے دستیاب ہیں۔ ایک وہ جو اقبال کی اردو نثر پر مشتمل ہیں اور دوسرے وہ جو اقبال کی انگریزی نثر کے اردو تراجم کی صورت میں ہیں۔ اس باب میں اقبال کی اردو نثر اور انگریزی نثر کے تراجم کو الگ الگ موضوع بنایا گیا ہے۔

ماہ+سال	عنوان مضمون	صفحہ نمبر
اپریل ۱۹۰۹ء	صوفی کلب —— صوفی کے مضامین کی نسبت مشاہیر ہند کی رائیں	۹
جون ۱۹۱۴ء	اسلامی البم کی ضرورت	۵۸-۵۷
مئی ۱۹۱۶ء	ہندوستان کی اسلامی تاریخ	۶۰
فروری ۱۹۱۹ء	جوہر قدامت	۴۰
نومبر ۱۹۲۲ء	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے نوایجاد قرآن آسان قاعدہ کی نسبت اکابر ہندوستان کے خیالات کا خلاصہ	۴۴
اپریل ۱۹۲۴ء	صحابیات کس قسم کی کتاب ہے	۳۰
مئی ۱۹۲۵ء	سیر الصحابہؓ	۲۳
جولائی ۱۹۲۵ء	تاریخ اسلام جلد اول	۱۵
اکتوبر ۱۹۲۶ء	علامہ اقبال کی تقریر میلاد النبیؐ	۲۸-۲۷
مارچ ۱۹۲۹ء	شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا مرتبہ —— تحریک آزادی نسواں کے خطرناک نتائج سپاسنامہ خواتین کے جواب میں علامہ اقبال کے ارشادات	۱۹-۱۴
مارچ ۱۹۳۲ء	حضرت علامہ اقبال کا خطبہ عید الفطر —— مسلمانوں کو نہایت گرانقدر نصیحتیں	۳۲-۳۰

اپریل ۱۹۰۹ء، صوفی کلب- صوفی کے مضامین کی نسبت مشاہیر ہند کی رائیں، ص ۹

"صوفی" کے دوسرے شمارے یعنی فروری ۱۹۰۹ء سے "صوفی کلب" کے مستقل عنوان سے ایک سلسلے کا آغاز کیا گیا جو کچھ عرصے تک قائم رہا اس میں قارئین و مشاہیر کے آراء، خطوط اور وضاحتیں وغیرہ پیش کی جاتی تھیں- اپریل ۱۹۰۹ء کے "صوفی کلب" میں "صوفی کے مضامین کی نسبت مشاہیر ہند کی رائیں" کے تحت پہلے نمبر پر علامہ اقبال کے خط سے ایک تین سطری اقتباس بطور آراء پیش کیا گیا ہے- چونکہ پورا خط نقل نہیں کیا گیا اس لئے حقیقی تاریخ تحریر کا اندراج نہیں ہوسکا- تاہم اقبال کی تحریر سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہ خط انہوں نے "صوفی" کے اجراء پر "صوفی" کا شمارہ ملاحظہ کرنے کے بعد لکھا- جیسا کہ باب اول میں بیان کیا گیا ہے کہ "صوفی" کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۰۹ء کے وسط میں کسی دن حوالہ ڈاک کیا گیا اور اسی سبب سے بعد کے شمارے ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ر تاریخ کو پیش کئے جاتے رہے- "صوفی" کے معمول کو مدنظر رکھا جائے تو علامہ کے اس خط کے زمانہ تحریر کا تعین آسان ہو جاتا ہے کہ اقبال نے یہ خط مدیر "صوفی" کو وسط مارچ سے لے کر اپریل کے ابتدائی ہفتے تک کسی وقت تحریر کیا کیونکہ اگر وسط مارچ سے قبل یہ خط مدیر "صوفی" کو موصول ہوتا تو وہ اسے مارچ کے شمارے کی زینت ضرور بناتے- یعنی اس خط کا مارچ کے شمارے میں شائع نہ ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خط وسط مارچ سے قبل مدیر "صوفی" کو موصول نہیں ہوا- لہٰذا یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ خط اقبال نے مدیر "صوفی" کو وسط مارچ سے لے کر اپریل کے ابتدائی ہفتے تک تحریر کیا جب ہی اسے وسط اپریل میں شائع ہونے والے شمارے کی زینت بنایا جاسکا- اقبال کی یہ رائے اقبال شناسوں کی نگاہ سے اب تک اوجھل رہنے کے باعث اقبال کی نثر کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہوسکی- اس لئے اسے یہاں درج کیا جاتا ہے:

"میں صوفی کے نکالنے پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں- پرچہ نہایت عمدہ ہے اور میں اس کی عمدگی کے لئے آپ کا ثناخواں ہوں- آج کل کام قانونی کثرت کیوجہ سے مجھے شعر اشعار کی طرف بہت کم توجہ ہے تاہم اگر کچھ لکھا گیا تو حاضر خدمت ہوگا-"

جون ۱۹۱۴ء، اسلامی البم کی ضرورت، ص ۵۸

مدیر "صوفی" ستمبر ۱۹۱۳ء میں فریضہ حج ادا کرنے اور مقدس مقامات کی زیارت کرنے کی غرض سے سفر پر نکلے- قاہرہ، اسکندریہ، بیت المقدس اور دمشق سے ہوتے ہوئے روضہ رسول پر حاضر ہوئے اور نومبر ۱۹۱۳ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد دسمبر ۱۹۱۳ء کے وسط میں وطن واپس لوٹے- اثنائے سفر میں آپ نے بہت سی تاریخی مساجد ملاحظہ کیں اور بزرگان دین کے مزار پر حاضر ہوئے- اپنے ذاتی شوق سے آپ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور دیگر مقدس مقامات کی تقریباً چالیس پچاس تصاویر بنوا کر لائے، جن میں سے دس تصاویر کا ایک سیٹ اعلیٰ قسم کی طباعت سے ہمکنار ہونے کے بعد جون ۱۹۱۴ء سے قبل فروخت ہو رہا تھا- کیونکہ مدیر "صوفی" نے پہلی مرتبہ نفیس اور معیاری تصاویر پیش کی تھیں اس لئے انہیں عوام میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی- جس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ صرف پہلے مہینے میں تین ہزار تصاویر فروخت ہوئیں (۱)- بعد ازاں "اسلامی البم" کے عنوان سے اکیس تصاویر کا مجموعہ پیش کیا گیا- جون ۱۹۱۴ کی اس اشاعت میں مدیر "صوفی" نے اسی "اسلامی البم" نامی مجموعہ تصاویر کی تجویز پیش کی اور اس کے ساتھ ان تصاویر کے بارے میں کل سات مشہور

مسلمان بزرگان قوم کی آراء کو بھی پیش کیا تا کہ قارئین پر ان تصاویر کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے- اقبال کی یک سطری رائے کو بھی ان آراء میں پانچویں نمبر پر درج کیا گیا ہے- اقبال کی اسی رائے کو نومبر ۱۹۱۴ء کے "صوفی" (۲) "میں" عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ماہیچ" کے زیر عنوان کل دس اکابر کی رائے میں تیسرے نمبر پر شامل کیا گیا- اسی طرح تجارتی ضرورت کے تحت علامہ کی یہ ایک سطر کی رائے "صوفی" میں بتکرار پیش کی جاتی رہی- اقبال کی یہ رائے اقبال شناسوں کی رسائی سے اب تک دور رہی یہی وجہ ہے کہ نثر اقبال کے کسی مجموعے میں یہ موجود نہیں- جون ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں یہ رائے ٹھیک طور پر درج نہیں کیونکہ اس میں کتابت کی اغلاط موجود ہیں- جبکہ علامہ اقبال کی یہی رائے "صوفی" کی نومبر ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں صحیح طور پر درج کی گئی ہیں- لہٰذا یہاں نومبر ۱۹۱۴ء کے شمارے سے رائے درج کی جارہی ہے:

"یہ فوٹو کوچۂ جاناں کی تصویریں ہیں- عشاق کو کیوں پسند نہ ہونگی-"

جبکہ جون ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں سہواً "تصویریں ہیں" کو "تصویریں میں" اور "ہونگی" کو "ہونگے" تحریر کیا گیا ہے-

مئی ۱۹۱۶ء، ہندوستان کی اسلامی تاریخ- ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم- اے- پی- ایچ- ڈی بیرسٹرایٹ لاء کا ریویو، ص ۶۰

تاریخ اور خصوصاً اسلامی تاریخ سے اقبال کو ہمیشہ دلچسپی رہی- مولوی کرم الٰہی صوفی ڈنگوی جو ڈنگہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے، کی کتاب "اسلامی تاریخ عہد افغانیہ" شائع ہوئی تو بقول اقبال "شروع سے لیکر آخیر تک پڑھی" علامہ اقبال کو یہ کتاب بے انتہا پسند آئی- لہٰذا انہوں نے ایک بھرپور خط لکھ کر خوب حوصلہ افزائی کی اور مصنف کی صلاحیتوں اور کتاب کی خوبیوں کو سراہا- اقبال کا یہ خط اس لئے بھی اہم ہے کہ اس سے تاریخ کے بارے میں اقبال کے نقطہ نظر کی گہرائی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ کسی تاریخی تصنیف کو جانچنے کا معیار ان کی نگاہ میں کیا ہے-

مولوی کرم الٰہی صوفی ڈنگوی مدیر "صوفی" کے پیر بھائی تھے- مولوی کرم الٰہی صوفی نے مدیر "صوفی" کے تقاضے پر پیر سید غلام حیدر شاہ پر سوانحی مضمون تحریر کیا جو "صوفی" میں پیر سید غلام حیدر شاہ کی ذات پر شائع ہونے والا پہلا مضمون قرار پاتا ہے (۳) - یہ مضمون "صوفی" کے اپریل ۱۹۰۹ء کے شمارے میں شائع ہوا- اس مضمون میں مدیر "صوفی" نے نوٹ درج کرتے ہوئے لکھا کہ "یہ مضمون خاکسار ایڈیٹر کی خاص التماس پر مخدومی مکرمی جناب مولینا مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی چشتی حیدری نے ڈنگہ ضلع گجرات سے لکھکر روانہ کیا ہے- مولوی صاحب کو ناظرین سے انٹروڈیوس کرانے کی ضرورت نہیں انکا نام نامی اسلامی دنیا میں پہلے ہی کافی سے زیادہ شہرت حاصل کر چکا ہے- آپ کی تصنیف ہے خالد بن ولید- بہادران اسلام اور کئی دیگر متعدد قابل قدر کتابیں پبلک میں قبولیت عام کا فخر حاصل کر چکی ہیں- آپ حضور قبلہ عالم کے مخلص مدیروں میں ممتاز حیثیت کے بزرگ ہیں نیازمند ایڈیٹر اور دیگر برادران طریقت آپکی اس مہربانی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں- امید ہے کہ مولوی صاحب ممدوح آئندہ بھی "صوفی" کو وقتاً فوقتاً اپنی قلمی امداد سے افتخار بخشتے رہینگے (۴) -"صوفی میں پہلے پہل اسی مضمون میں پیر غلام حیدر شاہ کی سوانح عمری معہ ملفوظات آئندہ شائع ہونے کی امید ظاہر کی گئی- پھر جون ۱۹۰۹ء کے شمارے میں کرم الٰہی صوفی نے "عرس حیدری" پر اظہار خیال کرتے ہوئے اسی خیال کو زیادہ وضاحت کے ساتھ مفصل سوانح عمری معہ ملفوظات شائع کرانے کی صورت میں پیش کیا (۵) -

جسے بعدازاں مدیر "صوفی" نے "ذکر حبیب" کی شکل میں عملی جامہ پہنایا -

مولوی کرم الٰہی صوفی ڈنگوی کا تعلق مدیر "صوفی" سے بہت بعد تک قائم و برقرار رہا - مدیر "صوفی" نے علاقے میں مسلمانوں کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کمیٹی کے سربراہ کی حیثیت سے مئی ۱۹۴۶ء میں اسلامیہ ہائی سکول منڈی بہاؤالدین کا آغاز کیا، تو اسلامیہ ہائی سکول کمیٹی کے پریذیڈنٹ کی حیثیت سے مدیر "صوفی" نے مولوی کرم الٰہی صوفی ڈنگوی کو سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کیا جنہوں نے بڑی جانفشانی سے اپنے فرائض سرانجام دیئے - سکول کے ہیڈ ماسٹر کا تعارف کراتے ہوئے مدیر "صوفی" لکھتے ہیں کہ "... سکول کے ہیڈ ماسٹر صوفی کرم الٰہی صاحب ایم - اے - بی ٹی نہایت صالح، متدین اور باعمل بزرگ ہیں - آپ اسم بامسمی صوفی ہیں - آپ کی انتظامی قابلیت بھی کسی تعارف کی محتاج نہیں - یونیورسٹی سے سکول کا اس قدر جلد الحاق آپ کی محنت اور تندہی کا مرہون احسان ہے (۶) - "

۱۹۱۱ء میں اسلامی تاریخ کو صوفی کرم الٰہی نے شائع کیا - اکتوبر ۱۹۱۱ء کے "صوفی" میں تجارتی مقاصد کے تحت اس کتاب کا تعارف شائع ہوا جس میں کتاب کے حصول کے لئے مصنف سے رابطہ کرنے کے لئے کہا گیا اس لئے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب مصنف نے خود شائع فرمائی - تعارف سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ چونکہ اس تاریخ کو انگریزی تاریخوں کے مقابلے پر پیش کیا گیا اور موضوع کے اعتبار سے یہ برصغیر میں اسلام کی آمد اور اسلامی عہد کا خصوصیت سے محاکمہ کرتی تھی اس لئے یہ "ہندوستان کی اسلامی تاریخ" کے نام سے مشہور ہوئی - ورنہ اقبال نے اس کا نام "اسلامی تاریخ عہد افغانیہ" تحریر کیا ہے - اس تاریخ اسلام کو بعدازاں صوفی کرم الٰہی نے اپنی تصنیف "تذکرہ بہادران اسلام" کا جزو بنا دیا (۷) - اس تعارف سے دیگر معلومات کے علاوہ کتاب کے مندرجات پر بھی کسی حد تک روشنی پڑتی ہے - تعارف حسب ذیل ہے:

"ہندوستان کی اسلامی تاریخ

آجکل انگریزی تاریخیں تعلیمی کورس قرار دی گئی ہیں - جن میں اسلامی تاریخ کا عموماً تاریک پہلو دکھایا گیا ہے کہ مسلمان فاتحان ہندوستان پر ایسے خلاف واقعہ اتہام لگائے گئے ہیں جو صداقت سے خالی ہیں - اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہمارے مکرم پیر بھائی صوفی کرم الٰہی صاحب مشہور اسلامی مورخ نے توجہ فرمائی ہے صاحب موصوف سے ناظرین صوفی کو انٹرڈیوس کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے - ان کی تصنیف سے تذکرہ بہادران اسلام اور خالد بن ولید کافی سے زیادہ شہرت حاصل کر چکے ہیں :-

یہ اسلامی تاریخ جو بڑی محنت اور جانکاہی سے قلمبند کی گئی ہے ہر ایک سچے محب اسلام کے مطالعہ کرنے کے قابل ہے - اس میں یورپین مورخوں کے اعتراضوں کی تردید - ہندوؤں کی غلط فہمی کی اصلاح - اشاعت اسلام میں صوفیائے کرام و علمائے عظام کی روحانی و مذہبی خدمات اسلامی عہد کی ترقیات - مسلمان بہادروں کی شجاعت کی داستانیں - فدایان اسلام کے کارناموں کے (کذا) صحیح اور سچے واقعات درج ہیں - کتاب کا حجم ساڑھے چار سو صفحے سے زیادہ ہے اور (۸/ عہ) قیمت علاوہ محصول ڈاک پر فاضل مولف سے پتہ مندرجہ ذیل پر درخواست کرنے سے مل سکتی ہے :-

صوفی کرم الٰہی صاحب اوّل مدرس اسلامیہ ہائی سکول شہر راولپنڈی[8]"

اقبال نے اس تاریخ کی حوصلہ افزائی اور پسندیدگی کے اظہار کے لئے جو خط مصنف کو لکھا - وہ "صوفی" کے مئی ۱۹۱۶ء کے شمارے میں صفحہ ۶۰ جو آخری صفحہ ہے اور جون ۱۹۱۶ء کے صفحہ ۵۲ جو اس شمارے کا بھی آخری صفحہ ہے پر نظر آتا ہے گویا یہ خط "صوفی" کی اشاعتوں کے آخری صفحات کی زینت بنتا رہا اور چونکہ "صوفی" کے زیادہ تر شمارے کسی حد تک ناقص الآخر ہیں اس لئے حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خط پہلی مرتبہ کب "صوفی" کی زینت بنا - بہرحال علامہ اقبال کا یہ خط تجارتی مقاصد کے تحت بتکرار "صوفی" کی زینت بنتا رہا - اقبال کے اس خط کو "صوفی" میں ریویو کے طور پر درج کیا گیا ہے - خط کے القاب و آداب اور نفس مضمون کو تو پیش کیا گیا ہے جبکہ مکتوب نگار کا پتہ، تاریخ اور اختتامیہ جو مکتوب نگار کے کوائف پر مشتمل ہوتا ہے درج نہیں کئے گئے البتہ القاب و آداب سے قبل اس بات کی صراحت کر دی گئی ہے کہ یہ اقبال کا ریویو ہے - نفس مضمون کے بعد "صوفی" میں اختتامیہ کی جگہ، کتاب کی قیمت اور "ملنے کا پتہ: مینیجر دفتر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات، پنجاب" تحریر ہے - تاریخ درج نہ ہونے کے باعث حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ریویو پر مشتمل یہ خط علامہ اقبال نے کب لکھا - ڈاکٹر صابر کلوروی نے اس بلا تاریخ خط کا سن ۱۹۱۱ء بیان کیا ہے[9] - "انوار اقبال[10]" میں علامہ اقبال کے اس خط کو "مخزن" نومبر ۱۹۱۱ء، صفحہ "ز" سے نقل کیا گیا ہے حالانکہ یہی خط "مخزن" کی اکتوبر ۱۹۱۱ء[11] کی اشاعت میں بھی شامل رہا - "مخزن" میں "صوفی" کے برعکس تاریخ و پتہ کے علاوہ اختتامیہ سمیت پورا خط موجود ہے - جس کے مطابق اقبال نے یہ خط صوفی کرم الٰہی کو لاہور سے تحریر کیا - خط درج کرنے کے بعد "مخزن" میں نوٹ درج کیا گیا ہے کہ یہ کتاب مولوی کرم الٰہی، ڈنگہ ضلع گجرات سے قیمتاً مل سکتی ہے - "صوفی"، "مخزن" اور "انوار اقبال" میں شائع ہونے والے خط کے نفس مضمون کا موازنہ کیا جائے تو رموز اوقاف کے علاوہ اختلافات متن بھی نظر آتے ہیں - جیسے "صوفی" میں "آخیر تک" ہے تو "مخزن" میں "آخر تک" ہے - "صوفی" میں "ضرور قدر" ہے تو "مخزن" میں "بہت قدر" تحریر ہے - "صوفی" میں "مذاق اب تک" درج ہے جبکہ "مخزن" میں "مذاق تاریخ نویسی اب تک" تحریر کیا گیا ہے - "صوفی" اور "مخزن" میں "مطالعہ" لکھا گیا ہے تو "انوار اقبال" میں اسے سہواً "مطالعے" درج کر دیا گیا ہے - "مخزن" میں "اور میرے خیال میں تاریخ کا یہی مقصد ہونا چاہئے" کو قوسین میں درج کیا گیا ہے جبکہ صوفی میں اس کی پابندی نہیں کی گئی -

فروری ۱۹۱۹ء، جوہر قدامت، ص ۴۰

مصور غم علامہ راشد الخیری نے ۱۹۱۸ء میں "جوہر قدامت الملقب بہ بزم آخر" ایک سماجی ناول تصنیف کیا، جس پر بعد ازاں جنوری ۱۹۳۲ء میں نظر ثانی فرمائی[12] - یہ ناول جس کے شائع ہونے کا اہل علم حضرات کو بڑی شدت سے انتظار تھا، اسے کارخانہ صوفی نے ۱۹۱۸ء میں شائع کرنے کا اعزاز حاصل کیا - "صوفی" کے مئی ۱۹۱۸ء کے شمارے میں آخری صفحے پر ناول کا اشتہار شائع ہوا - جس میں مصنف و ناول کا تعارف پیش کر کے ناول کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا - یہ اشتہار یوں ہے:

"جوہر قدامت

الملقب بہ

بزم آخر

یعنی یادگار شمس العلماء مولوی نذیر احمدؒ صاحب مرحوم علامہ راشد الخیری مدظلہ العالی کی وہ تصنیف جس کا علامہ موصوف نے اکثر تحریروں اور تقریروں میں وعدہ فرمایا تھا اور جس کے واسطے اردو علم ادب اور ملک دونو بچینی سے منتظر تھے یہ مایہ ناز کتاب جس کا ہر فقرہ تیر ونشتر کا کام کر رہا ہے بتاتی ہے کہ مسلمان بیبیاں خاک ہندوستان سے کس پایہ اٹھتی تھیں ان کی زندگی کیا تھی اور ان کا مقصود کیا۔

یونتو علامہ محترم کی ہر صحر پر (تحریر) کلیجہ کے پار ہو جاتی ہے مگر بزم آخر کا ایک صفحہ بلکہ ایک سطر بھی ایسی نہیں جسکو پڑھ کر مسلمان اپنی داستان پارینہ سن کر بیتاب نہ ہو جائیں ہچکیاں بندھتی ہیں دل تڑپتا ہے اور آنکھیں صحبت شب کا وہ سماں پھر ڈھونڈھتی ہیں جواب دم توڑ رہا ہے۔

جوہر قدامت دو بہنوں کی پر لطف کہانی دولڑکیوں کی مفصل زندگی اور دو عورتوں کی جگر خراش داستان ہے جن میں سے ایک دور جہالت کی درخشندہ تصویر اور دوسری طرز جدید کی شیدا اور دلدادہ۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ عالم نسواں آج سے پچاس برس پہلے کیا جوہر رکھتا تھا مسلمان گھروں میں اسوقت کیسے کیسے لال گوڑریوں (گوڈڑیوں) میں چمکتے تھے اور مغربی رو (رواج) ان کو کس سمت لیجا رہا ہے۔

رفیعہ کی زندگی کا ہر واقعہ ہر معاملہ ہر بات ہر دن ہر گھڑی اور ہر رات قوم کیواسطے ایک عبرت کا سبق آیندہ کی پیشینگوئی اور اس خطرہ کی اطلاع ہے جسنے مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔

جوہر قدامت ہمارے واسطے شمع ہدایت ہے اور بتا رہی ہے کہ تعلیم نسواں کا اصلی منشا کیا ہے اور مسلمان اپنی بچیونکو کس طرح تعلیم دیں۔

جوہر قدامت ہمارے گھر میں جگمگاتا ہوا چاند ہے جسکی موجودگی میں ہمکو کسی ناصح صلحکار کسی استانی اور مدرس کی ضرورت نہیں۔

جوہر قدامت ہر خاندان میں ہر گھر میں ہر عورت کے پاس اور ہر لڑکی کے پاس ہونی ضروری ہے تاکہ وہ دین اور دنیا دونوں معاملات میں بہتر سہیلی عمدہ ناصح اور اعلیٰ رفیق اور سچی ہیلی ثابت ہو قصہ اسقدر پر لطف کہ سبحان اللہ زبان ایسی پاکیزہ کہ کوثر دھلے ہوئے واقعات اتنے درد انگیز کہ کلیجہ میں گھسیں۔

ہمارا منہ نہیں کہ ہم بیان کر سکیں کہ جوہر قدامت کیا ہے؟ اتنا ضرور کہینگے کہ بقول مولوی ظفر علی خانصاحب موت نے ہم سے حالی وشبلی چھین لئے اور ان کا نعم البدل نہ دیا مگر مولوی نذیر احمدؒ کی جگہ مولانا راشد الخیری صاحب نے پوری کر دی حق یہ ہے کہ کتاب ہر اعتبار سے لاجواب اور ہر لحاظ سے بےنظیر ہے ضخامت ۱۰ اجز، قیمت ایک روپیہ آٹھ (۸؍) آنہ علاوہ محصول ڈاک ۱۔

المشتہر

منیجر کارخانہ صوفی آبحیات پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات۔ پنجاب "(۱۳)

ایسے تفصیلی اشتہارات اور مختصر اشتہارات "صوفی" میں بتکرار شائع ہوتے رہے۔ مصورغم کی تصانیف کے حصول کے لئے اکثر فرمائشوں کا ہجوم ہوتا تھا اس لئے مدیر "صوفی" نے یہ بندوبست کیا کہ "جوہر قدامت" کے پہلے ایڈیشن کو خریداری کے لئے سب سے پہلے قارئین "صوفی" کو فراہم کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ شائقین کی مزید توجہ حاصل کرنے کے لئے "صوفی" میں اس کے اقتباسات پیش کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا۔ جیسا کہ جولائی ۱۹۱۸ء کی اشاعت میں اس کے دو اقتباسات مدیر "صوفی" کے تعارفی نوٹ کے ساتھ شائع کئے گئے۔ مدیر "صوفی" کا تعارفی نوٹ یوں تھا:

"حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ کے بینظیر قلم نے چمنستان میں جو پھول کھلائے ہیں وہ محتاج تعریف نہیں ایک دنیا ان سے معطر اور اک عالم ان کا مسخر ہے۔ اس زمانہ میں کہ لٹریچر کی حالت روز بروز گر رہی ہے علامہ محترم کی تصانیف سال میں پانچ پانچ چھ چھ مرتبہ شائع ہو رہی ہیں اور پھر بھی تشنگان ادب سیراب نہیں ہوتے اور یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ مال کھرا ہو تو قدر کی کمی نہیں!

مصورغم شہنشاہ قلم علامہ محترم کا ہر لفظ اور فقرہ سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہے۔ درد اثر سوز و گداز فصاحت بلاغت ہر اعتبار سے مولٰینائے محترم کی تصنیف مالا مال ہوتی ہے کبھی روتے روتے ہچکی بندھ جاتی ہے کبھی کبھی ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔

اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ مغربی روشرقی جواہرات بیدردی سے پامال کر رہی ہے اور اس وقت صرف ایک علامہ محترم کا دم اپنی قدامت (کذا) ان جواہر ریزوں کو جنہوں نے دنیا میں چکا چوند پیدا کر دی تھی علے الاعلان پیش کر رہا ہے۔

جوہر قدامت الملقب بہ بزم آخر وہ کتاب ہے جس کو پڑھکر مسلما تونکو معلوم ہوگا کہ وہ کیا تھے اور کیا ہوگئے صحبت شب کی تصویر انکی آنکھوں میں پھر جائیگی، عہد گذشتہ کا سماں دور ماضی کا منظر ان کو بتائیگا کہ وہ کن گودوں میں پلے ہیں اور آج وہ کیسی گودیں پیدا کر رہے ہیں۔

شاہدہ اور زاہدہ دونوں حقیقی بہنوں کی داستان اور مولٰینا مدظلہ کا طرز بیان اور دلی کی بینظیر زبان، کتاب نہیں ایک جادو ہے جو ناظر کو دنگ کر دیتی ہے مولٰنائے موصوف کی کتاب اعلان ہوتے ہی اس قدر فروخت ہوتی ہے کہ فرمائشوں کی تعمیل دشوار ہوتی ہے اس لئے ہمنے یہ انتظام کیا ہے کہ پہلا ایڈیشن صرف ناظرین صوفی تک پہنچائیں اس لئے جن احباب نے فرمائش میں تاخیر کی وہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرینگے۔ کتاب کا ہر باب ایک سے ایک افضل ہے اس لئے ہم دو مختصر ٹکڑے نقل کرتے ہیں۔

(ایڈیٹر صوفی)

ضخامت قریباً دس جز قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (۱۸) صرف دفتر صوفی سے ملسکتی ہے [۱۴]"

برصغیر کے دیگر رسائل وغیرہ میں بھی اس ناول کا خوب شہرہ ہوا مثلاً "زمانہ" کانپور میں مصورغم راشد الخیری کی تصانیف میں "جوہر قدامت" کا تعارف یوں پیش کیا جاتا کہ "دو بہنوں کی پرلطف کہانی دولڑکیوں کی مفصل زندگی دو عورتوں کی جگر خراش داستان ہے جسمیں سے ایک دور جدید کی شیدا اور دلدادہ اور دوسری دور قدیم کی درخشندہ۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ عالم عنوان (نسواں) آج سے پچاس سال پہلے کیا جوہر رکھتا تھا اور مسلمان گھروں میں

اسوقت کیسے کیسے لال گوڈریوں میں چمکتے تھے اور مغربی رواج انکو کس سمت لے جا رہا ہے[(۱۵)] -" کافی عرصے تک اس ناول کی اشاعت کے حقوق" کارخانہ صوفی" اور" صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات" کے پاس رہے۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء کے" صوفی" میں" مطبوعات صوفی کمپنی لمیٹڈ[(۱۶)]" کی تفصیلی فہرست شائع ہوئی ۔اس میں" جوہر قدامت" بھی شامل ہے۔ تاہم بعدازاں رازق الخیری مالک عصمت بک ایجنسی دہلی نے اشاعت کے حقوق صوفی کمپنی سے واپس لے لئے۔ رازق الخیری فرزند علامہ راشد الخیری" جواہر قدامت" کے پانچویں ایڈیشن جواگست ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا میں لکھتے ہیں کہ" جوہر قدامت" کا حق اشاعت صوفی کمپنی سے میں واپس لے چکا ہوں اور اب اسکے دائمی حقوق اشاعت میرے نام محفوظ ہیں[(۱۷)] ۔"" جوہر قدامت" کا اشتہار" صوفی" میں نومبر ۱۹۳۱ء کی اشاعت تک نظر آتا ہے[(۱۸)] ۔جس کا مطلب یہ ہے کہ" جوہر قدامت" کے حقوق اشاعت نومبر ۱۹۳۱ء کے بعد کسی وقت" صوفی" والوں سے واپس لئے گئے۔ اس ناول کا جب پہلا ایڈیشن" کارخانہ صوفی" سے شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچا تو علامہ اقبال نے بھی اس کا مطالعہ کیا اور اپنی رائے سے نوازا۔ یہ رائے" صوفی" کے فروری ۱۹۱۹ء کے شمارے میں آخری صفحہ پر شائع کی گئی۔" صوفی" کے ناقص الآخر شماروں کے باعث حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ رائے" صوفی" کے اس شمارے میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔ راشد الخیری کے بارے میں علامہ کی رائے ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند صادق الخیری کو لکھے گئے ۱۰ فروری ۱۹۳۶ء کے ایک خط کی صورت میں دستیاب ہے[(۱۹)] ۔ان کے ناول" جوہر قدامت" کے بارے میں اقبال کی یہ رائے اقبال کی نثر کے کسی مجموعے میں شامل نہیں لہٰذا اسے یہاں درج کیا جاتا ہے:

"زبان کے اعتبار سے لطیف اور مطالب کے اعتبار سے نہایت معنی خیز ہے۔ مسلمانوں کے عام مذہبی اور اخلاقی انحطاط پر نظر کرتے ہوئے آج کل اس قسم کے لٹریچر کی سخت ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہر طبقے کے مسلمان مولٰنا راشد کی اس تازہ تصنیف سے بہرہ اندوز ہونگے ۔"

نومبر ۱۹۲۲ء، حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے نوایجاد قرآن آسان قاعدہ کی نسبت اکابر ہندوستان کے خیالات کا خلاصہ، ص ۴۴

۱۹۲۲ء میں خواجہ حسن نظامی کا ایجاد کردہ" قرآن آسان قاعدہ" شائع ہوا، تو علامہ اقبال نے ۲۷ ستمبر ۱۹۲۲ء[(۲۰)] کو خواجہ حسن نظامی کو خط لکھ کر اپنی رائے اور اندیشے کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے سہواً اس خط کی تاریخ تحریر ۲۷ اگست ۱۹۲۲ء بیان کی ہے[(۲۱)] ۔" صوفی" میں دیگر اکابرین کے ساتھ اقبال کے خیالات کے خلاصے کے طور پر اس خط کے پہلے فقرے کہ" قرآن آسان قاعدہ بظاہر خوب معلوم ہوتا ہے اس کا تجربہ ضرور کرنا چاہئے۔" کو پیش کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال کا یہی فقرہ" زمانہ" کانپور میں بھی دیگر اکابرین کے خیالات کے ہمراہ درج ہوا[(۲۲)] ۔" صوفی" اور" زمانہ" میں فرق صرف یہ ہے کہ" زمانہ" میں اقبال کے خیالات کو نویں نمبر پر درج کیا گیا ہے۔ جبکہ" صوفی" میں علامہ اقبال کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے چار خواتین کے خیالات درج کرنے کے بعد حضرات میں پہلے یعنی پانچویں نمبر پر پیش کیا گیا ہے۔" انوار اقبال[(۲۳)]" میں علامہ اقبال کی اس ایک سطری رائے کو" زمانہ" دسمبر ۱۹۲۲ء کی اشاعت سے نقل کیا گیا ہے۔" قرآن آسان قاعدہ" کے بارے میں اقبال کے مکمل خط کو" منادی" ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں شائع کیا گیا۔ جسے ڈاکٹر رحیم بخش شاہین نے "اوراق گم گشتہ" میں شامل کیا[(۲۴)] ۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے" خطوط اقبال[(۲۵)]" میں اس خط کو ایک غلطی کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اسی طرح زیب النساء

نے "نگارشات اقبال (۲۶)" میں اس خط کے فقط نفس مضمون کو علامہ اقبال کی رائے کے طور پر "اوراق گم گشتہ" سے نقل کرنے میں ایک غلطی کی ہے۔"خطوط اقبال" میں "تجربہ میں مشکلات" کی بجائے "تجربوں میں مشکلات" تحریر کیا گیا ہے۔ جبکہ "نگارشات اقبال" میں "آپ نے اپنے بچوں" کی بجائے "آپ نے بچوں" تحریر کیا گیا ہے۔ "نگارشات اقبال" کی مرتب نے "اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ (۲۷)" میں "نگارشات اقبال" میں راہ پانے والی اغلاط کی نشاندہی کی ہے تاہم ایک مرتبہ پھر ان کی نگاہ چوک گئی اور یہ غلطی جوں کی توں موجود رہی۔ علامہ اقبال نے اپنے خط میں خواجہ حسن نظامی کو سوال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "... کیا آپ نے اپنے بچوں میں سے کسی کو اس قاعدے کے مطابق قرآن شریف پڑھایا ہے؟ اگر آپ نے ایسا کیا تو مجھے یقین ہے کہ اور مسلمان بھی اس قاعدے سے مستفید ہوں گے (۲۸)"۔ علامہ اقبال کے اس سوال کا جواب اکابرین کے خیالات کے ذیل میں خواجہ بانو اہلیہ خواجہ حسن نظامی کے خیالات میں درج ہے۔ بیگم خواجہ حسن نظامی لکھتی ہیں کہ "یہ قاعدہ چھپنے سے پہلے میں نے خود اپنے بچوں کو پڑھانا شروع کیا تھا۔ اب ایک استاد پڑھاتے ہیں۔ بچے خوشی خوشی پڑھ رہے ہیں ان کو بن دیکھے پڑھایا جاتا ہے۔۔ میرا چھوٹا لڑکا علی پڑھنے سے گھبراتا تھا مگر قاعدہ کی تصویریں دیکھ کر اس کو پڑھنے کا شوق ہو گیا ہے (۲۹)"۔

اپریل ۱۹۲۴ء، صحابیات کس قسم کی کتاب ہے، ص ۳۰

مولانا نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری مدیر "نگار" کا شمار اردو کے اچھے انشاء پردازوں اور نقادوں میں ہوتا ہے۔ ۱۹۲۳ء میں انہوں نے "صحابیات" کے عنوان سے امہات المومنینؓ اور بنات النبیؐ سمیت کل اٹھاون صحابیات کے مستند حالات زندگی ترتیب دیئے۔ جسے صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین نے سلسلہ مطبوعات صوفی نمبر۲ کے تحت شائع کیا (۳۰)۔ نیاز فتحپوری نے ۲۱ر جون ۱۹۲۳ء (۳۱) کو "صحابیات" کا مقدمہ تحریر کر کے اسے مکمل کیا تو فوری طور پر "صوفی" کے جون ۱۹۲۳ء کے شمارے سے "صحابیات" کا اشتہار "صوفی" میں آنا شروع ہو گیا (۳۲)۔ تاہم اس کی اشاعت فروری ۱۹۲۴ء میں ہوئی۔ "صوفی" کے فروری و مارچ ۱۹۲۴ء کے شمارے میں "نئی کتابیں جو ماہ حال میں چھپ کر شائع ہوئی ہیں" کے عنوان سے صوفی کمپنی کا اشتہار موجود ہے۔ جس میں دیگر کتب کے ساتھ "صحابیات" کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے (۳۳)۔ راقمہ نے کتاب کی اشاعت کے حوالے سے مارچ کے مہینے کو اس لئے خارج از امکان کر دیا ہے کہ "صوفی" میں "صحابیات" کے بارے میں سر محمد شفیع کی رائے کے ساتھ ۴ر مارچ ۱۹۲۴ء کی تاریخ طبع ہے اور روزنامہ "وکیل" امرتسر کی ۷ر مارچ ۱۹۲۴ء کی اشاعت سے اس کتاب پر کئے گئے مختصر تبصرے کو نقل کیا گیا ہے (۳۴) لہٰذا مارچ کے ابتدائی دنوں میں "صحابیات" پر کئے گئے اظہار خیال کا سامنے آ جانا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ کتاب مارچ میں نہیں بلکہ ماہ فروری میں شائع ہوئی۔ انگریزی روزنامہ 'مسلم آؤٹ لک' نے ۲۴ر مئی ۱۹۲۴ء اور روزنامہ "زمیندار" نے ۳۰ر مئی ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں "صحابیات" کو موضوع بنایا (۳۵)۔ صاحب علم ہستیوں کی طرف سے اس کتاب کو خوب سراہا گیا۔ چنانچہ کتاب بڑی سرعت کے ساتھ فروخت ہونا شروع ہو گئی (۳۶)۔ مسلمانوں کے اکثر زنانہ مدرسوں میں اس کتاب کو پڑھایا جاتا تھا (۳۷)۔ صوفی کمپنی کے دیوالیہ ہو جانے کے بعد "صحابیات" کے حقوق مدیر "صوفی" نے صوفی بک ڈپو کے لئے حاصل کئے۔ بعد ازاں ۱۹۵۶ء میں نفیس اکیڈمی کراچی نے "صوفی

بک ڈپو" سے حقوق طباعت واشاعت باضابطہ حاصل کر لئے اور اکتوبر ۱۹۵۷ء میں "نفیس اکیڈمی" کی طرف سے اس کا پہلا ایڈیشن شائع کیا (۳۸)۔

صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین کی طرف سے پہلی مرتبہ شائع ہونے کے بعد جب "صحابیات" علامہ اقبال کے پاس پہنچی تو علامہ اقبال نے اس کتاب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جس کی ایک سطر اپریل ۱۹۲۴ء کے "صوفی" میں شائع ہوئی۔ علامہ اقبال کی اس ایک سطری رائے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علامہ اقبال کے اس خط سے اقتباس کی گئی ہے جو انہوں نے کتاب بھجوانے والے کو لکھا۔ نیز اس سطر سے یہ بھی عیاں ہے کہ اس خط کے مخاطب نیاز فتح پوری نہیں۔ لہٰذا بدیہی ہے کہ یہ کتاب مدیر "صوفی" نے ناشر کی حیثیت سے علامہ اقبال کو بھجوائی۔ جس کے جواب میں علامہ اقبال نے مدیر "صوفی" کو خط لکھتے ہوئے "صحابیات" پر اظہار خیال کیا جس میں سے ایک فقرے کو اقبال کی رائے کے طور پر "صوفی" کی زینت بنا دیا گیا۔ "صوفی" میں علامہ اقبال کی رائے "صحابیات کس قسم کی کتاب ہے" کے عنوان سے دوسرے نمبر پر درج کی گئی۔ علامہ سے پہلے سر میاں محمد شفیع کی رائے درج ہے۔ جس پر ۴ر مارچ کی تاریخ درج ہے۔ اور علامہ کے بعد "وکیل" امرتسر کی رائے ۷ر مارچ کی اشاعت سے نقل کی گئی ہے۔ مزید یہ کہ "صوفی" کے جس شمارے میں یہ آراء نقل کی گئی ہیں۔ وہ اپریل کا شمارہ ہے جبکہ کتاب فروری ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ لہٰذا شواہد کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبال کی یہ رائے مارچ ۱۹۲۴ء کی تحریر کردہ ہے۔ علامہ اقبال کی ایک سطری رائے چونکہ ان کی نثر کے کسی مجموعے میں شامل نہیں لہٰذا درج کی جاتی ہے:

"کتاب صحابیاتؓ مصنفہ جناب نیازؔ فتحپوری عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ مسلمان عورتیں اس سے بہت مستفید ہوں گی۔

مئی ۱۹۲۵ء، سیر الصحابہؓ ص ۲۳

جنوری ۱۹۲۳ء سے "صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات" کا قیام عمل میں آیا۔ اسی وقت سے اس کے ڈائریکٹروں ملک محمد الدین اعوان مدیر "صوفی"، ڈاکٹر شیخ محمد عالم بیرسٹرایٹ لاء اور شیخ محمد ممتاز فاروقی بیرسٹرایٹ لاء کی نگاہیں صحابہ کرام کی مستند اور بھرپور سوانح پیش کرنے جیسے مقدس اور اہم کام پر تھیں۔ چنانچہ مارچ ۱۹۲۳ء میں سیر الصحابہؓ کا ڈول ڈالا گیا اور کانپور کے رکن دار المصنفین اعظم گڑھ، ممتحن علوم شرقی الٰہ آباد یونیورسٹی مولانا سعید انصاری نے اس کی پہلی جلد لکھنا شروع کی (۳۹)۔ دسمبر ۱۹۲۴ (۴۰) ء میں سیر الصحابہؓ کی پہلی جلد چھپ کر منظر عام پر آئی۔ اسے صوفی کمپنی کی انعامی کتب میں فروخت کے لئے پیش کیا گیا۔ "سیر الصحابہؓ" کو صوفی کمپنی کے "سلسلہ مطبوعات صوفی نمبر (٦)" کے تحت پیش کیا گیا (۴۱)۔ "سیر الصحابہؓ" کی پانچ جلدوں میں صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد کے سوانح کو "صحیح بخاری" جیسے معتبر مآخذ سے پیش کیا گیا۔ پہلی جلد چھپ جانے کے ساتھ دیگر جلدیں بھی زیر ترتیب رہیں (۴۲)۔ دوسری جلد مولٰنا سعید انصاری نے ستمبر ۱۹۲۵ء میں مکمل کی (۴۳)۔ تاہم عجیب بات ہے کہ "قاموس الکتب اردو" میں "سیر الصحابہؓ" کی پہلی، دوسری، تیسری، چھٹی اور ساتویں جلد کو مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی کی تالیف اور بقیہ جلدوں کو مولوی سعید انصاری اور مولوی عبدالسلام ندوی کی تالیفات بیان کیا ہے اسی طرح "قاموس الکتب" میں مطبع کا نام "معارف پریس اعظم گڑھ" درج ہے (۴۴) جبکہ صوفی کمپنی نے اسے اسلامیہ سٹیم پریس، بکی گیٹ، لاہور سے طبع کرایا تھا (۴۵)۔ "قاموس الکتب" میں "سیر الصحابہؓ" کے کل تین مولفین بیان ہوئے ہیں جبکہ "صوفی" میں اس کی پانچ جلدوں کے لئے

مولانا سعید انصاری کے علاوہ کسی اور کا نام سامنے نہیں آیا - نیز "سیر الصحابہؓ" کی پہلی جلد کے آغاز میں فراہمی مواد اور معیار کے حوالے سے بات کرتے ہوئے مولانا سعید انصاری لکھتے ہیں کہ "... یہ اور اسی قسم کی سیکڑوں باتوں کا لحاظ، یقیناً ایک شخص کا کام نہیں اس کے لئے ایک مستقل مجلس تصنیف کی ضرورت ہے،

لیکن یہ سعادت عظمیٰ ازل سے تنہا میرے لئے مقدر ہو چکی تھی، اس لئے جب قرعہ انتخاب میرے نام پڑا تو تسلیم کی گردن خم کر دی، اور صحابہ کرام کے آستانہ پر حاضر ہو گیا (۴۶)،-"

"صوفی" کے مئی ۱۹۲۵ء کے شمارے میں "سیر الصحابہؓ" کے بارے میں علامہ اقبال کی تین سطری رائے شائع ہوئی - جس کے ساتھ ۱۰/اپریل ۱۹۲۵ء کی تاریخ بھی رقم ہے گویا علامہ اقبال کی رائے "سیر الصحابہؓ" کی پہلی جلد سے متعلق ہے کیونکہ "سیر الصحابہؓ" کی دوسری جلد ستمبر ۱۹۲۵ء میں پایہ تکمیل تک پہنچی علامہ اقبال کی رائے ۱۹۲۵ء کی تحریر کردہ ہے اس لئے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبال کی یہ رائے "سیر الصحابہؓ" کی پہلی جلد سے متعلق ہے- اس پہلی جلد کا تعارف کراتے ہوئے "صوفی" میں لکھا ہے کہ "... اسی جلد میں انہوں (مولانا سعید انصاری) نے ایک عظیم الشان اور ضخیم مقدمہ شامل کیا جس میں فن رجال و روایت کی تاریخ، عہد بہ عہد کے انقلابات، تصنیفات پر تبصرہ، اصول روایت و درایت، کتب رجال کے نقائص، فن روایت کے موثرات وغیرہ سے بحث کی، صحابہ اور مہاجرین کے مناقب لکھے اور اسکے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی مفصل سوانحعمریاں تحریر کیں جو صرف صحیح بخاری سے ماخوذ ہیں اور اس بنا پر اسقدر صحیح ہیں کہ آج تک ان سے بڑھکر ان دونوں بزرگوں کی سوانحعمریاں کبھی نہیں لکھی گئیں (۴۷)-" "سیر الصحابہؓ" کی پہلی جلد کے بارے میں اقبال کی رائے کے بین السطور سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے ۱۰/اپریل ۱۹۲۵ء کے جس خط سے ان سطور کو بطور رائے نقل کیا گیا ہے اس کا مکتوب الیہ مذکورہ کتاب کا مصنف و مولف نہیں بلکہ ناشر ہے- یعنی مدیر "صوفی" نے "صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ" کے مینیجنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے علامہ اقبال کو یہ کتاب بھجوائی جس کے جواب میں انہوں نے ۱۰/اپریل ۱۹۲۵ء کو خط لکھ کر بحیثیت ناشر مدیر "صوفی" کی حوصلہ افزائی کی- علامہ اقبال کی اس رائے کو بتکرار "صوفی" میں پیش کیا جاتا رہا- علامہ اقبال کی یہ تین سطری رائے ان کی نثر کے کسی مجموعے میں شامل نہیں اس لئے یہاں پیش کی جاتی ہے- علامہ اقبال نے اشاعتی پہلو پر زور دیتے ہوئے لکھا کہ "کتاب سیر الصحابہؓ نہایت مفید ہے- اس قسم کی تصانیف سے عام مسلمانوں کی مذہبی معلومات میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے اور آج کل ایسے لٹریچر کی اشاعت مذہب اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے-"

جولائی ۱۹۲۵ء، تاریخ اسلام جلد اول، ص ۱۵

مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی سے علامہ اقبال کی ملاقات و مکاتبت رہی- اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کے نام علامہ اقبال کے نو خطوط دستیاب ہیں (۴۸)- جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ، مولانا کی صلاحیتوں کے معترف اور ان کے موقف کے قائل تھے- وہ مولانا کے مضامین و تصانیف کا دلچسپی سے مطالعہ کرتے اور مولانا کو بعض موضوعات پر قلم اٹھانے کی ترغیب دیتے- دوسرے مولانا کی روزنامہ "زمیندار" کی ایڈیٹری اور دیال سنگھ کالج کی

پروفیسری یعنی قیام لاہور (۴۹) کے زمانے نے بھی دونوں کو قریب ہونے کے مواقع فراہم کئے- مولانا اکبرشاہ خاں نجیب آبادی کو تاریخ کے موضوع سے خاص دلچسپی تھی ان کا تاریخی اور ذاتی کتب خانہ کم از کم چھ ہزار کتب پر مشتمل تھا (۵۰) - ۱۹۱۶ء میں مولانا اکبر نے مسلمانوں میں تاریخی ذوق پروان چڑھانے کے لئے رسالہ "عبرت" جاری کیا (۵۱) -مولانا کی تصانیف "مذہب اور تلوار"، "اسلامی سپاہیانہ زندگی"، "اکابرقوم" کے بعض ایڈیشن صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ نے بڑے شوق سے شائع کئے (۵۲) - اور "تاریخ اسلام" تو کمپنی نے خاص اہتمام سے تیار کرائی جو اردو زبان میں بہترین تاریخ تسلیم کی گئی (۵۳) -کسی زمانے میں "تاریخ اسلام" لکھوانے کے لئے پنجاب اور یو-پی کے کئی لیڈروں نے انہیں با اصرار آمادہ کرنا چاہا مگر مولانا اس وقت اس منصوبے کا آغاز نہ کر سکے- یہ صوفی کمپنی کی خوش قسمتی تھی کہ وہ مولانا کو اس کام پر آمادہ کرنے میں کامیاب رہی اور مولانا اپنے تمام تر مشاغل ترک کر کے ہمہ تن اس کام میں مصروف ہوئے اور ایک تاریخ مرتب کر ڈالی (۵۴) - یہ تاریخ جس کے بارے میں صوفی کمپنی کا خیال یہ تھا کہ غالباً چار جلدوں (۵۵) میں مکمل ہوگی حقیقتاً تین حصوں میں چھپ کر سامنے آئی (۵۶) - یہ مکمل تاریخ مدیر "صوفی" نے صوفی کمپنی کے مینیجنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے مولانا اکبرشاہ خاں نجیب آبادی سے سترہ سو روپے کے معاوضے پر لکھوائی - تاہم "رجال اقبال" کے مولف نے مولانا کا احوال بیان کرتے ہوئے ایک عجیب بات لکھی ہے کہ "... ایک ایڈیٹر نے سترہ سو روپے کے معاوضے پر تاریخ اسلام کی چار جلدیں لکھوائیں اور جب معاوضہ کا مطالبہ کیا تو دیوالیہ کا اعلان اخبار میں نکال دیا (۵۷) -"ایک تو "رجال اقبال" کے مولف کی یہ معلومات مکمل وشافی نہیں دوسرے ان کا ذہن مولانا کے سوانح کے حوالے سے واضح نہیں- کیونکہ تاریخ کے حوالے سے اس واقعے کے بیان کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "... اس صورتحال سے دل برداشتہ ہو کر وہ نجیب آباد لوٹ گئے اور ایک رسالہ عبرت جاری کیا (۵۸) -" صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی یکم دسمبر ۱۹۳۲ء سے دیوالیہ ہوئی (۵۹) - اور رسالہ "عبرت" ۱۹۱۶ء میں جاری ہوا (۶۰) - پھر مولف "رجال اقبال" نے خود ہی "عبرت" کے مضامین کے بارے میں علامہ کے ۲۲ر نومبر ۱۹۲۲ء کے خط کا متن پیش کیا ہے- جس سے ثابت ہوتا ہے کہ "عبرت" کا اجراء "صوفی" کمپنی کے دیوالیہ ہونے کے بعد عمل میں نہیں آیا- یوں "رجال اقبال" کے مولف نے سہواً مختلف زمانوں کے واقعات میں بے جا ربط پیدا کر کے غلط نتائج اخذ کئے- مولانا اکبرشاہ خاں نجیب آبادی کو "تاریخ اسلام" کا معاوضہ نہ ملنے والی بات میں صداقت اس لئے بھی نظر نہیں آتی کہ "صوفی" کمپنی کے دیوالیہ قرار دیئے جانے والے نوٹس میں کمپنی کے تمام حصہ داروں کو ۱۵ر جنوری ۱۹۳۳ء کو ایک جلسے میں حساب بیباق کرنے کے لئے شرکت کی دعوت دی گئی تھی (۶۱) - گویا دیوالیہ قرار دینے سے حق داروں کا حق غصب کرنا مقصود نہ تھا- دوسرے مدیر "صوفی" نے کمپنی کے دیوالیہ ہو جانے کے بعد جب ۱۹۳۳ء میں ذاتی حیثیت سے صوفی بک ڈپو (۶۲) قائم کیا تو مولانا اکبرشاہ خاں نجیب آبادی کی دیگر تصانیف کے ساتھ ساتھ "تاریخ اسلام" کے حقوق "صوفی بک ڈپو" کے لئے حاصل کئے اور کمپنی کے دیوالیہو جانے کے بعد "تاریخ اسلام" کے تینوں حصے ۱۹۵۶ء تک "صوفی بک ڈپو" کی طرف سے ہی شائع اور فروخت ہوتے رہے (۶۳) - ۱۹۵۶ء میں "تاریخ اسلام" کے حقوق "صوفی بک ڈپو" سے "نفیس اکیڈمی کراچی" نے خرید لئے (۶۴) - اگر مدیر "صوفی" نے مولانا اکبرشاہ خاں نجیب آبادی کو "تاریخ اسلام" کا معاوضہ ادا نہ کیا ہوتا تو مولانا "صوفی بک ڈپو" کو حقوق اشاعت دے کر ایک لمبے عرصے تک

"تاریخ اسلام" فروخت کرنے کی اجازت کبھی نہ دیتے گویا" رجال اقبال" کے مولف کی معلومات نامکمل اور کمپنی کے دیوالیہ ہونے تک محدود ہیں جن سے غلط تاثر قائم ہوتا ہے۔

"تاریخ اسلام" کی پہلی جلد یعنی حصہ اول کو مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے یکم محرم الحرام ۱۳۴۳ھ بمطابق اگست ۱۹۲۴ء میں "پیش لفظ" لکھ کر مکمل کیا (۶۵) - دسمبر ۱۹۲۴ء تک یہ چھپ کر تیار تھی اور اسے "صوفی" کمپنی کی انعاماتی اسکیم میں فروخت کی غرض سے پیش کر دیا گیا (۶۶) - ہندوستان کی اکثر سرکاری ٹیکسٹ بک کمیٹیوں نے اس "تاریخ اسلام" کو سرکاری مدرسوں کے لئے لائبریری اور انعامی کتاب کے طور پر منظور کیا (۶۷) - "رسالۂ اردو" اورنگ آباد دکن نے جولائی ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں اس کا محاکمہ کیا (۶۸) - روزنامہ "زمیندار" نے ۱۳ رجون ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں اس "تاریخ اسلام" کو شائع کرنے پر صوفی کمپنی کو خوب سراہا گیا (۶۹) - چھپنے کے بعد اسے علامہ اقبال کی خدمت میں بھی بھجوایا گیا - علامہ اقبال نے کتاب بھجوانے پر شکریے کا خط لکھا جس کا اقتباس علامہ اقبال کی تین سطری رائے کی صورت میں جولائی ۱۹۲۵ء کے صوفی میں شائع ہوا - اس اقتباس پر "تاریخ اسلام جلد اول" کا عنوان درج کر کے اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ علامہ کی یہ رائے فقط "تاریخ اسلام" حصہ اول کے بارے میں ہے ویسے بھی اس کا دوسرا حصہ علامہ کے اظہار رائے کے بہت بعد یعنی مئی ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا (۷۰) - علامہ اقبال کی اس تین سطری رائے سے صاف ظاہر ہے کہ جس خط سے اسے اقتباس کیا گیا ہے - اس کے مخاطب مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نہیں - دوسرے یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ علامہ اقبال کو "تاریخ اسلام - حصہ اول" بھجوانے والے یا تو مصنف خود تھے یا ناشر، ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا - اس بناء پر راقمہ کا قیاس ہے کہ اگر اس خط کے مخاطب مصنف یعنی مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نہیں تو پھر یقیناً اس خط کے مخاطب ناشر یعنی مدیر "صوفی" ہوں گے - گویا مدیر "صوفی" نے ناشر کی حیثیت سے مولانا کی یہ کتاب علامہ اقبال کو بھجوائی - جس کے شکریے کے طور پر انہوں نے مدیر "صوفی" کو خط لکھا جس سے علامہ اقبال کی تین سطری رائے "صوفی" میں پیش کی گئی - نیز علامہ اقبال کے اس خط کا زمانہ تحریر بھی اس کے زمانہ اشاعت سے زیادہ دور نہیں کیونکہ مدیر "صوفی" علامہ کی وقعت و اہمیت کے پیش نظر اسے شائع ہونے سے زیادہ دیر تک روک نہیں سکتے - "تاریخ اسلام" کے بارے میں علامہ اقبال کی یہ رائے چونکہ نثر اقبال کے کسی مجموعے میں شامل نہیں لہٰذا اسے یہاں درج کیا جاتا ہے:

"کتاب تاریخ اسلام (حصہ اول) کا شکریہ - کتاب کے مصنف کو میں اچھی طرح جانتا ہوں - چھپنے سے پیشتر مجھے اس کا علم تھا - مولوی اکبر شاہ خاں صاحب کا نام ہی اس کے اچھا ہونے کی ضمانت ہے انہیں علم تاریخ سے خوب دلچسپی ہے - امید ہے کہ مسلمانوں کو اس کے مطالعہ سے بہت فائدہ ہوگا -"

بعد ازاں حصہ سوم کی اشاعت کے بعد تک صوفی کمپنی کے بعد "صوفی بک ڈپو" کی طرف سے علامہ کی حصہ اول کے بارے میں پیش کی گئی اسی رائے کو بتکرار پیش کیا جاتا رہا (۷۱) - تاہم اب اسے مزید مختصر کر کے صرف دو سطروں میں پیش کیا جانے لگا - تین سطری رائے کو اس طرح مختصر کیا گیا کہ "کتاب تاریخ اسلام" سے لے کر "مجھے اس کا علم تھا" تک فقرے کو حذف کر کے بقیہ حصے کو من وعن پیش کرنا شروع کر دیا گیا -

اکتوبر ۱۹۲۶ء، علامہ اقبال کی تقریر میلاد النبیؐ، ص ۲۷-۲۸

پروفیسر غلام دستگیر رشید نے ۱۹۴۴ء میں روزنامہ "زمیندار" کی ایک رپورٹ سے اس تقریر کو بلاحوالہ تاریخ وسن "آثار اقبال [۷۲]" میں نقل کیا۔ صوفی" میں اس تقریر کی اشاعت اس پہلو سے اہمیت حاصل کر جاتی ہے کہ اس سے اس تقریر کے سن اور تاریخ کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ خصوصاً اس صورت حال میں کہ "آثار اقبال" (۱۹۴۴ء) سے لے کر ماضی قریب میں شائع ہونے والی کتاب "اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ" مصنفہ زیب النساء (۱۹۹۷ء) میں بھی اس تقریر کے زمانے کے بارے میں کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی، اور اس کے بارے میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ یہ تقریر علامہ اقبال نے میلاد النبیؐ کی کسی محفل میں کی تھی۔ [۷۳] صوفی کے اکتوبر ۱۹۲۶ء کے شمارے میں شائع اس تقریر کے متن سے قبل یہ جملہ ملتا ہے کہ "جناب علامہ نے لاہور میں میلاد النبیؐ کے جلسے میں فرمایا۔" اس سے یہ اشارہ ملا کہ یہ تقریر اسی سال میں اکتوبر ۱۹۲۶ء سے قبل ہونے والے جلسے میں کی گئی۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء تقویمی اعتبار سے ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ ٹھہرتا ہے۔ جب ۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کو سن عیسوی میں منتقل کیا گیا تو ۲۰ ستمبر ۱۹۲۶ء نکلا۔ اس بناء پر راقمہ نے خیال کیا کہ علامہ اقبال نے یہ تقریر ۲۰ ستمبر ۱۹۲۶ء کے روز عید میلاد النبی کے جلسے میں پیش کی۔ جسے "صوفی" کے اکتوبر ۱۹۲۶ء کے شمارے کی زینت بنایا گیا۔ راقمہ کے اس خیال کی تصدیق اس وقت ہوئی جب روزنامہ "زمیندار" سے اس امر کی شہادت دستیاب ہوئی اور روزنامہ "زمیندار [۷۴]" کی ۲۲ ستمبر ۱۹۲۶ء کی اشاعت میں ۲۰ ستمبر ۱۹۲۶ء کے جلسہ عید میلاد النبیؐ کی وہ کارروائی سامنے آئی جس میں علامہ اقبال نے یہ تقریر پیش کی۔ اس کارروائی میں علامہ کی تقریر کا متن درج کیا گیا ہے۔

یہ تقریر علامہ اقبال نے انجمن معین الاسلام، لاہور کے زیر اہتمام ۲۰ ستمبر ۱۹۲۶ء کو موچی دروازہ لاہور کے بیرونی باغ میں منعقدہ میلاد النبیؐ کے ایک عظیم الشان جلسے میں کی۔ مسلمانان لاہور کا یہ جلسہ نماز مغرب کے بعد سے شروع ہو کر رات پونے گیارہ بجے تک جاری رہا۔ انجمن معین الاسلام لاہور کے سیکرٹری مفتی حمایت اللہ کی تجویز سے میلاد النبیؐ کا یہ جلسہ علامہ اقبال کی صدارت میں ہوا۔ اس جلسے میں مولانا قمر الدین، شیخ نیاز محمد (وکیل) نے خطاب فرمایا اور پنجابی زبان کے شاعر استاد گامؔ نے اپنا کلام پیش کیا۔ اس جلسے میں مولانا عبدالمجید سالک بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس جلسے میں ایک قرارداد پیش کی جس میں محکمہ ڈاک اور ریلوے میں عید میلاد النبیؐ کے موقع پر عام تعطیل نہ ہونے پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ ان محکموں میں اس مقدس دن کے لئے تعطیل لازمی قرار دی جائے تاکہ مسلمان عید میلاد کے مراسم سہولت سے ادا کر سکیں۔ جلسے میں اس قرارداد کی تائید ہوئی اور اسے منظور کر لیا گیا۔ اس وقت تک چونکہ رات کافی ہو چکی تھی اس لئے جلسے کے پروگرام کو مختصر کر کے علامہ اقبال کو تقریر کرنے کی دعوت دی گئی [۷۵]۔ علامہ اقبال نے چند ابتدائی کلمات ادا کرنے کے بعد یہ تقریر فرمائی جو "صوفی" میں "علامہ اقبال کی تقریر میلاد النبیؐ" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ "صوفی" میں اس تقریر کا جو متن پیش کیا گیا ہے وہ "زمیندار" کے مطابق ہے۔ جس سے یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ "صوفی" میں شائع ہونے والی اس تقریر کا ماخذ "زمیندار" ہی تھا۔ ۱۹۴۴ء میں پروفیسر غلام دستگیر رشید نے روزنامہ "زمیندار" سے اس تقریر کو "آثار اقبال" میں "محفل میلاد النبیؐ اور اقبال" کے عنوان سے پیش کیا۔ بعد ازاں ۱۹۶۳ء میں اسے "آثار اقبال" سے "مقالات اقبال [۷۶]" میں "محفل میلاد النبیؐ" کے عنوان سے، ۱۹۷۷ء میں "میلاد النبیؐ" کے عنوان سے "اقبال کے نثری افکار [۷۷]" اور "عید میلاد النبیؐ" کے عنوان سے "اقبال کے ملی افکار [۷۸]" میں نقل کیا گیا۔ "صوفی" میں شائع ہونے والی اس تقریر کو ڈاکٹر انور سدید

نے "اقبال شناسی اور ادبی دنیا"(۷۹) میں "نوادرات" کے زمرے میں "صوفی" کا حوالہ درج کرتے ہوئے پیش کیا ہے تاہم سہواً حوالے میں اکتوبر ۱۹۲۶ء تحریر ہونے کے بجائے اکتوبر ۱۹۳۶ء تحریر ہو گیا ہے۔ "صوفی" میں اس کا عنوان "علامہ اقبال کی تقریر میلاد النبیؐ" درج ہے جبکہ ڈاکٹر انور سدید کی مرتبہ کتاب میں اس تقریر کا عنوان فقط "میلاد النبیؐ" درج کیا گیا ہے۔ "مہک" (۷۵-۱۹۷۴ء) میں اسے "صوفی" کے درست حوالے کے ساتھ (ص ۱-۴) پیش کیا گیا ہے تاہم عنوان "صوفی" سے مختلف یعنی "میلاد النبیؐ" درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر منیر احمد سلیچ نے بھی اس تقریر کا عنوان "صوفی" سے مختلف یعنی "تقریر علامہ اقبال بسلسلہ عید میلاد النبیﷺ"(۸۰) درج کیا ہے۔ "صوفی" کے متن کا دیگر سے موازنہ کیا جائے تو بہت سے اختلافات و اغلاط نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک غلطی ایسی ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے کافی شدید ہے وہ یہ کہ "صوفی" میں "باخبر ہو" کو "باخبر نہ ہو" لکھ کر فقرے کو مثبت کے بجائے منفی مفہوم عطا کر دیا ہے۔ جو موضوع کے وقار کو دیکھتے ہوئے بہت گراں گزرتا ہے۔ "صوفی" سمیت اقبال کی نثر کے کسی مجموعے میں بھی اس تقریر کا مکمل متن موجود نہیں۔ اقبال نے اپنی تقریر کے آخر میں انجمن معین الاسلام کو مخاطب کر کے بھی چند ہدایات فرمائیں اور اپنی تقریر کو اپنے اس فارسی شعر پر ختم کیا جو جون ۱۹۲۷ء میں منظر عام پر آنے والے علامہ کے فارسی مجموعہ کلام "زبور عجم" کے حصہ دوم کی غزلیات میں موجود ہے(۸۱)۔ اپنی تقریر میں ہدایات و تجاویز پیش کرتے ہوئے بھی اقبال نے حضور کریمؐ کی شخصیت کے بارے میں اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا، جو بجائے خود اہم ہے لیکن "زمیندار" سے اقبال کی تقریر نقل کرنے والوں نے انجمن معین الاسلام کو مخاطب کرنے سے پہلے کے متن کو درج کر دیا اور بقیہ متن کو محض انجمن سے متعلقہ مواد سمجھ کر حذف کر دیا۔ حذف شدہ متن یوں ہے کہ

"انجمن معین الاسلام سے میری استدعا یہ ہے کہ وہ اسی اصول پر اپنے جلسوں کی ترتیب کیا کریں۔ عید میلاد سے ایک ماہ پہلے ایسے لوگ منتخب کر لئے جائیں۔ جو رسول اللہﷺ کی زندگی کے کسی شعبے پر بہت اچھی طرح اظہار خیالات کر سکیں۔ سب لوگ پوری طیاری (تیاری) کر کے آئیں۔ رسول اللہ کی زندگی جامع حیثیات ہے آپ دوست بھی تھے باپ بھی تھے۔ جرنیل بھی تھے مقنن بھی تھے جج بھی تھے۔ غرض آپ کی تمام حیثیتوں پر تفصیل سے اظہار خیالات کیا جا سکتا ہے۔ ہم جو دعوے کرتے ہیں کہ دنیا میں ایک کامل انسان آیا۔ اس کو ثابت کرنے کے لئے اس قسم کے جلسے نہایت ضروری ہیں تاکہ ایک طرف مسلمانوں کا ایمان پختہ ہو اور دوسری طرف اس سے تبلیغ و اشاعت اسلام کے مقاصد بھی پورے کئے جا سکیں۔ میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن وقت کم ہے۔

زباں اگرچہ دلیر است(۸۲) مدعا شیریں
سخن ز عشق چہ گویم جز ایں کہ نتواں گفت(۸۳)"

<u>مارچ ۱۹۲۹ء، شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا مرتبہ۔ تحریک آزادی نسواں کے خطرناک نتائج۔ سپاسنامہ خواتین کے جواب میں علامہ اقبال کے ارشادات، ص ۱۴-۱۹</u>

۵؍ جنوری ۱۹۲۹ء کو علامہ اقبال مدراس مسلم ایسوسی ایشن کے صدر سیٹھ محمد جمال کی دعوت پر مدراس پہنچے(۸۴) مولوی محمد عبداللہ چغتائی پروفیسر اسلامیہ

کالج، لاہور اور چوہدری محمد حسین بھی ہمراہ تھے (۸۵) ۔ "انوار اقبال (۸۶) "، "مقالات اقبال (۸۷) " (طبع دوم) اور "اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ (۸۸) " میں دسمبر ۱۹۲۸ء میں اقبال کے مدراس جانے کا ذکر کیا گیا ہے جو حقیقی صورت حال سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ علامہ کا پہلا پروگرام یہ تھا کہ وہ ۹ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو مدراس تشریف لائیں گے اور "دینیات" اور "تخیل جدید" پر چھ خطبات دیں گے (۸۹) ۔ ۸ر نومبر ۱۹۲۸ء تک انہوں نے پہلے تین خطبات مکمل کر لئے تھے۔ شدید علالت کے باعث دو ماہ تک کام رک جانے کی وجہ سے بقیہ تین خطبے نہ لکھے جا سکے تو علامہ اقبال نے اس سال تین خطبے ارشاد فرمانے اور بقیہ تین خطبے اگلے سال دسمبر ۱۹۲۹ء میں پیش کرنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ پھر ان کا پروگرام یہ بنا کہ وہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو لاہور سے روانہ ہو کر ۱۹ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو مدراس پہنچیں گے اور بڑے دنوں کی تعطیلات سے پہلے پہلے اپنے خطبے مکمل کر لیں گے (۹۰) ۔ پھر شاید بڑے دنوں کی تعطیلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے انہوں نے اپنے پروگرام کو مزید ایک دن پہلے کر کے یوں ترتیب دیا کہ وہ ۱۴ر دسمبر کو لاہور سے روانہ ہو کر ۱۸ر دسمبر کو مدراس پہنچیں گے (۹۱) ۔ تاہم اس مرتبہ حیدر آباد والوں اور مدراس والوں نے بار بار درخواستیں کر کے علامہ اقبال کو اس بنا پر اپنا پروگرام تبدیل کرنے پر آمادہ کیا کہ ۱۳ر دسمبر سے جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں تعطیلات ہو جائیں گی جس کے باعث طلباء علامہ اقبال کے خطبات سے محروم رہ جائیں گے چنانچہ علامہ اقبال نے اس بات کی معقولیت کے پیش نظر فیصلہ کیا کہ وہ دسمبر ۱۹۲۸ء کے بجائے جنوری ۱۹۲۹ء میں مدراس تشریف لے جائیں گے (۹۲) ۔ چنانچہ وہ ۵ر جنوری ۱۹۲۹ء کو مدراس پہنچے جہاں مسلمانان شہر نے ان کا شاندار خیر مقدم کیا۔ مدراس میں مسلم ایسوسی ایشن کے تحت علامہ اقبال نے اپنے تین خطبات پیش کئے۔ قیام مدراس کے دوران علامہ کی خدمت میں "اردو سوسائٹی، گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس" اور "انجمن خواتین اسلام، مدراس" کی طرف سے سپاسنامے پیش کئے گئے (۹۳) ۔ روزنامہ "انقلاب" نے علامہ اقبال کے سفر مدراس کی تمام مصروفیات کو شائع کرنے کا پورا اہتمام کیا تھا تاہم افغانستان کی نازک صورت حال آڑے رہی اور مکمل مصروفیات پیش نہ کی جا سکیں (۹۴) ۔ انجمن خواتین اسلام مدراس نے ٹاکرس گارڈن مدراس میں ۷ر جنوری ۱۹۲۹ء بمطابق ۲۹ر رجب ۱۳۴۷ھ بروز پیر اپنا سپاسنامہ پیش کیا۔ ان دنوں علامہ اقبال ممبر لیجسلیٹو کونسل بھی تھے (۹۵) ۔ انجمن خواتین اسلام کی طرف سے محترمہ محبوب بیگم (۹۶) نے سپاسنامہ پڑھتے ہوئے علامہ اقبال کو مسلمان خواتین کی شرعی آزادی پر اظہار خیال کرنے اور مولانا حالی کی طرح طبقہ نسواں پر پر جوش نظم لکھنے کی ترغیب دی اور امید ظاہر کی کہ علامہ اقبال زمانہ قریب میں خواتین کی بہبود اور آزادی کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کہیں گے (۹۷) ۔ خواتین نے چونکہ اپنے سپاسنامے میں یہ بھی کہا کہ "... اب عصر جدید میں ہر جگہ طبقہ نسواں کی آزادی کی چیخ و پکار ہے، نئی تعلیم و روشنی کا فطرتی نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی طبقہ نسواں میں ان کے شرعی اور جائز آزادی اور مساوات ان کو حاصل ہوں (۹۸) ۔" چنانچہ علامہ اقبال نے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے فوری طور پر خواتین کو عالمی سطح پر چلنے والی تحریک آزادی نسواں کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرنا مناسب خیال کیا اور شریعت اسلامی کی روشنی میں مرد اور عورت کے مقام و مرتبے پر کھل کر اظہار خیال کیا۔ تاہم چونکہ یہ علامہ اقبال کی تقریر تھی (۹۹) اس لئے اس کے نوٹ لکھنے والے شخص نے بعض ضروری باتوں کو نظر انداز کر دیا اور دو مقامات پر غلطیاں بھی سرزد ہوئیں۔ یہ تقریر "انقلاب" میں بنگلور کے روزنامہ "الکلام" جس نے علامہ کی بنگلور آمد پر اقبال نمبر شائع کیا تھا، سے ۱۹ر فروری ۱۹۲۹ء کو نقل کی گئی "الکلام" میں شائع ہونے والی تقریر تو

اقبال نہ دیکھ پائے البتہ جب "انقلاب" میں یہ تقریر علامہ کی نگاہوں سے گزری تو علامہ اقبال نے اسی دن مدیر "انقلاب" کو خط لکھا جو ۲۰ر فروری ۱۹۲۹ء کے "انقلاب" میں شائع ہوا اس میں انہوں نے لکھا کہ "خواتین مدراس کے سپاسنامے کے جواب میں جو تقریر میں نے کی تھی وہ آج آپ کے اخبار میں میری نظر سے گزری ہے- افسوس ہے جن صاحب نے تقریر مذکور کے نوٹ لیے ان سے بعض ضروری باتیں چھوٹ گئیں- خیر اس وقت ان باتوں کا ذکر مطلوب نہیں ایک دو اغلاط کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے- فقہ اسلامی میں بیوی بچوں کو دودھ پلانے کی اجرت طلب کر سکتی ہے، نہ (کہ) بچہ جننے کی، جیسا کہ نوٹ لکھنے والے صاحب نے لکھا ہے- میں نے تقریر میں اسی کا ذکر کیا تھا- معلوم ہوتا ہے یہ بات ان کے حافظے سے اتر گئی- علیٰ ھذا القیاس لالہ لاجپت رائے آنجہانی کی کتاب میں جس سرکلر کا حوالہ موجود ہے وہ ترکوں کا نہیں بلکہ غالباً انگلستان کا ہے- مہربانی کر کے ان چند سطور کو شائع فرما دیجیے کہ غلط فہمی (بالخصوص امر اول کے متعلق) پیدا نہ ہو"[100]- "انقلاب" میں علامہ اقبال کے وضاحتی خط کے شائع ہو جانے کے باوجود علامہ کی یہ تقریر غلطیوں سمیت شائع ہوتی رہی- "صوفی" میں شائع ہونے والی اس تقریر کے متن میں بھی یہ غلطیاں موجود ہیں- اس طرح "گفتار اقبال[101]" میں یہ تقریر اور علامہ اقبال کا خط دونوں الگ الگ طور پر "انقلاب" سے نقل تو کیے گئے ہیں-، لیکن تقریر کے متن کے ساتھ حاشیوں میں کہیں بھی غلطیوں کی نشاندہی نہیں کی گئی- "مقالات اقبال[102]" طبع دوم اور "اقبال کے ملی افکار[103]" میں بھی یہی کیفیت ہے- یہ تقریر اپنی تمام اشاعتوں میں سترہ پیراگرافوں پر مشتمل ہے- "صوفی" میں شائع شدہ تقریر "انقلاب" کی اشاعت کے مطابق ہے کیونکہ "صوفی" میں پہلے یعنی تمہیدی پیراگراف کو چھوڑ کر باقی تمام پیراگرافوں پر موضوع کی مناسبت سے ذیلی عنوانات بالکل "انقلاب" کے مطابق درج کیے گئے ہیں جبکہ دیگر متون میں ذیلی عنوانات درج نہیں کیے گئے- حالانکہ "گفتار اقبال" میں اسے "انقلاب" سے ہی نقل کیا گیا ہے لیکن بوجوہ ذیلی عنوانات درج نہیں کیے گئے- "صوفی" اور "انقلاب" میں جو سولہ ذیلی عنوانات درج کیے گئے ہیں وہ بالترتیب یہ ہیں: مرد و زن میں مساوات، قرون اولیٰ کی خواتین، اعتدال کی ضرورت، یورپ اسلام کا خوشہ چین ہے، عورت کو حق طلاق، تحریک آزادی نسواں!، انبیاء کی تعلیمات!، الدین یُسر'، حکمت تعداد ازواج، ہند میں شرعی عدالتوں کی ضرورت، قصور کس کا ہے؟، مصطفےٰ کمال کی اصلاحات، انسانی تدبیریں، شرعی حقوق معلوم کرو، حضرت فاطمہؓ کا اسوہ، آزادی کا صحیح مفہوم سمجھو-

علاوہ ازیں "صوفی" اور "انقلاب" میں دیگر متون کے برعکس تقریر کے آخر میں ایک تقریباً سات سطری اقتباس ایسا درج ہے جسے تیرہویں پیراگراف یعنی "مصطفےٰ کمال کی اصلاحات" کے ذیل سے حذف کر کے تقریر کے آخر میں شامل کیا گیا ہے- جبکہ دیگر تمام متون میں یہ اقتباس تیرہویں پیراگراف کا حصہ ہے- "انقلاب" کی اشاعت دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ اقتباس سہواً اپنے اصل مقام پر درج ہونے سے رہ گیا تو اسے آخر میں درج کر دیا گیا- "صوفی" میں اس سہو کو من و عن پیش کر دیا گیا ہے جبکہ دیگر اشاعتوں میں اصلاح کر کے اسے صحیح مقام پر درج کر دیا گیا- مثلاً "گفتار اقبال" میں تقریر کو "انقلاب" سے نقل کرنے کے باوجود اس سہو کو دہرایا نہیں گیا- بلکہ اصلاح کر کے اصل مقام یعنی تیرہویں پیراگراف میں درج کر دیا گیا-

مارچ ۱۹۳۲ء، حضرت علامہ اقبال کا خطبہ عید الفطر- مسلمانوں کو نہایت گرانقدر نصیحتیں، ص ۳۰-۳۲

انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور، انجمن حمایت اسلام لاہور سے پندرہ سال قبل ۱۸۶۹ء میں قائم ہوئی - اس کا مقصد مسلمانوں کی سیاسی، معاشرتی، تعلیمی اور اخلاقی حالت کو سنوارنا تھا (۱۰۴) - اس انجمن نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود، مختلف مسلمان فرقوں میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے، مساجد کی واگزاری انتظام و انصرام اور تعمیر و مرمت کے علاوہ مسلمانوں کو عربی زبان سے قریب کرنے میں قابل قدر خدمات انجام دیں (۱۰۵) - علامہ اقبال کے کئی دوست انجمن اسلامیہ پنجاب کے رکن اور عہدے دار تھے - لہٰذا علامہ اقبال بھی اس انجمن کی تنظیم میں رکن کی حیثیت سے شامل ہوئے - ڈاکٹر وحید قریشی نے دستاویزی ثبوت فراہم کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ علامہ اقبال ۲۶/مارچ ۱۹۰۹ء کو انجمن اسلامیہ کے رکن بنے اور مئی ۱۹۰۹ء میں واجب الادا چندہ بھی ادا کیا (۱۰۶) - بعد ازاں اس کی مختلف کمیٹیوں کے رکن رہے - جیسا کہ روزنامہ "انقلاب" کے مطابق ۱۹۳۵ء میں مصیبت زدگان کوئٹہ کے سلسلے میں علامہ اقبال ریلیف کمیٹی کے ممبروں میں شامل رہے (۱۰۷) - نواب بھوپال نے علامہ اقبال کی تاحیات پانچ سو روپیہ پنشن مقرر کی تو انجمن پنجاب نے ۳/جون ۱۹۳۵ء کو ایک قرارداد کے ذریعے نواب کا شکریہ ادا کیا اور اس فیاضانہ سلوک کو برمحل اور قوم کے حق میں مفید قدم قرار دیا (۱۰۸) - انجمن اسلامیہ پنجاب کے صدر کی حیثیت سے بھی انہوں نے کام کیا تاہم ۱۹۳۷ء میں خرابی صحت کے باعث انہیں انجمن حمایت اسلام کے ساتھ ساتھ انجمن اسلامیہ پنجاب سے بھی استعفیٰ دینا پڑا (۱۰۹) -

انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور نے ۱۹۳۲ء میں علامہ اقبال کو عید الفطر کے موقعے پر خطبہ ارشاد فرمانے پر آمادہ کر لیا چنانچہ علامہ اقبال نے بڑے ذوق وشوق سے خطبہ لکھا اور مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے اقتصادی پہلو پر خصوصاً نگاہ رکھی اور اپنی مزید دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے لکھ دیا کہ "... شاید عید الضحیٰ کے موقع پر اسی قسم کے ایک خطبے میں اسلامی زندگی کے ایک اور اہم پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائیگی (۱۱۰) -" انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور نے علامہ اقبال کے اس خطبے کو عید پر تقسیم کرنے کی غرض سے ۱۳۵۰ھ میں فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۱۹ سرکلر روڈ، لاہور سے چھپوا کر آٹھ صفحات کے ایک پمفلٹ کی صورت میں تیار کرایا (۱۱۱) - ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے "کتابیات اقبال" (۱۹۷۷ء) کے صفحہ ۷۴ پر سہواً اس خطبے کا سن اشاعت "۱۲۵۰ھ [۱۹۳۱ء]" درج کیا ہے - خطبے کی اس اشاعت پر واضح طور پر ۱۳۵۰ھ درج ہے جو سن عیسوی کے حساب سے ۱۹۳۳ء بنتا ہے - عید الفطر ۹/فروری ۱۹۳۲ء کو تھی لہٰذا انجمن نے عید سے چند یوم قبل ہی اخبارات میں اس بات کی منادی کرا دی کہ اس سال شاہی مسجد میں عید الفطر کا خطبہ علامہ اقبال ارشاد فرمائیں گے اور اس موقعے پر علامہ کی آواز کو مسجد کے ہر گوشے میں پہنچانے کے لئے لاؤڈ سپیکروں کا انتظام کیا جائے گا - اس سلسلے کے دو اعلانات روزنامہ "انقلاب" ۷/اور ۸/فروری ۱۹۳۲ء کی اشاعتوں میں صفحہ اول پر چوکھٹے میں نمایاں طور پر درج کئے گئے (۱۱۲) - علامہ اقبال کے خطبے کی اطلاع پا کر ۹/فروری ۱۹۳۲ء یعنی عید الفطر کے روز لوگ جوق در جوق شاہی مسجد میں داخل ہوئے اور تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا تاریخی اجتماع ہوا - تاہم علامہ اقبال اپنا خطبہ زبانی پیش نہ کر سکے - کیونکہ امام مسجد کے نماز عید پڑھانے میں بار بار کی اغلاط نے سارے مجمعے کو بدنظمی کا شکار بنا دیا تھا، ایسی صورت حال میں خطبہ نہیں پڑھا جا سکتا تھا - البتہ انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور نے اس خطبے کی چھپی ہوئی کاپیاں ایک ایک آنے کے عوض بے شمار مسلمانوں کو فروخت کیں - اس سلسلے میں روزنامہ "انقلاب" میں "شاہی مسجد میں ایک لاکھ مسلمانوں کا بے نظیر اجتماع - امام مسجد کی افسوسناک غلطیاں" کے عنوان سے یہ رپورٹ شائع ہوئی:

"لاہور ۹-فروری - آج نماز عید ادا کرنے کے لئے تقریباً ایک لاکھ مسلمان شاہی مسجد میں جمع ہوئے - ایسا عظیم الشان اجتماع پہلے کبھی نہ ہوا تھا لیکن مولوی معوان حسین رام پوری جو امتحاناً امام مسجد مقرر کئے گئے تھے نماز پڑھانے میں غلطی کر گئے - پہلی رکعت میں آپ نے سورہ فاتحہ دو دفعہ پڑھ دی - اور تکبیریں بھی خلاف قاعدہ دہرائیں - بہت سے مسلمان تو نماز پڑھ کر چل دیئے لیکن بے شمار مسلمانوں کے اصرار پر دوبارہ نماز پڑھائی گئی - جس میں پھر امام صاحب سے بدحواسیاں سرزد ہوئیں - ہم نہیں سمجھتے کہ انجمن اسلامیہ پنجاب نے ایسے بے خبر اور بدحواس شخص کو امامت شاہی کے لئے کیونکر منتخب کرلیا - جسے عید کی نماز بھی پڑھانی نہیں آتی -

لاؤڈ سپیکروں کا انتظام اچھا تھا - قراءت و تکبیر کی آواز اس قدر عظیم الشان مجمع کے باوجود مسجد کے ہر گوشے میں بخوبی سنائی دے رہی تھی - چونکہ امام کی پے در پے غلطیوں کی وجہ سے بہت شور مچا ہوا تھا - اس لئے حضرت علامہ اقبال اپنا خطبہ زبانی ارشاد نہ فرما سکے - چھپا ہوا خطبہ مسجد میں ایک ایک آنے کو بے شمار مسلمانوں نے خریدا - یہ خطبہ انشاء اللہ اشاعت آیندہ میں درج کیا جائے گا (۱۱۳) - "بدنظمی کی وجہ سے خطاب نہ کر سکنے کے باعث علامہ کا جوش اس حد تک سرد پڑ گیا کہ اس خطبے میں انہوں نے عید الضحیٰ پر جو خطبہ پیش کرنے کی نوید سنائی تھی، وہ حقیقت کا روپ نہ دھار سکی - "انقلاب" نے خطبہ عید الفطر کو وعدے کے مطابق ۱۲ر فروری ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں پیش کیا (۱۱۴) - "صوفی" میں یہ خطبہ مارچ ۱۹۳۲ء کے شمارے میں اشاعت پذیر ہوا - بعض شواہد کی بناء پر راقمہ کا قیاس ہے کہ "صوفی" میں اس خطبے کو انجمن اسلامیہ پنجاب کے پمفلٹ سے نہیں بلکہ روزنامہ "انقلاب" سے نقل کیا گیا ہے کیونکہ ایک تو "صوفی" میں اس خطبے کا عنوان بالکل "انقلاب" کے مطابق ہے دوسرے یہ کہ پمفلٹ کی صورت میں اس خطبے میں علامہ اقبال نے ذیلی عنوانات مقرر نہیں کئے - ذیلی عنوانات مقرر کرنے کا اہتمام "انقلاب" میں کیا گیا اور "صوفی" میں بھی بالکل وہی ذیلی عنوانات درج کئے گئے جو "انقلاب" میں مقرر ہیں - یہ ذیلی عنوانات، روزے کا فلسفہ، عید کی حکمت، روزوں کا ملی فائدہ، نزول قرآن کی سالگرہ، دوسرے کے اموال پر ناجائز تصرف، مقدمے عدالتوں میں نہ لے جاؤ، اسراف اور مقدمہ بازی چھوڑ دو اور حضور کی ایک حدیث کی صورت میں ہیں جن سے ایک نگاہ میں اس خطبے کے مواد کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے - یہ خطبہ "مقالات اقبال (۱۱۵)" "اقبال کے ملی افکار (۱۱۶)" اور "اقبال کے نثری افکار (۱۱۷)" میں موجود ہے - ان میں سے "اقبال کے نثری افکار" میں یہ خطبہ باقاعدہ حوالہ درج کر کے "صوفی" سے نقل کیا گیا - اس مجموعے کے مرتب عبد الغفار شکیل اگرچہ اقبالیات کے حوالے سے ایک جانا پہچانا نام ہیں تاہم خطبہ عید الفطر کے حوالے سے ان کا یہ نوٹ محل نظر ہے کہ "اقبال کا یہ نایاب خطبہ رسالہ "صوفی" مارچ ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا اور اب تک کسی مجموعے میں شامل نہیں ہوا (۱۱۸)" - اس لئے کہ یہ خطبہ مئی ۱۹۶۳ء سے "مقالات اقبال" میں شامل تھا - جبکہ "اقبال کے نثری افکار" کے ذریعے مارچ ۱۹۷۷ء میں سامنے آیا - اسی طرح عبد القدیر رشک کو بھی "صوفی" میں شائع ہونے والے اس خطبے کے حوالے سے یہی غلط فہمی ہے کہ یہ نثر اقبال کے کسی مجموعے میں شامل نہیں - روزنامہ "امروز" ۹ر نومبر ۱۹۸۳ء میں خطبہ عید الفطر کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ "... حکیم مشرق کی مطبوعات اور زیر طبع کتابوں میں یہ مضمون موجود نہیں - حالانکہ فکری اعتبار سے یہ مضمون اتنا ہی اہم ہے جیسے ان کے دیگر مضامین (۱۱۹)" - حالانکہ ۱۹۸۳ء سے بہت پہلے یہ "مقالات اقبال"، "اقبال کے ملی افکار" اور "اقبال

کے نثری افکار" میں موجود تھا۔ "صوفی" کے متن سے دیگر متون کا موازنہ کیا جائے تو بہت سے اختلافات و اغلاط نظر آتے ہیں۔ جو نقل در نقل اور سہو کتابت کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ تاہم ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ "صوفی" کے متن میں دیگر متون کے برعکس خطبے کے آخر میں درج حدیث مبارکہ کا اردو ترجمہ درج نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ راقمہ کے خیال میں روزنامہ "انقلاب" ۱۲ر فروری ۱۹۳۲ء کے صفحہ اول کی "لے آؤٹ" کا پیچیدہ ہونا ہے جہاں سے "صوفی" میں یہ خطبہ نقل کیا گیا تھا۔ "انقلاب" کی اس اشاعت میں صفحہ اول پر کالم نمبر ایک سے تین میں حدیث مبارک کے عربی متن تک کا خطبہ درج ہے جبکہ چوتھے کالم میں فقط حدیث مبارک کے ترجمے پر مشتمل ایک پیراگراف درج کیا گیا۔ نیز چوتھے کالم میں اس پیراگراف کے اوپر ایک اور خبر اس انداز میں درج کی گئی ہے کہ ایک نظر دیکھنے والے کو دھوکا ہوتا ہے۔ کہ شاید یہ پیراگراف بھی اس خبر کا حصہ ہے "انقلاب" سے "صوفی" میں اس خطبے کو نقل کرنے والے کو بھی یہی ابہام ہوا جس کے باعث خطبے کے آخر پر درج حدیث کا اردو ترجمہ "صوفی" میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔

(ب)

اقبال کی انگریزی نثر کے اردو تراجم

ماہ+سال	عنوان مضمون	مترجم	صفحہ نمبر
مارچ ۱۹۳۱ء	حکمائے اسلام کے دل و دماغ کے ایک عمیق تر مطالعہ کی دعوت	مولینا اسرائیل احمد	۱۰-۱۶
اپریل ۱۹۳۱ء	سر محمد اقبال کا خطبہ صدارت با جلاس آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء	سید نذیر نیازی	۱۱-۲۶
اپریل ۱۹۳۲ء	"اپنا فرض ادا کر دو یا مر جاؤ" - آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ لاہور میں سر محمد اقبال کا خطبہ	نامعلوم	۱۹-۲۹

مارچ ۱۹۳۱ء، حکمائے اسلام کے دل و دماغ کے ایک عمیق تر مطالعہ کی دعوت، مولینا اسرائیل احمد (مترجم)، ص ۱۰-۱۶

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کا پانچواں سالانہ اجلاس ۱۹، ۲۰ رنومبر ۱۹۲۸ء کو لاہور میں منعقد ہوا جس کا افتتاح گورنر پنجاب 'سر جافرے ڈی مونٹ مورنسی' نے کیا (۱۲۰) - کانفرنس میں شعبہ عربی، فارسی اور ژند کے اجلاس کی صدارت علامہ اقبال نے فرمائی (۱۲۱) - علامہ اقبال نے اس اجلاس میں "A Plea for Deeper study of the Muslim Scientists" (۱۲۰) کے عنوان سے انگریزی زبان میں ایک فلسفیانہ علمی خطبہ ارشاد فرمایا - ۲۸ رنومبر ۱۹۲۸ء کے "انقلاب" میں نامہ نگار نے کانفرنس میں اس خطبہ صدارت کے پڑھے جانے کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ اس کے ترجمے کا بندوبست کیا جا رہا ہے (۱۲۳) - گویا یہ خطبہ علامہ اقبال نے ۱۹ ریا ۲۰ رنومبر ۱۹۲۸ء کو اس کانفرنس میں پیش کیا اور خطبے کی اہمیت کے پیش نظر فوری طور پر اس کے ترجمے کی ضرورت محسوس کر لی گئی - اس خطبے میں علامہ اقبال نے فلسفہ زمان و مکاں کو موضوع بنایا ہے - اصل میں جس زمانے میں علامہ اقبال نے یہ خطبہ تیار کیا اس زمانے میں زمان و مکاں ان کا محبوب موضوع تھا - اپریل ۱۹۲۷ء میں جب سید سلیمان ندوی لاہور تشریف لائے تو ان کے ساتھ مختلف مجلسوں میں بھی یہی موضوع زیر بحث رہا - ۱۶ راپریل ۱۹۲۷ء کی شب اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے زمان و مکاں کی بحث پر اظہار خیال کیا (۱۲۴) - اسی زمانے میں مختلف علماء کرام کو اس سلسلے میں خطوط لکھے گئے اور یہی وہ زمانہ ہے کہ جب اقبال نے خطبات مدراس لکھے جن میں فلسفہ زمان و مکان کو کافی اہمیت حاصل رہی - اس خطبے کا انگریزی متن اپریل ۱۹۲۹ء کے 'اسلامک کلچر' میں شائع ہوا (۱۲۵) - جو حیدر آباد دکن سے شائع ہونے والا انگریزی زبان کا ایک معتبر رسالہ تھا اور جس کے مدیر مشہور انگریز مستشرق مار ماڈیوک پکھتال تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور مترجم قرآن ہونے کا اعزاز حاصل کیا - سید عبدالواحد نے "Thoughts and Reflections of Iqbal" میں اس خطبے کا انگریزی متن 'اسلامک کلچر' کا حوالہ دے کر نقل کیا ہے تاہم عجیب بات ہے کہ ۱۹۲۹ء میں اس خطبے کے شائع ہو جانے کے باوجود ۱۹۴۷ء میں محمد داؤد رہبر اور ان کے والد پروفیسر محمد اقبال مدیر "اورینٹل کالج میگزین" نے اسے ایک غیر مطبوعہ انگریزی خطبہ قرار دیا (۱۲۶) - اس خطبے کا پہلا ترجمہ مارچ ۱۹۳۱ء کے "صوفی" میں شائع ہوا - یہ ترجمہ مولانا اسرائیل احمد نے کیا، جو جامعہ کے گریجویٹ تھے اور "صوفی" کے لئے تصنیف و ترجمے کی خدمت انجام دیتے رہتے تھے (۱۲۷) - یہ ترجمہ خاص طور پر "صوفی" کے لئے کیا گیا - ترجمے کے خاتمے پر قوسین میں لفظ "خاص" لکھا گیا ہے اور آغاز میں یہ نوٹ درج کیا گیا ہے کہ "علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے ایک خطبے کا ترجمہ جو صاحب موصوف نے موتمر المستشر قین میں پڑھا تھا اور جس کا ترجمہ مولینا اسرائیل احمد صاحب بی - اے نے "صوفی" کے لیے کیا - "اس خطبے کا دوسرا ترجمہ محمد داؤد رہبر، بی - اے (آنرز) متعلم، اورینٹل کالج، لاہور نے کیا جو اگست ۱۹۴۷ء کے "اورینٹل کالج میگزین" میں شائع ہوا (۱۲۸) - خطبے سے قبل محمد داؤد رہبر نے اس کے پس منظر اقبال کے خطبات میں سے تیسرے خطبے سے اس کی مطابقت اور بعض واقعات کے ذریعے زمان و مکاں کے حوالے سے اقبال کی دلچسپی ظاہر کی ہے - مترجم کے ان معروضات سے یہ بھی مترشح ہے کہ یہ ترجمہ انہوں نے قاضی محمد اسلم، صدر شعبہ فلسفہ گورنمنٹ کالج لاہور کی تحریک و ترغیب پر کیا - داؤد رہبر کا ترجمہ دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اسرائیل کے ترجمے سے وہ بے خبر نہیں گو انہوں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تاہم ایسا لگتا ہے کہ یہ ترجمہ انہوں نے

مولانا اسرائیل احمد کے ترجمے کی رہبری میں کیا- اکثر مقامات پر شائبہ گزرتا ہے کہ شعوری طور پر فرق قائم کرنے کی کوشش میں فقط الفاظ کی نشست کو بدلا گیا ہے یا متبادل ومترادف الفاظ کا سہارا لیا گیا ہے- بہر حال جس حد تک بھی استفادہ کیا گیا ہو یہ بات طے ہے کہ دوران ترجمہ مولانا اسرائیل کا ترجمہ ان کے سامنے تھا- ان دونوں تراجم میں فرق یہ ہے کہ مولانا اسرائیل احمد نے اس خطبے کے مطبوعہ انگریزی متن کے مطابق ترجمہ کیا ہے- گویا تمہیدی پیراگراف جس میں علامہ نے شکریہ ادا کرنے کے علاوہ عجز وانکسار کا رویہ ظاہر کیا ہے اور اس خطبے کے آخر میں علمی مطالب کے بیان کے بعد آخری پیراگراف جس میں علامہ نے کانفرنس کو ایک قرارداد منظور کرنے کی تجویز دی تھی، مطبوعہ متن میں شامل نہ ہونے کی بناء پر ترجمہ نہیں ہو سکے یعنی یہ ترجمہ فقط علمی مباحث کا احاطہ کرتا ہے- جبکہ محمد داؤد رہبر نے علامہ اقبال کے اس خطبے کی خطی تحریر سے استفادہ کیا جس میں تمہیدی اور اختتامی پیراگراف موجود تھے جو مطبوعہ متن میں نہ تھے- لہٰذا انہوں نے آغاز تا انجام مکمل خطبے کا ترجمہ پیش کیا اور انگریزی متن کا کوئی حصہ بے ترجمہ نہیں چھوڑا- دوسرا فرق ان دونوں تراجم میں یہ ہے کہ مولانا اسرائیل احمد نے قرآن پاک کے سورۃ المجادلہ، سورہ یونس اور سورۃ قٓ کی آیات جو علامہ اقبال نے اس خطبے میں پیش کیں، کے عربی متن کے بجائے ان کا انتہائی قابل فہم اور موثر ترجمہ تحریر کیا لیکن داؤد رہبر نے ان آیات کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ ان کے عربی متن کو ہی پیش کر دیا-

علامہ اقبال کے انگریزی خطبے کے یہ تراجم "انوار اقبال"(۱۲۹)، "اقبال کے نثری افکار"(۱۳۰)، "مضامین اقبال"(۱۳۱) (طبع دوم) اور "مقالات اقبال"(۱۳۲) (طبع دوم) میں موجود ہیں- "انوار اقبال" کے مرتب نے ان دونوں تراجم سے استفادہ کیا ہے- وہ یوں کہ داؤد رہبر نے اس خطبے کا موضوع کے اعتبار سے کوئی عنوان درج نہیں کیا اور یہ لکھ دیا ہے کہ "... اقبال مرحوم کے ایک غیر مطبوعہ انگریزی خطبے کا اردو ترجمہ" جبکہ مولانا اسرائیل احمد نے علامہ کے انگریزی خطبے کے عنوان کا ترجمہ "حکمائے اسلام کے دل ودماغ کے ایک عمیق تر مطالعہ کی دعوت" کیا- "انوار اقبال" کے مرتب نے اسی عنوان کو نظر ثانی کے بعد "حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت" کے الفاظ میں پیش کیا- خطبہ کے آغاز وانجام کے پیراگراف مولانا اسرائیل احمد نے ترجمہ تھے وہ داؤد رہبر کے ترجمے سے لے لئے، اسی طرح آیات کا ترجمہ مولانا اسرائیل احمد کے ترجمے سے اور عربی متن داؤد رہبر کے ترجمے سے لے لئے گئے اور اس کے علاوہ ترجمے کے کچھ اقتباسات مولانا اسرائیل احمد اور کچھ داؤد رہبر کے ترجمے سے حاصل کر کے اس ترجمے کو ایک مکمل اور جامع کل کی صورت دینے کی کوشش کی- علامہ اقبال سے خطبے میں شامل آیات کے حوالوں کے اندراج میں آیت نمبر درج کرنے میں غلطیاں سرزد ہوئی تھیں- "انوار اقبال" کے مرتب کی خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتب کی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے ان حوالوں کو قرآن پاک کے مطابق درست کر کے درج کیا، جبکہ نثر اقبال کے کسی دوسرے مرتب کو اس غلطی کا احساس تک نہ ہوا اور انہوں نے اپنے مجموعات میں غلط حوالوں کو من وعن درج کر دیا اور کوئی حاشیہ بھی تحریر نہ کیا- "اقبال کے نثری افکار" میں مولانا اسرائیل احمد کے ترجمے کو "صوفی" مارچ ۱۹۳۱ء کی اشاعت سے حوالہ درج کرتے ہوئے پیش کیا گیا، لیکن سہواً عنوان "صوفی" سے مختلف "حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت" درج کیا گیا- ڈاکٹر منیر احمد سلیچ نے بھی "اقبال اور گجرات"(۱۳۳) میں اسی عنوان کو پیش کیا ہے جو "صوفی" کے مطابق نہیں- "مضامین اقبال" (طبع دوم- ۱۹۸۵ء) میں داؤد رہبر کے ترجمے کو "اورینٹل کالج میگزین" اگست ۱۹۴۷ء سے ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ ہی نقل

کیا گیا ہے۔ "مقالات اقبال" (طبع دوم۔ ۱۹۸۸ء) میں اس خطبے کے ترجمے کو "انوار اقبال" سے نقل کیا گیا ہے جو دونوں تراجم سے مل کر ترتیب پاتا ہے۔

اپریل ۱۹۳۱ء، سر محمد اقبال کا خطبہ صدارت۔ باجلاس آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد، دسمبر ۱۹۳۰ء، ص ۱۱۔۲۶

انگریزی زبان میں لکھا گیا یہ خطبہ علامہ اقبال نے ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اکیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں صدارتی خطبے کے طور پر پیش کیا۔ یہ خطبہ برصغیر کی مسلم سیاست میں ایک سنگ میل اور ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس وقت حالات کا تقاضا تھا کہ مسلم عوام کے دلوں میں علیحدہ اسلامی ریاست کے تصور کو جاگزیں کیا جائے۔ لہٰذا مدیر "صوفی" نے سید نذیر نیازی سے "صوفی" کے لئے اس خطبے کا ترجمہ کرایا جو اپریل ۱۹۳۱ء کے "صوفی" میں شائع ہوا اس خطبے کی کسی قدر تفصیل اس مقالے کے "باب سوم" میں موجود ہے۔ مدیر "صوفی" نے سید نذیر نیازی کے ترجمے کو پسند کیا اور اپنے ایک تفصیلی نوٹ کے ساتھ "صوفی" میں شامل کیا۔ اس نوٹ سے خطبہ الٰہ آباد پر مدیر "صوفی" کی رائے سیاسیات حاضرہ پر ان کے موقف اور ترجمے کے حوالے سے بعض ضروری معاملات سامنے آ گئے ہیں۔ نوٹ یوں ہے:

"سر محمد اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد میں موجودہ سیاسیات ہند پر اسلامی نقطہ نگاہ سے بہت روشنی ڈالی اور چونکہ ہندو راہنما مسلمانوں کے متحدہ مطالبہ نیابت جداگانہ اور مسلمانان کے دیگر مطالبات کو منظور نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے سر محمد اقبال نے ہندو مسلم سوال کے حل کیلئے یہ نہایت معقول تجویز پیش کی کہ پنجاب، سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحد کا الحاق کر کے ایک علیحدہ مسلم ریاست بنا دی جائے۔ جس کو حکومت خود مختاری حاصل ہو۔ چاہے وہ مسلم ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر ہو چاہے باہر۔ فرقہ وارانہ خیالات کے ہندو اخبارات نے پروپوگینڈا (پروپیگنڈا) کی غرض سے ایک لفظ "کمیونلزم" اختراع کر رکھا ہے۔ جب کبھی کوئی مسلمان اخلاقی جرات سے کام لیکر مسلمانوں کے جائز حقوق مثلاً کونسلوں میں جداگانہ نیابت، بہ تناسب آبادی سرکاری دفاتر میں آبادی کی نسبت سے نشستوں، قوانین متعلقہ سود خواری کی اصلاح وغیرہ کا مطالبہ کرے تو جھٹ فرقہ وارانہ خیالات کے ہندو اخبارات اسکی تذلیل کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اور بعض تو اسے "کمیونلسٹ" کہ دنیا ہی اپنے خیالات کے مطابق اس کی کافی تذلیل سمجھتے ہیں۔ کمیونلزم کو قومیت پرستی کے کافی خیال کیا جاتا ہے۔ سر محمداً اقبال نے "قومیت" کے اصلی مفہوم کی توضیح کی ہے اور یہ امر بھی واضح کیا ہے کہ "کمیونلزم" محض اس تہذیب و تمدن سے محبت کا ایک پہلو ہے جس کے تحت میں انسان کی نشو و نما ہوئی ہو اور ایک قابل فخر چیز ہے۔ قومیت کی بابت فرماتے ہیں "اگر صحیح الدماغ انسانوں کا ایک زبردست اجتماع موجود ہے اور ان کے دلوں میں جذبات کی گرمی ہے۔ تو انہیں کے اندر وہ اخلاقی شعور پیدا ہو جائیگا۔ جسے ہم لفظ 'قوم' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر اکبر کا دین الٰہی یا کبیر کی تعلیمات عوام الناس میں مقبول ہو جاتیں تو ممکن تھا کہ ہندوستان میں بھی اس قسم کی ایک نئی قوم پیدا ہو جاتی۔ لیکن تجربہ بتلاتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف مذاہب اور متعدد جاتیوں میں اس قسم کا کوئی رجحان موجود نہیں کہ وہ اپنی انفرادی حیثیت کو ترک کر کے ایک وسیع جماعت کی صورت اختیار کر لیں۔ ہر گروہ اور ہر مجموعہ مضطرب ہے کہ اس کی ہیئت اجتماعیہ قائم رہے۔ لہٰذا اس قسم کا اخلاقی شعور جو... کسی قوم کی تخلیق کے لئے ناگزیر ہے ایک ایسی عظیم قربانی کا طالب ہے جس کیلئے ہندوستان کی کوئی جماعت طیار (تیار) نہیں۔ قومیت ہند کا اتحاد ان تمام جماعتوں کی نفی میں نہیں، بلکہ ان کے تعاون و اشتراک اور اہم

آہنگی (ہم آہنگی) پر مبنی ہے... اہل ہند کا ایک حصہ اپنی تہذیب وتمدن کے اعتبار سے مشرقی اقوام سے مشابہ ہے۔ لیکن اس کا دوسرا حصہ ان قوموں سے ملتا جلتا ہے جو مغربی اور وسط ایشا میں آباد ہیں... اگر ہندوستان کے اندر اشتراک وتعاون کی کوئی موثر صورت نکل آئی تو اس سے نہ صرف اس قدیم ملک میں جو اپنے باشندوں کی کسی طبعی خرابی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنی جغرافیائی حیثیت کے باعث ایک عرصہ دراز سے مصائب وفتن کا تختہ مشق بن رہا ہے۔ صلح وآشتی قائم ہو جائیگی بلکہ اس کے ساتھ ہی تمام ایشیا کا سیاسی عقیدہ (عقدہ) حل ہو جائے گا۔"..... "میری رائے میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قراردادوں سے اسی بلند نصب العین کا اظہار ہوتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف ملتوں کے وجود کو فنا کئے بغیر ان سے ایک متوافق اور ہم آہنگ قوم طیار (تیار) کی جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنی ان ممکنات کو جو ان کے اندر مضمر ہیں عمل میں لاسکیں۔"

سر محمد اقبال نے مسلمانوں کے خیالات کی ایسے صحیح طور پر ترجمانی کی ہے کہ ہمارے خیال میں لنڈن کی گول میز کانفرنس میں سر محمد اقبال کو بطور نمائندہ مسلمانان دعوت نہ دیئے جانے (علامہ کو دعوت دی گئی تھی جسے خود انہوں نے مسلم لیگ کے سالانہ جلسے میں خطبہ صدارت پیش کرنے کی غرض سے اپنی شرکت کو یقینی بنانے کے لئے قبول نہ کیا۔ تاہم اکثر لوگ اس حقیقت سے بے خبر تھے) کی تلافی صرف اسی طور سے ہو سکتی ہے کہ ہندوستان میں اب جو گول میز کانفرنس ہونے والی ہے اس میں ضرور سر محمد اقبال کو مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کے لئے دعوت دی جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ لنڈن کی کانفرنس میں اگر سر محمد اقبال موجود ہوتے تو مسلمان وفد سے کانفرنس کی ابتدا میں جو غلطیاں سرزد ہوئیں وہ ہرگز نہ ہونے پاتیں اور مسلم وفد میں جیسی یکجہتی کانفرس کے آخری مراحل پر تھی ویسی ہی شروع میں بھی ضرور ہوتی۔ اس زبردست شخصیت کی موجودگی میں مسلمانوں کے مطالبات کانفرنس کے سامنے بہتر طریقہ پر پیش کئے جاتے۔ اور ہندو وفد بھی ضرور مسلمانوں کے مطالبات کو منظور کر لیتا۔ وزیر اعظم برطانیہ کے دماغ میں وہ غلط فہمیاں پیدا نہ ہوتیں جن کا نہایت چالاکی کے ساتھ کانفرنس میں انہیں شکار بنایا گیا ہے۔ سر محمد اقبال کے لنڈن نہ بلائے جانے سے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا ہے اسکی تلافی کی واحد صورت یہی ہے۔ کہ ہندوستان کی کانفرنس میں شمولیت کی ان کو ضرور دعوت دی جائے۔

خطبہ صدارت کا ترجمہ چند اردو اخبارات میں ہوا تھا۔ لیکن روزانہ اخبارات کے مترجمین کے لئے ضرورت کا یہ تقاضا تھا کہ جلدی ترجمہ کریں۔ اس سے ان تراجم میں بہت زیادہ نقص باقی رہ گئے حالانکہ مترجمین بہت قابل اشخاص تھے۔ ایسے زبردست مقالہ کا جیسا کہ سر محمد اقبال کا یہ خطبہ صدارت ہے ایک بہت اچھا اردو ترجمہ نہ ہونا ایک نہایت قابل افسوس فروگذاشت ہوتی اس لئے ہم نے سید نذیر نیازی صاحب، پروفیسر تواریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے فرمائش کر کے اس کا صوفی کیلئے خاص ترجمہ کروایا ہے۔ جو ہمارے خیال میں اتنا اچھا ہے کہ اس سے بہتر ترجمہ شاید ہی کوئی صاحب کر سکتے۔ امید ہے کہ ناظرین اس ترجمہ کی اتنی ہی داد دیں گے جتنا کہ اس کا حق ہے۔ سید نذیر نیازی صاحب نے خطبہ صدارت پر ایک تمہید بھی لکھی ہے جس کو صوفی میں علیحدہ طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔

"سید نذیر نیازی کے ترجمے سے قبل خطبہ الٰہ آباد کا پہلا ترجمہ روزنامہ "انقلاب" کے ذریعے منظر عام پر آیا تھا جس کے مترجم بقول اقبال غالباً مولانا

غلام رسول مہر تھے۔لیکن اس کے مقابل سید نذیر نیازی کے ترجمے کو کافی پذیرائی حاصل ہوئی اور اقبالیات کی معتبر کتب "مضامین اقبال" (۱۳۴)، "حرف اقبال (۱۳۵) "اور" خطبات اقبال (۱۳۶) "میں اسی ترجمے کو پیش کیا گیا۔ جہاں سے مجلّہ "اقبال (۱۳۷) "میں اسے "صوفی" کی اپریل ۱۹۳۱ء کی اشاعت کا حوالہ درج کرتے ہوئے نقل کیا گیا۔سید نذیر نیازی کے بعد مختار زمن نے ۱۹۷۷ء میں "نقوش (۱۳۸) "کے ذریعے اس کا ترجمہ پیش کیا۔ جولائی ۱۹۸۴ء میں مجلّہ "اقبال (۱۳۹) "میں پروفیسر محمد جہانگیر عالم کا ترجمہ مع تحشیہ منظر عام پر آیا۔ ۱۹۹۹ء میں اقبال احمد صدیقی کا ترجمہ "علامہ اقبال۔تقریریں، تحریریں اور بیانات (۱۴۰) "میں سامنے آیا۔ خطبہ الہ آباد کے ان تراجم کے علاوہ چند ایسے ترجمے بھی موجود ہیں جن کے مترجمین کا کوئی علم نہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے "کتابیات اقبال (۱۴۱) "میں "ارشادات اقبال"، "اقبال کا نظریہ پاکستان" اور "علامہ اقبال کا خطبہ صدارت" کے عنوان سے ایسے تراجم کا ذکر کیا ہے جن کے مترجم اور سن اشاعت کا کچھ علم نہیں۔ اسی طرح کا ایک ترجمہ "اقبال کے ملی افکار (۱۴۲) "میں بھی موجود ہے جس کے مترجم کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہیں کی گئیں۔ ان تمام تراجم کے باوجود سید نذیر نیازی کے ترجمے کے حوالہ جات اقبالیاتی تحریروں میں کثرت سے نظر آتے ہیں۔ تاہم ندیم شفیق ملک (۱۴۳) نے خطبہ الہ آباد کا مطالعہ کرتے ہوئے پروفیسر محمد جہانگیر عالم کے ترجمے سے چند ترمیمات کے ساتھ استفادہ کیا۔

سید نذیر نیازی نے اس خطبے کا ترجمہ دس ذیلی عنوانات کے تحت کیا ہے حالانکہ اس خطبے کے انگریزی متن (۱۴۴) میں علامہ اقبال نے کہیں ذیلی عنوانات درج نہیں کیے۔راقمہ کا قیاس ہے کہ سید نذیر نیازی نے روزنامہ "انقلاب (۱۴۵) "کی پیروی میں اس انداز کو اپنایا کیونکہ علامہ اقبال نے سید نذیر نیازی کو یہ ہدایت کی تھی کہ وہ "انقلاب" میں شائع ہونے والے ترجمے کو پیش نظر رکھیں (۱۴۶)۔ اور روزنامہ "انقلاب" میں صحافتی ضرورتوں کے تحت کل چوبیس ذیلی عنوانات کے تحت اس خطبے کا ترجمہ درج کیا گیا تھا۔ روزنامہ "انقلاب" میں ضمنی عنوانات کی کثرت سے خطبے کا مجموعی تاثر اچھا نہ تھا۔سید نذیر نیازی نے ایسے ذیلی عنوانات قائم کیے کہ خطبہ پروقار نظر آنے لگا۔ دیگر مترجمین میں سے پروفیسر محمد جہانگیر عالم اور اقبال احمد صدیقی نے بھی اس روش کو اپناتے ہوئے دس دس ذیلی عنوانات کے تحت ترجمہ پیش کر کے گویا سید نذیر نیازی کے انداز کی تائید کر دی ہے۔ اس خطبے کے آخر پر علامہ اقبال نے قرآن پاک کی پانچویں سورہ، سورۃ المائدہ کی ایک آیت کا ترجمہ انگریزی زبان میں درج کیا لیکن اس کا حوالہ ان سے ناقص درج ہو گیا یعنی آیت نمبر ۱۰۵ کے بجائے وہ ۱۰۴ لکھ گئے (۱۴۷)۔سید نذیر نیازی نے ترجمہ کرتے ہوئے علامہ کے انگریزی ترجمے کو اردو میں منتقل نہیں کیا بلکہ قرآن پاک سے متعلقہ آیت کے اس حصے کے عربی متن کو پیش کر دیا۔ جس کا ترجمہ علامہ اقبال نے انگریزی زبان میں پیش کیا تھا۔ تاہم قرآن پاک سے رجوع کرنے کے باوجود سید نذیر نیازی پر علامہ اقبال کے غلط حوالے کا نقص ظاہر نہیں ہوا اور انہوں نے علامہ اقبال کی پیروی میں آیت کا غلط حوالہ ہی اپنے ترجمے میں پیش کر دیا۔ سب سے پہلے اس غلطی کا احساس "Speeches and Statements of Iqbal" کے مرتب کو ہوا۔ جنہوں نے انگریزی متن میں اس حوالے کو اصلاح کے ساتھ پیش کیا۔ اس کی پیروی کرتے ہوئے "حرف اقبال" کے مرتب نے بھی سید نذیر نیازی کے ترجمے کو آیت کے حوالے کی اصلاح کے ساتھ پیش کیا تاہم "مضامین اقبال"، "علامہ اقبال ۔تقریریں، تحریریں اور بیانات" اور مجلّہ "اقبال" میں آیت کا غلط حوالہ ہی موجود ہے۔ مختار زمن اور پروفیسر محمد جہانگیر عالم نے اپنے اپنے تراجم میں درست

حوالے کو جگہ دی ہے جبکہ "اقبال کے ملی افکار" میں آیت کا عربی متن تو موجود ہے لیکن حوالہ درج نہیں کیا گیا۔

سید نذیر نیازی کے "صوفی" میں شائع ہونے والے ترجمے کا موازنہ ان کے ترجمہ کے شائع ہونے والے دیگر متون سے کیا جائے تو کچھ معمولی اغلاط سامنے آتی ہیں جو نقل در نقل کا نتیجہ ہیں۔ تاہم "خطبات اقبال" میں ایک نمایاں اختلاف بھی نظر آتا ہے کہ اس کی مرتبہ نے اس ترجمے کی دیگر اشاعتوں کے برعکس خطبے کے آخر میں درج آیت کو حذف کر دیا ہے۔

اپریل ۱۹۳۲ء، "اپنا فرض ادا کرو یا مرجاؤ" آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ لاہور میں سر محمد اقبال کا خطبہ، ص ۱۹-۲۹

آل انڈیا مسلم کانفرنس کا پہلا اجلاس ۳۱/دسمبر ۱۹۲۸ء تا یکم جنوری ۱۹۲۹ء دہلی میں منعقد ہوا۔ کانفرنس کی دعوت پر علامہ اقبال اس پہلے اجلاس میں شریک ہوئے اور کانفرنس کی کارروائی میں دلچسپی سے حصہ لیا۔ علامہ اقبال کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے معزز رکن رہے۔ انہوں نے کمیٹی کے کئی اہم اجلاسوں کی صدارت بھی کی اور کانفرنس کے ایگزیکٹو بورڈ کے اجلاسوں میں چیرمین کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیتے رہے[۱۴۸]۔

یہ خطبہ علامہ اقبال نے ۲۱/مارچ ۱۹۳۲ء کو آل انڈیا مسلم کانفرنس کے عام اجلاس منعقدہ بیرون دہلی دروازہ لاہور میں صدارتی خطبے کے طور پر انگریزی زبان میں ارشاد فرمایا[۱۴۹]۔ خطبے کا انگریزی متن "Speeches and Statements of Iqbal"[۱۵۰] "Thoughts and Reflections of Iqbal"[۱۵۱] اور کے۔ کے عزیز کی مرتبہ کتاب[۱۵۲] میں مع تاریخ و دیگر کوائف درج ہے۔ تاہم "خطبات اقبال"[۱۵۳]، "مضامین اقبال"[۱۵۴] "(طبع دوم) اور "اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ"[۱۵۵]" میں اس خطبے کی تاریخ سہواً ۲۱/مارچ ۱۹۳۱ء بیان کی گئی ہے۔ درایتاً بھی یہ خطبہ ۲۱/مارچ ۱۹۳۱ء کا نہیں ہوسکتا کیونکہ علامہ اقبال اس میں ۷/ستمبر ۱۹۳۱ء سے یکم دسمبر ۱۹۳۱ء تک جاری رہنے والی دوسری گول میز کانفرنس[۱۵۶] کے بعض معاملات کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔ لہٰذا یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ یہ خطبہ مارچ ۱۹۳۱ء میں پڑھا گیا ہو۔ جبکہ "روزنامہ "انقلاب" کی عصری شہادت بھی موجود ہے کہ یہ خطبہ ۲۱/مارچ ۱۹۳۲ء کو پڑھا گیا۔ "اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ" کی مصنفہ زیب النساء نے اقبال کے سترہ اردو مضامین شمار کرتے ہوئے اس انگریزی خطبہ کے اردو ترجمہ کو اقبال کی اردو نثر گردانا ہے۔ حالانکہ موصوفہ کے استاد ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے "کتابیات اقبال"[۱۵۷] "میں "خطبات اقبال" جس میں یہ خطبہ بھی شامل ہے کو واضح طور پر تراجم اقبال کے ذیل میں درج کیا ہے۔

یہ خطبہ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے بڑا اہم تھا کیونکہ خطبہ الٰہ آباد کے بعد یہ دوسرا موقع تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کو علامہ کے خیالات جاننے کا اعزاز حاصل ہونا تھا[۱۵۸]۔ اس خطبے کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ علامہ اقبال نے خطبہ الٰہ آباد پر اپنوں اور غیروں کے شدید ردعمل کے باوجود اپنے موقف پر کوئی معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ اپنے موقف پر اصرار کر کے گویا خطبہ الٰہ آباد کو مسلمانوں کی فکر کا محور و مرکز بن جانا ظاہر کیا، اس خطبے میں علامہ اقبال نے ارشاد فرمایا کہ "... جس حد تک ہماری پالیسی کے اصول و مبائی کا تعلق ہے میں کوئی نئی چیز آپ کے سامنے بیان نہیں کر سکتا۔ جو کچھ ضروری تھا اسے آل انڈیا مسلم لیگ کے خطبے میں عرض کر چکا ہوں[۱۵۹]۔'' اس خطبے میں ایک اور مقام پر فرمایا کہ "اپنے آل انڈیا مسلم لیگ والے خطبے میں میں نے آل

انڈیا فیڈریشن کے خلاف آواز بلند کی تھی - بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ آل انڈیا فیڈریشن کی تجویز ہندوستان کی سیاسی ترقی میں رکاوٹ بن رہی ہے-(۱۶۰)

اس خطبے میں علامہ اقبال نے برصغیر کی مایوس کن سیاسی صورت حال کا تجزیہ کرنے کے بعد مسلمانوں کو آئندہ قومی عزت اور خودداری کی خاطر ایثار و قربانی کے دوٹوک رویے کو اختیار کرنے کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ "... ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں نہایت نازک وقت آن پہنچا ہے- اب دو ہی راستے ہیں- اپنا فرض ادا کرو یا یا مر جاؤ(۱۶۱) -" مسلمانوں کو اسلامی طرز حیات کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے اور برصغیر میں مسلم قوت کو منظم کرنے کے لئے علامہ اقبال نے ملی وحدت ظاہر کرنے کے لئے ایک سیاسی انجمن کے قیام، ایک قومی فنڈ قائم کرنے، یوتھ لیگیں ترتیب دینے، اسلامی ثقافت کو پروان چڑھانے والے اداروں کے قیام اور علماء اور قانون دانوں کی جمعیت کو قائم کرنے کی ٹھوس تجاویز(۱۶۲) ایسے موثر انداز میں پیش کیں کہ کانفرنس کے اختتام پر چوہدری ظفر اللہ خاں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس خطبہ کو یادگار اور تمام قراردادوں کا نچوڑ قرار دیا اور عبدالمجید سندھی نے کہا کہ "... صاحب صدر کا خطبہ تمام ہندوستان میں فخر سے پڑھا جائے گا - یہ خطبہ اپنی نوعیت میں یکتا ہے- اس میں سراسر اسلامی فلسفہ بھرا ہوا ہے اور تمام قراردادوں اور ترمیموں کا نچوڑ ہے-" جبکہ اجلاس میں شریک ایک شخص نے ان خیالات کے برعکس ہندو اخبارات کی ان باتوں کی طرف توجہ دلائی جو اس خطبہ کے متعلق لکھی گئی تھیں کہ علامہ اقبال نے اپنے خطبے میں مسلمانوں کو کہا ہے کہ انہیں نماز، روزہ کی ضرورت نہیں- اس کے جواب میں علامہ اقبال نے سورۃ الحجرات کی وہ آیت پڑھی جس میں فاسق و فاجر کی خبر پر یقین نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے(۱۶۳) -

یہ خطبہ چونکہ برصغیر میں مسلم سیاست کے نازک مرحلے میں پیش کیا جانا تھا کیونکہ آئندہ دستور سے متعلق مسلمانوں کو بہت سے خدشات اور اندیشے تھے- اس لئے اخبارات میں اس خطبے سے متعلق بہت پہلے سے چرچا شروع ہو گیا- مختلف پارٹیوں کے مندوبین، تنظیموں کے اراکین اور صوبوں کے مسلم اکابرین کو شرکت کرنے اور ہر عقیدے اور خیال کے حامی مسلمانوں کو کانفرنس میں مل بیٹھنے کی دعوت دی گئی(۱۶۴) - یہ دعوت ایک ایک روپے کا ٹکٹ خریدنے سے مشروط تھی- ۲۱/ مارچ ۱۹۳۲ء کو یہ خطبہ پیش کیا جانا تھا اور ۱۰/ مارچ ۱۹۳۲ء تک علامہ اقبال ابھی خطبہ تحریر فرما رہے تھے- تاہم روزنامہ "انقلاب" میں شائع ہونے والی خبر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خطبے کا ایک بڑا حصہ تحریر کیا جا چکا تھا- "انقلاب" نے لکھا کہ "... آپ کانفرنس کا خطبہ تحریر فرما رہے ہیں- جس میں آپ مسلمانوں کے لئے ایک صاف اور واضح راہ عمل کی تلقین فرمائیں گے(۱۶۵) -" ۲۱/ مارچ ۱۹۳۲ء کے روز آل انڈیا مسلم کانفرنس کے ورکنگ سیکرٹری محمد شفیع داؤدی کی طرف سے کانفرنس کا پروگرام شائع ہوا جس کے مطابق ۲۱/ مارچ ۱۹۳۲ء کا اجلاس گیارہ بجے صبح منعقد ہونے اور حاجی رحیم بخش صدر استقبالیہ اور علامہ اقبال کے بحیثیت صدر اجلاس میں خطبات پیش کئے جانے کی اطلاع دی گئی(۱۶۶) - ۲۱/ مارچ ۱۹۳۲ء کو پروگرام کے مطابق بیرون دہلی دروازہ لاہور اجلاس منعقد ہوا- داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا- لیکن حاجی رحیم بخش صدر استقبالیہ کے خطاب کے دوران ہی ان لوگوں کو بھی اجلاس میں آنے کی اجازت دی گئی جنہوں نے ٹکٹ نہیں خریدے تھے- حاجی رحیم بخش کے بعد علامہ اقبال نے خطبہ صدارت انگریزی زبان میں پڑھا(۱۶۷) - علامہ اقبال کے ایک بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خطبہ کانفرنس میں پیش کئے جانے سے قبل پمفلٹ یا کسی دیگر صورت میں چھپ چکا تھا- روزنامہ "انقلاب" لکھتا ہے کہ "... اختتام خطبہ پر

آپ نے فرمایا کہ اس خطبہ کے چھپنے کے بعد حکومت کی طرف سے اعلان شائع ہوا ہے۔ جس میں اس وعدہ کو دہرایا گیا ہے کہ حکومت برطانیہ فرقہ وار مسئلہ کا بلا تاخیر فیصلہ کرے گی۔ امید ہے کہ مندوبین جب مجلس مضامین میں جمع ہوں گے تو اس بات کو پیش نظر رکھیں گے۔ ہمارے سامنے اس وقت یہ سوال نہیں ہے کہ آیا گول میز کانفرنس کی کمیٹیوں کا فی الفور مقاطعہ کیا جائے یا نہیں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ اگر فیصلہ ہمارے خلاف ہوا تو ہم کیا کریں گے [(۱۶۸)]۔" مسلم کانفرنس کا اختتامی اجلاس ۲۲/ مارچ ۱۹۳۲ء کو ہوا جس میں علامہ اقبال نے مختصر اختتامی تقریر میں کانفرنس میں شریک مسلمانوں کے جوش کا خیر مقدم کیا تاہم جوش کے بجائے ہوش کا مشورہ دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ "... آپ کے جو مطالبات ہیں۔ آپ انہیں صفائی کے ساتھ پیش کریں۔ شور شغب کی کوئی ضرورت نہیں [(۱۶۹)]۔" کانفرنس کے بعد ۲۴/ مارچ ۱۹۳۲ء کے "انقلاب" میں "فرض ادا کرو یا مٹ جاؤ۔ حضرت علامہ اقبال کا خطبہ صدارت [(۱۷۰)]" کے عنوان سے اداریہ تحریر کیا گیا۔ اس میں جہاں علامہ اقبال کے خطبے کو سراہا گیا وہاں "ایک فروگزاشت" کے ذیلی عنوان کے تحت اعتراض کرتے ہوئے کہا گیا کہ مسلم ڈیلی گیشن نے کانفرنس کے ایگزیکٹو بورڈ کے فیصلے کے خلاف فیڈرل سٹرکچر کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کر کے غداری کی اور علامہ اقبال نے معلوم نہیں کیوں اپنے خطبے میں اس واقعے کو نظر انداز کر دیا۔

مسلم کانفرنس کے ۲۱/ مارچ ۱۹۳۲ء کے اجلاس میں دیگر مسلم معززین، اکابرین اور مدیران کے ہمراہ مجلّہ "صوفی" کے ڈائریکٹر آف پالیسی ملک محمد اسلم خاں [(۱۷۱)] بیرسٹرایٹ لاء نے بھی شرکت کی۔ چنانچہ انہوں نے بنفس نفیس اس اہم خطبے کو سماعت فرمایا اور جب روزنامہ "انقلاب" نے ۲۳/ مارچ ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں "اپنا فرض ادا کرو یا مر جاؤ [(۱۷۲)]" کے عنوان سے علامہ اقبال کے اس انگریزی خطبے کا ترجمہ پیش کیا تو انہوں نے "انقلاب" کے اس ترجمے کو اپریل ۱۹۳۲ء کے "صوفی" میں شائع کیا۔ گویا وہ "انقلاب" کے ترجمے سے مطمئن تھے یہی وجہ تھی کہ خطبہ الہ آباد کی طرح "صوفی" کو اب نیا ترجمہ کرانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ "انقلاب" میں مترجم کا نام درج نہیں تھا۔ لہٰذا "صوفی" میں بھی مترجم کا ذکر نہیں کیا گیا۔ "انقلاب" اور "صوفی" میں شائع ہونے والا یہ ترجمہ ابھی تک نثر اقبال کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہوا۔ البتہ اس انگریزی خطبے کے دیگر تراجم نثر اقبال کے مجموعوں میں دستیاب ہیں۔ اس خطبے کا ایک ترجمہ "حرف اقبال [(۱۷۳)]" میں "خطبہ صدارت جو آل انڈیا مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں ۲۱/ مارچ ۱۹۳۲ء کو پڑھا گیا۔" کے عنوان سے موجود ہے لیکن مترجم کا نام درج نہیں کیا گیا۔ اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کے مرتب لطیف احمد شروانی نے ترجمہ کیا ہوگا۔ اس خطبے کا ایک مزید ترجمہ "خطبہ صدارت" کے عنوان سے "خطبات اقبال [(۱۷۴)]" میں موجود ہے۔ اس کے مترجم کا نام بھی پیش نہیں کیا گیا۔ لہٰذا قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ ترجمہ اس کتاب کی مرتبہ رضیہ فرحت بانو نے کیا ہوگا۔ "اقبال کے ملی افکار [(۱۷۵)]" میں بھی اس خطبے کا ترجمہ موجود ہے لیکن یہ وہی ترجمہ ہے جو "حرف اقبال" میں موجود ہے تاہم مرتب نے "حرف اقبال" سے مختلف طور پر خود ہی خطبے کے ترجمے سے اس کا عنوان "اسلام ایک سوسائٹی ہے" اخذ کر لیا ہے۔ "مضامین اقبال" طبع دوم میں "خطبہ صدارت" کے عنوان سے اس خطبے کا ترجمہ درج ہے لیکن یہ وہی ترجمہ ہے جو "خطبات اقبال" میں پیش کیا جا چکا تھا۔ ۱۹۹۱ء میں پروفیسر محمد جہانگیر عالم نے اس خطبے کا ایک ترجمہ مجلّہ "اقبال [(۱۷۶)]" میں پیش کیا جس پر حواشی بھی تحریر کئے گئے۔ ۱۹۹۹ء میں اقبال احمد صدیقی نے "علامہ اقبال۔

تقریریں، تحریریں اور بیانات[۱۷۷] "میں اس کا ترجمہ کیا - روزنامہ "انقلاب" نے علامہ کے انگریزی خطبے میں سے اس فقرے کہ "Do your duty or cease to exist." کا ترجمہ "اپنا فرض ادا کرو یا مر جاؤ" کیا اور اسی کو عنوان بنانے کے قابل سمجھا - مجلہ "صوفی" نے اسی عنوان کو برقرار رکھا - "حرف اقبال" میں اس فقرے کا ترجمہ "اپنا فرض بجا لائیے یا اپنے وجود کو مٹا دیجیے" کیا - "خطبات اقبال" میں اس کا ترجمہ "یا تو آپ اپنا فرض منصبی ادا کریں یا پھر زندگی سے دست بردار ہو جائیں -" کیا گیا جبکہ پروفیسر محمد جہانگیر عالم نے اس فقرے کا ترجمہ حرف بہ حرف "حرف اقبال" کے مطابق کیا کہ "اپنا فرض بجا لائیے یا اپنے وجود کو مٹا دیجیے - "اقبال احمد صدیقی نے اس کا ترجمہ "اپنا فریضہ ادا کرو یا مٹ جاؤ" کے الفاظ میں کیا - "صوفی" اور "انقلاب" میں ترجمے کی عبارت کا موازنہ کیا جائے تو کتابت کی چند معمولی اغلاط کے سوا کوئی فرق نظر نہیں آتا -

حوالہ جات و حواشی

(باب پنجم)

١۔ صوفی، ماہنامہ، "اسلامی البم کی ضرورت" از (مدیر "صوفی")، جون ۱۹۱۴ء، ص ۵۷

٢۔ ایضاً، "عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ" از مینیجر صوفی، نومبر ۱۹۱۴ء، صفحہ ۶۱

٣۔ ایضاً، "حضرت خواجہ غریب نواز" از مولوی کرم الٰہی صوفی، اپریل ۱۹۰۹ء، ص ۱۰-۱۳

٤۔ صوفی، ماہنامہ، نوٹ بر "حضرت خواجہ غریب نواز" از محمد الدین ایڈیٹر صوفی، اپریل ۱۹۰۹ء، ص ۱۰

٥۔ ایضاً، "عرس حیدری" از کرم الٰہی صوفی ڈنگوی، جون ۱۹۰۹ء، ص ۷

٦۔ ایضاً، "اسلامیہ ہائی سکول کا سنگ بنیاد" از محمد الدین، اپریل مئی ۱۹۴۷ء، ص ۷

٧۔ (i) کرم الٰہی ڈنگوی، تذکرہ بہادران اسلام الملقب بہ اصلاح امت، لاہور، عبدالرحیم، عبدالرحمان تاجران کتب، (س-ن)

(ii) کرم الٰہی، تاریخ اسلام یعنی تذکرہ بہادران اسلام، لاہور، علمی پرنٹنگ پریس، (س-ن)

٨۔ ایضاً، "ہندوستان کی اسلامی تاریخ" از (ادارہ صوفی)، اکتوبر ۱۹۱۱ء، ص ۳۰

٩۔ صابر کلوروی (مرتب)، اشاریہ مکاتیب اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۴ء، ص ۹۰

١٠۔ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص ۱۹-۲۱

١١۔ مخزن، ماہنامہ، "ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم-اے-پی-ایچ-ڈی بیرسٹر ایٹ لاء کا ریویو" از اقبال، اکتوبر ۱۹۱۱ء، ص ۶

١٢۔ مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری، جوہر قدامت، دہلی، عصمت بک ایجنسی، اگست ۱۹۳۲ء، ص (۱)

١٣۔ صوفی، ماہنامہ، "جوہر قدامت الملقب بہ بزم آخر" (اشتہار) از مینیجر کارخانہ صوفی، مئی ۱۹۱۸ء، ص ۵۲

١٤۔ ایضاً، نوٹ بر "جوہر قدامت" از مدیر صوفی، جولائی ۱۹۱۸ء، ص ۵

١٥۔ زمانہ، ماہنامہ، کانپور، "مصور غم علامہ راشد الخیری دہلوی کی قابل قدر تصانیف" (اشتہار) از مینیجر زمانہ بک ایجنسی، مئی ۱۹۲۳ء، ص پس سرورق

١٦۔ صوفی، ماہنامہ، "مطبوعات صوفی کمپنی لمیٹڈ" (اشتہار) از مینیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین، پنجاب، اکتوبر ۱۹۲۶ء، ص ۵۱

۱۷۔ مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری، جوہر قدامت، ص۴

۱۸۔ صوفی، ماہنامہ، "جوہر قدامت" (اشتہار)، نومبر ۱۹۳۱ء، ص۴۷

۱۹۔ (i) رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص۶۵-۶۶

(ii) ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، خطوط اقبال، ص۲۵۳

۲۰۔ رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص۴۶

۲۱۔ ڈاکٹر صابر کلوروی (مرتب)، اشاریہ مکاتیب اقبال، ص۱۲۳

۲۲۔ (i) زمانہ، ماہنامہ، کانپور، "حضرت خواجہ حسن نظامی کے نو ایجاد قرآن آسان قاعدہ کی نسبت اکابر ہندوستان کے خیالات کا خلاصہ،" دسمبر ۱۹۲۲ء، ص (اشتہارات زمانہ کانپور) ۳

(ii) ایضاً، فروری ۱۹۲۳ء

۲۳۔ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص۲۸۳

۲۴۔ رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص۴۶

۲۵۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، خطوط اقبال، ص۱۱۹

۲۶۔ زیب النساء (مرتب)، نگارشات اقبال، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۳ء، ص۵۰

۲۷۔ زیب النساء، اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۷ء، ص۲۴۵-۲۴۶

۲۸۔ ڈاکٹر رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص۴۶

۲۹۔ صوفی، ماہنامہ، نومبر ۱۹۲۲ء، ص۴۴

۳۰۔ ایضاً، "صحابیات کس قسم کی کتاب ہے" (آراء)، اپریل ۱۹۲۴ء، ص۳۰

۳۱۔ نیاز فتحپوری، صحابیات، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۲ء، ص۲۴

۳۲۔ (i) صوفی، ماہنامہ، "صحابیات" (اشتہار)، جون ۱۹۲۳ء، ص۲

(ii) ایضاً، جولائی ۱۹۲۳ء، ص۳۰

(iii) ایضاً، نومبر ۱۹۲۳ء، ص۴۲

(iv) ایضاً، جنوری ۱۹۲۴ء، ص۳۰

۳۳ ایضاً، "نئی کتابیں جو ماہ حال میں چھپکر شائع ہوئی ہیں" (اشتہار)، فروری مارچ ۱۹۲۴ء، ص۸۴

۳۴ ایضاً، "صحابیات کس قسم کی کتاب ہے" (آراء)، اپریل ۱۹۲۴ء، ص۳۰

۳۵ ایضاً، "صحابیات" (تبصرے)، جولائی ۱۹۲۴ء، ص۲۱، ۲۸

۳۶ ایضاً، "صحابیات" (اطلاع)، ص۲

۳۷ ایضاً، "مطبوعات صوفی کمپنی" (اشتہار)، اکتوبر ۱۹۲۶ء، ص۴۷

۳۸ نیاز فتحپوری، صحابیات، ص۴

۳۹ صوفی، ماہنامہ، "سیر الصحابہؓ" (تفصیلی اشتہار)، مارچ ۱۹۳۵ء، ص۵۱-۵۲

۴۰ ایضاً، "روپیہ کمانے اور لگانے کا بہترین موقعہ" (تفصیلی اشتہار)، دسمبر ۱۹۲۴ء، ص ز۲

۴۱ مولینا سعید انصاری، سیر الصحابہؓ (جلد دوم)، پنڈی بہاؤالدین، صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ (مابعد ستمبر ۱۹۲۵ء)، سرورق

۴۲ صوفی، ماہنامہ، مارچ ۱۹۲۵ء، ص۵۱-۵۲

۴۳ مولانا سعید انصاری، سیر الصحابہؓ (جلد دوم)، ص۴

۴۴ انجمن ترقی اردو پاکستان (مرتب)، قاموس الکتب اردو [(جلد دوم) تاریخیات]، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۵/۷۶ء، ص
۱۹۷

۴۵ مولینا سعید انصاری، سیر الصحابہؓ (جلد اول)، پنڈی بہاؤالدین، صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی، (س-ن)، سرورق

۴۶ مولینا سعید انصاری، سیر الصحابہؓ (جلد اول)، ص۴-۵

۴۷ صوفی، ماہنامہ، جون ۱۹۲۶ء، ص۵۱

۴۸ (i) شیخ عطاءاللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، ص۵۷

(ii) بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال (حصہ اول)، ص۳۱۵-۳۱۹

۴۹ عبدالرؤف عروج (مولف)، رجال اقبال، ص۹۶

۵۰ صوفی، ماہنامہ، "تاریخ اسلام" (تفصیلی اشتہار)، مارچ ۱۹۲۵ء، ص۵۷

۵۱ ایضاً

۵۲ ایضاً، "مطبوعات صوفی کمپنی" (تفصیلی اشتہار)، اگست ۱۹۲۶ء، ص۵۵-۵۶

۵۳ـ ایضاً، "روپیہ کمانے اور لگانے کا بہترین موقعہ" (تفصیلی اشتہار)، دسمبر ۱۹۲۴ء، ص ز۲

۵۴ـ ایضاً، مارچ ۱۹۲۵ء، ص ۵۷

۵۵ـ ایضاً، ص ۵۸

۵۶ـ ایضاً، "تاریخ اسلام" (اشتہار)، مئی ۱۹۳۶ء، ص ۳۵

۵۷ـ عبدالرؤف عروج (مولف)، رجال اقبال، ص ۹۶

۵۸ـ ایضاً

۵۹ـ صوفی، ماہنامہ، "نوٹس!" از محمد الدین-محمد ممتاز فاروقی لکوی ڈیٹران، دسمبر ۱۹۳۲ء، ص ۳

۶۰ـ ایضاً، "تاریخ اسلام" (تفصیلی اشتہار)، مارچ ۱۹۲۵ء، ص ۵۷

۶۱ـ ایضاً، دسمبر ۱۹۳۲ء، ص ۳

۶۲ـ ایضاً، "تاریخ حریت اسلام، تاریخ سلاطین، آل عثمان معہ جنگ ترکان احرار یونان" (اشتہار کتب)، اپریل ۱۹۳۳ء، ص ۴۲

۶۳ـ ایضاً، اگست ۱۹۳۶ء، ص ۳۵

۶۴ـ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام (حصہ سوم)، ص ۴

۶۵ـ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام (حصہ اول)، پنڈی بہاؤالدین، ایڈیٹر صوفی، پانچواں ایڈیشن (س-ن)، ص ۱۸

۶۶ـ صوفی، ماہنامہ، دسمبر ۱۹۲۴ء، ص ز۲

۶۷ـ ایضاً، "مطبوعات صوفی کمپنی" (تفصیلی اشتہار)، اکتوبر ۱۹۲۶ء، ص ۴۷

۶۸ـ ایضاً، "تاریخ اسلام جلد اول" (تبصرہ)، ستمبر ۱۹۲۵ء، ص ۴۳-۴۵

۶۹ـ ایضاً، جولائی ۱۹۲۵ء، ص ۴۲

۷۰ـ ایضاً، "تیار ہے!" (اطلاع) از مینیجر صوفی کمپنی، مئی ۱۹۲۷ء، ص ۲۸

۷۱ـ (i) ایضاً، تاریخ اسلام" (اشتہار)، مئی ۱۹۳۶ء، (صفحہ آخر)

(ii) ایضاً، اگست ۱۹۳۶ء، ص ۳۵

(iii) ایضاً، جنوری ۱۹۳۷ء، ص ۲

(iv) ایضاً، نومبر ۱۹۳۷ء، ص ۴۰ وغیرہ

۷۲ غلام دستگیر رشید (مرتب)، آثار اقبال، حیدر آباد دکن، ادارہ اشاعت اردو، طبع دوم، مارچ ۱۹۴۶ء، ص۳۰۵-۳۰۹

۷۳ زیب النساء، اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ، ص۷۶

۷۴ زمیندار، روزنامہ، لاہور، "لاہور میں جلسہ میلاد النبیؐ علامہ اقبال کے ارشادات" از نامہ نگار خصوصی، ۲۲رستمبر ۱۹۲۶ء، ص۳

۷۵ ایضاً

۷۶ سید عبدالواحد معینی (مرتب)، مقالات اقبال، لاہور، شیخ محمد اشرف ۱۹۶۳ء، ص۱۹۵-۱۹۹

۷۷ عبدالغفار شکیل (مرتب)، اقبال کے نثری افکار، دہلی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۷ء، ص۱۷۵-۱۷۸

۷۸ محمد عاصم (مرتب)، اقبال کے ملی افکار، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۷ء، ص۲۹۳-۲۹۷

۷۹ ڈاکٹر انور سدید (مرتب)، اقبال شناسی اور ادبی دنیا، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۸ء، ص۲۶۹-۲۷۲

۸۰ ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، اقبال اور گجرات، ص۳۴۴

۸۱ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (زبور عجم)، ص۴۵۹

۸۲ "زبور عجم" میں مصرعہ اولیٰ میں "است و مدعا" تحریر ہے۔

۸۳ زمیندار، روزنامہ، ۲۲رستمبر ۱۹۲۶ء، ص۳

۸۴ انقلاب، روزنامہ، لاہور "مدراس میں سر محمد اقبال کا شاندار خیر مقدم۔ مذہب اسلام پر پہلا خطبہ" (خبر)، ۸رجنوری ۱۹۲۹ء، ص۴

۸۵ ایضاً، "علامہ اقبال کی روانگی مدراس" (خبر)، ۵رجنوری ۱۹۲۹ء، ص۳

۸۶ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص۲۲۷

۸۷ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، مقالات اقبال (طبع دوم، ۱۹۸۸ء)، ص۳۱۸-۳۲۸

۸۸ زیب النساء، اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ، ص۷۷-۷۸

۸۹ انقلاب، روزنامہ، "سر محمد اقبال کے چھ لکچر مدراس میں "دینیات" اور "تخیل جدید" پر فاضلانہ تبصرہ" (خبر)، ۶رنومبر ۱۹۲۸ء، ص۴

۹۰ ایضاً، "حضرت علامہ اقبال کے فاضلانہ خطبے۔ الٰہیات اسلامیہ اور فلسفہ جدیدہ" (اطلاع)، ۸رنومبر ۱۹۲۸ء، ص۳

۹۱ ایضاً، "حضرت علامہ اقبال کا سفر مدراس —— دکن کے مختلف شہروں سے دعوت نامے" (خبر)، ۲۸رنومبر ۱۹۲۸ء، صفحہ اول

۹۲ ایضاً، "حضرت علامہ اقبال کا سفر دکن۔ مدراس، میسور اور حیدر آباد کے دعوت نامے" (خبر)، ۸ردسمبر ۱۹۲۸ء، ص۲

۹۳ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص۲۲۷-۲۲۸

۹۴ انقلاب، روزنامہ، نوٹ بر "شریعت اسلام میں عورت کا مرتبہ...." ،۱۹رفروری ۱۹۲۹ء، صفحہ اول

۹۵ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص۲۳۲

۹۶ انقلاب، روزنامہ، ۱۹ر فروری ۱۹۲۹ء، صفحہ اول

۹۷ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص۲۳۴-۲۳۶

۹۸ ایضاً، ص۲۳۵

۹۹ "اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ" مصنفہ زیب النساء میں ایک مقام پر (ص۱۰۳) اس تقریر کو مضمون تصور کیا گیا ہے۔

۱۰۰ انقلاب، روزنامہ، "خواتین مدراس کے سپاسنامے کا جواب - علامہ اقبال کا مکتوب"، ۲۰رفروری ۱۹۲۹ء، ص۴

۱۰۱ محمد رفیق افضل (مرتب)، گفتار اقبال، ص۷۵-۸۴، ۲۷

۱۰۲ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، مقالات اقبال (طبع دوم)، ص۳۱۸-۳۲۸

۱۰۳ محمود عاصم (مرتب)، اقبال کے ملی افکار، ص۲۰۵-۲۱۴

۱۰۴ (i) ڈاکٹر مسکین علی حجازی، پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص۳۵

(ii) یونس جاوید (مرتب)، صحیفہ اقبال، ص۸۹

۱۰۵ ڈاکٹر مسکین علی حجازی، پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ، ص۳۶

۱۰۶ یونس جاوید (مرتب)، صحیفہ اقبال، ص۸۷-۹۰

۱۰۷ انقلاب، روزنامہ "انجمن اسلامیہ پنجاب اور مصیبت زدگان کوئٹہ" از (سعادت علی خاں سیکرٹری)، ۹رجون ۱۹۳۵ء، ص۸

۱۰۸ ایضاً، "اعلیٰحضرت تاجدار بھوپال کی علم نوازی انجمن اسلامیہ پنجاب کا تشکر" از سعادت علی خاں سیکرٹری انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور، ۹ر جون ۱۹۳۵ء، ص۳

۱۰۹ (i) محمد حمزہ فاروقی (مرتب)، حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، ص۱۶۲

(ii) انقلاب، روزنامہ "حضرت علامہ اقبال کی خدمات کا اعتراف"، ۲۹ر جولائی ۱۹۳۷ء، ص۲

۱۱۰ صوفی، ماہنامہ، "حضرت علامہ اقبال کا خطبہ عید الفطر - مسلمانوں کو نہایت گرانقدر نصیحتیں"، مارچ ۱۹۳۲ء، ص۳۲

۱۱۱ ڈاکٹر سر محمد اقبال، خطبہ عید الفطر، لاہور، انجمن اسلامیہ پنجاب، ۱۳۵۰ھ، سرورق

۱۱۲ (i) انقلاب، روزنامہ، لاہور، "بادشاہی مسجد میں عید کا خطبہ حضرت علامہ اقبال ارشاد فرمائیں گے" ۷رفروری ۱۹۳۲ء، صفحہ اول

(ii) ایضاً، ۸رفروری ۱۹۳۲ء

۱۱۳۔ ایضاً، "شاہی مسجد میں ایک لاکھ مسلمانوں کا بینظیر اجتماع - امام مسجد کی افسوسناک غلطیاں"، ۱۱رفروری ۱۹۳۲ء، ص ۴

۱۱۴۔ ایضاً، "حضرت علامہ اقبال کا خطبہ عید الفطر ـــــ مسلمانوں کو نہایت گرانقدر نصیحتیں"، ۱۲رفروری ۱۹۳۲ء، صفحہ اول

۱۱۵۔ سید عبدالواحد معینی (مرتب)، مقالات اقبال، ص ۲۴۱ - ۲۴۷

۱۱۶۔ محمود عاصم (مرتب)، اقبال کے ملی افکار، ص ۲۲۵-۲۳۲

۱۱۷۔ عبدالغفار شکیل (مرتب)، اقبال کے نثری افکار، ص ۱۴۵-۱۵۱

۱۱۸۔ ایضاً، ص ۱۴۵

۱۱۹۔ امروز، روزنامہ، لاہور، "علامہ اقبال کی گمشدہ تحریریں اور تقریریں"، ۹رنومبر ۱۹۸۳ء، ص ۳

۱۲۰۔ (i) انقلاب، روزنامہ "آل انڈیا اورینٹل کانفرس - پانچواں سالانہ اجلاس - ہزایکسیلنسی گورنر پنجاب کی تقریر"، ۲۱رنومبر ۱۹۲۸ء، ص ۴

(ii) ایضاً، "آل انڈیا اورینٹل کانفرس - اجلاس ختم ہوگیا -" (خبر)، ۲۵رنومبر ۱۹۲۸ء، ص ۶

۱۲۱۔ ایضاً، اورینٹل کانفرنس کا اجلاس - عربی فارسی اور ژند کا شعبہ" (خبر)، از نامہ نگار، ۲۸رنومبر ۱۹۲۸ء ۱۹۲۸ء صفحہ اول

۱۲۲۔ Abdul Vahid, Syed(Editor), Thoughts and Reflections of Iqbal, Lahore, Sheikh Muhammad Ashraf, 1964 , P. 147- 159

۱۲۳۔ انقلاب، روزنامہ، ۲۸رنومبر ۱۹۲۸ء، صفحہ اول

۱۲۴۔ اقبال، سہ ماہی، "علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی" از عبداللہ چغتائی، اپریل ۱۹۵۶ء، ص ۱۱۲، ۱۱۸، ۱۲۵-۱۲۶

۱۲۵۔ Islamic Culture, Quarterly, Hyderabad Deccan, " A Plea for Deeper Study of the Muslim Scientists" by Dr. Sh. Muhammad Iqbal, April 1929, P. 201- 209

۱۲۶۔ اورینٹل کالج میگزین، سہ ماہی، لاہور، "اقبال مرحوم کے ایک غیر مطبوعہ انگریزی خطبے کا اردو ترجمہ" از محمد داؤد رہبر، (حصہ اول)، اگست ۱۹۴۷ء، ص ۳

۱۲۷۔ (i) "صوفی" ماہنامہ، "اصیل شہزادی"، "پانی کا ایک قطرہ"، "ایک خوش وخرم خاندان"، "دیا سلائی بیچنے والی لڑکی"، "ہندوستان کا حقیقی المیہ" (افسانے) از اینڈرسن، مترجم اسرائیل احمد، اپریل ومئی ۱۹۲۸ء، عید نمبر، ص ۳۳، ۳۶، ۵۶، ۶۳، ۷۴

(ii) ایضاً، "سڑک کی پرانی لالٹین از اینڈرسن مترجم اسرائیل احمد صاحب بی-اے، (جامعہ)، جولائی ۱۹۲۸ء ص ۲۱

(iii) ایضاً، "تعلیم کا نفسیاتی پہلو بتقریب دورِ طفلی" از مولانا اسرائیل احمد صاحب بی-اے (جامعہ)، ستمبر ۱۹۳۱ء، ص ۱۹-۲۳

۱۲۸ اورینٹل کالج میگزین، سہ ماہی، (حصہ اول)، اگست ۱۹۴۷ء، ص ۲-۲۳

۱۲۹ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوارِ اقبال، ص ۲۴۷-۲۶۷

۱۳۰ عبدالغفار شکیل (مرتب)، اقبال کے نثری افکار، ص ۲۴۳-۲۵۷

۱۳۱ تصدق حسین تاج (مرتب)، مضامینِ اقبال، ص ۲۰۹-۲۴۰

۱۳۲ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، مقالاتِ اقبال (طبع دوم)، ص ۳۲۹-۳۵۰

۱۳۳ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ، اقبال اور گجرات، ص ۳۴۴

۱۳۴ تصدق حسین تاج (مرتب)، مضامینِ اقبال، ص ۱۰۷-۱۴۴

۱۳۵ لطیف احمد شروانی (مرتب)، حرفِ اقبال، ص ۱۷-۵۸

۱۳۶ رضیہ فرحت بانو (مرتب)، خطباتِ اقبال، دہلی، حالی پبلشنگ ہاؤس "کتاب گھر"، ۱۹۴۶ء، ص ۲۵-۵۹

۱۳۷ اقبال، سہ ماہی، "سر محمد اقبال کا خطبہ صدارت (باجلاس آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء) از علامہ اقبال، ترجمہ سید نذیر نیازی، اکتوبر ۱۹۹۱ء جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۱۷۲-۱۹۹

۱۳۸ نقوش، ادبی مجلہ "خطبہ الہ آباد (ایک تاریخ ساز خطبہ)" مترجمہ مختار زمن، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر، ص ۵۰۵-۵۲۲

۱۳۹ اقبال، سہ ماہی "علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد" ترجمہ و تحشیہ: محمد جہانگیر عالم، جولائی ۱۹۸۴ء آزادی نمبر، ص ۵۵-۸۳

۱۴۰ اقبال احمد صدیقی (مترجم)، علامہ اقبال-تقریریں، تحریریں اور بیانات، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۹ء، ص ۱۹-۴۶

۱۴۱ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، کتابیاتِ اقبال، ص ۵۵، ۵۸

۱۴۲ محمود عاصم (مرتب)، اقبال کے ملی افکار، ص ۲۹-۶۲

۱۴۳ ندیم شفیق ملک، علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء ایک مطالعہ، ص ۱۱۹-۱۴۶

۱۴۴ (i)Shamloo (Editor), Speeches and Statements of Iqbal, Lahore, Al-Manar Academy, 1948, P.3 - 36

(ii)Syed Abdul Vahid (Editor), Thoughts and Reflections of Iqbal, P.161-194

۱۴۵ انقلاب، روزنامہ (i) ۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء، ص ۱-۳، ۶ (ii) ۳۱ دسمبر ۱۹۳۰ء، ص ۱-۲

۱۴۶۔ ڈاکٹر سلیم اختر (مرتب)، اقبال شناسی اور فنون، ص ۵۶-۵۷

۱۴۷۔ Syed Abdul Vahid (Editor), Thouhgts and Reflections of Iqbal, P. 194

۱۴۸۔ K. K. Aziz (Editor), The All India Muslim Conference 1928 - 1935— A Documentary Record, Karachi, National publication House Ltd., 1972, P.25, 28,37, 295 , 299, 303, 304, 306

۱۴۹۔ (i) انقلاب، روزنامہ، "آل انڈیا مسلم کانفرنس کا پروگرام" از محمد شفیع داؤدی ورکنگ سیکرٹری آل انڈیا مسلم کانفرنس، ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء، صفحہ اول

(ii) ایضاً، "آل انڈیا مسلم کانفرنس کا اجلاس شروع ہوگیا" (خبر)، ۲۳/ مارچ ۱۹۳۲ء، ص اول

۱۵۰۔ Shamloo (Editor), Speeches and Statements of Iqbal, P. 36 - 61

۱۵۱۔ Syed Abdul Vahid (Editor), Thoughts and Reflections of Iqbal, P.195 - 219

۱۵۲۔ K. K. Aziz (Editor), The All India Muslim Conference 1928-1935 — A Documentary Record, P. 84 - 101

۱۵۳۔ رضیہ فرحت بانو (مرتب)، خطبات اقبال، ص ۶۱-۸۴

۱۵۴۔ تصدق حسین تاج (مرتب)، مضامین اقبال، ص ۲۴۱-۲۷۳

۱۵۵۔ زیب النساء، اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ، ص ۷۰، ۸۴، ۹۶، ۱۰۵

۱۵۶۔ محمود عاصم نے "اقبال کے ملی افکار" (ص ۶۸) میں اس خطبہ پر تمہید درج کرتے ہوئے سہواً دوسری کے بجائے تیسری گول میز کانفرنس لکھ دیا ہے۔ جو تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔

۱۵۷۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، کتابیات اقبال، ص ۵۶

۱۵۸۔ انقلاب، روزنامہ، "لاہور میں مسلم کانفرنس" (خبر)، ۱۰/ مارچ ۱۹۳۲ء، ص ۳

۱۵۹۔ صوفی، ماہنامہ، اپریل ۱۹۳۲ء، ص ۲۰

۱۶۰۔ ایضاً، ص ۲۱

۱۶۱۔ ایضاً، ص ۲۳-۲۴

۱۶۲۔ ایضاً، ص ۲۷-۲۹

۱۶۳۔ انقلاب، روزنامہ،" گول میز کانفرنس کی کمیٹیوں سے اب تعاون ممکن نہیں رہا۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے آخری اجلاس کی کارروائی" از نامہ نگار خصوصی، ۲۴/ مارچ ۱۹۳۲ء، صفحہ اول

۱۶۴۔ ایضاً، ۱۰/ مارچ ۱۹۳۲ء، صفحہ اول

۱۶۵۔ ایضاً

۱۶۶۔ ایضاً، ۲۱/ مارچ ۱۹۳۲ء، صفحہ اول

۱۶۷۔ ایضاً، ۲۳/ مارچ ۱۹۳۲ء، صفحہ اول

۱۶۸۔ ایضاً

۱۶۹۔ (i) ایضاً

(ii) محمد رفیق افضل (مرتب)، گفتار اقبال، ص ۱۴۷-۱۴۸

۱۷۰۔ انقلاب، روزنامہ، "فرض ادا کرو یا مٹ جاؤ۔ حضرت علامہ اقبال کا خطبہ صدارت" (اداریہ)، ۲۴/ مارچ ۱۹۳۲ء، ص ۳

۱۷۱۔ ایضاً، ۲۳/ مارچ ۱۹۳۲ء، صفحہ اول

۱۷۲۔ ایضاً، "" اپنا فرض ادا کرو یا مر جاؤ" ۔ مسلم کانفرنس حضرت علامہ اقبال کا خطبہ"، ص ۴-۵

۱۷۳۔ لطیف احمد شروانی (مولف)، حرف اقبال، ص ۵۹-۸۳

۱۷۴۔ رضیہ فرحت بانو (مرتب)، خطبات اقبال، ص ۶۱-۸۴

۱۷۵۔ محمود عاصم (مرتب)، اقبال کے ملی افکار، ص ۶۷-۸۶

۱۷۶۔ اقبال، سہ ماہی، "علامہ اقبال کا خطبہ لاہور"، مترجم: پروفیسر محمد جہانگیر عالم، اکتوبر ۱۹۹۱ء جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۱۵۱-۱۷۱

۱۷۷۔ اقبال احمد صدیقی (مترجم)، علامہ اقبال۔ تقریریں، تحریریں اور بیانات، ص ۴۷-۶۵

باب ششم:

علامہ اقبال کے شخصیت وفن پر ''صوفی'' میں شائع ہونے والے موافق ومخالف نظم ونثر کے نمونے

الف) نظم کے نمونے:

(i) شخصیت اورافکار وتصورات کوموضوع بنانے والی منظومات

(ii) کلام اقبال کے منظوم تراجم وتضمینات

ب) نثر کے نمونے

الف) نظم کے نمونے:

(i) شخصیت اور افکار و تصورات کو موضوع بنانے والی منظومات

ماہ+سال	عنوان	پہلا مصرعہ	صفحہ نمبر
مارچ ۱۹۱۳ء	جواب شکوۂ ڈاکٹر اقبال از حضرت ذو الجلال	یہ کہاں تاب کہ میں شکوہ اقبال سنوں از (سید محمد فضل رب)	۱۵-۱۷
اپریل ۱۹۱۳ء	جواب شکوہ اقبال	ساز نیرنگ ہوں ہر تان نئی ہے میری از صاحبزادہ مصطفٰے خاں شرر	۳۴-۳۶
فروری ۱۹۱۵ء	شیخ محمدؐ اقبال	نازش ماہ محبت کی جھلک دلسوز ہے از محسن (محسن لاہوری)	۱۵
اکتوبر ۱۹۱۷ء	حافظؒ و اقبال	خودی کے حضرت اقبال ہیں بہت دمساز از نامی کوہ سوار دکنی	۳۶
اپریل ۱۹۱۸ء	ریویو مثنوی اسرار خودی ڈاکٹر اقبال	کوکب اقبال بالائے مسرت تابندہ باد از پیرزادہ محمد حسین عارف	۳-۴
جنوری ۱۹۲۳ء	سر ہو گئے اقبال	لو-مدرسہ علم ہوا قصر حکومت از مولانا سالک بٹالوی	۳۰
جون و جولائی ۱۹۲۷ء	تصنیف اقبال پر ایک نظر	یہ ہے اقبال کی تصنیف یا پیغام یزداں ہے از ڈاکٹر نور محمد علوی لودیانوی	۵۰
ستمبر ۱۹۳۲ء	ترجمان حقیقت اقبال	وہ ترجمان حقیقت ہے جس کا نام اقبال از شیخ نذر محمد انور	۵۰
نومبر ۱۹۳۸ء	مادہ ہائے تاریخ وفات حسرت آیات علامہ سر محمد اقبال مرحوم و مغفور!	آہ وفات ترجمان حقیقت اقبال از ساغر جلیلی	۱۶

مارچ ۱۹۱۳ء، جواب شکوہ ڈاکٹر اقبال از حضرت ذوالجلال، یہ کہاں تاب کہ میں شکوۂ اقبال سنوں، از (سید محمد فضل رب)، ص ۱۵-۱۷

۳۰ر نومبر ۱۹۱۲ء کو علامہ اقبال نے لاہور کے ایک جلسے میں "جواب شکوہ" پیش کیا- جس نے "شکوہ" کے باعث پیدا ہونے والے منفی ردعمل کا قلع قمع کر دیا- لہٰذا اقبال کے "جواب شکوہ" کو خوب سراہا گیا اور بہت سے شاعروں نے اقبال کی تقلید میں اپنی منظومات پیش کیں- ایسی کچھ کوششوں کا احاطہ ڈاکٹر سید تقام حسین جعفری نے اپنے مضمون "شکوہ اور جواب شکوہ"[۱] میں کیا ہے- سید محمد فضل رب ڈپٹی مجسٹریٹ درجہ اول ضلع بھڑائچ نے بھی تقلیدی روش اپناتے ہوئے "جواب شکوہ ڈاکٹر اقبال از حضرت ذوالجلال" کے عنوان سے اقبال کے "جواب شکوہ" کے انداز میں ایک مسدس لکھی- جو دسمبر ۱۹۱۲ء کے "مخزن"[۲] میں شائع ہوئی- یہی جواب شکوہ بعد ازاں "صوفی" کی اس اشاعت میں شامل ہوا- "مخزن" اور "صوفی" دونوں میں یہ بائیس بندوں پر مشتمل ہے جبکہ ڈاکٹر تقام حسین جعفری نے سہواً اس کے چھبیس بند بیان کئے ہیں[۳]- "مخزن" میں اس جواب شکوہ کے اختتام پر شاعر کا نام اور کوائف کی تفصیل موجود ہے، جبکہ "صوفی" میں شاعر کا نام اور کوائف درج نہیں کئے گئے- سید عبدالواحد معینی اور عبدالمجید سالک کلام اقبال کی تقلیدی کاوشوں کو کامیاب تصور نہیں کرتے- ان کے خیال میں اقبال کے رنگ سخن کی پیروی کما حقہ، ممکن نہیں[۴]- اس جواب شکوہ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے- فکری وفنی لحاظ سے یہ اقبال کے "جواب شکوہ" کے قریب نہیں پہنچتا- عنوان میں سید محمد فضل رب نے "از حضرت ذوالجلال" لکھ کر اس جواب کو خدا کا خطاب ظاہر کیا ہے- تاہم وہ خطاب کے اس سلسلے کو سلیقے سے نباہ نہ پائے کیونکہ جواب شکوہ کے آخری بندوں میں وہ خود خطاب کرتے نظر آتے ہیں- جبکہ اقبال نے اس معاملے میں بڑی پختگی کا ثبوت دیا ہے- اس جواب شکوہ کے دسویں بند سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید محمد فضل رب ان لوگوں میں سے تھے جنھیں اقبال کا خدا سے شکوہ کرنا پسند نہ آیا- "صوفی" میں پیش کئے جانے والے اس جواب شکوہ کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:-

"جواب شکوۂ ڈاکٹر اقبال از حضرت ذوالجلال

یہ کہاں تاب کہ میں شکوہ اقبال سنوں ضبط کر جاؤں اگر گریہ اطفال سنوں
دیکھتا خوب ہوں اسلام کا کیا حال سنوں ہو نہ معلوم اگر مجھکو تو احوال سنوں

وہ مسلمان ہی اب ہیں نہ وہ اسلام رہا
ہاں بس اسلام کا باقی فقط اک نام رہا

دل میں توحید کی عزت نہ شریعت کا خیال مثل فاروقؓ کوئی اب ہے نہ ثانئے (ثانیٔ) بلالؓ
جب مسلمانوں کے اعمال کا ہو جائے یہ حال کیوں نہ ہو نیر اقبال کو پھر ان کے نزوال (نزوال)

آبرو چاہو تو پابند شریعت ہو جاؤ
شوق سے راہرو کوئے طریقت ہو جاؤ

نہ وہ ملت نہ محبت نہ مروت باقی　　نہ وہ الطاف و کرم مہرو عنایت باقی

نورِ ایماں کی جھلک ہے[۵] نہ صداقت باقی　　نہ رفاقت نہ ریاضت نہ عبادت باقی

حب قومی سے ہوئی تم کو عداوت جب سے

مجھکو بھی ہو گئی تم لوگوں سے نفرت تب سے

جوش اسلام ہی سچا نہ شجاعت باقی　　اب نہ ہمت نہ خیالات نہ رفعت باقی

نہ طبائع ہیں نہ وہ جودو سخاوت باقی　　نہ صنائع ہیں نہ وہ علم کی دولت باقی

سارے اوصاف ہی اپنے نہیں کھو بیٹھے ہو

اپنی اصلاح سے تم ہاتھ بھی دھو بیٹھے ہو

ناز اسلاف پہ اپنے ہے سراسر بے جا　　فخر اجداد پر اپنے نہیں تم کو زیبا

چاہئے آدمی طینت سے ہو اپنی اچھا　　اپنے ہی قلب میں ہو نیر ایمان[۶] کی ضیا

ایک بھی ہے کوئی اسوقت مسلماں ایسا

عہد میں سرور عالم کے ہر ایک[۷] تھا جیسا

آتش رشک سے آتشکدے سینے سب کے　　صاف سینوں میں نظر آتے ہیں کینے سب کے

جوہر علم سے خالی ہیں خزینے سب کے　　اور افعال سراسر ہیں کمینے سب کے

دعوٰی اس پر بھی وہ کرتے ہیں مسلمانی کا

ان کو احساس بھی باقی نہیں نادانی کا

باپ بیٹے سے الگ باپ سے بیٹا ہے جدا　　بھائی کے دلمیں نہیں بھائی کی مطلق پروا

درد مندی نہیں باقی ہے دلوں میں اصلا　　حب قومی ہوئی اسلام کے گلشن سے ہوا

پھر نہ کیوں باد مخالف سے چمن ہو ویراں

کیوں بکھر جائے نہ گلدستۂ اہل ایراں

جب مسلمان لڑتے مرتے ہیں خود ہی باہم　　شیعہ سنی کا کیا کرتے ہیں ہر دم ماتم

ظلم ایک[۸] دوسرے پر کرتے ہیں کیسا ہے ستم　　کچھ برادر کے نہیں غم کا برادر کو الم

روسؔ کے دام میں پھنس جائے نہ پھر کیوں ایراںؔ
کیوں نہ ٹرکی سے لڑیں جوش میں اہل بلقاںؔ

ناروا عیش میں کرتے ہیں شب و روز بسر دمبدم تازہ گناہ (گنہ) کرتے ہیں بے خوف وخطر
شرم دنیا کی نہ ان کو ہے نہ اللہ کا ڈر فکم (فکر) دنیا میں پڑے رہتے ہیں سب آٹھ پہر
دیکھتے ہی نہیں اعمال کو اپنے اصلا
کرتے یہ بندے ہیں ناحق کو خدا کا شکوا

کفرو اسلام سے ہے ذات خدا مستغنی احتیاج اس کو نہیں آپ ہے اللہ غنی
شکوہ ہو اور پھر اللہ کا یہ کیا معنے (۹)؟ بات کیا فائدہ کہنے سے جو ہو لایعنی
چاہئے بندے کو وہ دیکھ لے سارے حالات
پھر ادب سے وہ کرے خدا سے کوئی بات

اہل اسلام سے اللہ کو الفت ہے ضرور امت احمد مرسلؐ سے محبت ہے ضرور
حال پر بندوں کے خالق کی عنایت ہے ضرور فرض ان پر بھی مگر اس کی اطاعت ہے ضرور
چاہتا ہے رہے قانون شریعت جاری
ساتھ ہی ساتھ رہے سکر طریقت طاری

سارے آلام ہیں خاصان خدا ہی کے لئے خلق عشاق ہوئے مشق جفا ہی کے لئے
بندے پیدا ہوئے ہیں مہرو وفا ہی کیلئے خاص طاعت کیلئے اس کی ثناہی کے لئے
آزماتا ہے وہ خاصان خدا کو اکثر
رنج و غم درد و الم فقرو مصیبت دیکر

حضرت نوحؑ سے پوچھو جو پریشانی تھی کس تلاطم میں پڑی کشتی طوفانی تھی
راہ حق پر چلے بندوں کی (یہ) نادانی تھی سر پر ان کے وہ بلا آئی جو پیش آنی تھی
تھا وہ طوفان کہ اک قہر الٰہی تھا وہ
ہستے (ہستی) ذات خدائی کی گواہی تھا وہ

بانئ خانہ کعبہ تھے خلیل اللہ کر کے قربان پسر کو بھی نہیں کی اک آہ
آگ میں کس لئے ڈالے گئے پہر (پھر) وہ ذیجاہ نارکس وجہ سے گلزار ہوئی تھی ناگاہ

آزمایش تھی فقط انکی خدا کو منظور
اور موسیٰ کو اسی طرح ملا جلوہ طور

چاہ میں حضرت یوسف کو گرایا اس نے عشق میں ان کے زلیخا کو پھنسایا اس نے
نجد کے دشت میں مجنوں کو پھرایا اس نے اور لیلے کو بھی محمل میں بٹھایا اس نے

رمز کی باتوں سے اسکے کوئی آگاہ نہیں
جانتا بھید کو اس کے کوئی واللہ نہیں

اپنے محبوب کے دانتوں کو کیا اس نے شہید کس قدر بات یہ تھی اس کی محبت سے بعید
اب مسلمانوں کے دلمیں ہے اگر درد شدید بھید ہو گا کوئی اس میں نہیں یہ امر جدید

مبتلائے غم معشوق ہیں جو ہیں عشاق
حسرت وصل کبھی اور کبھی رنج فراق

تیغ کفار نے کیا کیا نہ مصیبت ڈھائی کر بلا میں بھی کچھ ایسی ہی قیامت آئی
جان دیتے تھے جہاں بھائی پہ اپنے بھائی ہائے شبیرؑ نے آخر میں شہادت پائی

حق کی مرضی میں نہیں دخل کسی کو بھی ذرا
چاہتا ہی نہیں وہ کوئی کرے چون و چرا

مصلحت اپنی وہی خوب سمجھتا ہے جناب چاہے الطاف کسی پر کرے وہ چاہے عتاب
ہمپر اس وقت ہراک پردہ میں نال ہے عذاب اور اغیار پر الطاف ہیں بے حد و حساب

مصلحت اس میں جو کچھ ہو وہ خدا ہی جانے
دل سے تم اس کو اگر مانو تو وہ بھی مانے

صاف کہتا ہوں مری بات سمجھ لے امت اب بھی سمجھے تو اٹھائے نہ ذرا بھی زحمت
ہو نہ مایوس کہ خالق کی بڑی ہے رحمت رحمتی پر ہے عجب شان سے لفظ وسعت[۱]

سمجھو دنیا میں ہیں اللہ کے بندے سب ہی

پرورش ان کی بھی کرتا ہے تمہارا رب ہی

آپ ہی اپنی مدد جو نہیں کرتا انسان (۱۰) اس کو حامی نہیں ہوتا خداوند جہاں

اپنے ہی پاؤں کے بل جو کوئی ہوتا ہے رواں اس کو کرتا ہے خداوند رواں بلکہ دواں

آپ جو اپنی مدد کرنے کو تیار نہیں

سمجھو اللہ بھی پہر (پھر) اس کا مددگار نہیں

شکوہ اقبال کا ہے داد کے قابل بیشک حال اسلام ہے فریاد کے قابل بیشک

نام اللہ بھی ہے یاد کے قابل بے شک حالت امت کی ہے امداد کے قابل بیشک

ہے مگر شرط کہ پابند شریعت ہو جائے

دل سے وہ راہرو کوئے طریقت ہو جائے

فضلِ ربّ کی ہے دعا حق سے کہ اے رب ودود ساری مخلوق کا فی الاصل تو ہی ہے معبود

نام لیوا ہیں سبھی تیرے مسلمان و ہنود کعبہ دل کا ہر ایک شخص کے تو ہے مقصود

دل کی ہر شخص کی یارب تو مرادیں برلا

نخل اسلام کو بھی ہوتی رہے نشوونما

۱؎ وسعت رحمتی علیٰ کل شیٔ

اپریل ۱۹۱۳ء، جواب شکوہ اقبال، ساز نیرنگ ہوں ہر تان نئی ہے میری، از صاحبزادہ مصطفےٰ خاں شرّر، ص ۳۴-۳۶

سید محمد فضل رب کے ہم عصر (۱۲) ہوم سیکرٹری ریاست رامپور صاحبزادہ مصطفےٰ خاں شرّر نے اقبال کے "جواب شکوہ" کو موضوع بناتے ہوئے "جواب شکوہ کا اقبال" کے عنوان سے اکیس بندوں پر مشتمل ایک مسدس تحریر کیا- جو ۲۶ رفروری ۱۹۱۳ء کے ہفتہ وار "الھلال (۱۳)" میں "ادبیات" کے ذیل میں شائع ہوا- "صوفی" میں اس مسدس کو ماخذ کا حوالہ درج کرتے ہوئے "الھلال" سے نقل کیا گیا- "صوفی" کی اس اشاعت میں اسے نئے عنوان "جواب شکوۂ اقبال" کے ساتھ پیش کیا گیا- تاہم نقل کرنے میں بے احتیاطی کے باعث کئی مقامات پر اس کا متن "الھلال" کے مطابق نہیں- "صوفی" میں شائع ہونے والے اس مسدس کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

"جواب شکوۂ اقبال

ساز نیرنگ ہوں ہر تان نئی ہے میری　　طرز آہنگ ہر اک آن نئی ہے میری
رنگ دنیا سے الگ شان نئی ہے میری　　آگہی شیوہ ہوں پہچان نئی ہے میری

چشم نگارگی (۱۴) انجمن آرائی ہوں
آئینہ خانہ قدرت کا تماشائی ہوں

سرمہ چشم تمنا ہے تماشا میرا　　دلکش حسن ہے انداز تو لا میرا
آفتاب فلک قدس ہے ذرا میرا　　عقل کل سنتا ہے افسانہ سودا میرا

رنگ لایا ہے میرا ذوق تکلم کیسا؟
جوش زن رحمت باری کا ہے قلزم کیسا؟

شان رحمت کی ادا! میری شکایت دیکھو　　آ گئی کام مصیبت کی حکایت دیکھو
مجھسے ناچیز پر اسدرجہ عنایت دیکھو　　ہم سخن بندے سے معبود ہے قسمت دیکھو

ایسی رحمت کے فدا شان کرم کے صدقے
طرز شفقت کے فدا شان کرم کے صدقے

جب بڑھا درد جگر آگئے لب پر نالے　　پہنچے تا عرش بریں دل سے نکلکر نالے
خوب جی بھر کے لگاتے رہے چکر نالے　　راہرو پا کے مجھے بن گئے رہبر نالے

تیز رو ایسے کہ دم بھر میں اثر تک پہونچے (پہنچے)
ایک پرواز ہی میں عرش کے در تک پہنچے

سچ ہے ہم تجھسے ترے لطف کے سائل ہی نہیں　　ہو اگر آنکھ تو پردہ کوئی حائل ہی نہیں
ہم کو رونا ہے یہی ہم کسی قابل ہی نہیں　　جلوہ افروز تو جس دلمیں ہو وہ دل ہی نہیں

ڈھونڈھنے والے نے جس چیز کو ڈھونڈھا پایا
مصر میں جذب طلب ہے (۱۵) مہ کنعاں آیا

پیرو فخر عرب دل سے اگر ھم ہوتے　　　کیوں پریشاں صفت گرد سفر ہم ہوتے

سرمہ دیدہ ارباب نظر ھم ہوتے　　　خسرو کشور اقبال و ظفر ھم ہوتے

امت احمدؐ ذی شان ہیں فقط کہنے کو

کفر آئیں ہیں مسلمان ہیں فقط کہنے کو

راہ پر آئیں وہ ہمت ہی نہیں ہے ہم میں　　　ڈھائیں بتخانے وہ طاقت ہی نہیں ہے ہم میں

سختیاں سہنے کی جرات ہی نہیں ہے ہم میں　　　بندہ بن جانے کی عادت ہی نہیں ہے ہم میں

دل میں رکھتے ہیں تو رکھتے ہیں ہجوم الحاد

دین کے پودے کو جلاتی ہے سموم الحاد

ناصیہ سائی کے آثار جبینوں میں نہیں　　　ذکر تک کعبہ[۱۶] کا ہم دیرنشینوں میں نہیں

حق شناسی کے مضامین سفینوں میں نہیں　　　داغ الفت جسے کہتے ہیں وہ سینوں میں نہیں

ننگ دارین ہیں ہم امت احمدؐ ہو کر

بندگی شیوہ نہیں بندہ سرمہ[۱۷] ہو کر

وہ نظر ہی نہیں قدرت کا تماشا کیسا؟　　　آنکھ رکھتے (رکھتے) نہیں گلشن کا نظارا کیسا؟

کرتے ہیں بندگی بت[۱۸] ترا سودا کیسا؟　　　ہم جو مینوش نہیں نشہ صہبا کیسا؟

عازم بتکدہ ہیں راہ حرم بھول گئے

تجھ سے جو عہد کیا تھا اسے ہم بھول گئے

اب نہ وہ ہم ہیں نہ وہ رات کی بیداری ہے　　　وہ تضرع ہے نہ فریاد نہ وہ زاری ہے

جنس ناکارہ غفلت کی خریداری ہے　　　گردش جام نرالی نئی مے خواری ہے

دل شیدا جو بغل میں نہیں سودا بھی نہیں

سوز الفت جو نہیں داغ تمنا بھی نہیں

جس کو دنیا میں نہ پوچھے کوئی وہ فن ہم ہیں　　　جس سے بخیہ نہو وہ دہر میں سوزن ہم ہیں

جام ٹوٹے ہوئے اجڑے ہوئے مسکن ہم ہیں　　　ایک بھی پھول نہو جس میں وہ گلشن ہم ہیں

کوئی مونس نہیں ہمدم نہیں غمخوار نہیں
ہم ہیں وہ جنس کوئی جس کا خریدار نہیں

اب وہ محفل نہیں وہ خم نہیں وہ جام نہیں وہ طریقہ نہیں وہ ملت اسلام نہیں
عمل احمد مختار سے کچھ کام نہیں یہی باعث ہے جو راحت نہیں آرام نہیں

اپنی محفل میں نہیں روشنی شمع ولا؟
ایک کے دل میں نہیں روشنی شمع ولا؟

ذوق الحاد ہے پابندی ملت کیسی جانتے ہی نہیں ہوتی ہے شریعت کیسی
طرز اغیار پہ مایل ہے طبیعت کیسی بےخبر رکہتی (رکھتی) ہے کونین سے غفلت کیسی

فکر امروز نہ ہے کچھ غم فردا ہمکو
ڈر ضرر سے ہے نہ بہبود (۱۹) سے پروا ہمکو

جتنے عالم ہیں عمل سے انہیں بیزاری ہے زہد کے جسم میں پوشاک ریاکاری ہے
قلب کے مدرسے میں درس (۲۰) حسد جاری ہے کچھ دوا جس کی نہیں وہ ہمیں بیماری ہے

دل میں ہے شوق صنم نام زباں پہ (۲۱) تیرا
جب یہ حالت ہے تو ہے (۲۲) پہر (پھر) کوئی کیونکر تیرا

ننگ اسلام ہیں جتنے ہیں جہاں میں مسلم کیسے پابند ہیں زنجیر زیاں میں مسلم
محو رہتے نہیں تکبیر و اذاں میں مسلم روزے رکھتے نہیں ماہ رمضاں میں مسلم

بت پرستی کے خیالات تراویحوں میں
شرکت رشتہ زنار ہے تسبیحوں میں

وہ خطاکار کہ ہم چلتے نہیں راہ صواب آنکہ رکہتی (رکھتی) نہیں آنکھوں میں ہدایت کی کتاب
کثرت جرم کی پروا نہ غم روز حساب خانقاہوں میں پیا کرتے ہیں غفلت کی شراب

قلب میں داغ محبت کا نہیں سوز نہیں
کیا اجالا ہو یہاں شمع دل افروز نہیں

کب ہے اسلاف کا دستور ہمارا دستور　　ہم میں آزار کی خو۔ رحم تہا (تھا) ان کا دستور
دشمنی اپنا چلن ان کا تولا دستور　　خود وہ اچھے تھے تو اچھا تھا (۲۳) طریقہ دستور

عشق کے داغوں سے گلزار تھے سینے انکے
تیری توحید کے دفتر تھے سفینے ان کے

اب وہ ایمان نہ وہ جوش نہ وہ روزہ نماز　　ارنی ورد زبان اور دلوں میں نہ گداز
وہ پرستش کا طریقہ نہ وہ انداز نیاز　　جانب گلشن معنی نہ وہ شوق پرواز

باغ اندلس میں ہمارے وہ نشیمن نرہے
منہدم ہو گئے سسلی میں وہ مسکن نرہے

قوم اسلام میں توحید کی دولت نرہی　　بادہ آشامئی خم خانہ ہمت نہ رہی
دل کے آئینہ (۲۴) میں تصویر صداقت نرہی　　وہ محبت وہ مروت وہ حمیت نہ رہی

وہ نمازی ہیں نہ وہ شوق جبیں سائی ہے
ضعف اسلام کی گھنگور گھٹا چھائی ہے

ایک وہ عہد تھا قیصر بھی تھے فغفور بھی ہم　　تابع حکم کے تھے جتنے تھے سلاطین عجم
کبھی باہر نہ پڑا سرحد کوشش سے قدم　　بہر راحت تھا بس اک سایۂ شمشیر دو دم

ہر جگہ جلوہ توحید دکھایا کس نے
قطرہ پایا تو اسے بحر بنایا کس نے

آج گر (۲۵) حال زبوں ہے تو الم بیجا ہے　　قلب اقبال ہوا ہے تو اچھنبا (اچنبھا) کیا ہے
دیکھیے باغ اجڑتا ہے کبھی پھلتا ہے　　تنگدل ہیں تو کریں صبر یہی اچھا ہے

جب بہار آتی ہے کلیوں کی چٹک کہتی ہے
کب ہمیشہ خلش تنگدلی رہتی ہے

(جناب صاحبزادہ مصطفٰے خاں صاحب شرر
ہوم سیکرٹری ریاست رامپور (الہلال)"

فروری ۱۹۱۵ء، شیخ محمد اقبال، نازش ماہ محبت کی جھلک دلسوز ہے، از محسن (محسن لاہوری)، ص ۱۵

محسن لاہوری جن کا مکمل نام "ماسٹر محمد عبداللہ صاحب محسن (لاہوری)[۲۶] " کی صورت میں سامنے آتا ہے، کا کلام اکثر "صوفی" کی زینت بنتا رہا- "صوفی" سے ان کو خاص نسبت تھی، جس کے باعث وہ اکثر "صوفی" کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر اظہار مسرت کرتے نظر آتے-۱۹۱۶ء میں جب محکمہ ڈاک نے "صوفی" کے لئے علیحدہ پوسٹ آفس "صوفی آب حیات پوسٹ آفس" کھولا تو جہاں دیگر افراد نے "صوفی" کو مبارکباد کے پیغامات ارسال کئے، وہاں محسن لاہوری نے "پوسٹ آفس" کے عنوان سے چار مصرعوں کا یہ قطعہ ارسال کیا جو "صوفی" کی جون ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں شامل ہوا-

ہے نظام پوسٹ آفس صورت ابر کرم جس سے ہوتا ہے بر آمد چشمہ آب حیات
بزم صوفی کے لئے یہ ہے نوید جام جم گھر میں بیٹھے ہی بٹھائے سب کو پہنچے گی برات[۲۷]

لاہور میں اقامت کے سبب محسن لاہوری کی ملاقات علامہ اقبال سے بھی رہی- علامہ اقبال نے سید انور شاہؒ کے نام اپنے ۱۳/ مارچ ۱۹۳۵ء کے خط میں ان کا ذکر یوں کیا ہے کہ " مجھے ماسٹر عبداللہ صاحب[۲۸] سے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسے میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرماویں گے[۲۹] -"" صوفی" کی اس اشاعت میں محسن لاہوری کے چار چار مصرعوں کے حامل تین قطعات شامل تھے- جن کے عنوانات بالترتیب "نشیمن حسن نظامی"، "شیخ محمد اقبال" اور "فیضان "صوفی"" تھے- ان میں سے "فیضان "صوفی"" اس مقالے کے "باب دوم" میں پیش کیا جا چکا ہے- علامہ اقبال پر شائع ہونے والا قطعہ یوں تھا:

"شیخ محمد اقبال

نازش ماہ محبت کی جھلک دلسوز ہے تابش مہر ریاضت بھی تپش اندزد (اندوز) ہے
ہے مگر۔ اقبال۔ تو چشم و چراغ مہر و مہ اور تیری خندہ پیشانی جہاں افروز ہے
(دعا گو محسن)"

اکتوبر ۱۹۱۷ء، حافظ و اقبال، خودی کے حضرت اقبال ہیں بہت دمساز، از نامی کوہ سوار دکنی، ص ۳۶

نامی کوہ سوار دکنی "صوفی" کے خاص مہربانوں میں سے تھے- مدیر "صوفی" نے نامی کو مقامات مقدسہ کی تصویریں بھجوائیں تو انہوں نے انتہائی عقیدت مندی کے ساتھ "مقدس البم" کے زیر عنوان اپنی نیک رائے کا اظہار کیا[۳۰] -"صوفی" سے ان کی قلبی وابستگی کا اندازہ ان اشعار سے بخوبی ہوتا ہے جو انہوں نے "صوفی کا ٹائٹل پیج" نامی نظم میں پیش کئے ہیں- چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کیا لکھوں خوبی سراپا خوبیوں سے ہے بھرا خوبصورت گنج حکمت دفتر لقمان ہے
اس کی ہر ہر طرز پیاری ہر ادا سب سے جدا مرحبا سارے رسالوں میں اسکی شان ہے

ہند میں مقبول صوفی جس قدر ہے آج کل ۔۔۔ ہے کوئی ایسا کہ جس کی اعلےٰ شان ہے

مایہ علم ادب گنجینہ فیض اتم ۔۔۔ ہے یہی کان تصوف معدن عرفان ہے

جس کو صوفی سے محبت ہی نہ ہو کچھ بھی نہیں ۔۔۔ آپ بے بہرہ ہے وہ انسان کب انسان ہے (۳۱)

"صوفی" سے عقیدت ومحبت ظاہر کرنے والے نامیؔ کے ان اشعار سے تصوف وعرفان سے ان کی دلچسپی عیاں ہے اور پھر "صوفی" میں ان کا نام "عاشق زار! شاہ محمد چندا حسینیؒ نامیؔ کوہ سواری چشتی نظامی ہیڈ ماسٹر تعلقہ مانوی ضلع رائچور"، "مولانا نامیؔ کوہ سوار چشتی نظامی" اور "نامیؔ کوہ سوار چشتی نظامی شاہپوری" بھی شائع ہوتا رہا (۳۲) - اس سے ان کے تصوف، اہل تصوف اور سلسلہ ہائے تصوف سے منسلک ومتعلق ہونے کے سلسلے میں مزید کسی ثبوت کی گنجائش باقی نہیں رہتی-

۱۲رستمبر ۱۹۱۵ء (۳۳) کو اقبال کی مثنوی "اسرار خودی" چھپ کر منظر عام پر آئی تو حافظؔ پر لکھے گئے تنقیدی اشعار کے باعث مخالفت کا نشانہ بنی- اہل طریقت خوب چراغ پا ہوئے اور اقبال کو غم وغصے کا نشانہ بنانے لگے- نامی کوہ سوار کا تعلق بھی اسی طبقے سے تھا- چنانچہ انہوں نے اپنے جذبات کی تسکین کے لئے سات اشعار پر مشتمل ایک اقبال مخالف نظم لکھی، جس میں حافظؔ پر تنقید کرنے کو طنزاً خودی کا نتیجہ قرار دیا گیا- اقبال کو حافظؔ کے مقابلے میں کم مائیگی کا احساس دلایا گیا اور نظم کے آخر میں عرفیؔ کا ایک فارسی شعر پیش کیا گیا، جس میں حافظؔ سے بے حد عقیدت ظاہر کی گئی- نظم کا نمونہ ملاحظہ کیجئے:

"حافظؒ واقبال

خودی کے حضرت اقبال ہیں بہت دمساز ۔۔۔ خودی خدا کو ہمیں بیخودی ہو بندہ نواز

خودی کا تھا جو نتیجہ وہ ہو گیا ظاہر ۔۔۔ ہے تیغ کلک سے مجروح حافظؒ شیراز

ہے ڈور آپ کی لندن کے لاج تک معلوم ۔۔۔ ہے شیخ پاک کی پرواز لامکاں سے فراز

ہیں آپ آہن خام اور وہ ہیں مقناطیس ۔۔۔ چکور آپ ہیں وہ آفتاب ہیں شہباز

سنا ہے آپ نے عرفیؔ کا نام دنیا میں ۔۔۔ جو آپ سے بھی زیادہ جہاں میں تھا ممتاز

ذرا ادب سے سنو دل سے حضرت اقبالؔ ۔۔۔ زبان حال سے کہتا ہے عرفیؔ شیراز

بخاک مرقد حافظ کہ کعبہ سخن است

در آ مدیم بعزم طواف در پرواز

(نامیؔ کوہ سوار دکنی)"

اپریل ۱۹۱۸ء، ریویو مثنوی اسرار خودی - ڈاکٹر اقبال، کوکب اقبال بالائے سرت تابندہ باد، از پیرزادہ محمد حسین عارف، ص ۳-۴

پیرزادہ محمد حسین عارف ہونہار، ذہین وفطین اور سنجیدہ علمی مذاق رکھنے والی ہستی تھے - ان کا کلام "صوفی" کے کئی شماروں میں موجود ہے - ۱۰ ر ستمبر ۱۸۵۶ء (۳۴) کو مہم ضلع رہتک کے ایک معزز قریشی گھرانے (۳۵) میں پیدا ہوئے - پنجاب یونیورسٹی کے فارسی کے پہلے ایم - اے اور اعلیٰ درجے کے مترجم، قانون داں، ریاضی داں، فلسفی اور عمدہ شاعر تھے (۳۶) - ڈاکٹر لائٹنر پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے ۱۸۸۱ء میں انہیں اپنے کالج میں اسسٹینٹ پروفیسر اور صدر شعبہ اردو تعینات کیا - دو سال بعد انہیں ریاضی اور فلسفہ پڑھانے کی ذمہ داری سونپ دی گئی - اس دوران پیرزادہ محمد حسین عارف پنجاب کی قانونی کونسل کے رکن اور اردو شاعری کو نیا رخ عطا کرنے والی انجمن پنجاب کے اخبار کے مدیر رہے - ڈاکٹر لائٹنر نے ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے مقابلے کے امتحان کے لئے ان کا نام بھیجا - اس امتحان میں کامیابی کے بعد ۱۸۸۵ء میں انہوں نے ایکسٹرا اسسٹینٹ کمشنر کی حیثیت سے کام کرنا شروع کیا - ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۶ء تک بحیثیت ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج فرائض انجام دیئے - ۱۹۰۶ء میں ان کی خدمات دربار کشمیر کے لئے حاصل کر لی گئیں - بعد ازاں حصار اور دہلی کے علاقوں میں سیشن جج رہے - ۱۹۱۰ء میں حکومت نے انہیں "خان بہادر" کا خطاب دیا - ۱۹۱۱ء کے دربار دہلی میں انہیں عزت نصیب ہوئی - ۱۹۱۲ء میں ملازمت سے الگ ہو کر دہلی میں ہی سکونت اختیار کر لی - سرکاری ملازمت کے بعد دہلی میں رہتے ہوئے طبیہ کالج کے سیکرٹری کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے - ۳۰ ر مارچ ۱۹۲۸ء کو ان کا انتقال ہوا اور طبیہ کالج کے احاطے میں مدفون ہوئے (۳۷) -

پیرزادہ محمد حسین عارف نے انگریزی، عربی اور فارسی زبان کی بہت سی علمی وادبی کتابوں کے اردو میں ترجمے پیش کر کے اردو کے علمی وادبی سرمائے میں اضافہ کیا - اور بحیثیت شاعر ایک سو پینسٹھ اشعار پر مشتمل "آئینہ کشمیر" نامی نظم (۳۸) اور دیگر قابل قدر تخلیقات پیش کیں - سید نذیر نیازی لکھتے ہیں کہ "عارف کا علم وفضل عارف کی شاعری اور فلسفہ سے دلچسپی محمد اقبال کو ان کی خدمت میں لے گئی (۳۹) -" پیرزادہ محمد حسین عارف سے علامہ اقبال کے تعلق کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ ۱۹۰۱ - ۱۹۰۰ء میں جب پیرزادہ عارف نے مثنوی مولانا روم کی سو حکایات کا منظوم ترجمہ اسی کی بحر میں "عقد گوہر یا موتیوں کا ہار" کے نام سے کیا جو تیرہ سو چھبیس اشعار پر مشتمل ہے تو اس کی اشاعت کے موقع پر علامہ اقبال نے کل چھ قطعات تاریخ لکھے جن میں سے چار اردو اور دو فارسی زبان میں تھے - محمد عبداللہ قریشی کا قیاس ہے کہ علامہ اقبال کو مولانا روم کی ذات سے جو محبت بعد میں پیدا ہوئی، اس کا ایک محرک پیرزادہ عارف کی یہ کتاب بھی ہو سکتی ہے - یہی نہیں بلکہ مولانا روم سے اقبال کی عقیدت کے سلسلے میں اسے نقطۂ آغاز بھی قرار دیا جا سکتا ہے (۴۰) -

اقبال کی مثنوی "اسرار خودی" پیرزادہ محمد حسین عارف تک پہنچی تو انہوں نے اس پر منظوم ریویو لکھتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا جو "صوفی" کے اپریل ۱۹۱۸ء کے شمارے میں شائع ہوا - یہ ریویو جس مہینے شائع ہوا، اسی مہینے یعنی ۱۰ ر اپریل (۴۱) کو "رموز بے خودی" بھی منظر عام پر آ گئی - ریویو کے دیر سے سامنے آنے کی وجہ راقمہ کے خیال میں یہ تھی کہ "اسرار خودی" کی پہلی اشاعت کے وقت صرف پانچ سو (۴۲) نسخے چھپوائے گئے تھے اور جلد فروخت ہو جانے کے باوجود اس کا دوسرا ایڈیشن کئی سالوں کے بعد جون ۱۹۱۸ء کے آخر تک چھپ کر تیار ہوا (۴۳) - "اسرار خودی" کے پہلی بار قلیل تعداد میں چھپنے کے

باعث یہ مثنوی تمام اہل علم وبینش تک نہ پہنچ پائی - پیرزادہ عارف تک بھی یہ مثنوی جلد نہ پہنچ پائی لہذا ان کا ریویو دیر سے سامنے آیا -"دانائے راز" میں سید نذیر نیازی پیرزادہ محمد حسین عارف کے حوالے سے بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مثنوی اسرار خودی کے بارے میں پیرزادہ صاحب کے تاثرات کیا تھے- ان کے ایک عزیز جناب فضلی (۴۴) نے اسرار خودی کے جواب بلکہ مذمت میں ایک مثنوی لکھی- پیرزادہ صاحب نے اسے پسند کیا یا نہیں (۴۵) -" محمد عبداللہ قریشی نے بھی "معاصرین اقبال کی نظر میں" میں پیرزادہ عارف پر قلم اٹھانے کے باوجود اس سلسلے میں کوئی معلومات فراہم نہیں کیں- لہٰذا اس صورت حال میں "صوفی" میں پیرزادہ عارف کے ریویو کا دریافت ہو جانا اہمیت حاصل کر جاتا ہے کہ اس کے ذریعے ایک صاحب علم وفضل کی رائے اور موقف "اسرار خودی" کے حوالے سے پہلی مرتبہ منظر عام پر آ رہا ہے- پیرزادہ عارف کا یہ منظوم ریویو ستائس اشعار پر مشتمل ہے جو فارسی زبان میں ہے- اس میں انہوں نے بڑے سلجھے ہوئے انداز اور شفقت آمیز پیرائے میں اقبال سے اختلاف کیا ہے اور علمی انداز سے اپنے موقف کو پیش کیا ہے- اس ریویو میں انہوں نے اقبال کو لکھا کہ خوش نصیبی کا ستارہ تیرے سر پر چمکتا رہے اور خدائے بزرگ و برتر ہمیشہ تیرے دل کو عدل وانصاف، بزرگی اور ہدایت کا سرچشمہ بنائے رکھے- میں نے آغاز سے انجام تک تمہاری مکمل مثنوی کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا- اتفاقیہ یہ دولت کل میرے ہاتھ لگی- تم نے "اسرار خودی" میں بے خودی کی اچھی مذمت کی ہے اور سیاہ وسفید کے بارے میں جو کچھ تم نے کہا ہے وہ بہت عجیب ہے- شاعری میں باوجود اس کے کہ میں تمہارے جیسا ساحر معجز نہیں ہوں لیکن میں تنقیدی انداز میں کچھ کہنا چاہتا ہوں- "ھو" عین خودی ہے اور "انا" میں بھی وہ اس کا ایک جزو ہے- حقیقت میں "انا" غلام ہے اور "ھو" کیقباد یعنی بادشاہ- اگر ارادے میں وہ باہم متحد ہو جائیں اور "انا" "ھو" میں طوعاً وکرہاً فنا ہو جائے تو اسے ہرگز تنزل نہیں کہا جائے گا- یہ ایک فطری ارتقاء ہے- اس سے آدمی کی عملی قوت کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھ جاتی ہے- "ثبات" کی نفی "اثبات" کو زیادہ پرزور بنا دیتی ہے، اس کی مثال کے لئے "الا اللہ" پر غور کیا جاسکتا ہے- تو پھر تم بے خودی میں عمل کا ضائع ہونا کیوں خیال کرتے ہو- خود خودی وہ ہے، جس سے تم بے خودی مراد لے رہے ہو- تاہم محض بحث کی خاطر میں اسے بے خودی کہتا ہوں تاکہ ہماری بحث میں کوئی لفظی اختلاف یا ابہام پیدا نہ ہو- اگر انسان میں خودی نہ ہو تو وہ تنکے کی طرح بے حس ہے- یہ درست ہے کہ بے خودی فساد اور بگاڑ سے خالی نہیں ہوتی لیکن بے خودی تا بے خودی کچھ فرق ہیں، اولیا کی بے خودی رب العباد کا ایک فیض ہے- اسی طرح خودی تا خودی بھی فرق ہوتا ہے- ایک خودی تو فرعون کی تھی اور دوسری نے حلاج کو جنم دیا- ایک فنا ہو کر ظاہر ہوا اور دوسرا تکبر سے گویا یہ نور کی قندیل تھی تو وہ ہوا سے بھرا ہوا بلبلا- یہ جو کچھ تم شیخ اکبر سے منسوب کر رہے ہو، ایسا ہرگز نہیں ہے- ذرا تم عدل وانصاف کی نگاہوں سے تو دیکھو- بحث کے وقت لازم ہے کہ فریقین میں ضروری زبان اور اصطلاحات میں اتحاد ہو یہ چیزیں "مطلق"، "عام"، اور "مقید" تین قسم کی بنتی ہیں- اے عالم وفاضل شخص تم نے "عام" اور "مطلق" کو ایک کر دیا ہے- لفظ کے مفہوم میں فرق سے مختلف نتائج اخذ ہوتے ہیں- لہٰذا جہاں نتیجہ ذرا مختلف نکلا وہیں جھگڑے کی بنیاد پڑی- اے میرے عزیز تم اس وادی میں تنہا نہیں اسی طرح اور بھی بہت سوں کے پائے اجتہاد نے ٹھوکر کھائی ہے- صوفی حضرات جبر واختیار کی بحث میں سراسر اہل حق کے مانند میانہ روی اختیار کرتے ہیں- اگر استاد کی زبان اور اصطلاح کو تم مضبوطی سے تھامتے تو شیخ اکبر کو جبر وحلول کا قائل نہ پاتے- تم نے بارہا مثنوی مولوی میں پڑھا ہوگا کہ انہوں

نے اعتقاد کے لحاظ سے اہل جبر کو اچھا نہیں سمجھا - اگر وہ بھی " عام " خودی کے قائل ہوتے تو وہ یہ کہتے کہ جبر عین رشد و ایمان ہے - کاش اگر تم ان کی اصطلاح " مطلق " کو یاد رکھتے تو ان میں سے کسی کو بھی اس قسم کی بے خودی کا قائل نہ پاتے - ابن تیمیہ کے نقطہ نظر کو چھوڑ و اور پیغمبر صلعم کی بات کرنے میں محو ہو جاؤ - تم سند کے طور پر قرآن پاک سے " مارمیت " (۸:۱۷) تو دیکھو - حضورؐ کی شست میں ہزاروں تیر ایک تیر کی صورت اختیار کر گئے ، جب " انا " نے خود کو " ھو " کی قدرت کے ہاتھ میں دے دیا - تو اے میرے سردار تیری بے خودی پر سینکڑوں بے خودیاں فدا ہوں اور تیرا عارف شیدا بھی اس بے خودی سے محروم نہ رہے -

فارسی ریویو کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں :-

" ریویو مثنوی اسرار خودی
ڈاکٹر اقبال

(از خان بہادر پیرزادہ محمدؐ حسین صاحب عارفؔ پینشنر سشن جج دہلی)

کوکب اقبال بالائے سرت تابندہ باد — دائما دارد دل تو داور داوارشاد (داد و رشاد)

مثنویت را بخواندم از الف تا یا بشوق — اتفاقاً دوش آں دولت بدستم او فتاد

بیخودی راخوش نکو ہیدی در اسرار خودی — لغز گفتی آنچہ گفتی از بیاض و از سواد

درسخن با اینکہ چونتو (چوں تو) ساحر معجز نیم — لیک خواہم چیز کے گفتن بطرز انتقاد

ہست ہو عین خودی و در انا جزوے ازو — فی المثل ہستند آنا و ہو غلام و کیقباد

در ارادہ متحد گردند گر ہر دو نہم (دو بہم) — چوں آنا در ہو فنا گردد بطوع و انقیاد

ایں تنزل نیست ہرگز ارتقائے فطرتیست — قوت فعلی بندہ کم نگردد بل زیاد

نفی ثابت می کند اثبات را پر زور تر — در نظیرش مے تواں آورد الا اللہ یاد

پس چرا در بیخودی میجوئی تصیع عمل — خودخودیست [۴۶] آنکہ ازوے بیخودی داری مراد

از برای بحث لیکن بیخودی میگویمش — تا نیفتد درمیان بحث مالفظی عناد

گر خودی انسان (انساں) ندارد ہست چوں خس بیجسے — آرے آرے بیخودی خالی نبا شداز فساد

فرقہا باشد مگر از بیخودی تا بیخودی — بیخودی اولیا فیضی ست از رب العباد

ہمچنیں باشد تفاوت ازخودی ہم تا خودی — آں یکے میداشت فرعون و دگر حلاج زاد

از فنا پیدا یکے شداز تکبر آن دگر — بود ایں قندیل نور و آں حبابے پر ز باد

آنچہ نسبت میکنی با شیخ اکبر آں ہمہ | نیست ہرگز اینچنیں بنگر بچشم عدل و داد
در زبان و اصطلاحات ضروری وقت بحث | ہست لازم آنکہ باشد در فیریقین اتحاد
مطلق و عام و مقید می کنند ایشاں سہ قسم | عام و مطلق را یکے کردی تو اے روشن سواد
شد قضایا مختلف از فرق در مفہوم لفظ | زاں نتیجہ مختلف شد اینست بنیاد فساد
نیستی تنہا دریں وادی عزیزم ہمچنیں | دیگر انزانیز لغریدست (لغزید) پائے اجتہاد
صوفیاں یکسر ہمہ در بحث جبر و اختیار | مثل اہل حق ہمی گیرند راہ اقتصاد
شیخ اکبر را نیابی قائل جبر و حلول | محکم ار گیری زباں (زبان) و اصطلاح اوستاد
مولوی در مثنویش خواندہ باشی با رہا | بس نکو ہیدہ است اہل جبر را در اعتقاد
قایلستی (قائل استی) نیز اد گر بیخودی عام را | جبر را گفتے کہ ہست آں عین ایماں (ایمان) و رشاد
ہیچ ازایشانرا (ایشاں را) نیابی قائل ایں بیخودی | اصطلاح مطلق شاں کاش اگر داری بیاد
ترک ابن تمیۂ (۴۷) (ابن تیمیہ) کن کم (گم) زمحمودم بگو | مارمیت را ز قراں گیر بہر استناد
ناد کے شد (۴۸) ہزاراں تیر درشت بنی | چوں انا خود رابدست قدرت ہو در نہاد

صد خودی با دا فدائے بیخودیت سیدم
عارف شیدات ہم زاں بیخودی خالی مباد"

جنوری ۱۹۲۳ء، سرہوگئے اقبال، لو- مدرسہ علم ہوا قصر حکومت، از مولانا سالک بٹالوی، ص ۳۰

عبدالمجید سالک عاشق اقبال تھے- ۱۹۱۵ء کے آخر میں جب وہ دوسری بار لاہور آئے اور مستقل قیام کیا، اس وقت سے لے کر علامہ اقبال کی وفات تک ان کے علامہ سے گہرے مراسم رہے- اہم علمی، ادبی، مذہبی اور ملکی معاملات و مسائل کے سلسلے میں عبدالمجید سالک اکثر علامہ اقبال سے رجوع کر کے بہترین رہنمائی حاصل کرتے- عبدالمجید سالک ۱۳/دسمبر ۱۸۹۳ء کو بٹالہ ضلع گورداسپور (۴۹) میں پیدا ہوئے- بی-اے تک تعلیم حاصل کی، آغاز کار میں پٹھانکوٹ سے ایک ادبی رسالہ "فانوس خیال" جاری کیا جو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا- لاہور آکر "پھول"، "تہذیب نسواں"، "کہکشاں"، "زمیندار" اور "انقلاب" سے وابستہ رہے- سیاسی تحریکوں میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں- بھرپور علمی و ادبی اور صحافتی کردار ادا کیا اور ۲۷/دسمبر ۱۹۵۹ء کو لاہور میں فوت ہوئے (۵۰)-

یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو انگریزی حکومت نے علامہ اقبال کو سر کا خطاب دیا (۵۱)- اس زمانے میں برصغیر میں ترک موالات کی تحریک زوروں پر تھی- مولانا

عبدالمجید سالکؔ ترک موالات کے سلسلے میں ۱۹۲۱ء کے آخری مہینوں میں قید ہوئے اور ایک سال کی قید گزارنے کے بعد علامہ کو خطاب ملنے سے دو ماہ قبل رہا ہو کر آئے، تو علامہ اقبال نے سینے سے لگایا اور آبدیدہ ہوئے (۵۲)۔ نئے سال کے خطابات کی فہرست سامنے آئی تو علامہ اقبال کو خطاب ملنے پر اخباروں میں چہ مے گوئیاں ہونے لگیں۔ عبدالمجید سالکؔ نے بھی روزنامہ "زمیندار" میں اقبال کے خلاف "سر ہو گئے اقبالؔ" کے عنوان سے سات اشعار اور کالم "افکار و حوادث" پیش کئے۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ "... راقم الحروف نے بھی ـــــ "زمیندار" میں چند اشعار شائع کئے اور ایک دو کالم "افکار و حوادث" کے بھی لکھ دیئے، وہ اشعار زبان زد عام ہو گئے (۵۳)"۔ شیخ اعجاز، عبدالمجید سالکؔ کے اس ردعمل کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "... انہوں نے انگریز کے خلاف جیل کی کلفت کا اپنا سارا غصہ علامہ پر نکالا (۵۴)"۔ اقبال کے خلاف سالک کے یہ اشعار ۴؍جنوری ۱۹۲۳ء کے "زمیندار" میں اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوئے کہ "زمیندار" کے قارئین کرام کو یہ معلوم کر کے تعجب ہوگا۔ کہ جشن نوروز کے سلسلے میں جو اعزازات و خطابات حکومت کی طرف سے عطا کئے گئے ہیں۔ ان میں ترجمان حقیقت علامہ اقبال کو "سر" کا خطاب دیا گیا ہے۔ "روشنی طبع" علامہ موصوف پر بلا ہو گئی۔ "زمیندار" کی مزید رائے کے لئے اشاعت آئندہ کا انتظار کیجیے۔ فی الحال ہمارے مکرم سالکؔ صاحب کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے (۵۵)"۔ "صوفی" کے جنوری ۱۹۲۳ء کے شمارے میں بھی یہی نظم بغیر کسی نوٹ کے شامل ہوئی۔ تاہم سالکؔ کے نام کے ساتھ "سابق ایڈیٹر زمیندار" تحریر تھا۔ یہ نظم شائع ہونے کے بعد جب سالکؔ کو خطاب سے متعلق حقائق کا علم ہوا اور علامہ کے رویے میں کوئی منفی تبدیلی نظر نہ آئی تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا جس پر حد درجہ ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔ لکھتے ہیں کہ "... اشعار زبان زد عام ہو گئے لیکن وہ ایک فوری جذبہ تھا۔ اشعار چھپ جانے کے بعد راقم پر ندامت کا غلبہ ہوا اور چند ہفتے علامہ کی خدمت میں حاضری کی جرات نہ کر سکا۔ لیکن جب آخر ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا تو علامہ کے طرز تپاک اور محبت آمیز سلوک میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ وہ شاکی تھے کہ اتنی مدت تک ملنے کیوں نہیں آئے (۵۶)"۔ "صوفی" اور زمیندار میں اس کے متن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ "زمیندار" کے متن کو محمد حنیف شاہد نے "صحیفہ (۵۷)" میں ٹھیک طور پر پیش کر دیا ہے البتہ نظم پر موجود نوٹ درج کرنے میں ایک مقام پر سہو ہوا ہے۔ "زندہ رود (۵۸)" اور "مفکر پاکستان (۵۹)" میں بھی اس نظم کو پیش کیا گیا ہے تاہم شعر نمبر پانچ اور سات کو حذف کر کے کل پانچ اشعار پیش کئے گئے ہیں اور شعر نمبر دو اور تین کی ترتیب کو بھی الٹ دیا گیا ہے نیز متن میں اختلافات بھی نظر آتے ہیں۔ نظم کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"سر ہو گئے اقبالؔ

(از مولانا سالکؔ صاحب بٹالوی سابق ایڈیٹر زمیندار)

لو۔ مدرسہ علم ہوا قصر حکومت — افسوس کہ "علامہ" سے "سر" ہو گئے اقبال

پہلے تو مسلمان کے سر ہوتے تھے اکثر — تنگ آ کے اب انگریزوں (۶۰) کے سر ہو گئے اقبال

پہلے تو سر ملت بیضا کے وہ تھے تاج — اب اور سنو "تاج" کے سر ہو گئے اقبال

کہتا تھا یہ کل ٹھنڈی سڑک پر کوئی گستاخ — سرکار کی دہلیز پہ (۶۱) سر ہو گئے اقبال

کیا کہنے ہیں اس شیوہ تسلیم و رضا کے   سرکار ہوئی تیغ تو سر ہو گئے اقبال

سر ہو گیا ترکوں کی شجاعت سے سمرنا   سرکار کی تدبیر سے سر ہو گئے اقبال

سودائے غم عشق سے سالک تو ہوا قید

اور خوبی قسمت ہے کہ سر ہو گئے اقبال'

جون و جولائی ۱۹۲۷ء، تصنیف اقبال پر ایک نظر، یہ ہے اقبال کی تصنیف یا پیغام یزداں ہے، از نور محمد علوی، ص ۵۰

جون ۱۹۲۷ء کے تیسرے ہفتے (۶۲) میں علامہ اقبال کی فارسی تصنیف "زبور عجم" زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی - اخبارات میں اشتہارات اور تبصروں کا سلسلہ شروع ہوا (۶۳) - "صوفی" میں بھی لدھیانے کے ویٹرنری ڈاکٹر نور محمد علوی جو ان دنوں سہارنپور سرکل میں انسپکٹر تعینات تھے کا منظوم اردو تبصرہ شائع ہوا - یہ تبصرہ ستائیس اشعار پر مشتمل ہے - جس میں اقبال کو "موجد باب فصاحت" اور 'مجدد بلاغت' کا لقب عطا کرتے ہوئے، اقبال کی تصنیف کو "پیغام یزداں" قرار دیا گیا ہے - اور "زبور عجم" کے "جام جم" تصور کئے جانے کو "ناحق شناسی" سے تعبیر کیا گیا ہے - نظم کے آخری شعر میں شاعر نے اپنے کلام میں علامہ اقبال کے رنگ شاعری کی کچھ کچھ جھلک نظر آنے کا دعویٰ کیا ہے - جسے تعلی آمیز دعویٰ سمجھنا چاہئے تاہم اس سے مولانا سالک اور سید عبدالواحد معینی کی اقبال کی تقلید کرنے والے نوجوان شاعروں کے بارے میں یہ بات سچ ثابت ہوتی نظر آتی ہے کہ "... ان کے نزدیک اقبال کی تقلید صرف اس میں ہے کہ فارسی کی چند ترکیبیں جمع کر کے ایک نظم تیار کر دی جائے (۶۴) " - نظم کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"تصنیف اقبال پر ایک نظر

(از ڈاکٹر نور محمد صاحب علوی لودیانوی ویٹرنیری انسپکٹر سرکل سہارنپور)

یہ ہے اقبال کی تصنیف یا پیغام یزداں ہے   کہ اس کا ہر ورق آئینہ اسرار پنہاں ہے

بڑی ناحق شناسی ہے جو جام جم کہیں اس کو   کہ وہ ایجاد بندہ اور یہ پیغام یزداں ہے

ترقی کا مسلمانوں کی ہے یہ راستہ سیدھا   کہ اک اک حرف اس کا رہبر ارباب ایماں ہے

جہاں معنی کا ہر اک باب میں آباد ہے اس کے   مسلمانوں تمہارا یہ رفیق و حافظ جاں ہے

خیالات دل اقبال کی رمز آشنائی کا   دل و جاں سے ہر اک چھوٹا بڑا قائل سخنداں ہے

خیالات دل اقبال کے جوش تلاطم سے   جو دل وقف سکوں تھا اس کی رگ رگ موج طوفاں ہے

عروس مدعائے دل کی پیہم دیدہ بازی سے   وہ دل جو تنگ ارماں تھا وہ ہم آغوش ارماں ہے

تری تفتیش کی وادی صحرائے تجسس ہے — حقیقت میں ہر اک ذرہ بجائے خود بیاباں ہے

تری تحقیق کے دریائے بے پایاں کی موجوں کے — ہر اک قطرہ کی ہستی رشک صد دریائے عماں ہے

تری چشم فلک پیما کی نگہ ناز کے آگے — نہایت منفعل تار شعاع مہر تاباں ہے

ترے ذہن رسا کی آج جدت آفرینی کا — زمانہ معترف ہے اور اک عالم ثناخواں ہے

تری آتش نوائی نے دلوں میں پھونکدی گرمی — کہ تاثیر سخن کا تیرے قائل ہر مسلماں ہے

تری آتش نوائی اور تیری شعلہ افزائی — دل ترکی و ایرانی و افغانی کے شایاں ہے

تری عقل تحیر خیز کی گردوں شگافی سے — خرد گم کردہ ہے چکر میں یہ گردون گرداں ہے

تری بیباک تر مست خرام ناز چالوں سے — زمیں حیرت میں ہے ششدر ہے سرگرداں ہے لبریزاں ہے

تری بیباک تر مست خرام ناز چالوں سے — جہاں محو تماشائے عجب انگیز و حیراں ہے

تری صحرا نوردی ہائے دانش کی ستائش میں — ہر اک چھوٹا بڑا رطب اللساں خار بیاباں ہے

ترے شوریدہ سر سودا کے صحرائے لق و دق کا — جنوں آوارہ بھی صد غیرت نازک خیالاں ہے

ترے عشق جنوں انگیز کے مستانہ نعروں سے — ہوا بیدار خوابیدہ گروہ عشق بازاں ہے

ترے جوش جنوں ہی کا ہوا احسانمند آخر — تن مسلم کے پیراہن کا جو تار گریباں ہے

ارادہ جو کیا اس پر تجھے (تجھے) ثابت قدم پایا — ترا کوہ و قار عزم گویا بابا خنداں[۱] ہے

ترے فکرو تدبر کے عجب انداز دلکش پر — تصدق ایشیا، یورپ فدا، امریکہ قرباں ہے

ہوئے صد سالہ مردے آج زندہ تیرے ہی دم سے — ترے ہی شعلہ قم سے فروزاں آتش جاں ہے

ترے فیض قدم ہی کی بدولت آج دنیا میں — ہر اک سو علم کا اک نیر اقبال تاباں ہے

تجھے زیبا لقب ہے موجد باب فصاحت کا — بلاغت کا اگر کہیئے مجدد تجھ کو شایاں ہے

ترے اشعار کی طرز جدید افکار میں علوی
جھلک رنگ جناب اقبال کی کچھ کچھ نمایاں ہے

[۱] بابا خنداں ایک پہاڑ کا نام ہے۔''[(۶۵)]

ستمبر ۱۹۳۲ء، ترجمان حقیقت اقبال، وہ ترجمان حقیقت ہے جس کا نام اقبال، از شیخ نذر محمد انور، ص ۵۰

شیخ نذر محمد انورؔ اکثر اپنا کلام "صوفی" کی نذر کرتے رہتے تھے۔ "صوفی" کی ۱۹۱۶ء کی اشاعتوں میں ان کی منظومات "جلوہ یار" اور "انقلاب روز گار" کے ساتھ ان کا نام فقط "نذر محمد" اور تخلص "انورؔ" درج ہے [۶۶]۔ ان کی تعلیم بی۔اے تھی اور معلّمی کے پیشے سے وابستہ تھے۔ فروری ۱۹۳۲ء کے اوائل میں اقبال کی تصنیف "جاوید نامہ" چھپ کر سامنے آئی، [۶۷] تو اس زمانے میں وہ لائل پور (فیصل آباد) کے مسلم ہائی سکول میں بحیثیت سیکنڈ ماسٹر اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ "جاوید نامہ" میں علامہ اقبال نے اسرار معراج، حقائق و معارف اسلام اور مسلم شخصیات کے اسلامی کردار کو بڑی نکتہ سنجی اور پختگی کے ساتھ اجاگر کیا تھا۔ شیخ نذر محمد انورؔ نے "جاوید نامہ" کے مطالعے کے بعد اقبال کو ان کے لقب ترجمان حقیقت کی سچی تصویر پایا۔ اس سے قبل جب بھی کسی پہلو پر اقبال کی مخالفت ہوتی تو اقبال کے اسی خطاب کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا، جیسے سر کا خطاب ملنے پر علامہ کی مخالفت جاری تھی تو ماہنامہ "زمانہ" کے مدیر منشی دیا نرائن نگم نے شبہ ظاہر کرتے ہوئے لکھا کہ "... اس وقت آپ علامہ اقبال یا ترجمان حقیقت کے نام سے مشہور تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سر کا خطاب ملنے کے بعد آپ کے علمی و ادبی شغف کا کیا رنگ ہوتا ہے [۶۸]۔" "جاوید نامہ" میں شیخ نذر محمد انورؔ نے اقبال کے علمی و ادبی شغف کے رنگ کو عین حقیقت کا ترجمان پایا لہٰذا انہوں نے اس حقیقت کے اعتراف اور اعلان کے طور پر نظم کا عنوان "ترجمان حقیقت اقبالؔ" رکھا اور اشاعت کے لئے اسے خاص طور پر "صوفی" کے حوالے کیا۔ شیخ نذر محمد انورؔ نے مسدس کے چار بندوں میں اظہار خیال کرتے ہوئے اس نظم میں اقبال کو "حدیقہ سخن عشق کی بہار" اور "کشور سخن غم کا تاجدار" قرار دیا۔ "صوفی" اس نظم کے ساتھ قوسین میں "خاص" کا لفظ درج کیا گیا ہے۔ نظم کا نمونہ ملاحظہ ہو:

"ترجمان حقیقت اقبالؔ

از جناب شیخ نذر محمدؐ صاحب انورؔ بی۔اے سیکنڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول لائل پور

وہ ترجمان حقیقت ہے جس کا نام اقبال — وہ نقشبند خیالات عشق و ہجر و وصال
وہ راز دان معانی بزم قال و مقال — وہ باغبان نہالان بوستان خیال
جو غنچہ ہائے سخن کے لئے مسیحا ہے
چمن میں صورت بلبل سدا چہکتا ہے

ہر ایک حرف سخن جس کا گوہر رخشاں — جبیں شعر و سخن پر چھڑکتا ہے افشاں
افق پہ بزم سخن کے ہے مطلع تاباں — مہ کمال اسے کہئے یا خور خنداں
زمین شعر و سخن کو ملی ضیا اس سے
ستارے عرش بریں کے ہیں آشنا اس سے

ہر اک خیال ہے اقبال کا طلسم خیال — مرقع دل مغموم و مخزن صد حال

مصور غم عشق و مآل غم تمثال سرود و عشق کو اقباؔل سے ہوا اقبال

جہان عشق کی تفسیر سوز کی تقریر

سرائے بزم سخن کو ہے موجب تنویر

بجا ہے اگر اسے غالبؔ کی یادگار کہیں بنائیں ذوقؔ سخن داغؔ دل نگار کہیں

حدیقہ سخن عشق کی بہار کہیں کہ کشور سخن غم کا تاجدار کہیں

یہ جانشین غنیمتؔ ہمیں غنیمت ہے

کہ جس کی مشرق ومغرب میں ایسی شہرت ہے

(خاص)''

نومبر ۱۹۳۸ء، مادہ ہائے تاریخ وفات حسرت آیات علامہ اقبال مرحوم ومغفور!، آہ وفات ترجمان حقیقت اقباؔل، از ساغؔر جلیلی، ص ۱۶

صحافت سے متعلق سرکاری ریکارڈ کے مطابق ۱۹۳۸ء کے دوران "صوفی" کی اشاعت بند رہی تاہم جیسا کہ پہلے باب میں بیان کیا گیا ہے کہ راقمہ نے اس سن کے کچھ شمارے ملاحظہ کئے ہیں- یہ شمارہ بھی ان میں سے ایک ہے-۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال اس جہان فانی سے رخصت ہوئے اور ۲۵/اپریل ۱۹۳۸ء سے گوجرانوالہ کے ایک صاحب نے ہفتہ وار "صوفی" کے لئے ڈیکلیریشن حاصل کرلیا- یعنی علامہ اقبال کی وفات کے موقعے پر "صوفی" کی کوئی باقاعدہ وباضابطہ اشاعت سامنے نہ آئی- یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال کی وفات کے تقریباً چھ، سات ماہ بعد ان کی تاریخ وفات پیش کرنے کی نوبت آئی -نومبر ۱۹۳۸ء کے اس شمارے میں امرتسر کے علاقے شریف گنج کے ایک صاحب ساغؔر جلیلی کی طرف سے ھجری وعیسوی لحاظ سے دو مادہ ہائے تاریخ پیش کئے گئے- ساغؔر جلیلی وہی صاحب ہیں جنہوں نے روزنامہ "احسان" کے ۳۰/مئی ۱۹۳۸ء کے اقبال نمبر میں "اقبال ایک مذہبی نقاد کی حیثیت سے" کے عنوان سے ایک مضمون رقم کیا تھا(۶۹)- نمونے کے طور پر مادہ تاریخ پیش کئے جاتے ہیں:

''مادہ ہائے تاریخ وفات حسرت آیات علامہ سر اقبال مرحوم ومغفور!

(از جناب) ساغؔر جلیلی صاحب شریف گنج امرتسر)

(۱) آہ وفات ترجمان حقیقت اقبال

۱۹ عیسوی ۳۸

(۲) علامہ اقبال ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب

۱۳ ہجری ۵۷

''

(ii) کلام اقبال کے منظوم تراجم و تضمینات

صفحہ نمبر	پہلا مصرعہ	عنوان	ماہ+سال
۳۱ - ۳۲	صیاد! خاک کھاؤں میں تیرا آب ودانا از حکیم محمد مظفر حسین اظہر دہلوی	فریاد موزوں	نومبر ۱۹۱۲ء
۳	ایک ہادی ہے مسلمانوں کا رحمان بھی ایک از منشی علی عظیم عظیم آبادی	کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک	جولائی ۱۹۱۹ء
۳	کسی کنارہ ساکن نے بحر سے یہ کہا مترجم: آزاد انصاری	درس عمل (ترجمہ)	نومبر و دسمبر ۱۹۲۹ء
۳۳	کبھی سر سے تہی دود تبختر بھی کیا تو نے از مولانا رضائے حسنین بیدل بد ایونی	تضمین بر نظم اقبال	اپریل ۱۹۳۴ء
۱۰	گلستاں میں ابھی تک کوئی بھی ہمدم نہیں میرا مترجم: محمد شرف الدین یکتا جودھپوری	گل نخستیں (ترجمہ)	جون و جولائی ۱۹۳۴ء
۱۶	نام جاری ہے زباں پر سب کی عالمگیر کا مترجم: ڈاکٹر محمد الدین تاثیر	عالمگیرؒ (ترجمہ)	مارچ ۱۹۳۷ء
۱۶	اک مفلس خود دار یہ کہتا تھا خدا سے از ساغر جلیلی	عذر شکوہ	نومبر ۱۹۳۸ء

نومبر ۱۹۱۲ء، فریاد موزوں، صیاد! خاک کھاؤں میں تیرا آب ودانا، از حکیم محمد مظفر حسین اظہر، ص ۳۱-۳۲

علامہ اقبال نے "پرندے کی فریاد" کے عنوان سے بچوں کے لئے ایک نظم لکھی - ڈاکٹر گیان چند کے مطابق یہ نظم مارچ ۱۹۰۳ء کی ہے (۷۰) - "مخزن" میں یہ فروری ۱۹۰۷ء میں اشاعت پذیر ہوئی (۷۱) - دس شعر ترک کرنے کے بعد اسے "بانگ درا" (۷۲) "میں شامل کیا گیا - "بانگ درا" میں شامل ہونے سے بہت پہلے حکیم محمد مظفر حسین اظہر دہلوی نے علامہ کی اس نظم کو "فریاد موزوں" کے عنوان سے تضمین کیا - جو "صوفی" کے اس شمارے کی زینت بنی - اس تضمین کا موازنہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ تضمین کرتے وقت اظہر دہلوی کے سامنے اس نظم کا ابتدائی متن تھا، کیونکہ متروک اشعار کی بازگشت بھی اس تضمین میں سنائی دیتی ہے - اقبال نے بچوں کے خیال سے اس نظم میں اضافتوں اور اظہار بیان کی دیگر مشکلات سے شعوری طور پر بچنے کی کوشش کی ہے جبکہ حکیم اظہر دہلوی نے اس تضمین میں کئی مقامات پر رعایت لفظی کا سہارا لینے کی کوشش میں لفظوں کو نامانوس صورت میں پیش کیا ہے - اس تضمین پر اقبال کی نظم کا عنوان درج کرتے ہوئے "پرندے کی فریاد" کی جگہ "ایک پرندے کی فریاد" لکھ دیا گیا ہے - نظم ملاحظہ فرمائیں:

"فریاد موزوں

(یعنی مسٹر اقبال کی مشہور نظم ایک پرندے کی فریاد پر تضمین)

از

حکیم محمد مظفر حسین صاحب اظہر دہلوی

صیاد! خاک کھاؤں میں تیرا آب و دانا — میرے نصیب میں ہے رنج و الم کا کھانا
آزادیاں چمن کی اب ہو گئیں فسانا — آتا ہے یاد مجہہ (مجھ) کو گزرا ہوا زمانا
وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ

وہ آشیان سے اڑنا سنکر صدا اذاں کی — وہ صبح صبح سننا خبریں جہاں تہاں کی
وہ شاہد چمن کی روزں سے تاکا جھانکی — وہ ساتہہ (ساتھ) سب کے اڑنا وہ سیر آسماں کی
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا ملکے گانا

وہ گل کو چومنا منہہ (منہ) اک شان عاشقی سے — وہ ان کا منہہ بنانا انداز دلبری سے
باد صبا کا گل کو وہ چہیڑنا (چھیڑنا) ہنسی سے — پتوں کا ٹہنیوں پر وہ جھومنا خوشی سے
ٹہنڈی (ٹھنڈی) ہوا کے پیچھے وہ تالیاں بجانا

اچھی کہی یہ ہمدم تو نے بھی حوصلہ کی — ہو کر قفس میں قیدی چھوڑوں نہ کس طرح جی

صیاد مہرباں ہے- گو بات ہے انوکھی　　آزادیاں کہاں وہ- پر اپنے گھونسلے کی

اپنی خوشی سے جانا اپنی خوشی سے آنا

وہ سرو کا دکھانا- رستم کی طرح دم خم　　اٹکھیلیاں (اٹھکیلیاں) وہ کرنا باد صبا کا پیہم

غنچوں کا مسکرانا- انداز سے وہ باہم　　لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم

شبنم کا صبح آکر پھولوں کا منہ دھلانا

مجھکو (مجھ) کو چمن صبا کی- اصلا نہیں ہے چاہت　　نہر رواں کی بالکل مجھکو نہیں ضرورت

ہاں! شاہد چمن کی بیشک گراں ہے فرقت　　وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت

آباد جسکے دم سے تھا میرا آشیانہ

وہ گل کہ زندگی ہے دل میں ہے یاد اس کی　　سامان دل لگی ہے- دل میں ہے یاد اسکی

اف دے رہی ہے دل میں چرکے سے یاد اسکی　　تڑپا رہی ہے مجھکو رہ رہ کے یاد اسکی

تقدیر میں لکھا تھا پنجرے کا آب و دانا

اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں　　ڈر ہے یہیں قفس میں میں گھٹ کے مر جاؤں

کیا پوچھتا (پوچھتا) ہے ہمدم میں کیوں کراہتا ہوں　　مشق الم- ستم کا تودہ بنا ہوا ہوں

اہل وطن کی فرقت میں- جی سے جا رہا ہوں　　کیا بدنصیب ہوں میں- گھر کو ترس رہا ہوں

ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں پڑا ہوں

آئی بہار- کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں　　عطر سرور میں وہ گویا کہ بس رہی ہیں

کیا ننھی ننھی (ننھی ننھی) بوندیں چھم چھم برس رہی ہیں　　پر اپنی آرزوئیں وقف قفس رہی ہیں

میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں

سب ہم سفیر اپنے سیریں اڑا رہے ہیں　　کچھہ (کچھ) آرہے ہیں واپس کچھہ اڑتے جا رہے ہیں

کچھہ پی رہے ہیں پانی کچھہ دانہ کھا رہے ہیں　　باغوں میں بسنے والے خوشیاں منا رہے ہیں

میں دل جلا اکیلا دکھ میں کراہتا ہوں

آتی نہیں صدائیں ان کی میرے قفس میں　　ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

صیاد مہرباں ہے- گو بات ہے انوکھی آزادیاں کہاں وہ- پر اپنے گھونسلے کی

اپنی خوشی سے جانا اپنی خوشی سے آنا

وہ سرو کا دکھانا- رستم کی طرح دم خم اٹکھیلیاں (اٹھکیلیاں) وہ کرنا باد صبا کا پیہم

غنچوں کا مسکرانا- انداز سے وہ باہم لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم

شبنم کا صبح آکر پھولوں کا منہ دھلانا

مجہکو (مجھ) کو چمن صبا کی- اصلانہیں ہے چاہت نہر رواں کی بالکل مجہکو نہیں ضرورت

ہاں! شاہد چمن کی بیشک گراں ہے فرقت وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت

آباد جسکے دم سے تھا میرا آشیانہ

وہ گل کہ زندگی ہے دل میں ہے یاد اس کی ساماں دل لگی ہے- دل میں ہے یاد اسکی

اف دے رہی ہے دل میں چرکے سے یاد اسکی تڑپا رہی ہے مجہکو رہ رہ کے یاد اسکی

تقدیر میں لکھا تھا پنجرے کا آب و دانا

اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں ڈر ہے یہیں قفس میں میں گھٹ کے مر جاؤں

کیا پوچہتا (پوچھتا) ہے ہمدم میں کیوں کراہتا ہوں مشق الم- ستم کا تودہ بنا ہوا ہوں

اہل وطن کی فرقت میں- جی سے جا رہا ہوں کیا بدنصیب ہوں میں- گھر کو ترس رہا ہوں

ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں پڑا ہوں

آئی بہار- کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں عطر سرور میں وہ گویا کہ بس رہی ہیں

کیا نہی نہی (ننھی ننھی) بوندیں چھم چھم برس رہی ہیں پر اپنی آرزوئیں وقف قفس رہی ہیں

میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں

سب ہم سفیر اپنے سیریں اڑا رہے ہیں کچہ (کچھ) آرہے ہیں واپس کچہ اڑتے جا رہے ہیں

کچہ پی رہے ہیں پانی کچہ دانہ کھا رہے ہیں باغوں میں بسنے والے خوشیاں منا رہے ہیں

میں دل جلا اکیلا دکھ میں کراہتا ہوں

آتی نہیں صدائیں ان کی میرے قفس میں ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

ارمان ہے یہ جی میں اڑ کر چمن کو جاؤں اہل وطن کو دیکھوں (دیکھوں) سب کو گلے لگاؤں

آزادی قفس کا قصہ انہیں سناؤں روؤں خوشی سے خود بھی اور انکو بھی رولاؤں

ٹہنی پہ گل کی بیٹھوں (بیٹھوں) آزاد ہو کے گاؤں

دکھ دے رہا ہے دل کو اس قید کا اندھیرا آ شمعؔ حریت تو آزاد اس سے کر جا

اڑتا پھروں چمن میں بے روک ٹوک ہر جا بیری کی شاخ پر ہو- ویسا ہی پھر بسیرا

اس اجڑے گھونسلے کو پھر جا کے میں بساؤں

کہتے ہیں لوگ یوں تو- چارہ نہیں قضا سے جاگے ہماری قسمت- پر ہے دعا خدا سے

سیریں ہوں پھر چمن کی- باتیں ہوں پھر ہوا سے چگتا پھروں چمن میں دانے ذرا ذرا سے

ساتھی جو ہیں پرانے ان سے ملوں ملاؤں

پھر دن پھریں ہمارے- پھر سیر ہو وطن کی اڑتے پھریں خوشی سے- کھائیں ہوا چمن کی

تن من جلا چکا ہوں اب مجھہ میں کیا رہا ہے مدت سے میرے دل کو سودا سا ہو گیا ہے

سچ قول ہے- کسی کا- غم بھی بری بلا ہے جب سے چمن چھٹا ہے- یہ حال ہو گیا ہے

دل غم کو کھا رہا ہے غم دل کو کھا رہا ہے

کیا جانیں یہ مصائب آزاد رہنے والے کچھہ ہی کہا کریں یوں- کہنے کو کہنے والے

ہاں جانتے ہیں دل کی کچھہ رنج سہنے والے گانا اسے سمجھہ کر خوش ہوں نہ سننے والے

دکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے

زندہ رہا ہوں- اب تک امید کے سہارے گر ہو رہائی اپنی- پھر دن پھریں ہمارے

پھر قافلہ غموں کا دل سے مرے سد ہارے آزاد غمسے رہکر جس نے ہوں دن گزارے

اس کو بھلا خبر کیا- یہ قید کیا بلا ہے

آزاد مجھکو کر دے او قید کرنیوالے میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے''

جولائی ۱۹۱۹ء، کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک، ایک ہادی ہے مسلمانوں کا رحمان بھی ایک، از منشی علی عظیم عظیم آبادی، ص ۳

۳۰ رنومبر ۱۹۱۲ء کو علامہ اقبال نے لاہور کے ایک جلسے میں اپنی مشہور نظم " جواب شکوہ " پیش کی- نظم انتہائی پر تاثیر تھی- بہت مقبول ہوئی- چنانچہ کئی

شعرائے کرام نے اس سے متاثر ہو کر اقبال کی تقلید میں جواب شکوہ تصنیف کئے۔منشی علی عظیم نے اس کے انتہائی اہم اور زباں زد عام بند جو "بانگ درا"[(۷۳)] میں "جواب شکوہ" کا تیرہواں بند ہے کا انتخاب کیا اور اس پر ایک عمدہ تضمین پیش کی جو "صوفی" کے اس شمارے میں شائع ہوئی۔اقبال کا بند مسدس صورت میں تھا۔منشی علی عظیم نے دو بند مخمس میں اس تضمین کو پیش کیا اور اقبال کے ایک مصرعے کو ہی عنوان بنا کر درج کیا۔نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

تضمین بر اشعار ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے

(از جناب منشی علی عظیم صاحب عظیم آبادی)

ایک ہادی ہے مسلمانوں کا رحمان بھی ایک ایک ہی قبلہ و کعبہ ہے نگہبان بھی ایک
ساز ہے ایک پنپنے کا ہے سامان بھی ایک منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی ایمان بھی ایک

کلمہ ایک ہے میدان بھی چوگان بھی ایک ایک ہی حکم ہے سب کیلئے فرمان بھی ایک
سب کے اجداد عظیم ایک ہیں اقران بھی ایک حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک'

نومبر دسمبر ۱۹۲۹ء، درس عمل (ترجمہ)، کسی کنارہ ساکن نے بحر سے یہ کہا، ترجمہ از آزاد انصاری، ص ۳

آزاد انصاری کا نام "صوفی" کے ایک شمارے میں " کلام آزاد" کے زیر عنوان ان کی غزل ع "نہ پوچھو کون ہیں، کیوں راہ میں ناچار بیٹھے ہیں" کے ساتھ "حکیم آزاد انصاری[(۷۴)] " بھی شائع ہوا ہے۔"صوفی" کی اس اشاعت میں انہوں نے علامہ اقبال کی ایک مختصر فارسی نظم کا ترجمہ پیش کیا اور ترجمے سے قبل علامہ کی اس نظم کے متن کو بھی درج کر دیا۔یہ نظم "درس عمل" کے عنوان سے چار مصرعوں پر مشتمل ہے۔علامہ کے پیش کردہ متن کا جائزہ اس مقالے کے "باب چہارم" میں پیش کر دیا گیا ہے۔یہاں صرف ترجمہ زیر بحث ہے۔علامہ اقبال نے نظم میں اپنے خیال کو چار مصرعوں میں پیش کیا تھا۔جبکہ آزاد انصاری نے اس خیال کو اردو میں منتقل کرنے میں چھ مصرعے استعمال کئے۔اس فرق کی ایک وجہ تو اقبال کے کلام کی جامعیت ہے۔دوسرے آزاد انصاری نے خیال کو مجروح کئے بغیر واضح اور سہل انداز میں قاری تک پہنچانے کی کوشش کی ہے جس کے باعث تھوڑا سا پھیلاؤ آ جانا فطری تھا۔بہر حال حکیم آزاد انصاری کے اس ترجمے کو کامیاب ترجمہ سمجھنا چاہئے، کیونکہ اس میں علامہ کا مفہوم پوری طرح سما گیا ہے۔آزاد انصاری کا یہ ترجمہ "مہک[(۷۵)] " میں بھی موجود ہے۔یہاں بھی آزاد انصاری کے نام کے ساتھ "حکیم" لکھا گیا ہے۔"صوفی" اور "مہک" میں پیش کردہ ترجمے کے متن کا موازنہ کیا جائے تو چوتھے مصرعے میں ایک اختلاف نظر آتا ہے۔"صوفی" کی اشاعت سے نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

درسِ عمل

علامہ سر اقبال

ساحل افتادہ گفت گرچہ بسے زیستم　　لیک نہ معلوم شد آہ کہ من کیستم

موج زخود رفتہ تیز خرامید و گفت　　ہستم اگر میروم، گر نہ روم نیستم

ترجمہ آزاد انصاری

کسی کنارہ ساکن نے بحر سے یہ کہا　　اگر چہ خلق ہوئے مجھ کو مدتیں گزریں

مگر ہنوز عجب گومگو کا عالم ہے　　نہ زندگی ہی مسلم، نہ موت ہی کا یقیں (۷۶)

سنا جو موج نے لہرا کے یہ جواب دیا

''اگر رواں ہوں تو زندہ سمجھ، نہیں تو نہیں''

اپریل ۱۹۳۴ء، تضمین بر نظم اقبال، کبھی سر سے تہی دود تبختر بھی کیا تو نے، از مولنا رضائے حسنین بیدل بدایونی، ص ۳۳

یہ تضمین علامہ اقبال کی مشہور و معروف نظم " خطاب بہ جوانان اسلام " ع " کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟" جو " بانگ درا (۷۷) " میں موجود ہے پر مشتمل ہے۔" بانگ درا" میں یہ نظم بارہ اشعار کی حامل ہے، جسے تضمین کرتے ہوئے بیدل بدایونی نے نو بند مخمس کی صورت میں پیش کیا اور کوئی موثر یا خاص عنوان قائم کرنے کی بجائے اس کا عنوان " تضمین بر نظم اقبال " مقرر کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بیدل بدایونی نے بڑی مہارت سے علامہ کی نظم کے اردو مصرعوں کو اردو اور فارسی مصرعوں کو فارسی مصرعوں کے ساتھ تضمین کیا ہے۔ لیکن علامہ کے مصرعے ان کے مخصوص ذہنی افق، تاریخی شعور، مہارت فن اور استعداد کی بدولت تضمین ہونے کے باوجود نمایاں نمایاں نظر آتے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

''تضمین بر نظم اقبال

از مولنا رضائے حسنین صاحب بیدل بدایونی

کبھی سر سے تہی دود تبختر بھی کیا تو نے　　زبوں حالی کا اپنی کچھ تصور بھی کیا تو نے

کبھی اپنے تنزل پر تفکر بھی کیا تو نے　　کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

وہی تو ہے کبھی تھی دھاک جسکی ساری خلقت میں
وہی تو ہے نظیر اپنی جو تھا ایثار و غیرت میں
وہی تو ہے فرید عصر تھا جو ہر فضیلت میں
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں سے تاج سردارا

دل کسریٰ و سیزر پر بھی ہیبت جس کی تھی طاری
تھا مولد اس کا وہ تھی آب وگل میں جس کے بیداری
عیاں ہر ذرہ خاکی سے جس کی حکمت آثاری
تمدن آفریں خلاق آئین جہانداری
وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گہوارہ

غم عقبیٰ کبھی بھولے نہ جو دنیا کی عشرت میں
نہ یاد حق سے جو غافل ہوئے پایان ثروت میں
مطاع خلق ہو کر بھی رہے شغل اطاعت میں
سماں الفقر فخری کا رہا شان امارت میں
بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

تنزل خو! ترقی تیری فطرت ہو نہیں سکتی
وہ جرات ہو نہیں سکتی وہ شوکت ہو نہیں سکتی
کبھی اسفل کی اعلیٰ کی سی حالت ہو نہیں سکتی
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا

مقدر کا لکھا قسمت کی خوبی شامت آئی تھی
بگاڑی بات سب ہم نے جو اگلوں نے بنائی تھی
وہ سب برباد کر دی آہ جو احسن کمائی تھی
گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

نہ ہم میں دین کی غیرت نہ ہم میں لاج دنیا کی
نہ ہم میں خلق اسلامی نہ ہم میں برتری باقی
مزا یہ ہے کہ ہم کھو کر رہے سب آدمیت بھی
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا

لٹی دولت کیا اب تک ہیں مگر اکثر نشاں باقی
یہ نظارہ بھی ہے مایوس کن سمجھے اگر کوئی
چڑھی اغیار کے ہتے وہ سب انمول پونجی بھی
وہ کیا شے؟ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

کہ گفتہ بے محل راز نہفتہ آشکارا کن
سخن کوتاہ قصہ مختصر ختم تمنا کن
چو بیدلؔ دیدہ عبرت نگر رالحظہ واکن
غنیؔ روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نوردیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را''

جون وجولائی ۱۹۳۴ء، گل نخستیں، گلستاں میں ابھی تک کوئی بھی ہمدم نہیں میرا، از محمدؐ شرف الدین یکتا جودھپوری، ص ۱۰

یکتا جودھپوری کا شمار راجستھان کے نیک طینت شاعروں میں ہوتا ہے- وہ ۷/اپریل ۱۹۸۷ء کو کراچی میں فوت ہوئے (۷۸) -"صوفی" میں ان کا کلام اور مضامین شائع ہوتے رہے- اقبال سے انہیں بڑا لگاؤ تھا- اکثر دیگر موضوعات پر قلم اٹھاتے ہوئے بھی اقبال کو فراموش نہیں کرتے تھے- فکر اقبال سے استفادہ کرتے اور ان کے اشعار سے اپنی تحریروں کو مزین کرتے- جیسے جولائی واگست ۱۹۳۳ء کے "صوفی" میں "فتح سندھ (۷۹)" کے عنوان سے ایک مضمون لکھتے ہوئے انہوں نے "شکوہ (۸۰)" کے چھٹے بند سے ٹیپ کے شعر کو پیش کیا- اقبال سے ان کی انسیت اقبال کی زندگی میں نکلنے والے "نیرنگ خیال" کے اقبال نمبر میں شامل پچاس اشعار کے حامل نو بندوں کی نظم "بزم خیال" سے بھی ظاہر ہوتی ہے- جس میں انہوں نے عالم بالا میں اقبال کو سرور کائناتؐ کے حضور دکھایا ہے اور اقبال کو "رند پارسا" اور "مرد یکتا" کہا ہے (۸۱) - یکتا جودھپوری نے "پیام مشرق" کے حصہ "افکار" کی پہلی نظم "گل نخستیں (۸۲)" جس کے پانچ اشعار ہیں کا منظوم اردو ترجمہ کیا جو "صوفی" کی اس اشاعت میں شامل ہوا- یہ ترجمہ کوئی اچھا تاثر قائم نہیں کر پاتا- اس کا عیب یہ ہے کہ یکتا جودھپوری نے اسے لفظی ترجمہ بنا ڈالا ہے- اقبال کی فارسی نظم کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یکتا جودھپوری کی کوشش یہ رہی کہ جس حد تک ممکن ہو سکے لفظیات سے بھی انحراف نہ کیا جائے- جیسے اقبال نے اپنی نظم میں "خط زندگی" کے الفاظ استعمال کیے تو یکتا نے بھی یہی الفاظ اردو ترجمے میں شامل کر لیے- علامہ نے "برگ رنگینم" لکھا تو یکتا نے ترجمے میں اسے ''برگ رنگیں'' لکھا- اقبال نے ''جلوہ فردا'' لکھا تو یکتا نے اس کا ترجمہ "جلوہ آئندہ" کیا- اقبال نے "تازہ آئینم" لکھا تو یکتا نے اسے "تازہ آئیں" رقم کیا- اسی طرح "دلم بہ دوش" کا ترجمہ "دوش دل میں" اور "نگاہم بہ عبرت امروز" کا "عبرت امروز نظروں میں" کیا گیا- لہٰذا راقمہ کا خیال ہے کہ شاعر کی ساری توجہ لفظوں کی جانب مبذول ہو جانے کے باعث علامہ کا خیال اپنی تمام تر پہنائیوں کے ساتھ ترجمے میں منتقل نہیں ہو پایا- ترجمے کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

,,گل نخستیں

علامہ اقبالؔ کی ایک فارسی نظم کا ترجمہ

از جناب محمدؐ شرف الدین صاحب یکتا جودھپوری

گلستاں میں ابھی تک کوئی بھی ہمدم نہیں میرا — بہار جانفزا آئی ہوں (ہے) لیکن میں اکیلا ہوں

یونہی شاید نظر آ جائے کوئی دوسری صورت — لب جو اپنی پرچھائیں کا میں نظارہ کرتا ہوں

اسی کلک قضا نے جس نے خط زندگی لکھا — لکھا پیغام عبرت ایک میرے برگ رنگیں پر

ہے فکر دوش دل میں عبرت امروز نظروں میں — فدا ہوں جلوۂ آئندہ پر اور تازہ آئیں پر

نکل کر خاک تیرہ سے لباس گل میں در آیا

میں ورنہ خوشہ پرویں کا ہوں ٹوٹا ہوا تارا"

مارچ ۱۹۳۷ء، عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ (ترجمہ)، نام جاری ہے زباں پر سب کی عالمگیر کا، ترجمہ از ڈاکٹر محمد الدین تاثیر ص ۱۶

ڈاکٹر محمد الدین تاثیر (۲۸ فروری ۱۹۰۲ء ـــــ ۳۰ نومبر ۱۹۵۰ء) کو زمانہ طالب علمی سے ہی علامہ اقبال کے نیاز حاصل رہے۔ علامہ اقبال سے پہلی ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب وہ ایف۔سی کالج لاہور میں انٹر کے طالب علم تھے۔ اس کے بعد تاثیر کی ہر شام ان ہی کے ساتھ گزرنے لگی (۸۳)۔ علم و ادب، شاعری خصوصاً آرٹ سے انہیں گہری دلچسپی تھی۔ آرٹ کی داخلیت خارجیت، انڈین آرٹ کی خصوصیات اور فن کے جدید رجحانات پر خوب اظہار خیال کرتے تھے (۸۴)۔ اقبال بھی تاثیر کی علمی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے مداح و قدر دان تھے (۸۵)۔ تاثیر انگریزی زبان و ادب میں ایم۔اے اور اسلامیہ کالج لاہور میں لیکچرار تھے (۸۶)۔ اقبال نے ہی ان کی صلاحیتوں کے پیش نظر انہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان جانے کا مشورہ دیا جہاں سے تاثیر نے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی اور ایم۔اے۔او کالج امرتسر، سری پرتاب کالج سری نگر اور اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ تاثیر کے نجی معاملات و مسائل کو سلجھانے میں بھی اقبال دلچسپی لیتے رہے۔ جب تاثیر انگلستان سے انگریز خاتون کرسٹابل کو ساتھ لائے تو گھر والوں کے ردعمل کا سامنا کرنا پڑا، اس موقعے پر تاثیر کے والد میاں نظام الدین کو اقبال نے ہی رضامند کیا اور کرسٹابل کو باقاعدہ مسلمان کر کے اسلامی نام بلقیس رکھا۔ علالت و نقاہت کے باوجود علامہ نے خود تاثیر کے نکاح کے سلسلے میں اقرار نامہ قبل از نکاح تحریر کیا، جس پر ۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کی تاریخ رقم ہے۔ اور اقبال نے گواہ کی حیثیت سے اپنے دستخط ثبت کئے ہیں (۸۷)۔

"صوفی" سے محمد الدین تاثیر کا تعلق خصوصاً اس زمانے میں قائم ہوا جب پہلی مرتبہ "صوفی" کی ادارت نومبر ۱۹۲۷ء سے لے کر اکتوبر ۱۹۲۸ء تک ملک محمد الدین اعوان کے فرزند اکبر ملک محمد اسلم خاں، جو اس وقت بی۔اے (کیمبرج) تھے کے ہاتھ رہی۔ ملک اسلم ادبی ذوق کے مالک تھے چنانچہ ادب سے دلچسپی کے ناتے ان کی شناسائی ہوئی اور محمد الدین تاثیر نے خصوصیت سے "صوفی" کے لئے قلم اٹھایا۔ "صوفی" کے اپریل و مئی ۱۹۲۸ء کے عید نمبر میں ان کا ایک مضمون "رسم قربانی کی مصلحت" شائع ہوا ہے۔ جس پر توسین میں "خاص برائے صوفی" کے الفاظ درج ہیں (۸۸)۔ ملک محمد اسلم خاں کچھ سالوں کے وقفے سے ستمبر ۱۹۳۰ء سے پھر "صوفی" کی ادارت میں "ڈائریکٹر آف پالیسی" کی حیثیت سے مسلسل شامل رہے۔ اسی دوران "صوفی" کی مارچ ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں ڈاکٹر محمد الدین تاثیر کا وہ منظوم ترجمہ شائع ہوا جو انہوں نے علامہ اقبال کی ایک نظم "حکایت شیر و شہنشاہ عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ" سے کیا تھا۔ علامہ کی یہ نظم "رموز بے خودی (۸۹)" میں موجود ہے۔ ڈاکٹر تاثیر کا یہ ترجمہ "عالمگیر!" کے عنوان سے سب سے پہلے ۱۹۳۲ء میں "نیرنگ خیال (۹۰)" کے اقبال نمبر میں شائع ہوا۔ روزنامہ "انقلاب" نے اسے ۲۶ر جنوری ۱۹۳۷ء کے ہفتہ وار ایڈیشن میں پیش کیا (۹۱)۔ "انقلاب" کے بعد مجلّہ "صوفی" نے اپنی اس اشاعت میں اسے پیش کیا۔ راقمہ کا خیال ہے کہ "صوفی" نے اسے روزنامہ "انقلاب" سے نقل کیا۔ گو حوالہ درج نہیں کیا گیا۔ ایک تو "صوفی" کی اشاعت "انقلاب" کے

قریب کے زمانے کی ہے، دوسرے متنی موازنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ "صوفی" کا متن کافی حد تک "انقلاب" کے مطابق ہے- یہ ترجمہ "حیات اقبال کے چند مخفی گوشے"(۹۲)، "مہک"(۹۳) اور "نقوش"(۹۴) میں بھی موجود ہے- "حیات اقبال کے چند مخفی گوشے" میں اسے "انقلاب" سے نقل کیا گیا ہے- اسی طرح "نقوش" میں اضافے کے ساتھ "نیرنگ خیال" کے ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۲ء کے اقبال نمبر کو قند مکرر کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس سے "نیرنگ خیال" میں پہلی مرتبہ شائع ہونے والا یہ ترجمہ مکرر سامنے آ گیا ہے- علامہ اقبال کی نظم چھبیس اشعار کے دو بندوں پر مشتمل تھی- ڈاکٹر تاثیر نے پندرہ اشعار میں اس کا ترجمہ پیش کیا ہے- یہ ترجمہ آزاد ترجمے کے ذیل میں آتا ہے کیونکہ ڈاکٹر تاثیر نے لفظیات و تعداد اشعار اور ترتیب مضامین کے سلسلے میں کسی نوعیت کی پابندی کو روا نہیں رکھا اور علامہ کے مافی الضمیر کو پوری وضاحت اور روانی کے ساتھ کچھ ایسے انداز میں بیان کیا ہے کہ ترجمہ ہوتے ہوئے بھی نظم میں تخلیقی شان نمایاں ہے- "صوفی" کے ترجمے اور دیگر متون کے موازنے سے اختلافات بھی نظر آتے ہیں- نمونہ ملاحظہ ہو:

"عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ

حضرت علامہ اقبال کی ایک فارسی نظم کا ترجمہ

از جناب ڈاکٹر محمد الدین صاحب تاثیر ایم، اے، پی، ایچ، ڈی پرنسپل ایم، اے، او کالج امرتسر

نام جاری ہے زباں پر سب کی عالمگیر کا — دبدبہ ہر دل پہ ہے اس صاحب شمشیر کا

کون عالمگیر وہ فرماں دہ(۹۵) دنیاء و دیں — وہ کہ(۹۶) ترکش میں ہمارے تھا خدنگ آخریں

وہ کہ میدان وغا میں دن کو گر استادہ تھا — شب کو رہن خرقہ و عمامہ و سجادہ تھا

ایک دن وہ صاحب زیبائش تاج و سریر — وہ کہ سلطانوں کا سلطاں(۹۷) فقیروں کا فقیر

آخر شب سیر کی خاطر وہ تنہا چل دیا — جانے کس عالم میں تھا جنگل کا رستہ لے لیا

شہر میں گو نور و ظلمت میں ابھی پیکار تھی — صبح اس جنگل میں لیکن مطلع انوار تھی

شاہ حق آگاہ کا سر جھک گیا بہر نماز — لے گیا حسن حقیقت کی طرف حسن مجاز

ناگہاں اک شیر آ نکلا(۹۸) شجر کی آڑ سے — چرخ گردوں کانپ اٹھا اس کی اک چنگھاڑ سے

بوئے انساں سوئے انساں بن گئی خود رہنما — شیر نے اک جست کی اور پشت شہ پر آ پڑا

شاہ عالمگیر نے مڑ کر نظر تک بھی نہ کی — ہاں مگر تیغ دو دم اپنی اسی دم کھینچ لی

ڈر کی گنجائش کہاں قلب شہ جرار میں — شیر قالیں شیر بیشہ کو کیا اک وار میں

پھر اسی صورت سے جاری ہو گیا دور نماز(۹۹) — پھر ہوئے قائم خدا و بندہ کے راز و نیاز(۱۰۰)

نام تو جاری زبانوں پر ہے عالمگیر کا دل بھی ہے سینے[۱۰۱] میں کیا اس صاحب شمشیر سا

دل ترا لبریز خوف حق سے ہے گر زندہ ہے مردہ ہے تو غیر کی ہیبت سے گر لرزندہ ہے

جلوۂ حق ہو سکے جس سے[۱۰۲] وہی دل چاہئے

ایسی لیلیٰ کے لئے[۱۰۳] ایسا ہی محمل چاہئے"

نومبر ۱۹۳۸ء، عذر شکوہ، اک مفلس خوددار یہ کہتا تھا خدا سے، از ساغر جلیلی، ص ۱۶

اس شمارے میں شریف گنج امرتسر کے ساغر جلیلی کی طرف سے اقبال کے دو مادہ ہائے تاریخ اور "عذر شکوہ" کے عنوان سے یہ تضمین ایک ہی صفحے پر اوپر تلے اشاعت پذیر ہوئیں- مادہ تاریخ کو اس باب کے حصہ "الف" کے جز و اول میں پیش کر دیا گیا ہے- ۱۹۳۸ء میں "صوفی" کی اشاعت کا حال بھی وہیں بیان کر دیا گیا ہے- "عذر شکوہ" کے عنوان سے ساغر جلیلی نے "بال جبریل[۱۰۴]" کے "سوال" نامی ایک قطعہ کو تضمین کیا ہے- اقبال کا قطعہ چار مصرعوں کا ہے جسے ساغر جلیلی نے دو بند مسدس کی صورت میں تضمین کیا ہے- ساغر جلیلی نے اس تضمین میں بڑی چابکدستی کا ثبوت دیا ہے- انہوں نے فکری اعتبار سے اقبال کے مصرعوں کو اس طرح کھپایا ہے کہ اقبال کے مصرعے اس تضمین کا لازم و ملزوم حصہ نظر آتے ہیں اور ذہن اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ ان مصرعوں کی تضمین سے الگ بھی کوئی حیثیت ہے- پھر ساغر جلیلی نے تضمین کا مناسب و موزوں عنوان درج کر کے اس کی معنویت کو اجاگر کر دیا ہے- نمونہ ملاحظہ ہو:

"عذر شکوہ

(علامہ اقبالؒ کے ایک قطعہ پر تضمین)

اک مفلس خوددار یہ کہتا تھا خدا سے

میں کر نہیں سکتا، گلہ درد فقیری! (اقبالؒ)

منعم ہیں اگر اہل ریا- میری بلا سے!

حاصل ہے غریبوں کو فقیری میں امیری

نادار ہیں- قلاش ہیں- ہر حال میں خوش ہیں

محنت ہی زر و مال ہے- اس مال میں خوش ہیں

لیکن یہ بتا- تیری اجازت سے فرشتے!

کرتے ہیں عطا- مرد فرومایہ کو میری؟ (اقبالؒ)

واقف بھی ہیں- اس مرد کی فطرت سے فرشتے

ہے تشنہ خون غربا؟ جس کی کبیری!

فاسق ہیں- ستمگر ہیں- ریا کار ہیں منعم!

کیا تیری عنایت کے سزاوار ہیں منعم؟"

ب) نثر کے نمونے

ماہ+سال	عنوان مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
مارچ ۱۹۱۶ء	سراسرار خودی	خواجہ حسن نظامی	۴-۱۱
جولائی ۱۹۱۸ء	رموز بے خودی	مرزا سلطان احمد	۱۳-۱۶
ستمبر ۱۹۱۸ء	مثنوی رموز بیخودی	نا معلوم	۲۲-۲۴
اپریل ۱۹۲۳ء	پیغام مشرق	محمد حسین	۱۱-۲۰
مارچ ۱۹۲۶ء	فلسفہ اقبال	اکرام الحق سلیم	۳۱-۳۷
اپریل ۱۹۳۱ء	ایک علیحدہ مسلمان صوبہ۔سر محمد اقبال کی زبردست تجویز!	"ایک اعتدال پسند ہندو کے قلم سے"	۴۵-۴۷
مئی ۱۹۳۱ء	ہندی اسلامی ریاست	سید نذیر نیازی	۴۳-۸۴
ایضاً	مسلم نمائندگان اور گاندھی صاحب کی دہلی کی گفتگو	ایک چشم دید گواہ کا بیان	۵۶-۵۸
جون و جولائی ۱۹۳۴ء	اقبال اور اسلامیات	بشیر ارکونم	۴۵-۴۸
اکتوبر ۱۹۳۷ء	پس چہ باید کرد اے اقوام شرق	سید بشیر الدین احمد	۷-۲۰

مارچ ۱۹۱۶ء، سراسرارخودی، ازخواجہ حسن نظامی، ص ۴-۱۱

۱۲ رستمبر ۱۹۱۵ء کو "اسرارخودی" پہلی بار کتابی صورت میں چھپ کر سامنے آئی، تو حافظ کی فکر پر کئے گئے علامہ کے اعتراض طبقہ صوفیاء کو پسند نہ آئے۔ چنانچہ علامہ کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ علامہ کے دیرینہ شناسا اور دوست خواجہ حسن نظامی بھی دوستی ایک طرف رکھ کر اس نظریاتی جنگ میں علامہ کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ خود بھی زوردار مضامین لکھے اور دوسروں سے بھی لکھوائے [(۱۰۵)]۔ اسی سلسلے میں خواجہ حسن نظامی کا ایک مضمون "سراسرارخودی" کے عنوان سے ۳۰ رجنوری ۱۹۱۶ء [(۱۰۶)] کو دہلی کے ہفت روزہ "خطیب" میں شائع ہوا۔ اقبال کی مخالفت کے لحاظ سے یہ مضمون ایسا معرکے کا تھا کہ اقبال کو اس مضمون کا نام لے کر اکبرالہ آبادی سے شکایت کرنا پڑی۔ اکبرالہ آبادی کے نام ۴ رفروری ۱۹۱۶ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ "چونکہ میں نے خواجہ حافظ پر اعتراض کیا ہے۔ اس واسطے ان (خواجہ حسن نظامی) کا خیال ہے، میں تحریک تصوف کو دنیا سے مٹانا چاہتا ہوں۔ 'سراسرارخودی' کے عنوان سے انہوں نے ایک مضمون خطیب میں لکھا ہے جو آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ جو پانچ وجوہ انہوں نے مثنوی سے اختلاف کرنے کے لکھے ہیں۔ انہیں ذرا غور سے ملاحظہ فرمایئے [(۱۰۷)]۔" مجلّہ "صوفی" میں شروع سے ہی خواجہ حسن نظامی کی تحریریں شائع ہوتی تھیں اور مدیر "صوفی" سے ان کے مراسم بھی قائم تھے، جن کا ذکر باب سوم میں آیا ہے نیز طبقہ صوفیاء کی آواز کو پیش کرنا بھی مجلّہ "صوفی" کا فرض تھا۔ چنانچہ "صوفی" میں "سراسرارخودی" کو خطیب سے حوالہ ماخذ درج کرتے ہوئے نقل کیا گیا۔ کتب اقبالیات میں "اسرارخودی" کی مخالفت پر علامہ کی جوابی تحریریں تو دستیاب ہیں تاہم اقبالیات سے تعلق رکھنے کے باوجود یہ مضمون اقبالیات کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔ اگرچہ اکبرالہٰ آبادی کی مداخلت کے باعث فریقین میں جنگ بندی ہوگئی تھی اور دونوں کے تعلقات معمول پر رہے بلکہ خواجہ حسن نظامی نے ۱۹۵۲ء کی ایک تحریر میں اقبال اور ان کے درمیان کسی قسم کا اختلاف باقی نہ رہنے اور اقبال کے خیالات کے حامی بن جانے کا اعلان تک کردیا [(۱۰۸)]۔ اس کے باوجود بھی "سراسرارخودی" کی تاریخی حیثیت برقرار رہتی ہے۔ لہٰذا نمونے کے طور پر درج کیا جاتا ہے:

"سراسرارخودی

(از سیدی ومولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب)

قلم کی زبان درازیاں ہوتی آئی ہیں، ہوتی رہیں گی، شاعروں کی طرازیوں سے کس پہاڑ کی چوٹی اور کس وادی کی ایڑی محفوظ رہی ہے تخیلات کے طوفانوں سے کون سا دریا اور خاکستان بچا ہے۔ ہر سکون میں انہوں نے برہمی ڈالی ہے ہر اجتماع ان سے پراگندہ ہوا ہے۔ مسجود خودی خدا نے اپنے قرآن میں فرما دیا تھا:

والشعر ایتبعهم الغاون — الم تر انهم فی کل واد یهیمون وانهم یقولون مالا تفعلون — پارہ ۱۹ - سورہ شعراء

شاعروں کے پیرو گمراہ ہوتے ہیں کیا تم نے دیکھا نہیں کہ شاعر لوگ (تخیلات) کے ہر میدان میں سر ٹکراتے پھرا کرتے ہیں۔ (اور یہی وجہ ہے کہ) جو وہ کہتے ہیں کرتے نہیں،

جذبات ان کے معبود- دنیا کے لہو ولعب ان کے مطلوب حیات جسمانی کی لذتوں پر فریفتہ، اسباب مادی پر شیفتہ آخرت کی بہار سے انکار یا موجود کو چھوڑ کر موعود سے بیزار- ان کی خودی کا خون عیش دنیا کے ہیجان پتلے میں دوڑتا ہے- یہ طیب عاقبت پر خبیث دنیا کو ترجیح دینا چاہتے ہیں- اورنہیں سمجھتے (سمجھتے) کہ،

لا یستوی الخبیث والطیب- والو اعجبک کثرت (کثرۃ) الخبیث پارہ ۷/سورہ مائدہ پاک وناپاک برابرنہیں ہیں-اگرچہ تم کو ناپاک کی کثرت دیکھکر تعجب آئیگا،

یارجانم ڈاکٹر اقبال ان شاعروں میں نہ تھے مگر مثنوی اسرارخودی لکھ کر زبردستی اس رجسٹر میں درج ہونا چاہتے ہیں ان کی اسلامی خودی کا یہ تقاضا نہ تھا- لیکن یورپ جاکران کی آنکھوں نے زندگی کا ایک ترقی یافتہ طلسم دیکھا جس سے وہ بےخود ہوگئے اور غرتھم الحیات(الحوٰۃ) الدنیا پارہ ۷/سورہ انعام (اس) دنیاوی زندگی نے ان کو دہوکہ (دھوکا) دیدیا،

وہ بلاد مغرب میں کتاب پڑھنے گئے تھے- گمراہی کی خریداری کی ان کوکس نے اجازت دی تھی اورخرید لی تھی تو اس کی تجارت کر کے دوسروں کو گمراہ کرنے کا ان کو کیا حق حاصل تھا،

اوتو نصیباً من الکتاب- یشترون الضلالۃ ویریدون ان یضلو السبیل پارہ ۵ ان کو کتاب کا حصہ ملا تھا (مگر) انہوں نے گمراہی خریدی اوردوسروں کو گمراہ کرنے کی ٹھان لی،

مثنوی اسرارخودی کے الفاظ سونے کی گنیاں ہیں جوآجکل مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں- اسکی شاعرانہ نزاکتیں آبدوزکشتیاں ہیں جواپنے نازوانداز سے اندرہی اندرچھپکر بڑے سے بڑے جہاز کو ڈبوسکتی ہیں اس میں خودشناسی اورخودداری کی تلقین ہے- جس کا قرآن نے وفی انفسکم افلا تبصرون (اپنے نفوس کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے) کہکر حکم دیا تھا،

مگرمثنوی کہنے والوں نے اس حکم کی تعمیل میں یہ وعظ نامہ شائع نہیں کیا نسوا ما ذکر وبہ بھول گئے جوان کو سمجہایا (سمجھایا) گیا تھا- بلکہ جرمنی (جرمن) شاعرگوئٹے اورمغربی فلاسفروں کے فیضان سے متاثر ہوکر یہ توریت نازل ہوئی ہے گویا

ملک بیضا سے ید بیضا

کا معجزہ یہ کلیم لیکراترا ہے اپنی مثنوی کے صفحہ ۸ میں خود کہتے ہیں ؎

نا امید استم ز یاران قدیم

طورمن سوزد کہ می آید کلیم

میں قدیمی یاروں سے ناامید ہوگیا ہوں کلیم کی آمد سے میرا طور جل جائے،

مغربی سحر سے محسور (مسحور) ہو کر یہ گورے ملکوں کا کلیم اپنے قدیمی طور کے جلوؤں کو سوختہ کرنے پر آمادہ ہے ان کا بیان ہے کہ پیر گردوں نے ان کو یہ اسرار تعلیم کئے ہیں ع

پیر گردوں با من ایں اسرار گفت

مثنوی صفہ (صفحہ) ۱۱ یعنی الٰہی کتاب کی تعلیم نہیں ہے- جب یہ نہیں ہے تو الٰہی کتاب کا فتویٰ یہ ہے کہ فلما نسوا ماذکر وابہ- فتحنا علیھم ابواب کل شئ حتی اذا فرحوابما اوتو اخذناھم(نٰھم) بغتتۃ(بغتۃ) فاذا ھم مبلسون پارہ ۷ سورہ انعام

پس جب وہ ہماری تعلیم کو بھول گئے تو ہم نے ان پر (ترقی دنیا) کے ہر راز کو کھول دیا یہانتک کہ وہ (ہماری) اس عطا سے خوش ہو گئے- تو یکایک ہم نے ان کو دہر گھسیٹا- جب وہ لگے بے آس و مایوس ہونے،

اس فتویٰ کا عمل درآمد استاد و شاگرد کی تمیز نہیں کرتا- دکھا رہا ہے دکھا دیگا- سنا رہا ہے سنا دیگا وسیعلمون (وسیعلم) الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون پارہ ۱۹ سورہ شعرا- اور قریب ہے کہ یہ ظالم جان لیں گے کہ کس پہلو سے وہ منقلب کئے جاتے ہیں،

اسرار خودی کا خلاصہ نثر میں

مثنوی اسرار خودی جس پر گفتگو مدنظر ہے فارسی زبان میں ہے چھوٹے سائز کے ۱۵۵ سائز کے ۱۵۵ صفحہ پر ختم ہوئی کاغذ اچھا، لکھائی اچھی چھپائی صاف- منشی طاہرالدین صاحب انارکلی لاہور کے پتہ سے ایک روپیہ کو ملتی ہے،

بہت لوگوں نے نہ دیکھی ہوگی- دیکھی ہوگی تو بہت کم نے سمجھنے کی کوشش کی ہوگی- میں پہلے اس کا اردو نثر میں خلاصہ لکھنا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ سب دیکھ لیں سب سمجھ لیں اور عام رائے کو غور کرنے کا موقعہ حاصل ہو سکے،

پہلے چھ صفحہ کا دیباچہ ہے جس کو خدا کے نام سے شروع نہیں کیا گیا- یعنی بسم اللہ نہیں لکھی- خلاصہ مقصد اس کا خودی- انا- میں- کی تشریح کرنا ہے اسی تشریح میں مسئلہ وحدت وجود اور حضرت محی الدین ابن عربی پر حملہ کیا گیا ہے اور اہل مغرب خصوصاً جرمنی و انگلستان کے فلاسفروں کی قصیدہ خوانی کر کے مشرق والوں علی الخصوص مسلمانوں کو ہدایت ہوئی ہے کہ اپنی قدیمی روایات کی نظر ثانی کریں اور ان یورپین رہنماؤں کی تعلیم سے اپنے دل و دماغ کو روشنی پہنچائیں، اس کے بعد سر علی امام سابق قانونی ممبر کونسل ویسرائے کے نام پیش کش ہے- یعنی مثنوی کو ان کے نام معنوں کیا گیا ہے- یہ ڈیڈیکشن ان الفاظ میں ہے جو مصنف کی خودی کو ایک اعلیٰ رتبہ دنیا دار کے سامنے مرعوب ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مصنف نے خود شناسی سے کام نہیں لیا ورنہ قوم اور ملک کے دلوں میں جو عظمت مصنف کی ہے وہ ان کے ممدوح سے کہیں زیادہ ہے اور مصنف نے اپنی شاندار شخصیت کو حکومت کے ایک بلند عہدہ کے آگے پست کر کے خودداری پر پہلی ضرب لگائی ہے حالانکہ ان کا مقصود بقائے خودی کی حفاظت ہے،

یہاں بھی بسم اللہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ ''اے امام'' سے اس کی ابتداء ہوئی ہے،

پھر مثنوی کی تمہید شروع ہوتی ہے- جس پر غالبًا کاتب نے بسم اللہ لکھدی ہے یا خود مصنف کی خودی خدا کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئی ہے،

اس تمہید میں علاوہ تشریح مطالب مثنوی کے ایک بات قابل غور یہ لکھی ہے کہ حضرت مولانا روم کے فیضان کا یہ کرشمہ ہے- مصنف کا بیان ہے کہ خواب میں حضرت مولانا نے ان کو یہ سبق دیا تھا،

تمہید ختم کر کے اصل مقصود اس طرح شروع کیا ہے- جس کی تقسیم نمبر دار بیان ہوتی ہے،

(۱) اس کا بیان کہ اصل نظام عالم خودی سے ہے اور حیات وجود کا تسلسل خودی کے استحکام پر منحصر ہے،

اس حصہ میں مصنف نے الفاظ و معانی کا دریا بہا دیا ہے اور اپنے مطلوب کی ادائیگی میں موثر دل نشین مثالوں کو ایسے مختصر انداز سے لکھا ہے جس پر بے اختیار داد دینی چاہئے،

(۲) اس نمبر میں یہ بیان کیا ہے کہ تولید مقاصد یا قرار مطمح نظر سے خودی زندہ ہوتی ہے،

یہ حصہ بھی بے نظیر ہے- خصوصاً مصنف کا یہ کہنا کہ علم کا مقصد آگاہی نہیں بلکہ حفظ خودی ہے، ایسا قول ہے جس کی معقولیت سے کسی کو انکار کی مجال نہیں،

(۳) تیسرے حصہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ خودی عشق و محبت سے مضبوط ہوتی ہے،

اس میں مسلم کی خودی کا مطلوب و معشوق اس ذات عالی صفات کو گردانا ہے جو باعث پیدائش تمام کون و مکاں اور ساری خدائی کی ہے- یعنی حضور سرور کائنات ﷺ - بیشک مصنف نے سچ کہا ہے- اس میدان میں اس کا قلم بوسہ دینے کے قابل ہے یہاں مسلمانوں کے دل اقبال کے سوز دروں اور الفت رسول سے جس قدر وجد میں آئیں کم ہے،

البتہ ایک شعر اس سے زہر آلودہ ہے جس نے اس تمام جلوہ کو خطرناک بنا دیا ہے اس شعر کا پہلا مصرعہ یہ ہے

از کلید دیں در دنیا کشاد

یہی وہ تخیل دنیا پرستی ہے جس پر خودی کے استحکام کی ضرورت پیش آئی ہے اور جس کی خاطر یہ مثنوی قلمبند ہوئی ہے،

اہل مغرب کا عقیدہ ہے کہ جس قدر پیغمبر گزرے ہیں وہ کسی وحی کے ماتحت نہ تھے انہوں نے قومی وملکی ضرورتوں کی تعمیل اس پیرایہ سے کی ہے- اپنی قوم کی اخلاقی حالت کو درست کیا وہ بڑے ریفارمر تھے گویا نبیوں اور رسولوں نے خلقت کے جذبات کو مافوق العادت باتوں کا معتقد بنا کر پہلے اپنا مطیع کیا اس کے بعد ان کی اصلاح کی- اور اس طرح وہ دنیا میں اپنی قوم کے عروج کا باعث ہوئے ورنہ آخرت کوئی چیز نہیں- جو کچھ ہے دنیا ہے اور پیغمبروں کا دین دین پکارنا درحقیقت دنیا کے قلعہ کو فتح کرنے کا ایک ہتیار (ہتھیار) تھا- حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو اسی حیلہ سے مصریوں کے پنجہ حکومت سے آزاد کرایا حضرت عیسیٰ نے بیت المقدس کے اجنبی حکمرانوں کے خلاف اسی ترکیب سے جدوجہد کی تحریک قائم کی اور نعوذ باللہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے بھی جاہل عربوں میں مذہب کی روح پھونک کر قیصر و کسرےٰ کے تخت پر قبضہ کرلیا- اور اس طرح ان کا دین در دنیا کی کنجی ثابت ہوا یہ خیال مغرب میں تو بالکل عام ہے- مشرق میں ابھی اس کا

صرف جدید تعلیم یافتہ اصحاب تک محدود ہے یہی سبب ہے کہ یہ نئی روشنی والے جب دنیا کا کوئی کام نکالنا چاہتے ہیں تو مذہب کی آڑ پکڑتے ہیں اور اس طرح اہل مذہب کی صاف باطن جماعت کو دھوکہ دیتے ہیں اور اس کو اپنی عقلمندی اور ادائیگی فرائض میں شمار کرتے ہیں ،

اسرار خودی کے مصنف نے بھی پہلے محبان رسول کا دل موہنے کو نعت میں زور طبیعت خرچ کیا ہے اور پھر چپکے سے اس زہریلے عقیدے کو ایک کونہ میں جذب کر دیا ہے کہ حضرت دنیا کے دروازہ کا قفل دین سے کھولنے آئے تھے تاکہ بھولے بھالے مسلمان اس کو بھی مدح تصور کر کے اپنی تحریروں وتقریروں میں یہ عقیدہ جاری کر دیں انھم یکیدون کیدا- ویمکرون مکرا مگر ان کا یہ کید ومکر بیکار ہے، اسلام کو جنہوں نے قرآن کی آنکھ سے دیکھا ہے وہ حیات دنیا کو دین کے مقابلہ میں بالکل ہیچ سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارے رسول ﷺ دنیا کا قفل کھولنے کے محتاج بنکر نہیں آئے تھے ان کا مقصود دین تھا انہوں نے دین کو مقدم اور دنیا کو موخر رکھا تھا- وہ کلید آخرت تھے- چند روزہ زندگی کی ان کی نظر میں ایسی اہمیت نہ تھی جس کو دین کی کنجی سے حاصل کرتے- یہ تم ہی ہو اسباب زیست میں محو- ان کے دل ودماغ میں آخرت اور خدا کا عشق تھا،

تریدون عرض الدنیا- واللہ یرید الآخرہ- پارہ۹- تم اسباب دنیا کے ارادہ رکھتے ہو اور خدا آخرت کا،

اور اس کی وجہ صاف ہے کہ تم اس دنیا میں جینے کو بہت بڑا سمجھے ہوئے ہو ہائے ارضیتم بالحیات الدنیا من الآخرہ فما متاع الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل- پارہ۱۰- ارے کیا تم آخرت کے مقابلے اس دنیاوی زیست سے راضی ہو گئے (حالانکہ) متاع دنیا آخرت کے سامنے بہت ہی کم ہے،

وما الحیات الدنیا الا متاع الغرور اور دنیا کی زندگی کیا ہے؟ غرور کی ایک متاع ہے،

(۴) چوتھے عنوان کا یہ مطلب ہے کہ خودی سوال سے کمزور ہو جاتی ہے اور اس باب میں جس قدر استدلال ہیں مناسب اور درست ہیں- حدیث شریف میں موجود ہے کہ بھیک مانگنے والے کے چہرہ پر قیامت کے دن گوشت نہ ہوگا- کچھ شک نہیں کہ اپنی قوت سے کام نہ لینا اور وجود کو دوسرے کی طاقت کا محتاج بنا کر رکھنا اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے اور اقبال نے اس عنوان کے نیچے جو کچھ لکھا سچ لکھا ہے،

(۵) پانچویں باب میں یہ بیان ہے کہ جب خودی عشق ومحبت سے مستحکم ہو جاتی ہے تو نظام عالم کے ظاہری وباطنی قوا مسخر کر لیتی ہے،

اس باب میں اقبال نے جو کچھ لکھا ہے وہ اگرچہ اپنی جگہ بہت خوب ہے مگر حضرت اکبر الہٰ آبادی کے ان مختصر اشعار سے زیادہ نہیں ہے جن میں بھی (یہی) فلسفہ بیان ہوا ہے فرماتے ہیں ؎

باطن میں ابھر کر ضبط فغاں لے اپنی نظر سے کار زباں　　دل جوش میں لا فریاد نہ کر، تاثیر دکھا تقریر نہ کر

تو خاک میں مل، اور آگ میں جل، جب خشت بنے تب کام چلے

ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

(۶) چھٹا عنوان کہتا ہے کہ خودی کی نفی مغلوب قوموں کی ایجاد ہے کہ اس حیلہ سے وہ غالب قوموں کو چپکے چپکے کمزور کیا کرتی ہیں اس دعوےٰ کے ثبوت میں بکریوں اور شیروں کی حکایت بیان کی ہے کہ جب بکریاں شیروں کی قتل کاریوں سے عاجز آگئیں تو انہوں نے شیروں کے سامنے خون ریزی کی برائی اور درندگی نقصانات بیان کرنے شروع کئے اور اس طرح ان سے گوشت خوری ترک کرادی اور گھاس کھانے پر لگادیا - جس سے شیر پامال وفنا ہوگئے ،

یہ حکایت اور یہ دعویٰ محض شاعرانہ خیال ہے - اور محکوم قوموں پر ایک بہتان ہے - جب مغلوب اقوام ترک خودی کا وعظ غالب اور فاتح قوموں کو سنائیں گی - تو گویا اپنی خودی کی حفاظت پر مائل ہونگی کیونکہ ان کا مقصد محکومیت کے قفس سے نکلنا ہوگا جو آزاد خودی کے لئے لازمی ہے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے خودی کی حفاظت تو بقول اقبال ہر بشر پر فرض ہے ،

مگر حکمرانوں کی خودی کیا ایسی کمزور ہوتی ہے جو محکوموں کے فریب سے مغلوب ہو جائے خدا کسی قوم کو حکومت نہیں دیتا جب تک کہ اس کے قوائے خودی محکوموں سے زبردست نہوں اور جب حاکموں کی خودی مضبوط ہوگی تو محکوموں کی کیا مجال ہے جو وہ ایسا خیال بھی دل میں لاسکیں ،

لہٰذا یہ دعویٰ محض بے بنیاد ہے اور اس سے موجودہ حکومت ہند اپنے محکوموں سے شبہ کرنے لگے تو اس کا بار اسرار خودی کے اس باب پر ہوگا ،

(۷) اس باب میں کہا ہے کہ افلاطون یونانی اور حضرت حافظ شیرازی کہ تصوف و اسلامی ادب ان کے خیالات کے اثر سے گوناں گوں ہے انہی بکریوں کے مسلک پر تھے - لہٰذا ان سے احتیاط واجب ہے - حکیم افلاطون اور حضرت حافظ کو جس بے حرمتی سے یاد کیا گیا ہے اور جیسے گستاخانہ جملے حضرت حافظ کی شان میں استعمال ہوئے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ مثنوی اسرار خودی کے اس باب کو تاریخ ہجو نگاری میں ایک خاص درجہ دیا جائے ،

حافظ کی ہجو کا مختصر ترجمہ اردو میں ملاحظہ ہو ،

شرابی حافظ سے ہوشیار رہنا اس کے جام میں موت کا زہر ملا ہوا ہے حافظ کا خرقہ تقوی ساقی کے پاس رہن ہوگیا - اس کے بازار میں شراب کے سوا کیا رکھا ہے خود اس کی پگڑی دو پیالوں میں اچھل گئی - حافظ کے ملک میں مفتی بھی شرابی ہیں اور محتسب بھی آہوں کے درخت جنگل میں بوتا تھا اس میں بادشاہوں سے لڑنے کی طاقت نہ تھی ،

مسلمان تھا مگر اس کا ایمان زناردار تھا - بھلا ایسا مست شرابی خواجہ ہوسکتا ہے وہ نام کا خواجہ اور ذوق خواجگی سے محروم تھا - وہ شرابیوں کا فقیہ تھا - وہ بیکسوں کا امام تھا وہ آستین کا سانپ تھا اس کا مارنا بہت ہی مشکل ہے ،

اس ہجو کی نسبت اپنی طرف سے کچھ لکھنے کا یہ وقت نہیں ہے خود حضرت اقبال کا ایک شعر نقل کردینا کافی ہوگا جو اسی مثنوی اسرار خودی کے صفحہ ۵۳ پر درج ہے ۔

نیشتر بر قلب درویشاں مزن

خویش را در آتش سوزاں مزن

درویشوں کے دل میں نشتر نہ مار- جلتی آگ کو اپنے میں نہ ڈال،

(۸) آٹھواں عنوان اس بیان میں ہے کہ خودی کی تربیت کے تین حصہ ہیں- ایک طاعت دوسرے ضبط نفس- تیسرے نیابت الٰہی،

اور پھر ان تینوں کو جداگانہ بیان کیا گیا ہے- مضمون کی طوالت کے اندیشے سے ان کی تفصیل کا وقت نہیں ہے،

غرض ان تینوں حصوں کی تشریح کے بعد علی مرتضےٰ کی اسماء کی تشریح ہے- اور چند حکایتیں سابقہ عنوانوں کی تائید میں لکھی گئی ہیں اور ان ہی پر کتاب کا خاتمہ ہے،

اصول مثنوی

جزئیات کی نسبت کچھ تو پہلے لکھا جا چکا ہے کچھ اس مضمون میں ذکر آیا ہے- مگر اصول مثنوی کے بارہ میں خیال ظاہر نہیں ہوا کہ مجھکو اس مثنوی سے کیوں اختلاف ہے- اور اس میں اصولاً کیا غلطیاں ہیں،

(۱) میں گزشتہ مضامین میں لکھ چکا ہوں کہ ڈاکٹر اقبال کی نیت بری نہیں ہے- انہوں نے اپنی دانست میں اچھی کوشش کی ہے- مگر طرز ادا اور بنیاد رفتار غلط ہے جو ہر بڑے کام میں لازمی اصول ہے انہوں نے اس مثنوی میں خودی کی حفاظت پر جو کچھ لکھا ہے وہ کچھ انوکھا اور نرالا نہیں ہے- بلکہ قرآن شریف کی تعلیم سے بہت ہی کم ہے- قرآن نے بشری اور اسلامی خودی کی حفاظت جن طریقوں سے سکہائی (سکھائی) ہے اسرار خودی میں اس کا ایک شمہ بھی نہیں ہے- قرآن کہتا ہے،

لا تھنو ولا تحزنوا وانتم الاعلون

اس صاف صاف عام فہم تلقین کے مقابلہ میں اسرار خودی کی پیچیدہ عبارت کیا خاک خودی کی حفاظت سکھا سکتی ہے،

لہذا میں بمقابلہ قرآن اس کی ضرورت نہیں رکھتا- اور جس کی ضرورت نہو اس سے اتفاق کیوں کروں،

(۲) مسئلہ وحدت الوجود اور صوفیوں کو دیباچہ میں ملزم قرار دیا گیا ہے کہ ترک خودی کا جذبہ اس مسئلہ اور وحدت وجود کے مقلدین صوفیہ کے سبب قوم میں پیدا ہوا،

پرائیویٹ خط و کتابت میں بھی حضرت اقبال نے اس پر بہت زور دیا ہے اور ان کے احباب بھی صاف صاف کہتے ہیں کہ اس مثنوی کا اصل مقصد صوفی تحریک کا دنیا سے مٹانا ہے،

پس چونکہ اصولاً ان کا یہ ارادہ بے بنیاد ہے اور وہ قیامت تک اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے لہذا میں اس مثنوی کو بے نتیجہ اور لغو تصور کرتا ہوں- اور لغویت سے اختلاف ضروری ہے،

(۳) اگرچہ دیباچہ مثنوی میں کہہ دیا گیا ہے کہ یہ نظم کی تفسیر نہیں ہے- لیکن دیباچہ کی عبارت اور اس کا مفہوم مقاصد مثنوی کا بولتا ہوا چہرہ ہے- میں دیباچہ کی اس اصلاح کو اصولاً غلط کہتا ہوں کہ اہل مشرق اور مسلمان یورپ کے فلاسفروں کی پیروی کریں اور اپنے قدیمی عقائد کو بدل دیں اور یہ اصولی غلطی میرے

اختلاف کی بڑی وجہ ہے اور مجھے امید ہے کہ میری طرح ہر غریب بے کس مسلمان اس بنا پر خدا رسول کے حکم کے بموجب اس کی مخالفت پر مجبور ہوگا،

(۴) ہر شے اور نتیجہ کے اعتبار سے پسند اور ناپسند ہوا کرتی ہے- چونکہ اسرار خودی کے الفاظ وہ معانی کچھ ہی ہوں اثر اپنے اندر برابر رکھتے ہیں اور انسان ان کو پڑھکر جہاں خوددار بنتا ہے وہاں اس میں اہل مغرب کی خودغرض خودی کے اثرات بھی پیدا ہوتے ہیں جو اصول اسلام کے سراسر خلاف ہے اس لئے میں بھی اس سے اتفاق نہ کرنے پر مجبور ہوں اور ہر مسلمان ایسا ہی کریگا،

اس مثنوی نے میری خودی کی سخت توہین کی ہے- کیونکہ میں حافظ کا حلقہ بگوش ہوں- ان کی ہجو میری ہجو ہے- ان کی توہین میری توہین ہے- لہذا میں حسب قواعد اسرار خودی اپنی حفاظت اور اپنے احترام کی خاطر اس مثنوی کو اصولاً غلط مہمل اور وہ سب کچھ کہنا چاہتا ہوں جو حافظ کے ذریعہ مجھے کہا گیا ہے- آنکھ کا بدلا آنکھ، کان کا بدلا کان، ناک کا بدلا ناک- اور زخموں کا قصاص- البتہ قرآن کے ارشاد کے موافق زیادتی نہیں کروں گا،

یہ پانچ وجوہات میری مخالفت اور مثنوی اسرار خودی کی نامعقولیت کی ہیں،

اب دو جملہ آخری لکھ کر میں اس مضمون کو جو میری عادت کے برخلاف طولانی ہوگیا ہے، ختم کرتا ہوں،

اقبال نے مولانا روم کو خواب میں دیکھا ان کی مثنوی کو بیداری میں نہ پڑھا کہ ہست قرآں در زبان پہلوی،

اگر وہ ایسا کرتے تو قرآن کے خلاف نہ چلتے- بلکہ قرآن کے اصول کو مثنوی میں لکھتے اس وقت ان کو امامان یورپ کی تقلید کا حکم دیتے ہوئے تامل ہوتا،

بالفرض وحدت وجود کے مسئلہ نے خرابی ڈالی اور صوفیوں نے قرآن کی غلط تفسیر کی مگر آپ کو لازم تھا کہ خود قرآن لیکر سمجھتے اور اس سے مسائل نکال کر سمجھاتے تو بیکن اور گوئٹے کے حوالوں کی ضرورت نہ پڑتی نہ صوفیوں کی پیروی سد راہ ہوتی،

آپ اور آپ کے حمایتی حضرات صوفیائے کرام کے خلاف کیسی ہی شورش برپا کریں اور کیسی ہی جادو کی پتلیاں کتابیں لکھیں کچھ نہ ہوگا- پہلوں سے کچھ نہ ہوا جو آپ سے زیادہ عالم تھے تو آپ کی کیا بساط ہے،

اگر آپ گزشتہ زمانہ کی روش سے بدل گئے ہیں اور آپ کی قلب ماہیت ہوگئی ہے، تو سن لیجئے حضرت امیر خسرو چھ سو برس پہلے ہم کو اس مصرعہ میں اس کا نتیجہ سنا گئے ہیں- پھر ہمیں کیا غم اور وہ یہ ہے ع

اقبال را چو قلب کنی لا بقا شود

گویا حضرت امیر خسرو کا یہ الہامی مصرعہ اسی بقا و فنائے خودی کے واسطے رکھا تھا،

مسئلہ وحدت وجود پر ہزاروں دماغ مجھ سے اور آپ سے اعلیٰ تھے ٹکریں مار چکے ہیں- میری اور آپ کی غلطی ہوگی جو اس میں اپنا وقت ضائع کریں- یا کم از کم میں اس قصہ میں پڑنا نہیں چاہتا- آپ کو اپنی خودی کا اختیار ہے،

البتہ کوئی ایسی بات پیش آئے گی جس پر لکھنا میں اپنے فرائض میں سمجھوں گا اور بغیر لکھے وہ فرض ادا نہ ہوسکے گا تو خیر ورنہ میں تو حضرت اکبر کے اس مصرعہ کو پڑہنا کافی سمجھتا ہوں، ع

خودی خدا سے جہکے (جھکے) بس یہ تصوف ہے

(از خطیب)"

جولائی ۱۹۱۸ء، رموز بے خودی، از مرزا سلطان احمد، ص ۱۳-۱۶

مرزا سلطان احمد (۱۹۵۰ء-۲ر جولائی ۱۹۳۱ء) قادیانی فرقے کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کے فرزند اکبر تھے- مذہب کے ذاتی مطالعے، علم و آگہی اور شعور و بصیرت کے باعث تاعمر اپنے والد کے مسلک سے دور رہے [(۱۰۹)] -۱۸۶۷ء میں بی- اے کیا [(۱۱۰)]، تاہم بقول فقیر سید وحید الدین انگریزی نہیں

جانتے تھے جبکہ اردو، فارسی اور عربی زبانوں پر کافی عبور رکھتے تھے[۱۱۱] - نائب تحصیلدار سے لے کر ڈپٹی کمشنر کے عہدے تک فائز رہے لیکن نمائش سے پاک سادہ زندگی بسر کرتے رہے[۱۱۲] - تدبر و خوش بیانی بلا کی تھی - ترک موالات کے ہنگاموں کے دوران وہ گوجرانوالہ میں ڈپٹی کمشنر تھے - ایک مشتعل جلوس جو ہنگامہ آرائی پر مصر تھا کے سامنے انہوں نے ایسی سلجھی ہوئی تقریر کی کہ وہ لوگ جو "انگریز مردہ باد" کے نعرے لگاتے آئے تھے مرزا سلطان احمد زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے لوٹے - حکومت نے خدمات کے صلے میں انہیں خان بہادر کا خطاب عطا کیا - لکھنے کا ملکہ خوب تھا - اپنا تعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں کہ "... جب بھی قلم اٹھاتا تھا تو صفحے کے صفحے بے تکان لکھتا چلا جاتا اور پھر بھی اس کا قلم رکنے کا نام نہ لیتا[۱۱۳] -" چنانچہ زود نویسی کے سبب مختلف رسائل میں کئی ایک موضوعات پر ہزاروں مضامین لکھ ڈالے - ساٹھ سے زائد کتابیں اور متفرق مضامین کے بارہ مجموعے انہوں نے یادگار چھوڑے ہیں[۱۱۴] - "صوفی" میں بھی ان کے مضامین کثیر تعداد میں شائع ہوئے - اکبر الہ آبادی، خواجہ حسن نظامی اور دیگر مسلم اکابرین کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال سے بھی ان کے مراسم تھے - انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسوں میں اقبال کا تعارف ان سے ہوا[۱۱۵] - اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے ستائیسویں سالانہ اجلاس میں ۷/اپریل ۱۹۱۲ء کو اپنی مشہور نظم "شمع اور شاعر" کا کچھ حصہ مرزا سلطان احمد کی زیر صدارت نشست میں پیش کرنے کا اعزاز حاصل کیا - اس نشست میں مرزا سلطان احمد نے دل لگی کرتے ہوئے اقبال کو ہرجائی کہا تھا جس کے جواب میں اقبال نے بڑے خوشگوار انداز میں فی البدیہہ یہ قطعہ ع "ہمنشیں بے ریم از رہ اخلاص گفت" کہا جو اقبال کے متداول کلام میں نہیں - مجلہ "صوفی[۱۱۶]" نے مئی ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں اسے پیش کیا - مرزا سلطان احمد عمر میں اقبال سے بڑے ہونے کے باوجود اقبال کو اپنا دوست تصور کرتے، ان سے دوست نوازی کی توقع رکھتے اور ان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے پیش نظر عزت و احترام سے پیش آتے - ۲۶/نومبر ۱۹۱۲ء کو مرزا سلطان احمد نے اپنی کتاب "فنون لطیفہ" انتہائی محبت و احترام کے جذبات کے ساتھ اقبال کے نام معنون کی[۱۱۷] - یہی نہیں بلکہ اکثر موقعوں پر انہوں نے اقبال پر براہ راست مضمون لکھ کر خلوص و محبت کا ثبوت دیا - "اسرار خودی" کے خلاف ہنگامہ بپا ہوا تو مرزا سلطان احمد نے اقبال کی مثنوی کے حق میں عمدہ علمی کتاب تصنیف کی - جو ۱۹۱۹ء میں "النظر[۱۱۸]" کے نام سے شائع ہوئی - یہ بہتر صفحات پر مشتمل ہے - شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے مجلہ "اقبال[۱۱۹]" میں "تبصرہ بر "اسرار خودی"" کے عنوان سے مرزا سلطان احمد کا ایک مضمون شائع کرایا ہے - جو ان کے خیال میں آج تک زیور طباعت سے آراستہ نہ ہوسکا - تاہم غور کیا جائے تو مرزا سلطان احمد کی یہ کوئی نئی تحریر نہیں بلکہ وہ تحریر ہے جو نظر ثانی اور ترمیم و اضافے کے بعد ایک نئے روپ میں "النظر" میں شائع ہوئی - یہی وجہ تھی کہ مرزا سلطان احمد نے "النظر" کے بعد اس کو شائع کرانے کی ضرورت محسوس نہ کی ورنہ بہت سے ناشر اور رسائل کے مدیران ان کی تحریروں کے مشتاق تھے یعنی زیور طباعت سے آراستہ کرنا ان کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا - مرزا سلطان احمد نے "اسرار خودی" پر قلم اٹھایا تو "رموز بے خودی" کی اشاعت پر بھی وہ خاموش نہ رہے - اس سلسلے کا ایک مضمون "رموز بے خودی" کے عنوان سے "صوفی" میں بھی شائع ہوا جو مرزا سلطان احمد کے مخصوص علمی طرز نگارش کا آئینہ دار ہے اور "رموز بے خودی" کے حوالے سے ان کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے - "خلافت لائبریری، ربوہ" میں مرزا سلطان احمد کولیکشن میں رسائل سے ان کے مضامین کے تراشے موجود ہیں جن میں بدایوں کے مجلہ "نقیب" کا تراشہ دستیاب ہوا ہے جو "رموز بے خودی" کے عنوان سے مرزا سلطان احمد کے

ایک مضمون پر مشتمل ہے۔ تراشے پر "نقیب" کی اشاعت کا کوئی سن موجود نہیں بلکہ ہر صفحہ پر "نقیب۵/۲" طبع ہے۔ یہ مضمون اس کے صفحہ نمبر ۲۹۷ تا ۳۰۵ شائع ہوا ہے۔ اگرچہ "نقیب" پر سن کا اندراج نہیں تاہم یہ طے ہے کہ یہ مضمون "رموز بے خودی" کی اشاعت سے قریب کے زمانے کا ہے۔ گو کہ "صوفی" اور "نقیب" دونوں میں مرزا سلطان احمد کے مضامین موضوع اور عنوان کے لحاظ سے ایک ہیں۔ تاہم "صوفی" کا متن "نقیب" سے مختلف ہے۔ "صوفی" میں شائع ہونے والا یہ مضمون چونکہ اقبالیات کی کسی کتاب میں شامل نہیں لہٰذا نمونے کے طور پر درج کیا جاتا ہے:

"رموز بے خودی

(از مرزا سلطان احمد صاحب اگسٹرا اسسٹنٹ (ایکسٹرا اسسٹینٹ) کمشنر گوجرانوالہ)

بیا اے قبلہ دل کعبہ جاں — کہ از صدق وصفا گرد تو گردم

ہمہ بیگانہ طرز اند واقف — توئی از آشنا گرد تو گردم

اگر کسی مردہ یا مردہ دل قوم کے افراد میں سے کوئی مرد یا کوئی صاحب دل کسی وقت ہستی پذیر ہو کر اپنی زندہ دلی اور ملی فلسفہ یا ملی زندگی کا ثبوت دے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی اس قوم میں ملی زندگی کی رمق باقی ہے قومیں مر کر کس وقت اٹھتی ہیں جس وقت اس کے افراد ملی میں سے کوئی فرد ملی رنگ میں اٹھے وہ قوم سخت بدقسمت ہے جس کے افراد میں سے کبھی کبھار (کبھی کبھار) بھی کوئی فرد ملی رنگ میں ہستی پذیر نہ ہو، ؎

دماغ ماارا بہ چشم کم منگر

چراغے زد و دماں دل است

ڈاکٹر اقبال ترجمان حقیقت افراد قومی یا افراد ملی میں سے وہ فرد محترم اور فرد ممتاز ہیں کہ جن پر قوم اور ملت فخر کر سکتی ہے نہ صرف اس اعتبار سے کہ وہ ڈاکٹر ہیں فلسفی ہیں بیرسٹر ہیں بلکہ اس جہت سے کہ ان کے پہلو میں قدرت نے وہ دل رکھا ہے انہیں وہ ضمیر اور وہ قلب دیا ہے جو ہزاروں دلوں سے ممتاز ہے۔ اسلام کیا چاہتا ہے ملت اسلام کس بات کی خواستگار ہے۔ ضمیر صافی۔ ضمیر غیور۔ ضمیر مومن کی،

کیا اقبال کا ضمیر ان اوصاف یا ان امتیازات سے خالی ہے جس نے ضمیر اقبال کا امتحان کیا ہے جسے یہ موقع ملا ہے وہ اس سے کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ اقبال کے دل میں ملی اور اسلامی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اقبال وہ دل رکھتا ہے اقبال وہ ضمیر رکھتا ہے جس پر ملت فخر کر سکتی ہے،

اقبال کا دل اقبال کا ضمیر کشادہ دلی کے ساتھ ساتھ ہے وہ غیرت اور وہ حمیت بھی رکھتا ہے جو ایک ملت کے لئے زندگی کا حکم اور اثر رکھتا ہے۔ ضمیر اقبال اسلامی رنگ میں مساوات کا بھی حامی اور معترف ہے اور ساتھ ہی اس کے بہ فحوائے فضلنا بعضھم علیٰ بعض درجہ بندی کا بھی حامی اور پابند ہے،

اقبال کی روح اور اقبال کا ضمیر تنقید حقائق اور کسب فضائل کے ساتھ خودداری بھی رکھتا ہے۔ وہ باوجود اس کے کہ اس کی تنقیدی نگاہیں برابر اپنے اردگرد

پڑتی ہیں - اور خوشہ چیں بھی ہیں وہ کو چہ نہیں چھوڑتی جو اسے ملی دائرہ سے ہٹا دے اور اس کے دماغ پر نمائشی باتیں متاثر ہو سکیں - اقبال کا دماغ اور اقبال کا ضمیر برسوں اور مدتوں ان کیفیات اور ان تاثیرات سے متکلف اور متاثر رہا جن سے نمائشی طبائع متاثر ہو کر ملی رنگ کھو بیٹھی ہیں اور جسے وہ اپنے رنگ میں ایک ملی رنگ سمجھتے ہیں ،

بفضل خدائے قدیر اسکی برجستہ اور اسلامی طبیعت پر ان کا کچھ بھی اثر نہ ہوا - ایک رنگ میں اگر اقبال فلاسفر ہے تو دوسرے رنگ میں ایک پکا مسلم اور غیرت مند مومن اگر ایک طرف وہ فلسفہ کینٹ ہکسلے اور سپنسر کا ماہر ہے تو دوسری طرف فلسفہ قرآنی اور فلسفہ ملی کا عاشق اور فدائی ،

لوگ کہتے ہیں ڈاکٹر اقبال نے یورپ میں جا کر فلسفہ کی سند لی ہے میں کہوں گا کہ وہ اس سند لینے کے پہلے ہی فلسفہ قرآنی اور فلسفہ ملی کا قدرتاً ڈپلوما پا چکا ہے فلسفہ قرآنی اور فلسفہ ملی کا پہلا سبق اور اخیر کا دور غیرت اور حمیت ملی ہے - الحمد للہ کہ حضرت اقبال کو یہ ڈپلوما حاصل ہے ،

اسرار خودی کے دیکھنے والے کہ (کہہ) سکتے ہیں کہ کس خوبی سے اس میں خودداری کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور کس متانت سے اور کس لطیف پیرایہ میں مسلمانوں کو اس سے آشنا کیا ہے - اس کی دوسری قسط رموز بیخودی کے نام سے ادا ہوتی ہے ،

مثنوی رموز بیخودی چھوٹی تقطیع کے ۱۳۹ صفحات پر ختم ہوتی ہے - ظاہر نفاست چھوڑ کر باطنی رنگ میں یہ مثنوی اسرار حیات ملیہ اسلامیہ اس جامعیت سے لکھی (لکھی) گئی ہے - کہ اس کا ایک ایک مصرعہ اور ایک ایک شعر بجائے خود ایک تفسیر کا محتاج ہے ،

جاننے والے جانتے ہیں - کہ قوم اور سلطنت میں فرق ہے مسلمان کوئی قوم نہیں رکھتے - ملت رکھتے ہیں - قرآن مجید مسلمانوں کو ملی رنگ میں پیش کرتا ہے نہ کہ قومی رنگ میں اگر میں یہ کہوں تو بیجا نہ ہو گا کہ اسلام یا قرآن قوم شکن ہے اور ملت نما ،

جب کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے تو اس کی قومیت باقی نہیں رہتی - وہ ایک ملی رنگ اختیار کر لیتا ہے قومیت مساوات کے منافی ہے اور ملت اس کی موید چونکہ اسلام ملت کا حامی ہے اس واسطے مساواتی رنگ میں قومیت اڑ جاتی ہے - قومیت انما المومنین اخوۃ کا ملہ تو نہیں رکھتی - یہ فخر ملت کو حاصل ہے - قوم اسلام کے بجائے ملت اسلامی کہنا زیبا ہے - رموز بے خودی میں یہی بحث ہے مسلمان کب سے تنزل پذیر ہوئے جب سے ملت کی شاہراہ چھوڑ کر قومیت کی پک ڈنڈی (پگڈنڈی) پر چلنے لگے یہی غلطی ہے جو انہیں ابتک خراب و خستہ ثابت کر رہی ہے - فرد و ملت میں جو نسبت اور جو ربط ہے اس سے ہم مسلمان رفتہ رفتہ بیگانہ یا بے ربط ہوتے گئے - اور نہ صرف دوسروں کی نگاہوں میں گرے بلکہ خود اپنی نگاہوں میں بھی گر کے رفتہ رفتہ وہ کشادہ دلی گلے کا ہار ہوتی گئی - کہ جس کا مفہوم بے غیرتی ہو سکتا ہے - ملت کا رکن اعظم وہ رسولؐ تھا جو عرب میں پیدا ہوا اور جس نے ملت کی بنیاد رکھی ہے - اس کا دامن اغیار پرستی سے دمبدم چھوٹتا گیا - اور ہم اس سے بیگانہ ہوتے گئے ،

یہ نہ یاد رہا کہ فرد کو ملت سے اور ملت کو فرد سے ملی اور فردی رنگ میں کیا کچھ نسبت اور واسطہ ہے - فرد اور ملت کا اعلیٰ وصف سیرت اور کیرکٹر تھا - بہ فحوائے عند اللہ اتقاکم وہ بھی رفتہ رفتہ گم ہوتا گیا - اور ہم محض ہاں میں ہاں ملانے والے رہ گئے - دوسروں کے خوش کرنے کے واسطے جادہ ملت سے رفتہ

رفتہ دور ہوتے گئے ،

یہی کمیاں ہیں جسے مثنوی رموز بے خودی پورا کرتی ہے اور جو اس کا مدعا مقدم ہے- مثنوی رموز بیخودی اپنے اغراض اور اپنے مقاصد عالیہ کے خیال سے وہ رموز بتاتی ہے- جن پر ملت کی زندگی کا مدار ہے- افرادی زندگی سے ملی زندگی ہستی پذیر ہوتی ہے- جو ملت زندہ ہے اس کے افراد بھی زندہ ہیں- جو ملت ملی رنگ میں مردہ ہے اس کے افراد بھی مردہ ہیں ،

مثنوی رموز بیخودی

فرد را ربط جماعت رحمت است جوہر او را کمال از ملت است

تاتوانی باجماعت یار باش رونق ہنگامۂ احرار باش

حرز جاں کن گفتۂ خیر البشر ہست شیطاں از جماعت دور تر

اس تیسرے شعر کے مضامین پر ذرا غور تو کرو- یہ تفسیر ہے آیت شریف واعتصمو بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کی ،

جہاں اعتصام ملت اور جماعتی شیرازہ مستحکم ہوتا ہے وہاں رخنہ اندازیاں نہیں ہوتیں جو افراد ملت کے رنگ میں منفرد ہوتے ہیں- اور ان کی افرادی ہستیاں ملی رنگ میں یا ملی رشتہ میں منسک ہوتی ہیں- وہاں نہ تو افراد زوال پذیر ہوتے ہیں- اور نہ ملت زیر صدمہ ہوتی ہے ،

افرادی اور ملی موت وحیات کا فلسفہ غلط سمجھا گیا ہے- جو ملت برجستہ اور قائم ہے- اس کا اگر کوئی فرد حق پذیر بھی ہوتا ہے تو محض ایک منفردانہ رنگ میں چونکہ اس کی فردیت ملی رنگ رکھتی ہے- اس واسطے اس کی زندگی جام فنا پی کر بھی ملی زندگی قبول کرتی ہے- شعر ذیل میں حضرت اقبال یہی فلسفی بیان پیش کرتے ہیں ے

وحدت او مستقیم از کثرت است

کثرت اندر وحدت او کثرت است

ذرا اس شعر کی جامعیت اور نفاست مضمون اور وسعت مضمون پر غور کرو- اللہ اللہ کیا دماغ پایا ہے اور کیسی ضمیر ملی ہے کہتے ہیں ،

فرد کی فردیت یا وحدت اس صورت میں مستقیم کہی جاسکتی ہے جبکہ اس کے عقب میں کثرت ہو- یعنی اس کی پشت و پناہ جو فردیت اور جو وحدت ایسی کثرت نہیں رکھتی- وہ بجائے خود کوئی ہستی نہیں رکھتی- جس سپاہی کے عقب میں کوئی پشت و پناہ نہ ہو وہ نبردگاہ عالم میں کیا کچھ فوقیت اور استقامت رکھ سکتا ہے ،

دوسرے مصرعہ میں یہ کہا گیا ہے- کہ کثرت بھی اس وحدت کے اعتبار سے ایک وحدت ہے- یعنی باوجود افراد کثیرہ اور افراد منتشرہ کے ملی رنگ میں اس میں ایک وحدت اور جامعیت مشہور ہے ، ے

در جماعت فرد رام بینم ما

از چمن اوراچو گل چینیم ما

جب کوئی جماعت ملی رنگ میں مکمل ہوتی ہے تو پھر وحدتی رنگ میں یا سلسلہ وحدت کے امتیاز کے واسطے اس جماعت میں سے ایک فرد کامل کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔ اور جماعت اس فرد کامل کے زور پر چل نکلتی ہے اور ایسا فرد کامل جماعت ملی کا ایک رکن اعظم شمار ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ جمہوریت سے ایک ممتاز شخصیت کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ شخصیت جمہوریت سے نکلتی ہے اور جمہوریت کا مدار ملی رنگ میں اس ممتاز شخصیت پر ہوتا ہے۔ اسلام اور قرآن اگر ایک طرف جمہوریت کا حامی ہے تو دوسری طرف شخصیت ممتاز کا بھی ایک دوسرے رنگ میں حامی ہے۔ اسلامی ملی رنگ میں شخصیت ممتاز کیا ہے،

حضرت رسول کریم ﷺ

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید
دز رسالت در تن ما جاں رمید

حرف بے صوت اندریں عالم بدیم
از رسالت مصرعہ موزوں شدیم

از رسالت در جہاں تکوین ما
از رسالت دین ما آئین ما

از رسالت صد ہزار ما یک است
جزو ما از جزو ما لا ینفک است

آنکہ شان او است یہدی من یرید
از رسالت حلقہ گرد ما کشید

باز حکم نسبتے او منعیم [۱۲۰]
اہل عالم را پیام رحمیم

دانش از دست دادن مردن است
چوں گل از باد خزاں افسردن است

زندگی قوم از دم او یافت است
ایں سحر از آفتابش تافت است

فرد از حق ملت ازوے زندہ است
از شعاع مہر او تابندہ است

از رسالت ہم نوا گشتیم ما
ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما

کثرت ہم مدعا وحدت شود
پختہ چوں وحدت شود ملت شود

زندہ ہر کثرت ز بند وحدت است
وحدت مسلم ز دین فطرت است

پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

لانبی بعدی ز احسان خدا است [۱۲۱]
پردہ ناموس دین مصطفٰے است

ایک ایک شعر ایک مبسوط تفسیر چاہتا ہے ناظرین ذوق دل سے اوپر کے شعر پڑھیں اور سوچیں کہ ایک ایک مصرعہ میں کیا کچھ فلسفہ بھرا ہے اور ضمیر اقبال

کی پرواز کہاں تک ہے- اور افراد ملت کا ربط کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے اور ایک ممتاز شخصیت جمہوریت کے ساتھ اور جمہوریت شخصیت کے ساتھ عملی رنگ میں کیا کچھ نسبت رکھتی ہے

زندہ باش اقبال پائندہ باش اقبال'

ستمبر ۱۹۱۸ء، مثنوی رموز بیخودی، از (نا معلوم)، ص ۲۲-۲۴

"صوفی" کی اس اشاعت میں "رموز بے خودی" پر ایک تحریر شائع ہوئی - یہ تحریر مواد اور انداز کے اعتبار سے تبصرہ کے زمرے میں آتی ہے- اس میں مثنوی کے ظاہری و باطنی حسن کا احاطہ کیا گیا ہے- نیز محکمہ تعلیم سے اس مثنوی کو اسلامی کورس اور فارسی کورس کے نصاب میں شامل کرنے کا گویا مطالبہ کیا گیا ہے- تبصرہ اس لحاظ سے عمدہ ہے کہ مثنوی کے اس تعارف کے بعد قارئین کے تجسس میں اضافہ ہو جاتا ہے- لیکن تبصرہ نگار کا نام درج نہیں کیا گیا- لہٰذا مجبوراً اسے مدیر "صوفی" کی تحریر تصور کیا جاسکتا ہے- اس تبصرے کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"مثنوی رموز بیخودی

دور حاضرہ کے انقلابی آئین عصر جدید کے برہم زن قوانین نے اسلام کی حیات ملیہ یا اہل اسلام کے احساس عالیہ کی نشو و نما پامال کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ظلم کی تقسیم میں نہایت درجہ عدل فی القسمت سے کام لیا ہے ایک شخصیت ایسی نظر نہیں آتی جو قسام کی شکایت سنج ہو-

اگرچہ وہ عمیق نظریں جو تاریخی واقعات کو عبور کر چکی ہیں اقوام و امم کے کون و فساد بلکہ کائنات کے تدریجی نشو و نما انحطاط و تنزل یعنی ہر ایک ہستی کی اضدادی کیفیات یا حالات رتق فتق خرق والتیام عروج و تنزل صعود و نزول وغیرہ کو لابد تصور کر کے فصبر جمیل کی پیاری تبلیغ اور تلقین سے دل ٹھنڈا کر لیا کرتی ہیں- مگر لیس للانسان الا ما سعیٰ کا سبق راحت ساز کبھی چین نہیں لینے دیتا-

ملت کے بہی خواہ اور قوم کے مصلح اسی دھن میں لگے رہتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

اے صبا گر بگذری بر ساحل رود ارس — بوسہ زن بر خاک آں وادی و مشکیں کن نفس
منزل سلمیٰ کہ بادش ہر دم از ما صد سلام — بر صدائے سارباں بینی و آہنگ جرس
محمل جاناں ببوس آنگہ بزاری عرضہ دار — کز فراقت سوختم اے مہرباں فریاد رس

اسی بنا پر حال میں حضرت اقبالؔ جن کا صحیح خطاب ترجمان حقیقت ہے اپنے جذبات عالیہ ملیہ کو فارسی زبان میں رموز بیخودی کے گرامی تسمیہ سے موسوم فرما کر اسلام کے دربار فیض بار میں ہدیۃً پیش کر رہے ہیں- یعنی رموز بیخودی اسلامی قوانین محمدیؐ آئین کی بڑی بڑی طول طویل ضخیم و جسیم کتب کا پیارا اور کافی الضرورت ملخص ہے- زور تحریر کی داد کوئی کیا دیسکتا ہے ایک ایک لفظ کی ذیل میں سو سو مسائل ہیں دریا کو کوزہ میں سمانا تو ایک اردو ضرب المثل ہے جس سے اس

مثنوی کومتعلق کرنا دماغ کی غیر موزونیت پر دال ہے ہمتو اس مثنوی کے دوحرف پڑھکر دل میں کہہ لیتے ہیں ع

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است

یا "یلج الجمل فی سم الخیاط" کا منظر پیش نظر ہو جاتا ہے- کیونکہ رموز بیخودی میں قرآنی معارف اسلامی حقائق سے بحث کیگئی ہے- اسے شاعری کا فیض وکرم تصور کرنا نخلبند حقیقت کی نہایت بڑی دل آزاری ہے

کہاں ہیں صیغہ تعلیم کے ارکان حل وعقد- کدہر ہیں درسگاہوں کے منتظم اعلیٰ اس مثنوی کو اسلامی کورس کا جزو لاینفک کیوں نہیں بناتے-

ہماری یہ رائے ہے کہ ہرایک مدرسہ یا کالج کے فارسی کورس میں اس مثنوی کو ضرور داخل کیا جائے-

وہ اہل تصوف صاحبدل جو مثنوی شریف دیوان حافظ وغیرہ سے لذت حاصل کر چکے ہیں اب رموز بیخودی سے درس عمل حاصل کریں-

اس میں انانیت کی تعلیم نہیں بلکہ قومی انا کا راز بتایا گیا ہے کیوں؟ اس لئے کہ تم انما بشر مثلکم کہنے والے کی امت ہو-

اس میں سمجھا دیا گیا ہے کہ علم الحیات اور عمرانیات کا درس کسطرح اور کہاں سے لینا چاہئے حیات ملیہ کی جلب منفعت دفع مضرت کا تمام سامان فراہم کر دیا گیا ہے- افراد قوم کو ایک آئین مسلم کے تحت میں لاکر یہ بتایا گیا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی سعی عمل کے ثمرات میں کسقدر رجلی تبائن اور تناقص ہے آپ فرماتے ہیں ؎

فرد را ربط جماعت رحمت است	جوہر او را کمال از ملت است
ناتوانی با جماعت یار باش	رونق ہنگامہ احرار باش
حرز جاں کن گفتہ خیر البشر	ہست شیطاں از جماعت دور تر
فرد میگیرد ز ملت احترام	ملت از افرادمی یابد نظام
فرد تا اندر جماعت گم شود	قطرۂ وسعت طلب قلزم شود

ان اشعار کے مطالعہ سے آنکھوں کو نور دل کو سرور روح کو آرام میسر آتا ہے مدعا یہ ہے کہ افراد کو آپس کے ارتباط سے ایک جماعت کی شکل اختیار کرلینی رحمت ہے اس کے جوہر کا کمال اگر کوئی ہے تو بس ملت ہے لفظ ملت یہاں بہت دلچسپ واقع ہوا ہے پھر آپ فرماتے ہیں کہ جب تک ہو سکے یہ ہی کوشش کرتے رہو کہ جماعت کا ساتھ نہ چھوٹے اور ہنگامہ احرار کی رونق بنے رہو کیونکہ حدیث شریف میں آ چکا ہے کہ جماعت شیطان کے اثر سے محفوظ رہتی ہے فرد کی وقعت ملت کے باعث ہوتی ہے اور ملت افراد سے بنتی ہے- لہٰذا دونوں باتیں لازم وملزوم ہیں پھر کیسی اچھی مثال تحریر فرماتے ہیں کہ قطرے افراد ہوتے ہیں مگر جب انکی ایک جماعت فراہم ہو جاتی ہے وہی قلزم کہلاتی ہے پھر مثال کے طور پر آپ دوسری جگہ لکھتے ہیں ؎

لفظ چوں از بیت خود بیروں نشست	گوہر مضموں بجیب خود شکست

برگ سبزے کز نہال خویش ریخت　　　از بہاراں تار امیدش گسیخت

جبکہ ایک لفظ کسی شعر سے خارج کر دیا جائے تو اس لفظ میں کچھ بھی مضمون باقی نہیں رہتا اور اسی طرح شعر بھی بے معنی ہو جاتا ہے یہ اجماع وانفراد کی پوری وضاحت ہے

جو پتا اپنے درخت سے ٹوٹ کر گر جاتا ہے۔ اسے بہار سے کچھ بھی امید نہیں رہتی پھر یہ پتا برباد ہونیکے سوا اور کسی مصرف کا بھی نہیں رہتا۔

ارکان اساسی ملیہ اسلامیہ میں پہلا رکن آپ نے توحید کو قرار دیا ہے اس سے بہتر تعلیم اور کیا ہوسکتی ہے توحید کا نمونہ ملاحظہ ہو ؎

ملت بیضا تن و جاں لاالہ　　　ساز ما را پردہ گرداں لاالہ

لاالہ سرمایہ اسرار ما　　　پردہ بند از شعلہ افکار ما (۱۲۲)

حرفش از لب چوں بدل آید ہمے　　　زندگی را قوت افزاید ہمے

نقش او گر سنگ گیرو دل شود　　　دل گر از یادش نہ سوزد گل شود

بنی نوع انسان کی انفرادی یا اجماعی حیات سے دفع مضرت کے جو قوانین آپنے قائم کئے ان میں پہلا قانون محکم اساس حزن وخوف اور یاس کی بیخکنی ہے جس کے ثبوت میں آپ نے قرآن مجید کا فلسفہ بیان کیا ہے اور لکھا ہے ؎

مرگ را ساماں ز قطع آرزو است　　　زندگانی محکم از لاتقنطو است

زندگی را یاس خواب آور بود　　　ایں دلیل سستی عنصر بود

چشم جاں را سرمہ اش اعمیٰ کند　　　روز روشن را شب یلدا کند

اے کہ در زندان غم باشی اسیر　　　از نبیؐ تعلیم لاتحزن بگیر

ایں سبق صدیقؓ را صدیقؓ کرد　　　سر خوش از پیمانہ تحقیق کرد

از رضا مسلم مثال کوکب است　　　در رہ ہستی تبسم بر لب است

گر خدا داری ز غم آزاد شو

از خیال بیش و کم آزاد شو

چونکہ مثنوی کے تمام مقامات نہایت ہی کار آمد ہیں اس لئے اقتباس نہایت ناممکن ہے رطب و یابس کلام میں سے تو یہ ممکن ہوتا ہے کہ اچھے اچھے اشعار چھانٹ کر اور خاص خاص شعر منتخب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کئے جائیں مگر یہ شکل یہاں متمنع ہے۔ لہذا اب ہم حسن ظاہر کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔

یہ کتاب قریب قریب پاکٹ سائز ہے کاغذ نہایت اعلیٰ وزنی سفید چکنا چمکدار ولایتی لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ جلی قلم سرورق بہت ہی خوشنما ہے ۱۳۹ صفحات

ہیں ان سب خوبیوں کے باوجود قیمت صرف ۴عہ ہے:۔

اپریل ۱۹۲۳ء، پیغام مشرق از محمد حسین، ص ۱۱-۲۰

چودھری محمد حسین (۲۸/مارچ ۱۸۹۴ء-۱۶/جولائی ۱۹۵۰) کا شمار علامہ اقبال کے بااعتماد رفقاء میں ہوتا ہے- یہ تحصیل پسرور کے باجواہ جاٹ گھرانے کے چشم و چراغ تھے- ایم-اے عربی اور فاضل تھے- پسرور سے میٹرک کرنے کے بعد ایم-اے تک اسلامیہ کالج لاہور کے طالب علم رہے- دوران تعلیم ۱۹۱۷ء کے آخر میں جب چودھری محمد حسین بی-اے میں پڑھتے تھے تو اقبال کے گہرے دوست نواب ذوالفقار علی خاں کے بچوں کے اتالیق مقرر ہوئے- یہیں اقبال سے ملاقاتوں کا آغاز ہوا (۱۲۳) اور پھر اقبال سے قریب ہوتے چلے گئے- یہاں تک کہ جب اقبال نے اپنا وصیت نامہ لکھا تو چودھری محمد حسین کو بھی اپنی اولاد کا والی مقرر کیا (۱۲۴)- اکبر کے رنگ میں شاعری کرتے تھے- شاعری میں اقبال کو اپنا استاد جانتے تھے- بالآخر اقبال کے کہنے سے ہی شاعری ترک کر کے نثر کی جانب متوجہ ہوئے (۱۲۵)- ۱۹۲۶ء میں علامہ اقبال کے اصرار پر چودھری محمد حسین نے پنجاب سول سیکرٹریٹ کی ملازمت اختیار کی (۱۲۶)- پریس برانچ کے سپرنٹنڈنٹ اور انچارج رہے- اس مقالے میں راقمہ نے پنجاب کے رسائل و اخبارات کی ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۳ء، ۱۹۳۶ء، ۱۹۳۸ء اور ۱۹۴۰ء کی جن سالانہ "Statements" سے استفادہ کیا ہے وہ چودھری محمد حسین کی ہی مرتب کردہ ہیں- ترقی پاتے پاتے پریس برانچ سے نکل ہوم ڈیپارٹمنٹ سے وابستہ ہوئے- ان کی خدمات کے اعتراف میں حکومت نے انہیں "خان صاحب" (۲۳/جون ۱۹۳۶ء) اور "خان بہادر" (یکم جنوری ۱۹۴۴ء) کے خطابات عطا کئے (۱۲۷)- مدراس و حیدرآباد اور پانی پت کے اسفار اقبال کی معیت میں کئے (۱۲۸)- علامہ اقبال کی وفات کے بعد تقریباً بارہ برس تک بڑی تندہی سے علامہ کا سونپا ہوا فریضہ ادا کیا- چودھری محمد حسین نے اقبال کی کتب پر معیاری مضامین تصنیف کئے جو "اقبال چودھری محمد حسین کی نظر میں" نامی مجموعے میں موجود ہیں (۱۲۹)- اقبال کے کئی مجموعوں کے طباعتی کام کی نگرانی ان کے ذمے رہی- وہ اقبال کے ہر ہر شعر کی شان نزول تک سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے اور اقبال کا ایک ایک شعر چودھری محمد حسین کی نگاہوں سے گزر کر چھپتا (۱۳۰)- "پیام مشرق" تو ۵ سے ۹/مئی ۱۹۲۳ء کے درمیان کسی روز مطبع سے چھپ کر پہنچی (۱۳۱)- چودھری محمد حسین نے اس کی اشاعت سے تقریباً دو ماہ قبل ہی اس پر مضمون لکھ کر شائقین کلام اقبال کو اس تصنیف کے آنے کی نوید سنادی- "پیام مشرق" کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "... علامہ اقبال کی تازہ ترین تصنیف —— الحمد للہ کہ ترتیب پا چکی ہے اور اس کا پہلا حصہ کاتب کے پاس لکھنے کو جا چکا ہے- اندازہ یہ ہے کہ دو مہینہ کے اندر اندر چھپ کر شائع ہو جائیگی (۱۳۲)-"" پیام مشرق" کی اشاعت سے قبل لکھا گیا یہ مضمون "پیغام مشرق" کے عنوان اور "اقبال کے تخیل کی نئی فضاؤں میں پرواز —— جرمن کے مشہور حکیم و شاعر گوئٹے کی کتاب "مغربی دیوان" کا جواب" جیسے تعارفی کلمات کے ساتھ فروری ۱۹۲۳ء میں حکیم احمد شجاع بی-اے (علیگ) کی ادارت میں لاہور سے نکلنے والے ادبی مجلے "ہزار داستان (۱۳۳)" میں شائع ہوا- "ہزار داستان" کے مدیر نے اداریے میں چودھری محمد حسین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ "... میں چوہدری محمد حسین صاحب ایم-اے کا ممنون احسان ہوں کہ انہوں نے پیام مشرق کی اشاعت کا پیامی بنکر اس اہم تصنیف کا مژدہ آمد سنایا اور اپنے عالمانہ مضمون میں جو اسی اشاعت میں شائع ہو رہا ہے-

بہت سے حقائق علمیہ پر روشنی ڈالی (۱۳۴) - "اسی مضمون کو روز نامہ "زمیندار" نے ۱۷، ۱۹، ۲۱ / مارچ ۱۹۲۳ء کی اشاعتوں میں "ہزار داستان" سے نقل کرنے کا نوٹ درج کرتے ہوئے بالاقساط شائع کیا (۱۳۵) - "زمیندار" کے بعد مجلّہ "صوفی" نے "پیغام مشرق" نامی اس مضمون کو اپریل ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں "ہزار داستان" کا حوالہ درج کر کے نقل کیا - محمد حنیف شاہد نے "اقبال چودھری محمد حسین کی نظر میں" نامی کتاب میں "زمیندار" کی اشاعتوں سے اسے نقل کیا ہے (۱۳۶) -اس کتاب میں چودھری محمد حسین کے اس مضمون کا عنوان "پیغام مشرق" کے بجائے "پیام مشرق" درج کیا گیا ہے- نیز "ہزار داستان" سے موازنے کے بعد اس میں بہت سے اغلاط نظر آتے ہیں مثلاً اس کے صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸ پر چودھری محمد حسین کی تحریر کے ابتدائی حصے میں کل تیرہ اغلاط کی نشاندہی ہوتی ہے جن میں الفاظ حذف کرنے اور الفاظ کا اضافہ کرنے تک کی اغلاط بھی ہیں- جبکہ "صوفی" کے متن کا "ہزار داستان" سے ایسا موازنہ کرنے سے کوئی غلطی سامنے نہیں آئی - گویا چودھری محمد حسین کی تحریر کی عمدگی "صوفی" میں برقرار رہے اور "اقبال چودھری محمد حسین کی نظر میں" میں اس مضمون کا حقیقی اسلوب برقرار نہ رہنے کے باعث تحریر کی خوبی متاثر ہوتی ہے- تاہم چودھری محمد حسین کا مافی الضمیر ادا ہو جاتا ہے- للہٰذا اقبالیات کی اس کتاب میں یہ مضمون درج ہو جانے کے باعث "صوفی" کی اشاعت سے اس کا نمونہ پیش نہیں کیا جا رہا-

<u>مارچ ۱۹۲۶ء، فلسفہ اقبال، از اکرام الحق سلیم، ص ۳۱-۳۷</u>

اقبال کے عکسی مکتوب کے مطابق اکرام الحق سلیم "شیخ" تھے- اندرون پاک دروازہ ملتان کے رہائشی تھے- بی- اے تک تعلیم پائی (۱۳۷)، اور عرصہ دراز تک سول سروس میں خدمات انجام دیتے رہے (۱۳۸) - ۱۹۲۵ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے سالنامہ "کریسنٹ" میں اقبال کا ایک انگریزی مضمون "Self in the Light of Relativity" شائع ہوا- شیخ اکرام الحق سلیم نے "نظریہ اضافیت کی روشنی میں خودی" کے عنوان سے اس کا ترجمہ "معارف" اعظم گڑھ کو اشاعت کی غرض سے بھجوایا- "معارف" کے مدیر سید سلیمان ندوی جن کے علامہ سے بڑے اچھے تعلقات تھے نے یہ ترجمہ ملاحظہ کے لئے علامہ اقبال کو بھجوا دیا، تاکہ علامہ اقبال کی رائے معلوم ہو سکے (۱۳۹) - کافی انتظار کے بعد جب شیخ اکرام الحق سلیم کو علامہ اقبال کے پاس مسودے کی موجودگی کا علم ہوا تو انہوں نے علامہ اقبال کو خط لکھ کر مسودہ جلد بھجوانے کے لئے کہا جس کے جواب میں علامہ اقبال نے ۱۱/ مئی ۱۹۲۶ء کو اکرام الحق سلیم کو لکھا کہ "جناب من! جہاں تک مجھے یاد ہے، میں نے آپ کا مسودہ علامہ موصوف (علامہ سید سلیمان ندوی) کی خدمت میں واپس بھیج دیا تھا- مگر ممکن ہے میرا حافظہ غلطی کرتا ہو- تلاش کروں گا اگر مل گیا تو بھیج دیا جائے گا (۱۴۰) - "شیخ اکرام الحق سلیم کے علامہ اقبال سے اس رابطے سے قبل جنوری ۱۹۲۶ء کے "معارف (۱۴۱)" میں "فلسفہ اقبال" کے عنوان سے ان کا ایک مضمون طبع ہو چکا تھا- لیکن علامہ اقبال نے ۱۱/ مئی ۱۹۲۶ء کے اس خط میں شیخ اکرام الحق کے ترجمے اور مضمون "فلسفہ اقبال" دونوں کے بارے میں اپنی رائے محفوظ رکھی اور مختصر جواب پر اکتفا کی- اقبال کا یہ رویہ معنی خیز ہے- "معارف" میں "فلسفہ اقبال" کی اشاعت کے بعد مجلّہ "صوفی" نے ماخذ کا حوالہ درج کرتے ہوئے "معارف" سے اپنی اس اشاعت میں شیخ اکرام الحق سلیم کے اس مضمون کو نقل کیا- اقبال کا فلسفہ بیان کرنے والے اس مضمون کی تمہید میں لکھا گیا تھا کہ "جب کسی قوم میں شجاعت اور جوانمردی کا جوہر کمال پر ہوتا ہے، اوس کے افراد میدان کارزار کو عیش ونشاط کا

ایوان خیال کرتے ہیں۔شمشیر کی عریانی، ہلال عید کی تابانی کا لطف پیدا کرتی ہے، تو شاعر نعرہ جنگ بلند کرتا ہے، اور قتل و غارت کا طبل بجاتا ہوا اٹھتا ہے۔وہ گوہر افشاں نہیں شرر ریز ہوتا ہے، اس کے منہ سے پھول نہیں جھڑتے چنگاریاں برستی ہیں، اس کے اشعار خنجر براں سے تیز تر ہوتے ہیں۔"اور اس موقف کے حق میں زمانہ جاہلیت کی مثالیں پیش کی گئیں۔اسی طرح آگے چل کر مضمون نگار اپنے موضوع کی طرف گریز کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حالی نے خوابیدہ قوم کو جگایا، اکبر نے تیل چھڑکا اور علامہ اقبال نے دنیائے اسلام میں آگ لگا دی۔اس کے بعد "اخوت اسلامی"، "یاس اور حزن"، "خود اعتمادی و خودداری" کے ذیلی عنونات قائم کر کے اقبال کے فلسفے کو سمجھانے کی کوشش کی اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اہل مغرب کے اقبال پر خونخواری کی تعلیم دینے کے الزامات کو رد کیا گیا ہے۔مضمون کا مطالعہ اقبال کی خاموشی کو مفہوم عطا کر دیتا ہے۔سید وقار عظیم نے اس مضمون کو "معارف" سے "اقبال معاصرین کی نظر میں"[۱۴۲] نامی کتاب میں بڑی محنت سے بیالیس حوالہ جات و حواشی سے مزین کر کے پیش کر دیا ہے۔لہٰذا اس کا نمونہ درج نہیں کیا جا رہا۔

<u>اپریل ۱۹۳۱ء، ایک علیحدہ مسلمان صوبہ۔سر محمد اقبال کی زبردست تجویز!، از "(ایک اعتدال پسند ہندو کے قلم سے)"، ص ۴۵-۴۷</u>

برصغیر میں مسلم سیاست کے سنگ میل یعنی خطبہ الٰہ آباد سے مدیر "صوفی" کی دلچسپی کا حال اس مقالے کے باب سوم اور پنجم میں بیان ہو چکا ہے کہ کس طرح انہوں نے سید نذیز نیازی سے اس کا ترجمہ کرایا اور پھر رسالہ "صوفی" میں اور "مسلم انڈیا" نامی ایک کتابچے کی صورت میں طبع کر کے اسے مفت تقسیم کیا۔نیز برصغیر کی سیاست میں مسلم مفادات کی راہ ہموار کرنے کے لئے مجلّہ "صوفی" میں اسے مضامین، تقاریر، بیانات اور دیگر تحریریں شائع کیں جن سے خطبہ الٰہ آباد کے مفہوم کی کلی یا جزوی تائید و تصدیق ہوتی تھی۔یہ مضمون اسی سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔یہ مضمون "صوفی" کے جس شمارے میں شائع ہوا یہ وہی شمارہ ہے جس کے صفحہ نمبر گیارہ تا چھبیس پر خطبہ الٰہ آباد کا ترجمہ پیش کیا گیا۔گویا یوں سمجھ لیجئے کہ جہاں خطبہ آلہٰ آباد کی خاطر اس شمارے کی آٹھ ہزار کاپیاں مفت تقسیم کی گئیں وہاں یہ مضمون بھی آٹھ ہزار کی تعداد میں مفت تقسیم ہوا۔اس کے ساتھ مضمون نگار کا نام تحریر نہیں کیا گیا بلکہ فقط یہ لکھ دیا گیا ہے کہ "ایک اعتدال پسند ہندو کے قلم سے" واضح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ "اعتدال پسند ہندو" کون ہیں؟ مضمون کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مضمون نگار کو اعتدال پسند ہندو سمجھنا درست نہیں یہ تو کسی 'مسلم پسند ہندو' کے قلم کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔یوں دیکھا جائے تو "صوفی" کے قلمی معاونین میں ایک ایسا نام سامنے آتا ہے جنہیں مسلم پسند ہندو کہنا بجا و درست ہے۔یہ نام "چوہدری دِلّو رام کوثریؔ" کا ہے۔جو نانڈری ضلع حصار کے رہنے والے تھے۔اور عرصہ دراز سے "صوفی" کو اپنا کلام بھیج رہے تھے۔"صوفی" کے بے شمار شماروں میں ان کا کلام موجود ہے۔حضور کریمؐ کی غلامی کا دعویٰ کرنے والے دِلّو رام کوثریؔ کے کلام کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کا ایک ادنےٰ غلام

کرائے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمدؐ کا
مسلماں مان جائیں لوہا سب تیغ مہند کا

جدا کب لام دِلّورام ہے میم محمدؐ سے
تعلق سو طرح کا ہے مشدد سے مشدد کا

محمدؐ اور دِلّورام میں نقطہ نہیں کوئی
کہ ہے مداح اور ممدوح میں یہ ربط کس حد کا

کبھی گنگا میں آ ڈوبا کبھی کوثر پہ جا نکلا　　پتہ کچھ بھی نہیں مخصوص درویش مجرد کا

یہی ہر چار عنصر کا اشارہ ہے کہ لے رستہ　　مدینے کا نجف کا کربلا کا اور مشہد کا

محمدؐ کی شفاعت پر یقیں تھا نعت گو یونکو　　کسی نے قافیہ باندھا نہیں ابتک جو شاہد کا

لکھوں کیا کوثریؔ میں میں کونسا قصہ ہے اب باقی

محمدؐ جب خدا کا ہے خدا جب ہے محمدؐ کا (۱۴۳)"

اسی طرح دِلّو رام کوثریؔ نے "فاتح بیت المقدس" کے عنوان سے جولائی ۱۹۱۸ء کے "صوفی" میں حضرت عمرؓ کی مدح سرائی کی۔ اور جنوری ۱۹۲۹ء میں "ظہور مہدیؑ" کے عنوان سے اسلامی سوچ کی حامل ایک نظم پیش کی (۱۴۴)۔ تاہم راقمہ وثوق سے دِلّو رام کوثریؔ کا نام اس مضمون کے مصنف کے طور پر پیش نہیں کر سکتی کیونکہ دِلّو رام کوثریؔ اگرچہ مسلم پسند سوچ رکھنے والے تھے لیکن ان کا پیرایہ اظہار نظم تھا اور پھر یہ سوال ابھرتا ہے کہ جو شخص اپنی مسلم پسندی کا کھل کر اظہار کر رہا ہے اسے خطبہ الہٰ آباد کی پسندیدگی کے حوالے سے خود کو چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ گویا کوشش کے باوجود حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اعتدال پسند یا مسلم پسند ہندو کون ہیں؟ "صوفی" میں چھپنے والی خطبہ الہٰ آباد کی تمہید میں سید نذیر نیازی نے "ٹائمز آف انڈیا" میں چھپنے والی ایک لبرل ہندو کی ایسی ہی تحریر کا حوالہ دیا ہے۔ جس کا ترجمہ روزنامہ "انقلاب" میں یکم فروری ۱۹۳۱ء کو شائع ہوا۔ تاہم "انقلاب" کا ترجمہ متن کے اعتبار سے "صوفی" سے مختلف ہے (۱۴۵)۔ راقمہ کا قیاس ہے کہ "صوفی" میں شائع ہونے والا یہ مضمون "ٹائمز آف انڈیا" کی تحریر کا ترجمہ ہی ہے جو "صوفی" کے لئے کرایا گیا یا "صوفی" نے کسی دیگر ماخذ سے اسے حوالہ دیئے بغیر درج کر دیا ہے۔ بہر حال مضمون پڑھ کر مضمون نگار کی پختگی فکر اور بیان پر قدرت رکھنے کا پتہ چلتا ہے۔ مضمون نگار نے دلائل کو ایسے سلیقے سے پیش کیا ہے کہ یہ چھوٹی سی تحریر اقبال کی تجویز کی حمایت میں ایک بڑا سہارا بن کر سامنے آتی ہے۔ اس مضمون میں اقبال کو اس حوالے سے مزید اظہار خیال کرنے کی تحریک دی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس کے حق میں سیاسی طریق پر اپنی کوششیں تیز کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے حوالے سے عددی تجزیہ کر کے ہندوؤں کو اقبال کی اس تجویز سے پہنچنے والے ممکنہ فوائد کا احساس دلایا گیا ہے اور سر فیڈرک وہائٹ کے خیال کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے انتظامی عذر کو رفع کر کے اقبال کی تجویز کے لئے راہ ہموار کی ہے۔ نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"ایک علیحدہ مسلمان صوبہ

سر محمدؐ اقبال کی زبردست تجویز!

(ایک اعتدال پسند ہندو کے قلم سے)

کچھ عرصہ ہوا آل انڈیا مسلم لیگ کی کرسی صدارت سے سر محمدؐ اقبال نے یہ عظیم الشان خیال پیش کیا کہ سندھ۔ بلوچستان۔ صوبہ سرحد اور پنجاب کو ملا کر ایک علیحدہ مسلمان صوبہ بنا دیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ اس تجویز سے ہندو مسلم سوال کو ہمیشہ کے لئے حل کر دیا جا سکتا ہے اور جیسا کہ انہوں نے صریح طور پر فرما

دیا-اس تجویز کے پیش کرنے سے ان کا مقصد بھی یہ تھا-سر محمد اقبال کو یہ احساس ہے کہ اس فیڈرل[۱] حکومت (۱۴۶) کو جسکی تجویزیں ہو رہی ہیں اسلامی تہذیب کے بقا اور نشو و نما کی واحد صورت ہندوستان میں شہر دی قسم کے ایک صوبہ کو معرض وجود میں لانا ہے-سر محمدؐ اقبال کو یقین ہے کہ اگر یہ بات منظور کر لی جائے تو ہندوستان کے مسلمان اپنے ملک کی آزادی کے لئے ہر ممکن قربانی کرنے کے لئے آمادہ ہیں-مسلمان محض یہ چاہتے ہیں کہ جو آئین حکومت ہندوستان کے لئے تجویز کیا جائے اس میں واضح طور پر مسلمانوں کو ایسے اختیارات دیئے جائیں کہ اپنی روایات اور اپنی تہذیب کو تحفظ کے معاملہ میں انہیں بالکل مکمل آزادی ہو اور آئین حکومت میں صریح طور پر یہ امر واضح کر دیا جائے کہ مسلمانوں کی روایات کے ساتھ کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائیگی-

لنڈن کی گول میز کانفرس (کانفرنس) کے بحث و مباحث سے تین اصول صریح طور پر ظاہر ہو گئے ہیں-اور جیسا کہ سر تیج بہادر سپرد نے فرمایا-وہ تین اصول مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) فیڈرل حکومت میں تمام ہندوستان شامل ہو-یعنی ہندوستانی ریاستیں بھی-

(۲) مرکزی حکومت ذمہ دار ہو-یعنی مرکزی حکومت جو کہ صوبجاتی حکومتوں سے ایک علیحدہ چیز ہے-مرکزی لجسلیٹو اسمبلی یا فیڈرل اسمبلی کے ہاں ذمہ دار اور جوابدہ ہو-

(۳) ازمنہ مستقبل میں ہندوستان کی فوجی حفاظت ہندوستانیوں ہی کے ہاتھ میں ہو-حکومت برطانیہ نے بھی اپنے وزیراعظم مسٹر ریمزے میک ڈانلڈ کے ذریعہ اپنی نیت کا جو اظہار کیا ہے اس سے یہ امر واضح ہے کہ اور معاملات کے متعلق خواہ ہے کیا فیصلہ ہو فیڈریشن میں تمام ہندوستان شامل ہوگا-یعنی ریاستیں بھی-اس لئے سر محمدؐ اقبال نے چند شرائط کے مستقبل میں پیدا ہو جانیکی صورت میں جو مطالبہ ایک علیحدہ مسلم صوبہ کے لئے کیا تھا-وہ شرائط اب پوری ہو گئی ہیں اور اس امر کی اب توقع کی جاسکتی ہے کہ اس مطالبہ کے حق میں سر محمدؐ اقبال نے ان دلائل سے جو کہ انہوں نے دسمبر میں الہ آباد میں پیش کیں (۱۴۷) اب بہت زیادہ صریح اور معقول دلائل پیش کر سکیں گے-جیسا کہ اس وقت انہوں نے فرمایا اس موضوع پر وہ بہت صریح خیالات رکھتے ہیں گو کہ اس وقت ان خیالات کا اظہار کر دینا انہوں نے بوجوہ قبل از وقت سمجھا کیا اب وہ وقت آ نہیں گیا کہ سر محمدؐ اقبال ان خیالات کا اظہار کر ڈالیں؟

آل انڈیا مسلم لیگ کے ڈیلیگیٹوں نے سر محمدؐ اقبال کے غیر مکمل اظہار خیالات کو سننے کے علاوہ کچھ نہ کیا-اجلاس نے کوئی ایسے ریزولیوشن پاس نہ کئے جن سے ان کی تجویز سے اتفاق رائے یا اختلاف کا اظہار ہو-مسٹر جناح-سر محمدؐ شفیع-مولینا شوکت علی-ہز ہائینس-سر آغا خان اور دیگر مقتدر رہبران قوم کی عدم موجودگی میں انہوں نے اس قدر اہم مبحث پر کوئی قطعی فیصلہ کر دینا غیر مناسب سمجھا-صوبجات کے نئے طریق سے ترتیب دینے کا مسئلہ ہندوستان اور انگلستان

---

[۱] فیڈرل اس آئین میں حکومت کو کہتے ہیں جس میں بعض بعض اختیارات تو مرکزی حکومت کو دے دیئے جائیں اور بعض صوبجاتی حکومتوں کو جو اختیارات خاص طور پر یا مرکزی حکومت کو یا صوبجاتی حکومتوں کو نہیں دیئے جاتے-وہ بعض جگہ سب کے سب صوبجاتی حکومتوں کو ملتے ہیں-اور بعض جگہ سب کے سب مرکزی حکومتوں کو مسلمان راہنمایان سیاست کا یہ مطالبہ ہے کہ ہندوستانی حکومت میں یہ اختیارات مرکزی حکومت کو نہیں بلکہ صوبجاتی حکومتوں کو دیئے جائیں (۱۴۸) -

کے سیاسی رہنماؤں اور سیاسی انجمنوں کی توجہ کو اب غیر معمولی طور سے مبذول کریگا اور غالباً اب زیادہ دیر باقی نہیں کہ سرحدوں کی تحدید کے لئے ایک کمیشن مقرر ہو جائیگا - اس لئے معقول اور غور کردہ تجاویز کے حامیوں کے لئے اب وقت آ گیا ہے کہ وہ رائے عامہ کو اپنی تجاویز کے حق میں تعلیم دینا شروع کر دیں -

سر محمدؐ اقبال کی اس تجویز کی بیحد مخلصانہ تنقید کی گئی ہے ان کی تنقید کرنے والوں میں نہ صرف ہندو راہنما اور ہندو اخبارات تھے - بلکہ چند مسلمان راہنما بھی - بعض نے تو سر محمد اقبال کو صرف ایک شاعر سمجھ کر اس تجویز کو رد کر دیا - اور بعض نے فقط اتنا کہدینا کافی خیال کیا کہ وہ پین اسلامسٹ ہیں - یعنی تمام اسلامی ممالک کو ایک سلطنت میں متحد دیکھنا چاہتے ہیں - ایک نوجوان مسلم راہنما نے تو ان پر یہ حملہ کر دیا کہ وہ ہندوستان میں اس قسم کی نا اتفاقی پیدا کرنا چاہتے ہیں جیسی کہ آئرلینڈ میں السٹر کی وجہ سے پیدا ہوئی ایسے اشخاص جنہوں نے ایک خاص انداز ہی سے بولنے اور ایک خاص دائرے کے اندر ہی اپنے خیالات کو محدود رکھنے کا تہیہ کر لیا - اسی قسم کی تنقید کی توقع کی جا سکتی ہے اس ضمن میں اسی بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں کہ پروفیسر جی آر تھینکر ہندوستان کی ریاستوں کے مسائل کے مشہور ماہر نے بھی اپنے آپ کو اس خیال کا حامی ظاہر کیا تھا کہ ہندوستان کی فیڈریشن میں شامل ہونے والے صوبجات تین قسم کے ہونے چاہئیں - ہندو صوبے مسلم صوبے اور ریاستیں - اس میں کوئی شک نہیں کہ مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر مسٹر تھینکر نے مسلمان صوبجات کی تجویز پیش کی ہے - وہ ممکن ہے کہ جن مصلحتوں[۱۴۹] سے مختلف ہوں جن کی بنا پر اس تجویز کو سر محمدؐ اقبال نے پیش کیا ہے - لیکن اس میں شک نہیں کہ سر محمدؐ اقبال کی یہ دلیل نہایت زبردست ہے کہ فیڈرل حکومت میں ریاستوں کے شامل ہو جانیکے بعد ہندوں (ہندوؤں) کی پوزیشن فیڈرل حکومت میں بہت زبردست ہو جائیگی جو کہ ریاستوں کے عدم شمول کی صورت میں وہ نہ ہونے پاتی - میرے خیال میں یہ واحد دلیل اس امر کے لئے کافی ہے کہ انسان سر محمدؐ اقبال کے اس مطالبہ کو ہمدردی کی نظروں سے دیکھے کہ اسلامی روایات اور اسلامی تہذیب کے بقا اور نشو و نما کی خاطر ایک ایسے صوبہ کو معرض وجود میں لانا بیحد ضروری ہے جس میں مسلمانوں کی بہت اکثریت ہو - کیا یہ امر بالکل غیر ممکن ہے کہ ہندو سر محمدؐ اقبال کی تجویز لر[۱۵۰] ہمدردی سے غور کریں - ہندو راہنماؤں نے بھی ہنوز اس تجویز پر دراصل غور نہیں کیا ہے - اگر اور کوئی وجہ بھی نہ ہو تو محض اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے کہ اس قسم کے ایک صوبے کے معرض وجود میں لانے کی صورت میں ہندوں کے فائدے[۱۵۱] کیا پہنچ سکتے ہیں اور نقصان کیا کیا ہو سکتے ہیں - ہندوں کے لئے اس معاملہ میں غور کرنا نہایت ضروری ہے، یہ امر کہ سندھ کو اب صوبہ بمبئی سے علیحدہ کر دیا جائے اب تقریباً تقریباً یقینی معلوم ہوتا ہے یہ کہ اس کو پنجاب کے ساتھ ملحق کر دیا جائیگا یا نہیں ابھی نہیں کہا جا سکتا - صوبہ سرحد کو بھی ضرور اب ایک ایسا صوبہ بنا دیا جائیگا جس میں آئندہ بجائے چیف کمشنر کے گورنر ہوا کریگا - اب دیکھنے کی بات صرف یہ رہ جاتی ہے کہ اگر سندھ بلوچستان - صوبہ سرحد اور پنجاب کو ملا کر ایک مسلمان صوبہ بنا دیا جائے، تو ہندوں کے نقطۂ نظر سے کیا فرق پڑتا ہے - پنجاب کی تمام آبادی میں ہندو ۳۲ فیصدی ہیں - تعداد ان کی تقریباً ۶۶ لاکھ ہے - سندھ میں ہندو تمام آبادی کا تقریباً ۲۵ فیصدی حصہ ہیں تعداد ان کی آٹھ لاکھ ہے - صوبہ سرحد میں وہ تمام آبادی کا چھ فیصدی حصہ ہیں تعداد ان کی تقریباً ڈیڑھ لاکھ ہے - بلوچستان میں وہ آبادی کا ۱/۲-۹ (ساڑھے نو) فیصدی حصہ ہیں - اور تعداد انکی ۳۸۰۰۰ سے قدرے زیادہ ہے - ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہ تعداد تقریباً تقریباً صحیح ہیں -

اب اگر یہ بات فرض کر لی جائے کہ سر محمدؒ اقبال کے خیال کے مطابق اس قسم کا مسلمان صوبہ معرض وجود میں آ یا جائے تو ہندوں کی پوزیشن بحیثیت مجموعی کیا اس سے بہتر رہیگی یا کہ اسے نقصان پہنچیگا - اس وقت ہندو - سندھ - صوبہ سرحد اور بلوچستان میں بہت زبردست اقلیت میں ہیں اگر ایک نیا صوبہ بنا دیا جائے تو اس میں ہندوؤں کی تعداد ۷۵ لاکھ ہوگی اور اس طرح نئے صوبوں میں ہندوں کی اقلیت ایک نہایت زبردست اقلیت ہوگی اور ان تمام حقوق کے جو کہ اس قسم کی زبردست اقلیت جائز طور پر پیش کرے وہ حقدار ہونگے - ہندو اور سکھ پنجاب میں اپنی تعداد کے لحاظ سے بہت کافی طاقتور ہیں اور اگر صوبہ سرحد - سندھ اور بلوچستان کے ہندوں کی قلیل تعداد کا ان میں اضافہ ہو جائے تو بھی اپنے حقوق کی وہ بہت اچھے طریقے سے حفاظت کر سکیں گے اور بہر صورت پنجاب کے باہر کے صوبجات کے ہندوں کو تو اس بات سے بہت ہی فائدہ ہوگا کہ پنجاب سے ان کا الحاق ہو جائے - پنجاب سے علیحدہ رہنے کی صورت میں ان کی پوزیشن نسبتاً بہت کمزور رہیگی - اگر سیاسی حقوق انکو دیدیے جائیں اور فیڈرل آئین حکومت میں ان کے بشری حقوق کا تحفظ کر دیا جائے - تو ہندوں کو پھر مطلق یہ خدشہ نہیں رہتا کہ مسلمان اکثریت ان کے لئے زبردست ثابت ہوگی - اس تجویز پر البتہ ایک اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ اس قسم کا صوبہ اگر بنایا جائے تو اس کا حجم اس قدر وسیع ہوگا کہ انتظامی معاملات میں شاید دقت پیدا ہو - یہی اعتراض اس تجویز کے خلاف نہرو کمیٹی نے کیا تھا - اس سلسلہ میں بس اس امر کی طرف اشارہ کافی ہے کہ لارڈ ریڈنگ کی فرمائش پر سر فیڈرک وہائیٹ نے ہندوستان کیلئے ایک آئین حکومت کے موضوع پر ایک کتاب جو لکھی تھی تو اس میں ایک یہ تجویز پیش کی تھی کہ دہلی سے لے کر پٹنہ اور بنارس تک کے علاقوں کو جہاں لوگ اردو اور ہندی بولتے ہیں ملحق کر کے ایک ہی صوبہ بنا دیا جائے - سر فیڈرک وہائیٹ کا خیال تھا کہ اس صوبہ کی اہمیت ہندوستان کی فیڈریشن میں بالکل ویسی ہی ہوگی جیسی کہ جنگ عظیم کے پہلے جرمنی کے فیڈریشن میں پرشیا کی تھی - اگر بنارس اور پٹنہ سے لیکر دہلی تک کے علاقہ کا ایک صوبہ بنا دینے کی تجویز سے انتظامی معاملات میں پیدا ہو جانے کا خدشہ نہیں تو سندھ - بلوچستان - صوبہ سرحد اور پنجاب کے الحاق سے ایک مسلمان صوبہ بنا دینے کی تجویز بھی انتظامی معاملات میں کوئی دقت پیش نہ کرے گی -''

مئی ۱۹۳۱ء، ہندی اسلامی ریاست، از سید نذیر نیازی، ص ۴۳-۵۴

سید نذیر نیازی (۱۹۰۰ء-۲۴ رجنوری ۱۹۸۱ء) اقبال کا قرب حاصل کرنے والے رفقاء میں چودھری محمد حسین کے بعد دوسرے نمبر پر آتے ہیں - ان کا تعلق اقبال کے محبوب استاد شمس العلماء مولوی میر حسن کے خانوادے سے تھا - دینا نگر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے (۱۵۲) - قادیان سے میٹرک اور سیالکوٹ سے انٹر کرنے کے بعد لاہور، علی گڑھ میں بی - اے کے طالب علم رہے، بالآخر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے ۱۹۲۱ء میں جامعہ کے طلباء کی پہلی کھیپ میں گریجویٹ ہوئے - بعد ازاں ۱۹۶۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم - اے فارسی کی ڈگری بھی حاصل کی (۱۵۳) - ۱۹۲۲ء میں جامعہ ملیہ دہلی میں فلسفہ، منطق اور تاریخ کے پروفیسر ہوئے اور ۱۹۳۵ء تک ملازمت کا یہ سلسلہ جاری رہا (۱۵۴) - علامہ اقبال سے رابطے کا آغاز ۱۹۱۸ء میں ہوا جو علامہ کی وفات تک جاری رہا - علامہ اقبال کے ایماء پر سید نذیر نیازی نے "طلوع اسلام" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا اور انہی کے کہنے پر دہلی سے لاہور منتقل ہوئے (۱۵۵) - اقبال سے خط و کتابت رہی اور اقبال کے خطبات مدراس اور خطبہ الٰہ آباد کے ترجمے کا کام بڑی ذمہ داری سے انجام دیا - اقبال کی وفات کے بعد اقبال سے تعلق

رکھنے والی کئی تنظیموں اور اداروں میں دلچسپی لیتے رہے- ان کی کتابیں "اقبال کا مطالعہ اور دوسرے مضامین"، "دانائے راز"، "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ"، "اقبال کے حضور" اور "مکتوبات اقبال" اقبالیاتی ادب میں گراں بہا اضافہ ہیں- مدیر "صوفی" سے بھی سید نذیر نیازی کے مراسم تھے- سید نذیر نیازی خلافت کے سرگرم رکن تھے (۱۵۶)، اور اس کی خاطر کئی قربانیاں دے چکے تھے- ایک ترک جرنیل سے متاثر ہو کر ہی اپنے نام کے ساتھ نیازی لکھنا شروع کیا- مدیر "صوفی" ملک محمد الدین اعوان بھی خلافت وفد کے رکن اور جامعہ ملیہ کے ٹرسٹی تھے- دوسرے سید نذیر نیازی کو ادب سے دلچسپی تھی اور مدیر "صوفی" کے فرزند اکبر ملک محمد اسلم خاں ادب کا ذوق رکھتے تھے- چنانچہ سید نذیر نیازی "صوفی" میں اس وقت زیادہ فعال نظر آئے جب پہلی بار ملک محمد اسلم خاں کو ادارت میں شامل کیا گیا- اس دوران سید نذیر نیازی ادبی شہ پاروں کو "صوفی" کے لئے ترجمہ کرتے رہے- جیسے "صوفی" کے مارچ ۱۹۲۸ء کے شمارے میں سید نذیر نیازی نے دستفیسکی کا ایک افسانہ "جرم اور تعزیر" کے عنوان سے ترجمہ کیا (۱۵۷) - اور "صوفی" کے اپریل و مئی ۱۹۲۸ء کے عید نمبر کے لئے یفرمینوف کا ڈراما "تماشائے روح" کے عنوان سے ترجمہ کیا (۱۵۸) - دیگر تراجم بھی سامنے آتے رہے- تاہم ان تراجم سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال کے خطبات مدراس یا خطبہ الہٰ آباد کا ترجمہ کرنے سے قبل وہ ایک اچھے مترجم کی شہرت رکھتے تھے- اقبال کے خطبہ الہٰ آباد کا ترجمہ بھی انہوں نے مدیر 'صوفی" کے اصرار پر کیا- جس کی تفصیل اس مقالے کے باب سوم اور پنجم میں موجود ہے- تاریخ سید نذیر نیازی کا پسندیدہ موضوع تھا اور وہ جامعہ سے تاریخ کے پروفیسر کی حیثیت سے بھی وابستہ رہے- لہٰذا انہوں نے اپنے ذاتی شوق اور دلچسپی سے اس پر ایک تمہید لکھ ڈالی- جس میں خطبہ الہٰ آباد کے پس منظر کو حقیقت پسندانہ تجزیے کی روشنی میں بیان کیا گیا اور مسلمانوں کو ان کی سیاسی خطاؤں کا احساس دلایا گیا- اس میں برصغیر میں مختلف تاریخی دھاروں کو سمجھتے ہوئے خطبہ آلہٰ آباد میں اقبال کے موقف کا جواز پیش کیا گیا اور منطقی حوالے سے اقبال کے خیال کو مسلمانوں کی ضرورت بتایا گیا- تمہید کے آخری حصے میں سید نذیر نیازی نے خطبہ الہٰ آباد کی بناء پر اقبال پر کئے جانے والے تین اعتراضات کا بھی تشفی آمیز پیرائے میں جواب دیا- اقبال کے خطبہ صدارت کا ترجمہ پندرہ صفحات کا تھا جبکہ تمہید بارہ صفحات کی تھی- چنانچہ مدیر "صوفی" نے اپنے نوٹ کے ساتھ اپریل ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں فقط خطبے کا ترجمہ پیش کیا اور اس سے اگلی یعنی مئی ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں سید نذیر نیازی کی خطبہ الہٰ آباد کے لئے لکھی گئی اس تمہید کو "ہندی اسلامی ریاست" کے عنوان سے پیش کر دیا- تمہید کے انجام پر مدیر "صوفی" نے قوسین میں "خاص" لکھ دیا ہے- اسے "صوفی" سے "اقبالیات نذیر نیازی (۱۵۹)" میں حواشی درج کرتے ہوئے نقل کر دیا گیا ہے- لیکن مرتب اس حقیقت سے واقف نہیں کہ یہ خطبہ الہٰ آباد کے ترجمے پر لکھی جانے والی تمہید ہے جسے مدیر "صوفی" نے خطبے سے الگ کر کے شائع کیا- نذیر نیازی کی یہ تحریر چونکہ اقبالیات کی اس کتاب میں موجود ہے اس لئے نمونہ درج نہیں کیا جا رہا-

<u>مئی ۱۹۳۱ء، مسلم نمائندگان اور گاندھی صاحب کی دھلی کی گفتگو، از "ایک چشم دید گواہ کا بیان" ص ۵۶-۵۸</u>

آل انڈیا مسلم کانفرنس ۱۹۲۸ء میں قائم ہوئی- شروع سے ہی علامہ اقبال مختلف حیثیتوں سے مسلم کانفرنس کے لئے خدمات انجام دیتے رہے- اس مقالے کے باب پنجم میں مسلم کانفرنس کے حوالے سے اقبال کی سرگرمیاں بیان کی گئی ہیں- کانفرنس کے آغاز سے ہی علامہ اقبال اس کی ورکنگ کمیٹی کے رکن

تھے اور آغاز کار میں بننے والی کانفرنس کی انیس اراکین پر مشتمل ورکنگ کمیٹی میں میاں سر محمد شفیع کے بعد دوسرا نام علامہ اقبال کا ہی تھا[۱۶۰] - علامہ اقبال ورکنگ کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے ۴/اپریل ۱۹۳۱ء کو مولانا شوکت علی، سر محمد شفیع، ملک فیروز خاں نون، مولانا حسرت موہانی، حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون، نواب سر عبدالقیوم اور سید حبیب مدیر "سیاست" سمیت تقریباً پندرہ اراکین ورکنگ کمیٹی کے ہمراہ گاندھی اور کانگرس کے دیگر نمائندوں سے "۲۳ - دریا گنج روڈ دہلی" میں ملے - علامہ اقبال نے مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے ۲۱/ مارچ ۱۹۳۲ء کو لاہور میں خطبہ صدارت ارشاد فرمایا گویا گاندھی سے ہونے والی علامہ کی یہ ملاقات کانفرنس کے خطبہ صدارت سے تقریباً ایک سال قبل کی ہے - اس ملاقات میں اقبال نے گاندھی سے جہاں دیگر معنی خیز باتیں کیں وہاں پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ دوٹوک الفاظ میں یہ بھی کہا کہ "... میرے پاس ایسی ٹھوس اقتصادی اور سیاسی وجوہات ہیں کہ اگر مخالفین طریقہ جداگانہ انتخاب صاف دلی سے ہماری وجوہات سن لیں تو وہ اس کی صداقت سے انکار نہ کرسکیں گے -" گاندھی سے ملاقات کی یہ روداد کسی مسلم نمائندے کی تحریر کردہ ہے لیکن بوجوہ نام ظاہر نہیں کیا گیا - مدیر "صوفی" نے اس روداد کے اختتام پر توسین میں لفظ "خاص" لکھ کر گویا یہ اشارہ کر دیا ہے کہ یہ روداد خاص طور پر "صوفی" کے لئے لکھی گئی ہے یعنی یہ "صوفی" کے علاوہ کہیں اور دستیاب نہیں - کے - کے عزیز کی کتاب[۱۶۱] میں اس ملاقات سے اگلے روز یعنی ۵/اپریل ۱۹۳۱ء کو ہونے والے مسلم کانفرنس کے خصوصی اجلاس میں ارشاد فرمایا جانے والا مولانا شوکت علی کا خطبہ صدارت اور کانفرنس کی قرارداد تو موجود ہیں لیکن ۴/اپریل ۱۹۳۱ء کو گاندھی سے کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے اراکین کی ملاقات کا حال درج نہیں کیا گیا - گاندھی سے علامہ کی اس کی ملاقات کا حال چونکہ اقبالیات و تاریخیات کی کسی کتاب میں دستیاب نہیں لہٰذا مجلّہ "صوفی" سے نمونہ درج کیا جاتا ہے:

"مسلم نمائندگان اور گاندھی صاحب کی دہلی کی گفتگو (گفتگو)
ایک چشم دید گواہ کا بیان
گاندھی جی کا زبانی جمع خرچ اور معاملہ کی ٹال

گاندھی صاحب کی دعوت پر آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی جس میں تقریباً پندرہ اصحاب موجود تھے - ۴/اپریل کو ۲۳ دریا گنج روڈ دہلی میں گاندھی صاحب اور دیگر نمائندگان کانگریس سے ملے - وفد میں سر محمد اقبال مولینا شوکت علی اور سر محمد شفیع تینوں حضرات موجود تھے جن کو ہندو پریس مسلمانوں کی بالمقابل جماعتوں کے لیڈر ظاہر کر کے اس امر کا اظہار کرنیکی کوشش کر رہا تھا کہ مسلمانوں میں اتفاق نہیں ہے - مولینا حسرت موہانی - حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون - آنریبل ملک فیروز خاں نون اور دیگر مقتدر مسلمان بھی وفد میں موجود تھے - اور وفد ہر لحاظ سے مسلمانوں کا ایک بالکل نمائندہ وفد تھا - گاندھی صاحب نے ابتداء میں کہا کہ آپ لوگ میرے سامنے مسلمانوں کے متفقہ مطالبات پیش کریں - جس پر جواباً کہا گیا کہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء کا دہلی کا ریزولیشن (یعنی مسٹر جناح کے چودہ

نکات) مسلمانوں کا متحدہ مطالبہ ہیں۔ گاندھی صاحب نے کہا کہ بہت سے "نیشنلسٹ مسلمان[۱] "اس کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔ اگر آپ متفقہ مطالبات دیدیں تو میں ہندو قوم کو ان پر راضی کرنے کی کوشش کرونگا۔ سیٹھ عبداللہ ہارون نے گاندھی صاحب کو یاد دلایا کہ وہ خود بھی اپنے مطالبات کو مسلمانوں کی طرح حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور ان کی اور مسلمانوں کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں اور ساتھ ہی گاندھی صاحب سے کہا۔ "آپ ہمارے ساتھ ایسے گفتگو کرتے ہیں جیسے لارڈ برکنہیڈ آنجہانی کانگریس کی جماعت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ یہی چیز حکومت برطانیہ بھی کہتی تھی کہ ہندوستان کے متحدہ مطالبات پیش کرو۔ لیکن آپ نہیں کہہ سکتے کہ سارا ہندوستان کسی ایک مطالبہ پر متفق ہوسکتا ہے۔" نواب عبدالقیوم نے گاندھی صاحب سے سوال کیا کہ آخر ہندو کیا چاہتے ہیں۔ گاندھی صاحب نے کہا کہ ہندو مشترکہ نیابت پر زور دے رہے ہیں اور اس پر متفق ہیں۔ پھر سر عبدالقیوم نے کہا۔ میں صوبہ سرحد سے آ رہا ہوں۔ میرے صوبہ میں جب انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا تو ہم نے اس کا فیصلہ اپنی ہندو اقلیت پر چھوڑ دیا۔ آپ نے اخبارات میں دیکھا ہوگا کہ سرحد کے ہندوں (ہندوؤں) نے مشترکہ انتخاب کے مسئلہ کو تسلیم نہیں کیا بلکہ جداگانہ انتخاب پر ڈٹے رہے۔" گاندھی جی نے معاملہ کو ٹالتے ہوئے کہا کہ سیٹھ عبداللہ ہارون کے الفاظ سے مجھے بہت دکھ ہوا ہے کیونکہ میں تو اتحاد ہی اتحاد کیلئے کوشش کر رہا ہوں۔ سر محمد شفیع نے جن کی بابت جتا دیا گیا ہے کہ وہ جداگانہ نیابت کے بانیوں میں سے ہیں اور ویسے بھی بہ حیثیت صدر مسلم لیگ جداگانہ نیابت کی مخالفت کا حق نہیں رکھتے ۔ گاندھی صاحب کے ایک سوال کے جواب میں یہ بات صاف صاف ظاہر کردی کہ وہ ہرگز مخلوط نیابت کے حق میں نہیں ہیں بلکہ جداگانہ نیابت کے حامی ہیں۔ انہوں نے ابتدا ہی میں نہایت وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کے مطالبات گاندھی جی کو سنائے اور کہا کہ گاندھی جی "اگر اس وقت آپ تمام ہندو قوم کی طرف سے ہمارے مطالبات کی منظوری نہیں دیسکتے تو اپنی ذاتی منظوری ہی دے دیجئے۔ آپ کا دستخط ہمارے لئے تمام ہندو قوم اور کانگریس کا دستخط ہے۔" گاندھی جی نے کہا" میں بہت کمزور ہوں۔ میں ایک ایک ہندو کے پاس جاؤنگا اور اسے کہونگا کہ وہ ان مطالبات کو مان لے۔" سر محمد شفیع نے کہا آپ کمزور نہیں ہیں آپ کے پاس بہت بڑی طاقت ہے۔ گاندھی جی نے کہا۔ طاقت تو حکومت کے پاس ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے فرمایا کہ طاقت میں صرف ڈگری کا فرق ہے۔ مختصر یہ کہ وہ ذاتی دستخط دینے کے مسئلہ کو ٹالتا رہا۔ اس کے بعد گاندھی جی نے کہا کہ بہتر ہے کہ ایک پنچایت قائم کردیجائے جواباً کہا گیا کہ ہم آپ کو ہندوستان کا ریمزے میکڈانلڈ بنانے کے لئے طیار ہیں۔ ہم آپ کو سرپنچ تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارے مطالبات آپکے سامنے ہیں۔ آپ ہی کہدیں کہ ان میں سے کونسا انصاف پر مبنی ہے۔ اور کونسا نہیں ہے۔ سر محمد اقبال نے کہا کہ کسی قوم کی قسمت کا فیصلہ پنچایت

---

[۱] انہیں ''نیشنلسٹ مسلمان'' حضرات نے جو کہ کسی معنی میں بھی مسلمانوں کی کسی جماعت کے نمائندہ نہیں ہیں اپنی اس کمزوری کو محسوس کرکے کراچی میں ایک پارٹی ''مسلم نیشنلسٹ'' پارٹی کے نام سے قائم کی۔ یہ حضرات مسلمانوں کے ساتھ کانگرس کے کسی قسم کے باعزت سمجھوتہ کرنے کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کے مفاد کو بہت بری طرح سے قربان کر رہے ہیں۔ کراچی میں ان کی تعداد تقریباً پچاس تھی اور یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ کراچی کے مسلمان کانگریس اور ان نام نہاد نیشنلسٹ مسلمانوں سے بالکل الگ رہے۔ (۱۶۲)

کے ہاتھ میں نہیں چھوڑا جاسکتا گاندھی جی نے کہا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ سے بحث کروں- میں نے تو کہدیا ہے کہ آپ کم سے کم مطالبات دیدیں- میں ان کولیکر تمام ہندوؤں کے پاس جاؤنگا اور کہونگا کہ یہ سب درست ہے- اس موقعہ پر پھر کسی نے کہدیا کہ گاندھی جی آپ خود تو اعلان کردیں کہ ان مطالبات سے آپ متفق ہیں- انہوں نے پھر حسب عادت جواب دیا میں تو آپکے ساتھ ہوں میں کہہ چکا ہوں کہ میں ہندوؤں کو اسکے لئے راضی کرونگا- کیونکہ بغیر ہندو مسلم فیصلہ کے نہ کچھ ملسکتا ہے اور نہ غلامی دور ہوسکتی ہے اور نہ ہی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں جانیسے کچھ فائدہ ہوسکتا ہے- مولینا حسرت موہانی نے کہا کہ اب صلح کا وقت نہیں رہا- کراچی میں آپ تمام فیصلے کر چکے- لیکن جس چیز کو آپ اتنا اہم بتارہے ہیں- حقیقی معنوں میں آپ نے اسکے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا اور آخر میں دریافت کیا کہ اگر گاندھی جی کا یہ عقیدہ ہے کہ راؤنڈ ٹیبل میں بغیر ہندو مسلم اتحاد کے جانا غیر مفید ہوگا تو کیا گاندھی جی اس صورت میں راؤنڈ ٹیبل میں جانیسے انکار کردینگے جبکہ دونوں قوموں میں اتحاد نہ ہوا ہو- گاندھی جی نے اسکا کوئی جواب نہ دیا اور نہایت ہوشیاری سے ایکدوسرے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوگئے- پھر ایک صاحب نے کہا کہ اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ گول میز کانفرنس میں صرف آپ ہی کانگریس کی نمائندگی کرینگے تو اس صورت میں جب کانگریس کا آپ پر اسقدر اعتماد ہے تو مسلم مطالبات کو ان سے منظور کرالینا آپکے لئے کوئی بڑی بات نہیں- گاندھی جی نے کہا میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں کوشش کرونگا لیکن میں بہت کمزور ہوں- سر محمد اقبال نے فرمایا کہ جو کمزور انسان گاندھی اروِن جیسے کمزور سمجھوتہ کو مشتعل نوجوانوں سے منظور کراسکتا ہے- اسکیلئے مسلمانوں کے معمولی مطالبات کا منظور کرالینا کوئی بڑی بات نہیں ہے- اسی سلسلہ میں کانپور کا ذکر آگیا- سید حبیب نے کہا کہ آپ نے کراچی میں جو بیان دیا ہے اس میں ظاہر کیا ہے کہ ہندوؤں کو لٹھ کے مقابل میں لٹھ نہیں چلانا چاہئے- اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ ابتدا مسلمانوں کی طرف سے سمجھتے ہیں- حالانکہ چشمدید گواہ اور اخبارات کی مصدق رپورٹیں ظاہر کرتی ہیں کہ فساد کی بنا کانگریسی رضا کاروں کا ایک مسلمان دکاندار کو زبردستی ہڑتال پر مجبور کرنا تھا- گاندھی جی نے کہا تو یہ اور بھی شرمناک ہے- ہمیں اسکیلئے افسوس ہے- پھر ان سے کہا گیا کہ شکایت یہ نہیں کہ ہندو نے ابتداء کی بلکہ شکایت تو یہ ہے کہ کانگریس ان چیزوں کی ذمہ دار ہے- گاندھی جی نے کہا کہ آپ کسی شخص کی حرکت کو کانگریس کی حرکت پر کیوں معمول (محمول) کرتے ہیں- مجھ سے اگر کوئی خطا ہوئی ہے تو مجھے کہدیجئے وہ لوگ جو یہاں موجود نہیں ہیں انکے متعلق میں کیونکر جواب دیسکتا ہوں- یہ معاملہ بھی گاندھی صاحب نے گول مول ہی کردیا-

سر محمد اقبال نے جداگانہ انتخاب کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ چیز آنکھیں بند کرکے پیش نہیں کیجارہی- میرے پاس ایسی ٹھوس اقتصادی اور سیاسی وجوہات ہیں کہ اگر مخالفین طریقہ جداگانہ انتخاب صاف دلی سے ہماری وجوہات سن لیں تو وہ اسکی صداقت سے انکار نہ کرسکیں گے- گاندھی جی نے کہا درست ہے لیکن نیشنلسٹ مسلمان مجھے الٹی میٹم دیچکے ہیں کہ وہ کسی ایسی کانسٹی ٹیوشن کو منظور نہیں کرینگے جس میں جداگانہ انتخاب ہو- انہیں جواباً کہا گیا کہ درست ہے لیکن آپ کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اکثریت جداگانہ انتخاب کے حق میں ہے یا کہ مشترکہ- گاندھی جی نے کہا ہاں میں یہ دیکھونگا- اسی پر کسی صاحب نے کہدیا کہ اگر آپ نہیں دیکھیں گے تو جلد از جلد زمانہ آپ کو بتادیگا کہ اکثریت کس طرف ہے- شوکت علی صاحب نے اس گفتگو کا افتتاح کیا تھا- اور نہایت صفائی سے یہ کہدیا تھا کہ آج فضا خراب ہورہی ہے ہم صلح کے لئے بیقرار ہیں- لیکن اسی طرح گفتگوئے صلح میں آپ نے ہمارے تین سال ضائع کردیئے- ہمیں کام سے روکے

رکھا - لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا - آپکو معلوم ہے کہ آج مسلمان پہلے سے زیادہ سخت معلوم ہوتے ہیں - اسلئے میں چاہتا ہوں کہ جو فیصلہ آپ کرنا چاہیں جلد از جلد کردیں - تاکہ معاملہ ادھر یا ادھر ہو جائے - میں صاف صاف باتیں کرنا چاہتا ہوں - میں آپ پر یہ ظاہر کردینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو آپ پر اعتماد نہیں رہا اور ہندوؤں کو مجھ پر نہیں - گاندھی جی نے کہا درست ہے - پھر مولانا شوکت علی نے فرمایا کہ آپ کم از کم اتنا ظاہر کردیں کہ آپ کب تک اس مسئلہ کا فیصلہ کرسکتے ہیں - گاندھی جی نے کہا کہ ابھی تو آپ نے مجھے اپنے مطالبات کی کوئی فہرست نہیں دی - جواباً کہا گیا ہمارے مطالبات وہی ہیں جو یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو ہم نے متفقہ طور پر پاس کئے تھے - آپ کو یہ بھی بتادیں کہ بہت سے نیشنلسٹ مسلمان جو اسوقت آپکے ساتھ ہیں وہ بھی اعلانیہ اسکی تائید کرچکے ہیں - گاندھی جی نے کہا کہ ابھی تو کل صبح مسلم کانفرنس میں آپ کوئی اور قرارداد پاس کرنا چاہتے ہیں (۱۶۳) - شوکت علی صاحب نے فرمایا کہ مہاتما جی آپ کو معلوم ہے کہ ملک کی فضا اس وقت کیسی ہے - کل کا ریزولیشن بنیادی طور پر تو وہی ہے جو یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو ہم نے پاس کیا تھا - البتہ میں کہونگا کہ آنے والے ریزولیشن کے الفاظ قدرے سخت ہونگے - مہاتما جی نے اس قرارداد کو دیکھنے کی خواہش کی - جسکے متعلق کہا گیا کہ وہ اجلاس عام میں پیش ہوکر شائع ہو جائیگی - گاندھی جی نے کہا میں نہیں سمجھ سکا کہ کس طرح میں نے تین سال تک مولینا شوکت علی صاحب کو کام سے روکے رکھا - مولینا شوکت علی نے کہا کہ آپ نے بلا ہمارے مشورہ کے اپنا پروگرام تیار کیا - اور پھر اسکے بعد ہمیں کہا کہ ہم اس پر دستخط کردیں - میں نے آپ کو لاہور میں بھی کہہ دیا تھا کہ جو چیز آپ بلا ہمارے مشورہ کے کریں اسکی تعمیل ہمارے ذمہ فرض نہیں ہوسکتی - اس عرصہ میں باوجودیکہ مسلم قوم آپکے پروگرام سے علیحدگی کا اعلان کرچکی تھی آپ نے میرے ساتھیوں کو مجھ سے کاٹنے کی کوشش کی اور میں مدافعت میں مصروف رہا - ایک طرف مجھے اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو بچانا تھا دوسری طرف اپنی قوم کو بچانا - اسی کشمکش میں ہمارا بہت سا وقت ضائع ہوگیا -

اس کے بعد سیٹھ جمنالال بجاج نے بھی بحث میں حصہ لیا اور انہوں نے کہا کہ صلح صلاحیت سے کام بن سکتا ہے - ہمیں مسلم کانفرنس کی طاقت کا اعتراف ہے لیکن ہم نیشنلسٹ مسلمانونکی کی خواہشات کو بھی نظرانداز نہیں کرسکتے - جو ایک عرصہ دراز سے کانگریس کے ساتھ کام کررہے ہیں اور انہوں نے ہمارے لئے قربانیاں بھی کی ہیں -

مسٹر پٹیل شروع سے آخیر تک خاموش بیٹھے رہے - ڈاکٹر انصاری صاحب بھی تشریف لائے اور انہوں نے کہدیا کہ وہ کانگریس کے نمائندہ کی حیثیت سے نہیں آئے تھے - بلکہ بحیثیت ایک مسلم کے آئے تھے انہوں نے بھی بحث میں زیادہ حصہ نہ لیا صرف اسیقدر کہا کہ گزشتہ دنوں مسلمانوں کی جو گفتگو ان کے مکان پر ہوئی تھی - اس میں تمام قسم کے مسلمان قریب قریب اپنے مطالبات میں متحد ہوئے تھے صرف ایک انتخاب کا مسئلہ تھا جس کا کوئی فیصلہ نہ ہوسکا اور ابھی امید ہے کہ اگر اس سلسلہ میں کوشش کی جائے تو فیصلہ ہوسکتا ہے -

اس وقت چھ بجے تھے - گاندھی صاحب نے کہا کہ "میرے کھانے کا وقت ہوگیا ہے" - سرعبدالقیوم نے کہا کہ مس سلیڈ وئسرایگل لاج میں گاندھی جی کا کھانا لے جایا کرتی تھیں یہاں بھی لے آئیں گی" - سیٹھ جمنالال نے کہا نہیں گاندھی جی کے کھانے کا وقت ہوگیا ہے - پھر بغیر کسی فیصلہ کو پہنچے بغیر دوبارہ ملاقات

کے متعلق کوئی گفت وشنید کیے گاندھی صاحب اور انکے رفقاء تشریف لے گئے - (خاص)''

جون و جولائی ۱۹۳۴ء، اقبال اور اسلامیات، از بشیر ارکونم، ص ۴۵-۴۸

بشیر ارکونم اقبالیاتی حلقے میں کوئی نیا نام نہیں، راقمہ کے خیال میں یہ وہی صاحب ہیں جن کا "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" کے عنوان سے ایک تفصیلی مضمون اکتوبر ۱۹۳۷ء کے "صوفی" میں شائع ہوا ہے - اکتوبر ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں ان کا نام "سید بشیر الدین احمد" لکھا گیا ہے - سید بشیر الدین احمد ایسی شخصیت ہیں کہ جنکا ایک مضمون "اقبال کا تصور زمان" ایسا اعتبار حاصل کر گیا کہ اسے اقبالیات کے چار مجموعوں "اقبال" مرتبہ مولوی عبدالحق، "اقبال با کمال"، "اقبال کا تنقیدی مطالعہ" اور "اقبال کے نقوش" میں ترتیب دیا گیا (۱۶۴) - مولوی عبدالحق نے "اقبال" میں سید بشیر الدین احمد کے نام کے ساتھ ان کی تعلیمی قابلیت "بی - ای ارکونم" لکھی ہے (۱۶۵) - راقمہ کا خیال ہے کہ "صوفی" کے اس شمارے میں اسی "سید بشیر الدین احمد صاحب بی - ای - ارکونم" کو مختصر کرتے ہوئے "بشیر ارکونم" تحریر کیا گیا ہے - "اقبال اور اسلامیات" کے عنوان سے اس مضمون میں سید بشیر الدین احمد نے اقبال کی فکر کے اسلامی رنگ کو موضوع بنایا ہے اور اقبال کی شاعری کو تعلیم قرآنی کی تفسیر کہا ہے - افلاطونی صوفیاء، ملاؤں، اقبال کی شاعرانہ حیثیت پر شک کرنے والوں اور نیشنلزم کے حامیوں کو آئینہ دکھائے ہوتے اقبال کو شاعر اسلام اور راہ اسلام کا خضر بتایا گیا ہے - فارسی اشعار درج کرنے میں کافی زیادہ اغلاط نظر آتی ہیں جو گراں گزرتی ہیں - نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"اقبال اور اسلامیات

از جناب بشیر ارکونم

"مغربی مادیت کو شائع کرنے والے اس شاعر کو دار پر کھینچ دو" یہ وہ آواز تھی جو کسی زمانے میں چند گوشہ نشین افلاطونی صوفیا نے اقبال کے خلاف بلند کی تھی - وہ لوگ جو " گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش" کو اپنا مسلک بنائے، پردوں کی آڑ میں اپنا وقت سکر آور رقص وسرود اور سکون وجمود میں گزار دینے کے عادی ہوں اقبال کے اس نظریہ حیات کو کہ

" میارا بزم بر ساحل کہ آنجا   نوائے زندگانی نرم خیز است
بد ریا غلط و با موجش در آویز   حیات جاوداں اندر ستیز است "

کس طرح اچھی نگاہوں سے دیکھ سکتے تھے؟ وہ لوگ جو "خودی مٹاؤ نہ جبتک خدا نہیں ملتا" کی رٹ لگائے پھرتے ہیں اقبال کے اس جاں بخش پیام پر کہ

" پیکر ہستی ز اسرار خودی (۱۶۶) است   ہر چہ می بینی ز اسرار خودی است
خویشتن را چوں خودی بیدار کرد   آشکارا عالم پندار کرد
صد جہاں پوشیدہ اندر ذات او   غیر او پیداست از اثبات او "

غور نہ کر سکے تو یہ چنداں تعجب خیز نہیں - "ہمہ اوستی بزرگ" جو خدا اور پتھر میں امتیاز کرنے سے قاصر ہیں ممکن ہے کہ اقبال کی تعلیم پر جو بالفاظ دیگر تعلیم قرآنی کی تفسیر ہے، ابھی تک چراغ پا ہوں-

تصوف جدید چند ایسے عیوب کا حامل ہے جو شجر اسلام کو گھن کی طرح کھائے چلے جا رہے ہیں- دنیا سے کنارہ کشی، خواب اور سماع، قنوطیت، جہاد کے دو ٹکڑے کرنا اور اس جہاد کو حق وصداقت کی حمایت میں کیا جاتا تھا- "جہاد اصغر" کہہ دینا، اور اس جہاد کو جو خودکشی کے مساوی ہے جہاد اکبر کہہ دینا وغیرہ- یہ سب امراض تصوف جدید ہی کا فیض ہیں- اور آج کل "یک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہئے-" کے حصول کے لئے بنگ، چرس اور دیگر مسکرات کا استعمال ، دریوزہ گری، شریعت کا مضحکہ اڑانا، وغیرہ بھی حدود تصوف میں داخل ہو چکے ہیں- خدا جانے آئندہ چل کر دائرہ تصوف اور کتنا وسیع ہو گا-

اقبال کا قصور یہ ہے کہ اس نے ان ضرر رساں غیر اسلامی عناصر کے خلاف جو افلاطونیت، وغیرہ کی وجہ سے حدود تصوف میں داخل ہو چکے تھے ہتیار (ہتھیار) بلند کئے- دنیا سے علاقہ کشی اور قنوطیت جرم ہے- پیہم جہد وجستجو میں کامیابی کے راز پوشیدہ ہیں-

" در طلب کوش وعدہ دامن امید ز دشت" دولتے ہست کہ یابی سر راہے گاہے "

انسان دنیا میں نائب خدا ہے اور یہ مومن کے شایان شان نہیں کہ وہ نائب خدا کہلائے اور عناصر کو زیر کرنے اور آفاق کو تسخیر کرنے کے عوض گوشہ نشینی اختیار کرے- اقبال نے اس خیال کو یوں ادا کیا ہے-

" ایکہ ز تاثیر افیوں خفتہ (۱۶۷) عالم اسباب رادوں گفتہ
خیز و واکن دیدہ مخمور را دوں مخواں ایں عالم مجبور را
حق جہاں را قسمت نیکاں شمرد جلوہ اش بادیدہ مومن سپرد
نائب حق در جہاں آدم شود برعناصر حکم او محکم شود
دست رنگیں کن زخون کوہسار جوئے آب گوہر از دریا برار (۱۶۸)
جستجو را محکم از تدبیر کن انفس و آفاق راتسخیر کن "

زندگی ہرگز ان شیریں تاثرات کا نام نہیں جو خانقاہوں میں چنگ ورباب کے خواب آور نغموں میں لہریں لے رہے ہیں، بلکہ اس لطف کا نام ہے جو بحر ذخار کے دیو پیکر موجوں اور خونخوار نہنگوں پر حملہ آور ہو کر انہیں شکست دینے کی جدوجہد میں حاصل ہوتا ہے- حیات فانی کا ایک لمحہ جو ایسی مصروفیتوں میں گزر جائے، سکون وجمود کی زندگی کے ہزار ہا سال سے بہتر ہے-

"آتی تھی کوہ سے صدا راز حیات ہے سکوں کہتا تھا مورناتواں لطف خرام اور ہے "

اس طرح جینا چاہئے اگر ہماری موت "مرگ دوام" بھی ہو تو خدا خود اسے "مرگ دوام" بنانے سے شرمسار ہو جائے-

"چناں نبری (۱۶۹) کہ اگر مرگ ماست مرگ دوام　　　خدا ز کردہ خود شرمسار تر گردد "

ایک اور جگہ فرماتے ہیں

"بخود خزیدہ ومحکم چوں (۱۷۰) کوہساراں زی　　　چوں (۱۷۱) خس مزی کہ ہوا تیز وشعلہ بے باک است"

تنگ نظر ملاؤں اور زاہدان خشک پر ہر شاعر نے چوٹ کی ہے- زمانہ حال کے علماء کی کثیر تعداد اسلامی اصول سے یکسر ناواقف ہے مگر فروعی باتوں پر لے دے کرنے میں پیچھے نہیں رہتی- قرآن مجید ہر قوم، ہر تمدن اور ہر زمانے کیلئے ہے- بقول حضرت اقبال

" چوں کہن گردد جہانے در برش　　　می دہد قرآں جہانے دیگرش "

مگر ہمارے علماء نے قرآن مجید کو پیغمبروں کے افسانوں کی کتاب سمجھ رکھا ہے- ان حضرات کی نظر اتنی وسیع نہیں کہ نکات قرآنی سے دور حاضرہ کے کسی پیچیدہ مسئلہ کا حل طلب کریں- مگر ہر صاحب فہم پر کفر کے فتوے شائع کرنے اور کرانے میں ید طولےٰ رکھتے ہیں' فی سبیل اللہ جہاد' کا شعار تو گیا مگر ان حضرات نے ''فی سبیل اللہ فساد'' کو اپنا شعار بنالیا ہے- اقبال نے سچ کہا ہے-

" دین حق از کافرے (۱۷۲) رسوا تر است　　　زانکہ ملا مومن کافر گرست (۱۷۳)

زاں سوئے گردوں دلش بیگانہ　　　نزد او ام الکتاب افسانہ

بے نصیب از حکمت دین نبی　　　آسانش تیرہ از بے کوکبی

از شگر فیہائے آں قرآں فروش　　　دیدہ ام روح الامیں رادر خروش

کم گناہ (۱۷۴) وکور ذوق و ہرزہ گرد　　　ملت از قال و اقولش فرد فرد

دین کافر فکرو تدبیر جہاد

دین ملا فی سبیل اللہ فساد "

"قرآں فروش" اور "دیں ملا فی سبیل اللہ فساد" کس قدر تلخ حقیقت ہے-

---

اقبال کی شاعری کسی کی تعریف وتوصیف سے بے نیاز ہے- ہماری زبان کے شعرا جو شاعری کو محض ردیف اور قافیہ کا کھیل اور الفاظ کی بھول بھلیاں سمجھے بیٹھے ہیں، اقبال کی نئی تراکیب اور بندشوں پر بھلا کس طرح خاموش رہ سکتے تھے- بہت سے "لفاظی سور ماؤں" نے اقبال کو شاعر ماننے سے انکار ہی کر دیا- مگر اقبال کی روز افزوں شہرت کے آگے جو دنیا کے علمی طبقوں میں ہو رہی تھی انہیں سر تسلیم خم کرنا ہی پڑا، آج تک ایسے بد ذوقئے موجود ہیں جو گاہے گاہے دبی زبان

سے اقبالؔ کی شاعری پر معترض ہو جاتے ہیں- شاعری اور ادب کے لئے کوئی مرکز نہیں ہوتا- اور یہ ضروری نہیں کہ دوسرے کسی صوبے کا شاعر دہلی یا لکھنو کے دیوان دیکھکر اپنی زبان کی اصلاح کرے- اقبالؔ کا شعر ہے-

"اقبال لکھنو سے نہ دلی سے ہے غرض　　ہم تو اسیر ہیں خم زلف کمال کے"

آرٹ وہی آرٹ ہے جو ہماری قوت ارادی کو بلند کر سکے- وہ شاعری جو حقیقی آرٹ کے معیار پر پوری اترے، پیغمبری کا جزو ہے- اور اقبالؔ کی شاعری میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہے-

حضرت گرامیؔ نے سچ فرمایا ہے-

"دردیدہ معنی نگراں حضرت اقبالؔ　　پیغمبری کردو پیمبر نتواں گفت"

'کھاؤ- پیو- اور خوش رہو-' اس اپیکورین رویہ کے بہت سے حضرات دلدادہ ہیں- حضرت اکبرؔ نے اسی لئے فرمایا تھا-

"ہم میں باقی نہیں اب خالدؔ جانباز کا رنگ　　دل پہ طاری ہے فقط حافظؔ شیراز کا رنگ"

خود غرضی اور آرام طلبی اس کا لازمی نتیجہ ہیں- اقبالؔ ان حضرات کے خلاف بھی صف آراء ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ حافظ شیراز کو پسند نہیں کرتا- اقبالؔ کے نزدیک مایوسی کفر ہے اور وہ تشائم پسندی کا جانی دشمن ہے- اسی وجہ سے وہ افلاطون کو "گوسفند" کہنے سے نہیں چونکتا- افلاطونیت کے متعلق اقبالؔ کے خیالات ملاحظہ ہوں-

"راہب دیرینہ افلاطوں حکیم　　از گروہ گوسفندان قدیم
گفت سر زندگی در مردن است　　شمع را صد جلوہ از افسردن است
بر تخیلہائے ما خرماں (۱۷۵) رو است　　جام او خواب آور و گیتی رباست
گو سفندے در لباس آدم است　　حکم او بر جان صوفی محکم است
فکر افلاطوں زیاں را سود گفت　　حکمت او بود را نا بود گفت"

"تشائم پسند" شوپنہار اور "مومن قلب" نیٹشے کا موازنہ کس خوبی سے کیا ہے-

"مرغے ز آشیانہ بسیر چمن برید　　خارے زشاخ گل بہ تن نازکش خلید
بد گفت فطرت چمن روز گار را　　ار درد خویش وہم زغم دیگراں تپید
داغے ز خون بیگہنے لالہ را سمرد (۱۷۶)　　اندر طلسم غنچہ فریب بہار دید
گفت اندریں سرا کہ بنائش (۱۷۷) فتادہ کج　　صبحے کجا کہ چرخ در و شامہا نہ چید

نالید تا بحوصلہ آں نواطراز خوں گشت نغمہ وزدو چشمس (چشمش) فرو چکید
شور[۱۷۸] نغاں او بدل[۱۷۹] ہدہدے گرفت بانوک خویش خار ز اندام او کشید
گفتش کہ سود خویش زجیب زیاں برار[۱۸۰] گل از شگاف سینہ زر ناب آفرید
در ماں زدرد ساز اگر خستہ تن شوی خوگر زخار[۱۸۱] شو کہ سراپا چمن شوی''

یورپ کی کورانہ تقلید سے وہ سخت تنفر ہے۔ اسی کورانہ تقلید کی ایک لعنت "نیشنلزم" ہے جو آج کل ہمارے نوجوانوں کے سروں پر بھوت کی طرح سوار ہے۔ نیشنلزم کا نتیجہ جو آج یوروپ (یورپ) بھگت رہا ہے کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ 'خدا نے انسان کو پیدا کیا اور شیطان نے قوموں کو'۔ نیشنلزم، اور وطنیت، اخوت اسلامی کے منافی ہیں اقبالؔ لکھتا ہے۔

''اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم چمن زادیم و ازیک شاخساریم
تحیز[۱۸۲] رنگ وبو بر ما حرام است کہ ماپروردہ یک نو بہاریم

جمہوریت کے نام پر جو کچھ کیا جا رہا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

"دیو استبداد ہے جمہوری قبا میں پائے کو تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری"

یوروپ میں ڈکٹیٹر شپ کا رواج اس بات کا ذمہ دار ہے کہ جمہوریت سے کوئی تسلی بخش نتیجہ نہیں نکلا۔ دو سو گدھوں کے مغز سے ایک انسان کے 'فکر' کی امید رکھنا بے سود ہے۔

" گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی[۱۸۳] نمی آید''

"جمہوریت" اسی کو کہا جا سکتا ہے جس کی حضرت عمرؓ نے بنیاد ڈالی اور جسکی مثال کامیاب طور پر زمانہ آج تک پیدا نہ کر سکا۔

مذہب اور سیاست کی علیحدگی بھی یورپ کی کورانہ تقلید کا نتیجہ ہے۔ اسلام مذہب بھی ہے اور سیاست بھی، دین بھی اور دنیا بھی، مگر دوسرے مذاہب جو رہبانیت کی تعلیم دیتے ہیں انہیں سیاست سے علیحدہ ہونا پڑا۔ اقبالؔ نے اس خیال کو یوں منظوم کیا ہے۔

" سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا　　چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی　　ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لئے نامرادی　　دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا　　بشیری ہے آئینہ دار نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی　　کہ ہوں ایک جنیدی دار و شیری (۱۸۴) "

بدقسمتی سے اقبالؔ ایک ایسی قوم کا فرد ہے جو مدت ہوئی کہ زندہ اقوام کی فہرست سے خارج ہو چکی اور جو انحطاط کی وجہ سے حد درجہ مردم ناشناس ہے- یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے زیادہ اسے یوروپ میں شہرت حاصل ہے اور وہ بغیر کسی قسم کے پراپیگنڈے کے غیر ممالک میں مقبول ہو رہا ہے- یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کلام اقبالؔ کی پرستش اس لئے کیجائے کہ یوروپ میں اس کا کلام سرآنکھوں پر رکھا جاتا ہے- لیکن اب وہ وقت نہیں کہ محض تعصب اور ذاتیات کی بنا پر ہم ایک بلند پایہ اسلامی شاعر کے پیام کے تند و تیز جوش آور مئے سے اپنے جرعے نہ بھرلیں- اگر ہم دوبارہ کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنا چاہیں تو ہمیں اسی راہ پر گامزن ہونا چاہئے جس کی داغ بیل عرب کے اس صحرا نشیں پیغمبر نے ڈالی تھی اور لاریب اقبالؔ اس راہ کا خضرؑ ہے-"

اکتوبر ۱۹۳۷ء، پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، از سید بشیر الدین احمد، ص ۷-۲۰

اس مضمون سے قبل "صوفی" کے جون و جولائی ۱۹۳۴ء کے شمارے میں سید بشیر الدین احمد کا مضمون "اقبال اور اسلامیات" ان کے مختصر نام 'بشیر ارکونم" کے ساتھ شائع ہوا- مقالے کے اسی حصے میں اس مضمون کے ضمن میں سید بشیر الدین کا تعارف پیش کر دیا گیا ہے- علامہ اقبال کی مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" پہلی بار اکتوبر ۱۹۳۶ء کے آخر میں شائع ہوئی- تھوڑے ہی عرصے بعد ۱۹۳۶ء میں ہی اس کے ساتھ "مسافر" جس کا پہلا ایڈیشن نومبر ۱۹۳۴ء کو منظر عام پر آیا، کے دوسرے ایڈیشن کو ساتھ ملا کر یکجا مجلّہ کر دیا گیا (۱۸۵) - سید بشیر الدین کو یہی یکجا مجلّہ نسخہ دستیاب ہوا لیکن انہوں نے "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" پر اظہار خیال کیا اور طوالت کے خوف سے "مسافر" کا جائزہ لینے سے گریز کیا- یہ مضمون "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" پر ایک تفصیلی تبصرہ ہے- یہ اقبال کی مثنوی کا فکری جائزہ ہے- مضمون نگار نے مثنوی کے ہر ہر حصے کا تعارف کرایا ہے اور اقبال کی فکر کو عصری اور سماجی حوالوں سے اجاگر کیا ہے- سید بشیر الدین کے "صوفی" میں شائع ہونے والے پہلے مضمون "اقبال اور اسلامیات" کی طرح اس مضمون میں بھی فارسی اشعار میں کافی اغلاط در آئی ہیں جو مضمون کی شان کو متاثر کرنے کا باعث بنتی ہیں- نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق

(از جناب سید بشیر الدین احمدؐ صاحب بی- اے (۱۸۶))

نقیب اسلام حضرت علامہ اقبالؔ مدظلہ، کی یہ فارسی تصنیف عالم اسلام کے مختلف مسائل اور موجودہ ضرورتوں سے بحث کرتی ہے- اقبالؔ ایک بہت بڑی

شخصیت ہے، اوراس کی بین الاقوامی شہرت وعظمت ہماری لمبی چوڑی تعریفوں سے بلند ہے- وہ بیک وقت ایک زبردست شاعر ہے، ایک بلند فلسفی، ایک اعلیٰ سیاست دان، اورایک پکا مذھبی انسان- اس کی سیاست رنگ ونسل اور دورحاضرہ کی خودغرض وطنیت کی لعنتوں سے پاک ہے- اس کے پیش نظر اسلامی سوسائٹی کا بنیادی اصول ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں- فرد کی بزرگی اس کے اعمال صالحہ پر موقوف ہے، نہ کہ اس کے رنگ ونسب پر اور وہ پکارے ہوئے کہتا ہے:-

''نوائے کودک (۱۸۷) منش خود را ادب کن   مسلماں زادہ ترک نسب کن

برنگ احمر و خون و رگ و پوست   عرب نازد اگر ترک عرب کن''

اقبالؔ قدیم وجدید یوروپین علوم ہی کا ماہر ونبض شناس نہیں، بلکہ اسلامی تاریخ وفقہ، تصوف وغیرہ کا بھی ایک زبردست عالم ہے- تصوف میں اس نے مولانائے رومؒ سے روشنی حاصل کی ہے- یہی وجہ ہے کہ وہ تصوف جدید کی بے عملی اور باطل پرستی کا جانی دشمن ہے جو یونانی اور ویدانتی تاثرات کا نتیجہ ہیں- وہ حرکت کو زندگی کی روح قرار دیتا ہے- اس کے نزدیک وہ بے عمل پیر، جو روز وشب اپنے حجروں میں بند رہتے ہیں اور اپنے مریدوں سے پیسوں اور سجدوں کا خراج وصول کرتے ہیں، یا اپنے مریدوں کے پیسوں سے روز وشب سفر کرتے ہیں، "سوداگران دین فروش" سے کچھ کم حیثیت نہیں رکھتے:-

پیر ہا پیر از بیاض موشدند   سخرہ بہر کودکان کو شدند

آہ زیں (۱۸۸) سوداگران دیں فروش   می شود ہر مو درازے خرقہ پوش

بامریداں روز و شب اندر سفر   از ضرورت ہائے ملت بے خبر

دیدہ ہا بے نور مثل نرگس اند   سینہ ہا از دولت دل مفلس اند

زیر بحث کتاب کے شروع میں "بخوانندہ کتاب" کے عنوان سے 'عشق' کی ضرورت اور 'عقل' کی اہمیت جتائی گئی ہے- یہ سچ ہے کہ محض خرد سے ہم کائنات کی حقیقت و ماہیت دریافت نہیں کرسکتے - مادیت کا وہ دور جس نے قوت (Force) کو خدا بنا رکھا تھا، ختم ہو چکا، اور اینٹائن کے انکشافات کے بعد جدید فلسفہ طبعیات کے نقطہ نگاہ سے یہ دعویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا کہ محض عقل ہی حقیقت کو دریافت کرنے کا واحد ذریعہ ہے- لیکن اس بنا پر ہم عقل کو بے کار نہیں ٹھیرا (ٹھہرا) سکتے- عقل سے ہم کائنات کا خارجی (Objective) علم حاصل کرتے ہیں، اور یہ علم ہمیں اس لئے ضروری ہے کہ ایک کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے ہمیں کائنات کی مختلف قوتوں کو زیر کرنا ہے- اسلام کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایسے افراد تیار کرے جو کائنات کی مختلف طاقتوں کو زیر کریں، نہ کہ ایسے افراد، جو ان طاقتوں سے زیر ہو جائیں اور ان کی پرستش شروع کردیں- اس کے علاوہ مطالعہ کائنات کو اسلام نے اس لئے بھی ضروری ٹھیرایا (ٹھہرایا) کہ

کائنات کا ذرہ ذرہ شان جمالی کا مظہر ہے، اور مطالعہ کائنات سے ہمیں بواسطہ خدائے قدوس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔لیکن یہ اس وقت تک درست ہے جبتک کہ عقل عشق کی تابع ہو اقبال کہتا ہے:-

زمانہ ہیچ نداند حقیقت او را جنوں قباست کہ موزوں بقامت خرد است

بآں مقام رسیدم چو در برش کردم طواف بام و در من سعادت خرد است

جب عقل عشق کے پنجہ سے آزاد ہو جاتی ہے تو الحاد و دہریت، غارتگری، فسونسازی، حیلہ جوئی اور مکر و ریا کے قالب بدلتی رہتی ہے۔

عقل اندر حکم دل یزدانی است چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

جس تہذیت کی اساس بے روح عقلیت پر رکھی گئی ہو، اس کا تباہ ہونا یقینی ہے۔تہذیب فرنگ، جس کے افق پر ہلاکت و تباہی کے بادل منڈلا رہے ہیں اس نوع کی بہترین مثال ہے۔افسوس ہے کہ ایشیائی ممالک کا رجحان (رجحان) اس تہذیب کی کورانہ تقلید کی طرف نظر آتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ کورانہ تقلید کا اسی وقت آغاز ہوتا ہے، جبکہ افراد میں کھرے کھوٹے کے پرکھنے کی قوت باقی نہیں رہتی۔اقبال اس خطرے کو اچھی طرح محسوس کرتا ہے، جو فرنگی تہذیب کی بے روح عقلیت سے رونما ہوگا، اور جو کہیں کہیں رونما ہو چکا ہے۔چنانچہ "بخوانندہ کتاب" کے عنوان سے جو ارشاد فرمایا ہے۔اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

سپاہ تازہ بر انگیزم از ولایت عشق کہ درحرم خطرے از بغاوت خرد است

مثنوی کی تمہید میں شاعر نے مولانائے رومؒ کی حضور میں خراج عقیدت پیش کیا ہے، اور ان کی زبانی چند حکیمانہ نکتے بیان کئے ہیں۔مولانا کے سوز و درد اور ذکر و فکر کا سرچشمہ کونسا تھا؟ اور اعلیٰ شاعری میں ان کا پایہ کیا ہے؟ یہ واضح کرنے کے لئے ایک شعر کافی ہے:-

نور قرآں درمیان سینہ اش جام جم شرمندہ از آئینہ اش

یہ حقیقت ہے کہ اقبال سے بہتر تہذیب فرنگ کا کوئی نبض شناس نہیں، رومی کی زبانی کہلوایا گیا ہے:-

جز تو اے دانائے اسرار فرنگ کس نکو ننشست در نار فرنگ

باش مانند خلیل اللہ ہست ہر کہن بت خانہ را باید شکست

لیکن رومی کی زبانی جو پیغام دیا گیا ہے وہ افراد و قوم کے لئے نہایت اہم ہے۔امتوں کی زندگی کا راز عشق ہے، جس کی ابتدا قاہری ہے اور انتہا دلبری، عزم و توکل مومن کو ایک ایسی قوت کا مالک بنا دیتے ہیں جس کی مدد سے وہ ایک عالم کو زیر و زبر کر سکتا ہے:-

امتاں را زندگی جذب دروں کم نظر ایں جذب را گوید جنوں

ہیچ قومے زیر چرخ لاجورد بے جنون ذو فنوں کارے نہ کرد

مومن از عزم و توکل قاہر است　　　گر ندارد ایں دو جوہر کافر است
خیر را او بازی داند ز شر　　　از نگاہش عالمے زیر و زبر
کوہسار از ضربت او ریز ریز　　　در گریبانش ہزاراں رستخیز
تا مے از میخانۂ من خوردہ　　　کہنگی را از تماشا بردہ
در چمن زی مثل بو مستور و فاش　　　درمیان رنگ پاک از رنگ باش

اس کے بعد چند نکات ہیں - جن کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے :-

سر شیری را نہ فہمد گاو و میش　　　جز بہ شیراں کم بگو اسرار خویش
با حریف سفلہ نتواں خورد مے　　　گرچہ باشد بادشاہ روم و رے
یوسف ما را اگر گرگے برد　　　بہ کہ مردے ناکسے او را خرد

"غم خورد (غم خور) وزانان غم افزایاں مخور　　　زانکہ عاقل غم خورد کودک شکر" (رومیؔ)

از حیا بیگانہ پیران کہن　　　نوجواناں چوں زناں مشغول تن
در دل شاں آرزو ہا بے ثبات　　　مردہ زانید از بطون امہات

ایک طرف جوانوں اور بوڑھوں کی یہ صورت ہے تو دوسری طرف عورتوں کا یہ حال ہے کہ شوخ چشمی ان کا زیور ہے، ضبط تولید ان کا شعار ہے، نکتہ چینی انہیں زیادہ پسند ہے اور اپنی زینت کو اغیار کا عیش نظر بنانا، ان کا محبوب مشغلہ :-

دختران او بزلف خود اسیر　　　شوخ چشم و خود نما و خردہ گیر
ساختہ پرداختہ دل باختہ　　　ابرواں مثل دو تیغ آختہ
ساعد سیمین شاں عیش نظر　　　سینہ ماہی بموج اندر نگر

اب ایک ملت کا جو ایسے ماں باپ کی آغوش میں تربیت پائیگی کیا رنگ ہوگا؟ -

ملتے خاکستر او بے شرر　　　صبح او از شام او تاریک تر
ہر زماں اندر تلاش ساز و برگ　　　کار او فکر معاش و ترس مرگ

پھر اس جماعت کے اعلیٰ طبقہ پر نظر ڈالیے - اس کا معبود 'قوت فرماں روا' ہے اور اس کا دین خشت حرم سے کلیسا کی تعمیر کرنا ہے :-

منعمان او بخیل و عیش دوست　　غافل از مغزاند و اندر بند پوست

قوت فرماں روا معبود او　　در زیان دین و ایماں سود او

از نیاگاں دفتر اندر بغل　　الاماں از گفتہ ہائے بے عمل

دین او عہد وفا بستن بہ غیر　　یعنی از خشت حرم تعمیر دیر

حکمت کلیمی، اور حکمت فرعونی، کے بعد حضرت علامہ نے ''لا الٰہ الا اللہ''، ''فقر'' اور "مرد حر" کے عنوانوں پر لکھا ہے - لا و الا

قلزمی؟ بادشت و در پیہم ستیز　　شبنمی؟ خود را بہ گلبر کے (گلبرگے) بریز

تمہید کے بعد " خطاب بہ مہر عالمتاب" میں شاعر نے یہ آرزو کی ہے کہ اس کے دل میں ایک قندیل روشن ہو، جس کی روشنی سے " شام شرق "، " صبح شرق" میں تبدیل ہو جائے اور تہذیب فرنگ کی روشنی، جو مشرق کی آنکھوں کو چکا چوند کر رہی ہے، ماند پڑ جائے - اس کے بعد قوموں کے زوال و انحطاط کی سب سے بڑی یہ نشانی بتلائی ہے کہ وہ حرکت سے گریز کرتی ہیں اور سکون میں اپنی راحت دیکھتی ہیں :-

چوں شود اندیشہ قومے خراب　　ناسرہ گردد بدستش سیم ناب

میرد اندر سینہ اش قلب سلیم　　در نگاہ او کج آید مستقیم

بر کراں از حرب و ضرب کائنات　　چشم او اندر سکوں بیند حیات

آگے چل کر " حکمت کلیمی " کے لوازمات اور " حکمت فرعونی " کی خصوصیات سے بحث کی ہے - حکمت کلیمی، ارباب دیں کی حکمت ہے - وہ معنی جبرئیل و قرآن ہے اور فطرۃ اللہ کی نگہبان، اس کی نگاہوں میں قصر سلطان 'کہنہ دیر' سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور اس کا ایک ہی درس ہے یعنی اللہ بس، باقی ہوس - اس کا حکمران تخت و تاج اور سپاہ و خراج سے بے نیاز ہوتا ہے، اس کی نگاہیں ہر دم انقلاب کا پیام دیتی ہیں، وہ درماندہ بندوں کو **لا خوف علیھم ولا تحزنون** کا درس دیتا ہے اور انہیں اس قابل بناتا ہے کہ وہ ہر کہن معبود کو ریزہ ریزہ کر سکیں، اس کی طاقت سیم و زر سے نہیں، صدق و اخلاق، نیاز اور سوز و درد سے ہے -

اس کے برعکس 'حکمت فرعونی' مکر و فن کا ایک جال ہے، وہ علائق دین سے آزاد ہے اور اس کا اصول ہے " تخریب جان " اور " تعمیر تن " - اس کا سرچشمہ ہمارے کالج اور مکتب ہیں - جو ہر سال ایک ایسی جماعت تیار کرتے ہیں کہ علم و فن میں تو وہ بزعم خویش صاحب نظر ہوتی ہے، لیکن اپنے وجود سے باخبر نہیں ہوتی - ''شیخ ملت'' (جو لرد فرنگی کا مرید ہے) اس جماعت کی مراد پر تجدید دین کرتا ہے، اور ایسے اجتہادات پیش کرتا ہے - جو بواسطہ غیروں کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں - اس جماعت کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے :-

کیا ہیں؟ انہیں فتح باب کائنات کہئے یا 'احتساب کائنات' یا 'تقدیر کائنات' - مرد خدا کی پہلی منزل 'لا' اور آخری الا ہے - وہ غیر اللہ کا مقابلہ 'لا' کی شمشیر آبدار سے کرتا ہے' - یہ شمشیر لا ہی تھی، جو لات و منات کے سروں پر پیغام فنا بن کر چمکی اور جس نے قیصر و کسریٰ کے نظام کو درہم برہم کر دیا - ہمارے ہی زمانے میں روس نے تہذیب فرنگ کی خواجہ نوازی کے خلاف شمشیر لا کو میان سے باہر کیا - اس نے "خواجگی" کے بت کہنہ کو توپاش پاش کر دیا، لیکن اپنے جوش میں حد سے آگے بڑھ گیا' - اس کے قلب سے 'لا سلاطین' 'لا کلیسا' کے ساتھ 'لا الہٰ' کی صدا بھی آنے لگی - لیکن محض 'لا' کے بادتند میں ایک انقلاب پذیر قوم دیر تک اسیر نہیں رہ سکتی' - بہت جلد زور جنوں اسے منزل 'الا' کی طرف لے جائیگا - امتوں کے لئے 'لا' جلال ہے اور 'الا' جمال - اور جبتک 'لا' 'الا' کی طرف رہنمائی نہیں کرتا، محبت پختہ نہیں ہوتی :-

تا نہ رمز لا الہ آید بدست بند غیر اللہ را نتواں شکست

پیش غیر اللہ لا گفتن حیات تازہ از ہنگامہ او کائنات

لا مقام ضرب ہائے پے بہ پے ایں غور عداست نے آواز نے

اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن نعرہ لا پیش نمرودے بزن

ایں کہ می بینی نیر زد باد و جو از جلال لا الہ آگاہ شو

ہر کہ اندر دست او شمشیر لا ست

جملہ موجودات را فرماں روا ست

فقر، کے متعلق کچھ عرض کرنے سے قبل یہ کہدینا ضروری ہے کہ فقر و توکل کا موجودہ مفہوم ایک عامیانہ قسم کے تصوف کے زیر اثر ہمارے پیروں اور صوفیوں کے دماغ کی اختراع ہے - اس مفہوم کو عقل حیلہ جو کا بنا ہوا ایک پردہ سمجھنا چاہئے، جو ہمارے پیروں نے اپنی بے عملی اور کاہلی کو چھپانے کے لئے چھوڑ رکھا ہے - اسلامی تصوف میں فقر و توکل سے مراد یہ تھی کہ انسان جدوجہد کرے اور حاصل کرے، "تعمیر تن" اور "تخریب جاں" کے لئے نہیں لیکن اللہ کی راہ میں اور اللہ کے لئے - رومیؒ نے "شیر و نخچیران" کے ایک فرضی مناظرہ میں اس مسئلہ کو بخوبی سمجھایا ہے - نخچیر کہتے ہیں -''توکل سے بہتر کوئی چیز نہیں، وہ خدا جو آسمان سے مینہ برسا سکتا ہے، کیا اپنی رحمت سے تیرے لئے غذا بھیج نہیں سکتا؟ جدوجہد سے کیا ہوگا؟ جو کچھ ہمارے مقسوم میں لکھدیا گیا ہے، ہزار تدابیر سے بھی ہم اس میں جو برابر اضافہ نہیں کر سکتے" - شیر کہتا ہے - "خدائے تعالیٰ نے ہمارے آگے ایک سیڑھی رکھدی ہے' - اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس کے زینے طے

کئے بغیر بلندی تک پہنچ سکیں؟ کسب کرو، جدوجہد کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو"۔

شیر گفت آری ولیکن ہم بہ بیں　　جہد ہائے انبیاؤ مرسلیں

حق تعالیٰ جہد شاں را راست کرد　　آنچہ دیدند از جفا و گرم و سرد

جہد می کن تاتوانی اے فتیٰ　　در طریق انبیاؤ اولیا (رومیؔ)

چیست دنیا از خدا غافل بدن　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

علامہ اقبالؔ فرماتے ہیں- نقر کا مقصد ایک 'نگاہ راہ بیں' اور ایک زندہ دل پیدا کرنا ہے-نقر ذوق وشوق اور تسلیم ورضا کا دوسرا نام ہے- اور یہ آقائے دو جہاں صلعم کی امانت ہے- مردِ فقیر کی شان کیا ہے؟ وہ ایک گلیم میں مقید نہیں رہ سکتا، وہ آفاقی ہے اور کائنات پر چھا جاتا ہے- جذب وسلوک اس کے دل کو ایک زبردست قوت کا مالک بنا دیتے ہیں اور وہ سلاطین کے آگے 'لاملوک' کا نعرہ لگانے سے خوف نہیں کھاتا- اس کے شکوہ وصولت کے آگے تخت وتاج لرزاں رہتے ہیں، وہ کم گو ہوتا ہے لیکن جب زبان کھولتا ہے تو اس کی گرمی گفتار، مردہ دلوں کی رگ و پے میں حرارت وزندگی کی ایک تازہ لہر دوڑا دیتی ہے-

حضرت صلعم نے فرمایا تھا- "تمام روئے زمین میری مسجد ہے" - یہ کیونکر درست ہوسکتا ہے کہ ایک مردِ مومن اپنی مسجد کو اغیار کی ریشہ دوانیوں کے سپرد کر دے اور خود زمین کے کسی خاص ٹکڑے پر قانع ہو کر بیٹھا رہے؟

الاماں از گردش نہ آسماں　　مسجد مومن بدست دیگراں

سخت کو شد بندہ پاکیزہ خویش (۱۸۹)　　تا بگیر د مسجد مولائے خویش

فقر سے مراد یہ نہیں کہ دنیا سے روگردانی اختیار کی جائے، بند حجروں میں چلّے کاٹے جائیں اور چنگ ورباب پر رقص کئے جائیں- ایسا فقرہ، "فقر کافر" ہے- وہ خودی کے لئے پیام موت ہے اور قوم کی زندگی کے لئے ایک مہلک زہر! چنانچہ:-

فقر قرآں احتساب ہست و بود　　نے رباب و مستی و رقص و سرود

فقر مومن چیست؟ تسخیر جہات　　بندہ از تاثیر او مولا صفات

فقر کافر خلوت دشت و در است　　فقر مومن لرزہ بحر و بر است!

زندگی آں را سکون غار و کوہ　　زندگی ایں راز مرگ باشکوہ!

آں خدا را جستن از ترک بدن　　ایں خودی را بر فسان حق زدن

آں خودی را کشتن و واسوختن　　ایں خودی را چوں چراغ افروختن

فقر چوں عریاں شود زیر سپہر　　از نہیب او بلرزد ماہ و مہر

فقر عریاں گرمی بدر و حنین　　فقر عریاں بانگ تکبیر حسینؓ

لیکن مسلمانوں سے فقر قرآنی رخصت ہو چکا، وہ ملاؤں اور پیروں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں یا تہذیب فرنگ کی لادینی نے ان پر جادو کر رکھا ہے- ہندوستانی مسلمانوں کی تو یہ حالت ہے کہ وہ مفلس، قلاش اور بے پرواہیں، ہاتھ میں پیسہ نہیں کہ سلطان چھین لے جائے اور دل میں نور نہیں کہ شیطان اڑا لے جائے:-

لا جرم از قوت دیں بدظن است　　کاروان خویش را خود رہزن است

از سہ قرن ایں امت زار و زبوں (۱۹۰)　　زندہ بے سوز و سرور اندروں

پست فکر و دوں نہاد و کور ذوق　　مکتب و ملائے او محروم شوق

زشتی اندیشہ او را خوار کرد　　افتراق او را ز خود بیزار کرد

تا نداند از مقام و منزلش　　مرد ذوق انقلاب اندر دلش

طبع او بے صحبت مرد خبیر　　خستہ و افسردہ و ناحق پذیر(۱۹۱)

بندہ رہ کردہ (۱۹۲) مولا ست او　　مفلس و قلاش و بے پروا ست او

نے بکف مالے کہ سلطانے برد　　نے بدل نورے کہ شیطانے برد

شیخ ملت نے انہیں محکومی وغلامی پر رضامند رہنے کے لئے گن گن کر دلائل بتلائے'- خود اس نے اغیار کی دولت کو رحمت سمجھا اور اس کی ساری عمر طواف کلیسا میں گزری:-

دولت اغیار را دولت (۱۹۳) شمرد　　رقص ہا گرد کلیسا کرد و مرد

غرض عصر حاضر نے اول تو ہمارے دماغوں کو مسحور کیا، اور پھر ہمیں خود سے بیگانہ کیا- ہمارے آباؤ اجداد کو اس نے ظالم وخونخوار کی حیثیت سے ہمارے آگے پیش کیا'- اور جہاد کو وحشت و بربریت کا جامہ پہنا کر ہمیں سے داد اجتہاد لی گئی- ہماری نگاہوں سے یہ حقیقت چھپا دی گئی کہ ہم ایک سیل بے پناہ کے مالک ہیں-فکر معاش دے کر نوجوانوں کی روح تن سے کھینچ لی گئی- اور غلامی ومحکومی کو آزادی کا رنگ دے کر ان کی آنکھیں خیرہ کی گئیں:-

عصر ما ما راز ما بیگانہ کرد　　از جمال مصطفےٰ بیگانہ کرد

سوز او تا از میان سینہ رفت　　جوہر آئینہ از آئینہ رفت

"مرد حر" آیہ قرآنی 'لاتخف' کی تفسیر ہے- وہ دو شمشیروں سے آراستہ ہوتا ہے- ایک تو فولادی شمشیر ہے- جو باطل کے سر پر قاصد اجل بنکر چمکتی ہے، اور دوسری شمشیر ''لا الہ'' ہے جس سے تخت و تاج کانپ اٹھتے ہیں- وہ ہماری ہی طرح ایک انسان ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ ہم عبد فرنگ ہیں اور وہ عبدہ ہے ہم کلیسا

دوست ہیں، مسجد فروش ہیں - اور اپنے آباؤ اجداد کی قبروں کو ذریعہ آمدنی بناتے ہیں وہ تخت ملوکیت پائے حقارت سے ٹھکراتا ہے، غیروں سے اپنا رزق نہیں چاہتا اور اس کے آگے کوہ گراں ایک تودہ ریگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا:-

پادشا ہاں در قبا ہائے حریر　　زرد رواز سہم آں عریاں فقیر

ما کلیسا دوست مسجد فروش　　او ز دست مصطفٰے پیمانہ نوش

دارد اندر سینہ تکبیر امم　　در جبین اوست تقدیر امم
قبلہ ما گہ کلیسا گاہ دیر　　او نخواہد رزق خویش از دست غیر

ماہمہ عبد فرنگ او عبدہٗ(۱۹۴)　　او نہ گنجد در جہان رنگ و بو

مرد حر دریائے ژرف بیکراں(۱۹۵)　　آب گیر از بحر و نے از ناوداں
سینہ ایں مردی جو شد چو دیگ　　پیش او کوہ گراں یک تودہ ریگ

وہ موت کا راز خوب سمجھتا ہے اور چونکہ اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے کہ موت حیات کا خاتمہ نہیں کرسکتی - وہ "ترس مرگ" اور ''قنوطیت'' کی لعنتوں سے پاک ہے:-

در جہان بے ثبات او را ثبات　　مرگ او را از مقامات حیات!

جان او پائندہ تر گردد ز موت　　بانگ تکبیرش بروں از حرف و صوت

ترس مرگ کا ایک بڑا سبب عقیدہ "معاد" کا انکار ہے - یہ سچ ہے کہ فارسی زبان کے بڑے بڑے شعرا میں حافظؔ اور عمر خیامؔ نے دبی زبان سے معاد کا انکار کیا ہے - لیکن جن لوگوں کا فلسفہ حرکت وسخت کوشی کو حقائق زندگی میں مرکزی حیثیت نہیں دیتا وہ ایسے مسائل کے متعلق کوئی معقول رائے پیش نہیں کرسکتے - اس موقعہ پر 'واقف احوال و مقامات سالک' مولانائے رومؒ کے استدلال کی طرف اشارہ کردینا کافی ہوگا - مولانا فرماتے ہیں - ''ہر بقا، فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے، ہم پہلے جماد تھے، پھر ہم نے قوت نمو پائی، اور اس کے بعد جان پائی - غرض ہم نے ہزار ہا حشر دیکھے ہیں، فنا ہمیں کوئی نقصان پہنچا نہ سکی، بلکہ ہر فنا کے

بعد ہم نے ایک بہتر زندگی پائی - پھر اب ہم فنا سے کیوں ڈریں؟ ہمیں فنا کرنے والے کا شکر گزار ہونا چاہئے:-

این بقاہا از فناہا یافتی | از فنا پس رو چرا بر تافتی
زاں فنا ہا چہ زیاں بودت کہ تا | بر بقا چسپیدہ اے بے نوا (رومی)
چوں دوم از اولیت بہتر است | پس فنا جوے و مبدل را پرست
صد ہزاراں حشر دیدی اے عنود | تاکنوں ہر لحظہ از بدو وجود''

ہندوستان میں مردحر کا بہترین نمونہ ٹیپو سلطان شہیدؒ تھا، جس نے آزادی کی ایک لحہ زندگی کو غلامی کی صد سالہ زندگی سے بہتر سمجھا - جاوید نامے میں حضرت علامہ نے "پیغام سلطان شہیدؒ بہ رود کاویری" میں حقیقت حیات و مرگ و شہادت کو اچھی طرح سمجھایا ہے - زندگی غیر متناہی ہے، بندہ مومن کے لئے، اس کے کئی مقامات میں سے موت بھی ایک مقام ہے، وہ موت سے نہیں ڈرتا، کیونکہ موت اسے حیات تازہ بخشتی ہے - اس کی موت راہ شوق کی انتہا ہے اور جنگاہ شوق میں آخری تکبیر! لیکن غلام طینت ہر لحظہ موت سے لرزہ براندام رہتا ہے اور اس کی موت حیوانوں کی سی موت ہے - اگرچہ مومن کے لئے موت ایک نعمت ہے لیکن اس موت (شہادت) کی شان بہت بلند و ارفع ہے، جو حضرت حسینؓ اور سلطان ٹیپوؒ کو میسر ہوئی تھی:-

بندہ حق ضیغم و آہو ست مرگ | یک مقام از صد مقام اوست مرگ
می فتد بر مرگ آں مرد تمام | مثل شاہینے کہ افتد بر حمام!
ہر زماں میرد غلام از بیم مرگ | زندگی او را حرام از بیم مرگ
بندہ آزاد را شانے دگر | مرگ اور امی دہد جانے دگر
او خود اندیش ہست مرگ اندیش نیست | مرگ آزاداں ز آنے بیش نیست
بگذر از مرگے کہ سازد بالحد | زانکہ ایں مرگ است مرگ دام و دد
مرد مومن خواہد از یزدان پاک | آں دگر مرگے کہ برگیرد ز خاک
آں دگر مرگ انتہائے راہ شوق | آخریں تکبیر در جنگاہ شوق
گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر | مرگ پور مرتضیٰؓ چیزے دگر

'فقر' اور 'حریت' کے بعد شاعر 'اسرار شریعت' کی طرف متوجہ ہوتا ہے - وہ موجودہ نظامہائے حکومت کی خرابیوں کی اصل وجہ یہ بتاتا ہے کہ وہ حلال و حرام کی تمیز کو مدنظر رکھ کر نہیں "خواجگی" و "بندگی" کی تفریق کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیئے جاتے ہیں - مزدور عالیشان کوٹھیاں تعمیر کرتا ہے، مگر سر چھپانے کے لئے اسے خود ایک جھونپڑا میسر نہیں ہوتا - ''خواجگی'' کی ساری حکمتیں "ضعیفی" کے منہ سے لقمہ چھیننے کی نت نئی ترکیبوں کی ایجاد میں صرف ہوتی ہیں - یہودی سود

خواروں نے روئے زمین پر بنکوں کا جال تان رکھا ہے- طاقتور قومیں تہذیب وتمدن کے حیلے سے کمزور قوموں کو محکوم کرنے کی فکر میں ہیں، اور جنہوں نے محکوم کرلیا ہے، پنجہ استبداد کو سخت تر کر دیا ہے تا کہ "خواجگی" کے عیش تنعم میں فرق نہ آنے پائے - ایسے "میکاولی" نظام ہائے حکومت سے، جن کا اصول 'تعمیر خواجہ' و "تخریب بندہ" ہے، نجات کا ایک ہی ذریعہ ہے—— انقلاب! جبتک کہ موجودہ نظام ہائے حکومت کے پرخچے اڑا دیئے نہ جائیں گے، اور ایک ایسا نظام ترتیب نہ دیا جائیگا، جس کی اساس مساوات شکم پر نہیں بلکہ مساوات انسانی پر نہ رکھی گئی ہو- نوع انسانی کی روز افزوں تکالیف ومصائب کا خاتمہ نہ ہوگا - اور وہ نظام ہے نظام شریعت!

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

شریعت کیا ہے؟ اور طریقت کیا ہے؟ رومیؒ کے الفاظ میں :-

"شریعت ہمچو شمعی است کہ راہ می نماید، چوں درراہ آمدی، ایں رفتن تو طریقت است، و چوں بہ مقصود رسیدی، آں حقیقت است-"

"مثال طب ہمچوں علم طب آموختن است و طریقت پرہیز کردن بموجب علم طب و دارو خوردن و حقیقت صحت یافتن"

(سوانح رومؒ - از علامہ شبلیؒ)

اقبالؔ کہتا ہے:-

آدمی اندر جہان خیر و شر کم شناسد نفع خودرا از ضرر

کس نداند زشت و خوب کار چیست جادہ ہموار و ناہموار چیست

شرع بر خیزد زا اعماق حیات روشن از نورش ظلام کائنات

از شریعت احسن التقویم شو وارث ایمان ابراھیم شو

پس طریقت چیست اے والا صفات شرع را دیدن بہ اعماق حیات

انسانی فطرت عجلت پسند واقع ہوئی ہے- وہ 'خیر' کے 'سود بخش' راستوں کی مشکلات سے گریز کرتی ہے، لیکن 'شر' کے ضرر رساں راستوں کی آسانیوں کو پسند کرتی ہے- شریعت کا کام یہ ہے کہ وہ خیر کے سود بخش راستے کے لئے نوع انسانی کو تیار کرے اور 'شر' کے نقصان دہ راستے سے روکے- اور طریقت نام ہے راہ شریعت پر گامزن ہونے کا-

مختصر الفاظ میں شریعت کا مقصد ایک ہے- یعنی یہ کہ اس دنیا میں ایک انسان دوسرے کا محتاج نہ رہے، لیکن مکتب و ملا نے اس ایک لفظ کی اتنی تاویلیں کی ہیں کہ الامان!

کس نہ گردد رد جہاں محتاج کس ۔۔۔ نکتہ شرع مبیں این است و بس

مکتب و ملا سخن ہا ساختند ۔۔۔ مومناں ایں نکتہ راشنا ختند

زندہ قومے بود از تاویل مرد ۔۔۔ آتش او در ضمیر او فسرد

مکتب و ملا نے تو صرف تاویلیں کیں، لیکن ہمارے پیروں نے سرے سے شریعت کو غیر ضروری ٹھیرا دیا - ان لوگوں نے اتنا نہ سوچا کہ اگر شمع ہی گل کر دی جائے تو راستہ کیسے چلیں گے؟ اور پھر منزل تک کیسے پہنچیں گے؟

احکام شریعت میں سے ایک حکم نماز ہی کو لیجئے - ہمارے پیروں کے پاس یہ ایک ظاہری چیز ہے - کہا جاتا ہے کہ کئی لوگ ایسے ہیں، جو نماز کے پابند ہوتے ہیں، لیکن ان کی بد باطنی میں کوئی فرق نہیں آتا، لہذا نماز سے تزکیہ باطنی ناممکن ہے-

یہ موقعہ نہیں کہ نماز کی اجتماعی اہمیت سے بحث کی جائے - اور اس کی انفرادی اہمیت فلسفیانہ و نفسیاتی اصول کی روشنی میں نمایاں کی جائے میں اس قدر کہنے پر اکتفا کروں گا کہ ایسے خیالات کچھ اسلامی کلچر سے ناواقفیت اور کچھ خود غرضانہ پروپیگنڈے پر مبنی ہیں - یہ سچ ہے کہ اکابر صوفیا نے تزکیہ باطن پر زور دیا ہے، لیکن انہوں نے تزکیہ باطنی کا ذریعہ بھی تو نماز کو ٹھیرایا ہے!

بچہ علم کے فوائد سے ناواقف ہوتا ہے - اس لئے جبراً یا انعام واکرام کا لالچ دے کر اسے مکتب روانہ کیا جاتا ہے، اور جب اس کو علم کا شوق پیدا ہو جاتا ہے تو جبر یا لالچ کی ضرورت نہیں ہوتی، اور پھر جب وہ علم کی تشنگی محسوس کرنے لگتا ہے تو روکے نہیں رکتا - رومیؒ کے نزدیک حقیقی نماز اسی قسم کی تشنگی سے مشابہت رکھتی ہے اور اس کے لئے دوسرے مدارج بھی طے کرنا ضروری ہیں-

کودکاں رامی بری مکتب بہ زور ۔۔۔ زاں کہ ہستند از فوائد چشم کور

چوں شود واقف بہ مکتب می رود ۔۔۔ جانش از رفتن شگفتہ می شود

می رود کودک بہ مکتب پیچ پیچ ۔۔۔ چوں نہ دید از مزد کار خویش ہیچ

لیکن اگر بچہ علم ہی سے کورا ہو تو علم کی تشنگی کہاں سے ہوگی؟ کئی لوگ ایسے بھی ہیں، جو عالم کہلانے کے باوجود حد درجہ بے عمل ہوتے ہیں - اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے علم کے مقصد اور اس کی اہمیت کو نہ سمجھا، یا سستی و کاہلی نے ان کے اعصاب کو بیکار کر رکھا ہے، لیکن ہم علم پر کوئی الزام نہیں رکھ سکتے - نامرد کے ہاتھ میں پہنچکر شمشیر بھی نیام ہو جاتی ہے' - اگر وہ شمشیر کا استعمال نہ جانتا ہو تو یہ شمشیر کی خطا نہیں، بہت جلد اس کو شمشیر کا استعمال سیکھ جانا چاہئے، تاکہ نامردوں کی فہرست سے اس کا نام خارج کر دیا جائے-

اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے:-

در بدن داری اگر سوز حیات ۔۔۔ ہست معراج مسلماں در صلوٰت

ورنداری خون گرم اندر بدن   سجدہ تو نیست جز رسم کہن

اس کے بعد حضرت علامہ نے زیادہ تر سیاسی معاملات سے بحث کی ہے۔ "اشکے چند بر افتراق ہندیاں" میں غلامی کے اسباب بیان کئے گئے ہیں اور نجات کا راستہ بتلایا گیا ہے۔ 'کافری' سے 'کفر' اور 'دینداری' سے 'دین' رخصت ہو چکا، اور ہندیاں ایک دوسرے کا ٹینٹوا دبانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اجنبی قوم ثالث کی حیثیت سے آدھمکی اور صلح و آشتی کے نام پر اپنا الو سیدھا کرنے لگی۔ ممالک شرق و غرب آزاد ہو چکے، اور آزاد ہو رہے ہیں۔ لیکن باہمی آویزش سے ہمیں ابھی فرصت نہیں ملی۔ ہماری زندگی کی کل غیروں کے اشارے پر چلتی ہے، اور اغیار ہماری اینٹوں سے اپنے محل بنوا رہے ہیں۔ لیکن ہماری حالت یہ ہے:-

پیر مرداں از فراست بے نصیب   نوجواناں از محبت بے نصیب

اگر ہم، جو غلامی میں پیدا ہوئے ہیں، آزادی میں مرنا چاہیں تو حضورِ حق سے ہمیں ایک زندہ دل طلب کرنا چاہئے، جو شبستان بدن میں چراغ کا کام دے۔ ایک ایسا دل کہ:-

ہر نفس با روزگار اندر ستیز   سنگ رہ از ضربت او ریز ریز

آشنائے منبر و دار است او   آتش خود را نگہ دار است او

مگر ایک ایسا دل درویشی سے پیدا ہو سکتا ہے، نہ کہ امیری سے:-

ایں چنیں دل، خودنگر، اللہ مست   جز بہ درویشی نمی آید بدست

اے جواں دامان او محکم بگیر   در غلامی زادہ آزاد میر

سیاسیات حاضرہ کا مقصد کیا ہے؟ یہی کہ تہذیب و تمدن کی آڑ میں تعمیر "خواجگی" و "تخریب بندگی" کو برقرار رکھا جائے۔ دور حاضر کی فرنگی سیاست کی تعمیر میکاولی کے باطل سیاسی اصول پر قائم کی گئی ہے۔ میکاولی نے اخلاقیات کو سیاسیات سے نکال پھینکا۔ اور اس کا پیش کردہ نظریہ سیاست اخوت و مساوات پر نہیں، خود غرضانہ قومیت پر مبنی تھا، اور یہی وہ نظریہ تھا، جس نے دانتے کی 'عالمگیر ریاست' کے تخیل کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود غرض سیاسین کے ہاتھوں میں، سیاست، حیلہ اندازی اور مکر و ریا کا ایک موثر آلہ کار بنکر رہ گئی۔

چنانچہ دور حاضر کی سیاست کا یہ رنگ ہے کہ دیو استبداد گو عریاں رقص نہیں کرتا، لیکن جمہوری قبا میں پاکوب نظر آتا ہے۔ خلوص اور بے غرضی سے نہیں لیکن ذو معنی اور پہلو دار حروف سے مقصد برآری کی جاتی ہے۔ سیاست کیا ہے ایک سحر ہے جو غلامی کے شکنجے کو سخت سے سخت تر کرتا جا رہا ہے! لردان فرنگ محکوم اقوام سے کہتے ہیں "تم آزاد ہو کر کیا کرو گے؟ ان اقوام سے اپنی حفاظت نہ کر سکو گے جو تمہیں ہڑپ کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں، محکوم کیوں نہ رہو کہ ہم تمہاری حفاظت کر سکیں!" اس افسون کی مثال ایسی ہے کہ مرغ قفس سے کوئی کہے۔ "جنگل کے درختوں میں آشیانہ بنا کر کیا کرو گے؟ تم شاہین و چرغ سے اپنی حفاظت

نہ کرسکو گے، جو تمہیں شکار کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں، صیاد کے گھر ہی میں آشیانہ کیوں نہ بناؤ کہ وہ تمہاری حفاظت کر سکے؟"

گفت با مرغ قفس اے درد مند   آشیاں در خانہ صیاد بند

ہر کہ سازد آشیاں در دشت و مرغ   اونبا شد ایمن از شاہین و چرغ

از فسونش مرغ زیرک دانہ مست   نالہ ہا اندر گلوئے خود شکست

ایک سیاست فرنگ ہی ہمارے لئے مصیبت نہیں، بلکہ ایک اور مصیبت ہمارے زمانے کے "جعفر" اور "صادق" ہیں جو اپنے تن کیلئے ملک وملت اور دین وایمان کو اغیار کے ہاتھوں فروخت کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے - انہیں تن پرست، جاہ مست اور کم نگہ حضرات نے جو حرم میں پیدا ہوئے اور کلیسا میں مرید ہوئے ہمارے پردہ ناموس کو چاک کیا ہے - ایسے قائدوں سے گزرنا چاہئے، کیونکہ اندھے کتے آہو کا شکار نہیں کر سکتے :-

تن پرست و جاہ مست و کم نگہ   اندرونش بے نصیب از لاالہ

در حرمزاد و کلیسا را مرید   پردہ ناموس ما را بر درید

دامن او را گرفتن ابلہی است   سینہ او از دل روشن تہی است

اندریں رہ تکیہ برخود کن کہ مرد   صید آہو با سگ کورے نہ کرد

وہ قائد کہاں ہیں، جنہیں تیغ کے نیچے لا الہ کہنے میں باک نہیں تھا، جن کا خون زمین پر لا الہ کی لالہ کاریاں کرتا تھا ، اور جن کے سجدوں سے زمین لرز اٹھتی تھی!!

آنکہ بخشد بے یقیناں را یقیں (۱۹۶)   آنکہ لرزد از سجود او زمیں

آنکہ زیر تیغ گوید لاالہ   آنکہ از خونش بروید لاالہ

آں سرور آں سوز مشتاقی نماند   در حرم صاحبدلے باقی نماند

اقبال غلامی سے کس قدر ملول ورنجیدہ ہے، اس کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہوگا:-

تا غلامم در غلامی زادہ ام   ز آستان کعبہ دور افتادہ ام

چوں بنام مصطفیٰ خو انم (۱۹۷) درود   از جہالت آب می گردو وجود

عشق می گوید کہ "اے محکوم غیر"   سینہ تو از بتاں مانند دیر

تانداری از محمدؐ رنگ و بو

از درود خود میالا نام او

کہتا ہے۔"جب میں آقائے دو جہاںؐ کے نام درود بھیجتا ہوں، تو عشق کہتا ہے۔اے محکوم فرنگ! تو جس نے اپنے سینے میں بتان حاضر کو جگہ دے رکھی ہے،اور تو جس نے میراث محمدیؐ کو خیر باد کہدیا ہے،کیوں اپنے درود سے اس پاک نام کو آلودہ کرتا ہے؟"ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ رنج واندوہ کا کونسا موقع ہوسکتا ہے؟

اس کے بعد امت عربیہ سے چند باتیں کہی گئی ہیں۔یہ عرب ہی تھا،جس نے دور جہالت میں خداوندان لاتؔ و مناتؔ کے آگے سر جھکا رکھا تھا اور فتنہ و فساد کا مرکز بنا ہوا تھا،اور یہ وہی عرب تھا جس نے آگے چل کر ہر بت کہنہ کو پاش پاش کیا اور علم توحید کے آگے سرخم کیا۔اس کایا پلٹ کا ذمہ وار کون تھا؟——ایک امی لقب! صدق صدیقؓ وسلمانؓ،عدل فاروقؓ،زور حیدرؓ،تیغ خالدؓ وصلاح الدینؒ،فقر بوذرؓ،نگاہ بایزیدؒ،ذکر رومیؒ،فکر رازی اور حسن الحمر اوتاج،جس کی نگاہ کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھے!

گرمی ہنگامہ بدر و حنین   حیدرؓ و صدیقؓ و فاروقؓ و حسینؓ
سطوت بانگ صلوٰت اندر نبرد   قرأت الصفت اندر نبرد
تیغ ایوبیؒ نگاہ با یزیدؒ   گنجہائے ہر دو عالم را کلید
عقل و دل را مستی از یک جام مے   اختلاط ذکر و فکر رومؔ و رےؔ
علم و حکمت شرع و دیں، نظم امور   اندرون سینہ دلہا ناصبور
حسن عالم سوز الحمرا و تاج   آنکہ از قدوسیاں می گیرد(۱۹۸) خراج
ایں ہمہ یک لحظہ از اوقات اوست   یک تجلی از تجلیات اوست

عرب اسلامیان عالم کا مرکز بنا،اور عرب کی سرزمین خدا کے لاتعداد بندوں کی سجدہ گاہ بنی۔کچھ مدت کے بعد،اس سرزمین کو پھر ایسے زمانہ سے دوچار ہونا پڑا،جس نے پرانے فتنے نئی شکل میں پیدار (بیدار) کئے۔"جعفروں" اور "صادقوں" نے اس سرزمین کو "بتان ابیض" کے حوالے کیا۔لیکن بہت جلد دشت نجد سے ایک ایسا بگولہ اٹھا کہ "فتنہ ابیض" اس کی تاب مقاومت لا نہ سکا۔یاران نجد نے اپنی حکومت قائم کی۔لیکن رفتہ رفتہ زمانہ نے فرنگیوں کی چیرہ دستیوں کی یاد ان کے دلوں سے بھلا دی۔سلطان ابن سعود نے فرنگیوں کو معدنیات کے ٹھیکے دیئے،اور ایک نئے فتنے کا بیج بویا گیا۔اقبال کہتا ہے:۔

آنچہ تو باخویش کردی کس نہ کرد (نکرد)   روح پاک مصطفےٰ آمد بدرد
اے ز افسون فرنگی بے خبر   فتنہ ہا در آستین او نگر
از فریب او اگر خواہی اماں   اشترانش را زحوض خود براں

حکمتش ہر قوم را بے چارہ کرد　　وحدت اعرابیاں صد پارہ کرد

تاعرب در حلقہ دامش فتاد　　آسماں یک دم اماں او را نہ داد(نداد)

عصر خودرا بنگر اے صاحب نظر　　در بدن باز آفریں روح عمرؓ

سلطان کو ایسا کیوں کرنا پڑا؟ اس کے پاس ایسے لوگوں کا عدم وجود تھا، جو عصر حاضر کی سائینس سے واقفیت رکھتے تھے- یہ نتیجہ ہے سائینس کو الحادو دہریت قرار دے کر اس سے آنکھیں بند کر لینے کا- یہ سچ ہے کہ الحاد و دہریت کا سیلاب سائینس کی ترقی کے ساتھ بڑھتا گیا، لیکن اس کی ذمہ داری سائینس پر رکھی نہیں جا سکتی- سائینس مسلم الاصل ہے- اور اس نے حرم میں جنم لیا ہے- خود قرآن شریف نے نظام فطرت کا بغور مطالعہ کرنے کی ہمیں تاکید کی ہے- مگر مسلمانوں کے انحطاط کے بعد ملحد فرنگ نے اسے اپنی فرزندی میں لیا اور الحاد کے لباس سے اسے آراستہ کیا:-

تا بہ فرزندی گرفت او را فرنگ　　شاہدے گردید بے ناموس و ننگ

گرچہ شیریں است و نوشین است او　　کج خرام و شوخ و بے دین است او

چنانچہ فرنگ نے اس علم کو جو ہماری خاک کے لئے کیمیا کا حکم رکھتا تھا نوع انسانی کو تباہ کرنے کا ایک اچھا خاصہ آلہ بنا لیا، علم کو ہم مورد الزام نہیں بنا سکتے- یہ فرنگی دانش کا قصور ہے- کیونکہ:-

علم از رسوا ست اندر شہرو دشت　　جبرئیل از صحبتش ابلیس گشت

دانش افرنگیاں تیغے بدوش　　در ہلاک نوع انساں سخت کوش

افق یورپ پر جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں، خودغرضی اور ہوس استعماریت، یورپ کو اپنا نخچیر آپ بنا رہی ہیں، یوروپین اقوام کانچ کے شیشے نظر آتے ہیں، جو کسی دن ایک دوسرے سے ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے، اور ان کی 'لادین تہذیب' اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرے گی- جمعیت اقوام کے کفن چور جنگ کو کیسے روک سکتے ہیں؟ جمعیت کی طاقت کا ہمیں بھی اس حد تک اعتراف ہے کہ وہ مردہ اقوام کی قبورا اپنے فرنگی ارکان میں تقسیم کرسکتی ہے اور ان قبور کے مردوں کی کفن کھسوٹی کرسکتی ہے- بہت عرصہ نہیں گزرا کہ جمعیت نے حبش کے "برہ معصوم" کو "گرگ اٹلی" کے حوالے کیا، اور اس کے تڑپ کر ختم ہونے کا تماشہ دیکھتی رہی- اقبالؔ کہتا ہے:-

زندگانی ہر زماں در کش مکش　　عبرت آموز است احوال حبش

شرع یورپ بے نزاع قیل و قال　　برہ را کردست (۱۹۹) بر گرگاں حلال

نقش نو اندر جہاں باید نہاد　　از کفن دزداں چہ امید کشاد

در جینوا چیست غیر از مکر و فن؟ صید تو این میش و آں نخچیر من

غرض مشرقی اقوام، مغرب کی کسی قوم یا انجمن اقوام کی دوستی کا اعتماد نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ اعتماد بہت جلد ان کی آزادی کا خاتمہ ثابت ہوتا ہے۔
دراصل یہ یورپ ہی ہے، جو اقوام مشرق کی ترقی و آزادی کی راہ میں ایک سنگ گراں بنکر حائل ہے۔ اب جبکہ یورپ زندگی کے حقیقی مقصد سے ناآشنا ہو چکا اور سرعت کے ساتھ اپنی تباہی کے سامان آپ پیدا کرتا چلا ہے، اقوام مشرق کو کیا کرنا چاہئے؟

آدمیت زار نالید از فرنگ زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ
پس چہ باید کرد اے اقوام شرق؟ باز روشن می شود ایام شرق

مجموعی حیثیت سے مشرق کی حالت مایوس کن نہیں۔ وہ ایک خواب گراں سے انگڑائی لے کر آہستہ آہستہ بیدار ہو رہا ہے۔ ایشیائی اقوام فرنگی شعبدہ بازی کی حقیقت سے واقف ہوتی جارہی ہیں اور آزادی کی قدر و قیمت کو محسوس کرنے لگی ہیں۔ زمانہ سرعت کے ساتھ بدلتا جارہا ہے۔

زمانے کے انداز بدلے گئے نیا راگ ہے ساز بدلے گئے
ہوا اس طرح فاش راز فرنگ کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ!
پرانی سیاست گری خوار ہے زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے!
گیا دور سرمایہ داری گیا تماشا دکھا کر مداری گیا!
گراں خواب چینی سنبھلنے لگے ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے!
دل طور سینا و فاراں دونیم تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم!

طلوع آفتاب کی یہ سرزمین، جس نے دنیا کو آدم گری کا درس دیا تھا، جس نے عشق کو دلبری سکھائی تھی، جس نے نوع انسانی کو سوز و درد سے روشناس کرایا تھا اور جس نے دنیا کو فطرت کے اسرار و غوامض سے آگاہ کیا تھا، اب دوبارہ اصلی شان و شوکت کی طرف عود کرتی نظر آرہی ہے۔
یہی موقعہ ہے کہ یورپ کے سر سے استبداد و استعمار کا نقشہ اتارا جائے۔ اس کی سیاست نے دنیا کے بنجر بھی بے خراج نہیں چھوڑے، وہ اپنے عیش و تنعم کے لئے مزدور کے منہ سے لقمہ چھین لیتا ہے اور دہقان کے تن سے کپڑا کھینچ لیتا ہے۔ اس کی چرب دستی کو دیکھئے۔ ابریشم یہاں سے اٹھالے جاتا ہے اور قالین بنا کر پھر ہمارے ہی آگے ڈالتا ہے اور ہمیں سے دام وصول کرتا ہے:۔

اے ز کار عصر حاضر بے خبر چرب دستیہائے یورپ را نگر
قالی از ابریشم تو ساختند باز او را پیش تو انداختند
چشم تو از ظاہرش افسوں خورد رنگ و آب او ترا از جا برد

وقت سودا خند خند و کم خروش　　ما چو طفلانیم و او شکر فروش

تاجران رنگ و بو بردند سود　　ما خریداراں ہمہ کو رو کبود

پس ہمارا فرض یہ ہے کہ زمستاں میں اس کا بنایا ہوا پوستیں نہ خریدیں، اور اس کی قالین کو اپنے بوریے پر ترجیح نہ دیں، وہی کھائیں، وہی پہنیں اور انہیں چیزوں کی خرید و فروخت کریں جنہیں ہماری زمین پیدا کرتی ہے:-

گر تو می دانی حسابش را درست　　از حریرش نرم تر کرپاس تست

بے نیاز از کار گاہ او گذر　　در زمستاں پوستین او مخر

بوریائے خود بہ قالینش مدہ　　بیدق (۲۰۰) خود را بہ فرزینش مدہ

صد گرہ افگندہ درکار خویش　　از قماش او مکن دستار خویش

آنچہ از خاک تو رست اے مرد حر　　آں فروش و آں بپوش و آں بخور

آں نکو بیناں کہ خود را دیدہ اند　　خود گلیم خویش را بافیدہ اند

ہوشمند اس کے ساغر سے مے نوشی نہیں کرتا، کیونکہ جس کسی نے ایسا کیا، مے خانہ ہی میں اس کی موت واقع ہوئی - وہ دریا ہی کیا، جو غواصوں سے اپنے گوہر خریدے!

ہوشمندے از خم او مے نہ خورد　　ہر کہ خورد اندر ہمیں مے خانہ مرد

وائے آں دریا کہ موجش کم تپید　　گوہر خود را ز غواصاں خرید!

مثنوی کا خاتمہ حضرت رسالتمآبؐ کی حضور میں ایک دعا سے ہوتا ہے - دعا کی تصنیف کا سبب یہ ہے کہ چند دن قبل، جبکہ حضرت علامہ سخت علیل تھے، آپ

نے سرسیدؒ کو خواب میں دیکھا، اور سرسیدؒ نے علالت کے متعلق حضور رسالتمآبؐ میں عرض کرنے کا مشورہ دیا - علالت اور علالت سے زیادہ دوا پینے کی تکلیف کو اپنی دعا میں یوں بیان کیا ہے:-

آہ زاں دردے کہ در جان و تن است — گوشہ چشم تو وا روئے من است

در نسازد باد وا ہا جان زار — تلخ و بوئش بر مشامم ناگوار

کار ایں بیمار نتواں برد پیش — من چوں طفلاں نالم از داروئے خویش

تلخی او را فریبم از شکر — خندہ ہا در لب بدوزد چارہ گر

عرب کا مشہور شاعر بصیریؔ جب فالج میں مبتلا ہوا تو اس نے آنحضرتؐ کی شان میں "قصیدہ بردہ" تصنیف کیا تھا، جو بارگاہ نبویؐ میں مقبول ہوا اور شاعر کو اس موذی مرض سے نجات ملی - اقبالؔ کی بھی یہی آرزو ہے-

چوں بصیریؔ از تو می خواہم کشود — تا بمن باز آید آں روزے کہ بود

آگے چل کر شاعر نے اعتراف کیا ہے کہ اگرچہ وہ دینی معاملات میں ایک 'چست و چالاک فکر' اور 'نگاہ تیز بیں' کا مالک ہے، لیکن میدان عمل اس کے کارہائے نمایاں سے خالی ہے- وہ التجا کرتا ہے کہ اسے کردار و عمل کی بھی توفیق عطا ہو-

فکر من در فہم دیں چالاک و چست — تخم کردارے ز خاک من نہ رست

تیشہ ام را تیز تر گرداں کہ من — محنتے دارم فزوں از کوہ کن

مومنم از خویشتن کافرنیم — بر فسانم زن کہ بد گوہر منم (۲۰۱)

دعا کے اخیر میں جو اشعار درج ہیں، وہ حضرت علامہ کے انتہائی سوز و درد اور ان کے بے پناہ عشق و عقیدت پر، جو انہیں حضرت رسالتمآبؐ سے ہے، ولالت کرتے ہیں-

بندہ کورا (۲۰۲) نخواہد ساز و برگ — زندگانی بے حضور خواجہ مرگ!

اے کہ وادی کرد را سوز عرب — بندہ خود را حضور خود طلب

بندہ چوں لالہ داغے در جگر — دوستانش از غم او بے خبر

بندۂ اندر جہاں نالاں چوں نے — تفتہ جاں از نغمہ ہائے پے بہ پے

در بیاباں مثل چوب نیم سوز — کارواں بگذشت و من سوزم ہنوز

اندریں دشت و درے پہنا ورے — بو کہ آید کاروانے دیگرے

جاں مہجوری نالد در بدن

نالہ من وائے من! اے وائے من!

لیکن اس دعا کا اہم حصہ وہ ہے، جس میں دور حاضر کے نوجوانوں کا صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے، اور حضور رسالتمآبؑ سے التجا کی گئی ہے کہ ان کے مردہ دلوں کو" قم باذنی" سے زندہ کیا جائے اور ان کے سینوں کو "لا غالب الا اللہ" کے نور سے منور کیا جائے ان روشن دماغ مسلمان زادوں نے مکتب میں اپنا جذبہ دین کھویا - کم نظر شیخ ملت نے ان کے مقام سے انہیں آشنا نہ کیا انہیں خود سے بیگانہ کیا - آخر آتش افرنگ نے ان کے دلوں کو پگھلا کر اپنے سانچہ میں ڈھالا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مرغان سرا کی طرح خاک میں دانہ تلاش کرنے لگے اور فضائے نیلگوں سے نا آشنا رہے' - "ترس مرگ" غالب آیا اور لا غالب الا اللہ کا دلوں میں وجود نہ رہا -

این مسلماں زادہ روشن دماغ ظلمت آباد ضمیرش بے چراغ

در جوانی نرم و نازک چوں حریر آرزو در سینہ او زود میر

مکتب از وے جذبہ دیں (۲۰۳) در ربود از وجودش ایں قدر دانم کہ بود

ایں ز خود بیگانہ ایں مست فرنگ نان جو می خواہد از دست فرنگ

دانہ چیں مانند مرغان سر است از خفائے (۲۰۴) نیلگوں نا آشنا ست

شیخ مکتب کم سواد و کم نظر از مقام او نہ داد او را خبر

آتش آفرنگیاں بگداختش یعنی ایں دوزخ دگرگوں ساختش

مومن وا ز رمز مرگ آگاہ نیست در دلش لا غالب الا اللہ نیست

تا دل او درمیان سینہ مرد می نیندیشد مگر از خواب و خورد

بہر یک ناں نشتر لا و نعم منت صد کس برائے یک شکم

از فرنگی می خرد لات و منات مومن و اندیشہ او سومنات

قم باذنی گوئے و او را زندہ کن در دلش اللہ ہو را زندہ کن

زیر نظر کتاب کا دوسرا حصہ " مسافر " ہے - جس کا پہلا ایڈیشن دو سال قبل الگ شائع ہوا تھا - اور اس دفعہ زیر بحث مثنوی کے ساتھ مجلد شائع ہوا ہے - 'مسافر' کی نظمیں حضرت علامہ کی سیاحت افغانستان کے تاثرات کا نتیجہ ہیں - یہاں مسافر کے متعلق میں کچھ عرض نہیں کروں گا - کیونکہ مضمون موجودہ طوالت

سے دگنا ہو جائیگا - ممکن ہے کہ اس کے قبل کسی صاحب نے اس کے متعلق کچھ لکھا ہو-'مسافر' کی ایک غزل کے چند وجد آفریں اشعار کے ساتھ اس مضمون کو ختم کرتا ہوں:-

وقت است کہ بکشایم میخانہ رومی باز پیران حرم دیدم در صحن کلیسا مست!

ایں کار حکیمے نیست و امان کلیمے گیر صد بندہ ساحل مست، یک بندہ دریا مست!

دل را بچمن بردم از باد چمن افسرد میرد بہ خیابانہا ایں لالہ صحرا مست!

از حرف دلآویزش اسرار حرم پیدا دی کافرکے، دیدم در وادی بطحا مست! (۲۰۵)

سینا است کہ فاران است؟ یارب چہ مقام است ایں؟

ہر ذرہ خاک من چشمے است تماشا مست!

حوالہ جات وحواشی
(باب ششم)

۱۔ ادبی دنیا، ماہنامہ، "شکوہ اور جواب شکوہ" از (سکواڈرن لیڈر) ڈاکٹر سید تقام حسین جعفری، اپریل مئی ۱۹۷۱ء، اقبال نمبر، ص ۱۱-۵۲

۲۔ مخزن، ماہنامہ، "جواب شکوہ ڈاکٹر اقبال از حضرت ذوالجلال" از سید محمد فضل رب، دسمبر ۱۹۱۲ء، ص ۶۵-۶۹

۳۔ ادبی دنیا، ماہنامہ، اپریل مئی ۱۹۷۱ء، اقبال نمبر، ص ۳۹

۴۔ اقبال، سہ ماہی، اپریل ۱۹۶۶ء، ص ۷

۵۔ "مخزن" میں "ہے" کے بجائے "ہی" درج ہے۔

۶۔ "مخزن" میں "ایمان" کے بجائے "ایماں" تحریر ہے۔

۷۔ "مخزن" میں "ایک" کے بجائے "اک" درج کیا گیا ہے۔

۸۔ ایضاً

۹۔ "مخزن" میں "معنے" کے بجائے "معنی" درج ہے۔

۱۰۔ "مخزن" میں "انسان" کی جگہ "انساں" تحریر ہے۔

۱۱۔ یہ حاشہ "صوفی" میں درج ہے گویا یہاں متن کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۲۔ ادبی دنیا، ماہنامہ، اپریل مئی ۱۹۷۱ء، اقبال نمبر، ص ۴۱

۱۳۔ الھلال، ہفتہ وار، کلکتہ، "جواب شکوہ کا اقبال" از صاحبزادہ مصطفےٰ خاں شرؔر، ۲۶ رفروری ۱۹۱۳ء، ص ۱۲-۱۳

۱۴۔ "الھلال" میں "نظارگی" لکھا گیا تھا۔

۱۵۔ "الھلال" میں "سے" تھا جسے "صوفی" میں "ہے" لکھ دیا گیا۔

۱۶۔ "الھلال" میں "کعبے" لکھا گیا تھا۔

۱۷۔ "الھلال" میں "سرمد" درج تھا۔

۱۸۔ "الھلال" میں "بندگی" رقم تھا۔

۱۹۔ "الھلال" میں "سے" کی جگہ "کی" درج تھا۔

۲۰۔ "الھلال" میں "حسد" کے بجائے "جسد" لکھا گیا تھا۔

۲۱۔ "الھلال" میں "پہ" نہیں بلکہ "پر" لکھا گیا ہے۔

۲۲۔ "الھلال" میں "تو پھر ہے" لکھا گیا تھا۔

۲۳۔ "الھلال" میں "طریقہ" کو "طریقا" لکھا گیا تھا۔

۲۴۔ "الھلال" میں "آئینے" لکھا گیا تھا۔

۲۵۔ "الھلال" میں "اگر" تھا جسے "صوفی" میں "گر" لکھ دیا گیا۔

۲۶۔ مخزن، ماہنامہ، (فہرست مندرجات از ادارہ مخزن)، دسمبر ۱۹۱۱ء، دربار نمبر، سرورق

۲۷۔ صوفی، ماہنامہ، "پوسٹ آفس" از محسن لاہوری، جون ۱۹۱۶ء، ص ۳۴

۲۸۔ ڈاکٹر صابر کلوروی نے "اشاریہ مکاتیب اقبال' (ص ۳۳) میں نام کے مغالطے کی بناء پر "ماسٹر عبداللہ" کو "عبداللہ چغتائی" گردانا ہے جو درست نہیں۔

۲۹۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)، ص ۲۵۷

۳۰۔ صوفی، ماہنامہ، "مقدس البم" از مولانا نامی کوہ سوار چشتی نظامی، مئی ۱۹۱۵ء، ص ۲۳

۳۱۔ ایضاً، "صوفی کا ٹائٹل پیج" از نامی کوہ سوار چشتی نظامی شاہپوری، اگست ۱۹۱۵ء، ص ۵

۳۲۔ (i) ایضاً، ''محمدیؐ ہوں محمدیؐ'' از عاشق زار! شاہ محمد نامی کوہ سواری، اپریل ۱۹۱۵ء، ص ۱۵

(ii) ایضاً، مئی ۱۹۱۵ء، ص ۲

(iii) ایضاً، اگست ۱۹۱۵ء، ص ۵

۳۳۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۸۱

۳۴۔ محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص ۲۱۱

۳۵۔ سید نذیر نیازی، دانائے راز، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۸ء، ص ۲۱۹

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص ۲۱۲ - ۲۱۳

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۱۲

۳۹ سید نذیر نیازی، دانائے راز، ص۲۲۰

۴۰ ایضاً،ص ۲۱۸

۴۱ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص۹۶

۴۲ ایضاً،ص ۸۱

۴۳ ایضاً،ص ۸۵

۴۴ خان بہادر پیرزادہ مظفر احمد فضلی قریشی نقشبندی آفاقی کی مثنوی "راز بے خودی کی طرف اشارہ ہے جو "اسرار خودی" کے رد میں دہلی سے ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔

۴۵ سید نذیر نیازی، دانائے راز، ص۲۲۰-۲۲۱

۴۶ ''خودخودیست'' کے الفاظ کے بعد ایک رکن رہ گیا ہے۔

۴۷ یہاں "ابن تیمیہ" ہونا چاہئے۔سہو کتابت ہے۔

۴۸ یہاں بحر اور معنویت برقرار رکھنے کے لئے "شد از ہزاراں" ہونا چاہئے۔

۴۹ محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص۴۹۵

۵۰ ایضاً

۵۱ (i) عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص۱۱۶

(ii) اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص۲۲۹

(iii) صحیفہ، سہ ماہی، "سرہو گئے اقبال" از محمد حنیف شاہد، نومبر دسمبر ۷۷ء جنوری فروری ۷۸ء، اقبال نمبر (حصہ دوم)،ص ۱۳۸

۵۲ (i) محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص۵۰۲

(ii) عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص۱۱۷

۵۳ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص۱۱۷

۵۴ اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص۲۲۹

۵۵ زمیندار، روزنامہ، "سرہو گئے اقبال" از سالک، ۴؍جنوری ۱۹۲۳ء، ص۴

۵۶ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص۱۱۷

۵۷ صحیفہ، سہ ماہی، نومبر دسمبر ۷۷ء جنوری فروری ۷۸ء، اقبال نمبر (حصہ دوم)، ص ۱۳۹-۱۴۰

۵۸ ڈاکٹر جاوید اقبال، زندہ رود (حیات اقبال کا وسطی در)، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز ،۱۹۸۱ء، ص ۲۶۹

۵۹ محمد حنیف شاہد، مفکر پاکستان، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ،۱۹۸۲ء، ص ۲۲۶

۶۰ "زندہ رود" اور "مفکر پاکستان" میں "انگریزوں" کے بجائے "انگریز" لکھا گیا ہے۔

۶۱ "زندہ رود" اور مفکر پاکستان" میں "پہ" "کو" "پر" لکھ دیا گیا ہے۔

۶۲ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ، ص ۱۴۷

۶۳ (i) محمد حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۶۷۸

(ii) ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ، ص ۱۴۷

۶۴ اقبال، سہ ماہی، اپریل ۱۹۶۶ء، ص ۷

۶۵ یہ حاشیہ مجلّہ "صوفی" میں نظم کے ساتھ شائع ہوا۔

۶۶ (i) صوفی، ماہنامہ، "جلوہ یار" از نذر محمد انور، جنوری ۱۹۱۶ء، ص ۳۷

(ii) ایضاً، ''انقلاب روزگار'' از نذر محمد انور، مارچ ۱۹۱۶ء، ص ۱۱

۶۷ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ، ص ۱۵۵

۶۸ زمانہ، ماہنامہ، "علمی نوٹ اور خبریں" از (مدیر)، جنوری ۱۹۲۳ء، ص ۷۱

۶۹ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، کتابیات اقبال، ص ۲۳۰

۷۰ ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۰۲

۷۱ (i) اقبال، سہ ماہی، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۵

(ii) ڈاکٹر گیان چند (مرتب)، ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۰۲

۷۲ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۳۷-۳۸

۷۳ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۲۰۲

۷۴ صوفی، ماہنامہ "کلام آزاد" از حکیم آزاد انصاری، اکتوبر ۱۹۳۱ء، ص ۱۲

۷۵ مہک، سالنامہ، "درس عمل" (ترجمہ)، از حکیم آزاد انصاری، ۷۴-۱۹۷۵ء، اقبال نمبر، ص ۲۸۳

۷۶۔ "صوفی" میں فقط "یقیں" لکھا ہے۔ جبکہ "مہک" میں اسے "یقیں ہے" لکھ دیا گیا ہے۔

۷۷۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۸۰

۷۸۔ پروفیسر محمد اسلم، خفتگان کراچی، لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، ۱۹۹۱ء، ص ۱۵۰

۷۹۔ صوفی، ماہنامہ، "فتح سندھ" از مولینا محمد شرف الدین یکتا جودھپوری، جولائی و اگست ۱۹۳۳ء، ص ۳۹۔۴۷

۸۰۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا)، ص ۱۶۴

۸۱۔ نیرنگ خیال، ماہنامہ "بزم خیال" از محمد شرف الدین یکتا جودھپوری، ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۲ء، اقبال نمبر، ص ۳۸۵۔۳۸۹

۸۲۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص ۲۵۳

۸۳۔ فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۲۸۱

۸۴۔ عبدالمجید سالک، سرگزشت، ص ۲۱۰

۸۵۔ عبدالمجید سالک، یاران کہن، لاہور، مطبوعات چٹان، (۱۹۵۵ء)، ص ۲۳۵

۸۶۔ ایضاً، ص ۲۲۷

۸۷۔ فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر (جلد دوم)، ص ۲۸۱۔۲۸۶

۸۸۔ صوفی، ماہنامہ، "رسم قربانی کی مصلحت" از محمد الدین تاثیر، اپریل و مئی ۱۹۲۸ء، عید نمبر، ص ۵۴۔۵۵

۸۹۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز)، ص ۹۸۔۹۹

۹۰۔ نیرنگ خیال، ماہنامہ، "عالمگیر!" ترجمہ از پروفیسر محمد دین تاثیر، ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۲ء، ص ۳۹۲

۹۱۔ محمد حمزہ فاروقی (مرتب)، حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، ص ۳۳۶۔۳۳۷

۹۲۔ ایضاً

۹۳۔ مہک، سالنامہ، "عالمگیر" ترجمہ از ڈاکٹر محمد دین تاثیر مرحوم، ۷۵۔۱۹۷۴ء، اقبال نمبر، ص ۲۸۴۔۲۸۵

۹۴۔ نقوش، ادبی مجلّہ، "عالمگیر!" ترجمہ از پروفیسر محمد دین تاثیر، نومبر ۱۹۷۷ء، نیرنگ خیال اقبال نمبر، ص ۲۷۴

۹۵۔ "نیرنگ خیال" اور "مہک" میں "فرماندۂ" درج کیا گیا ہے۔

۹۶۔ "مہک" میں سہواً "کہ" کو "وہ" لکھ دیا گیا ہے۔

۹۷۔ "نیرنگ خیال" اور "مہک" میں "سلطاں تھا" رقم کیا گیا ہے۔

۹۸۔ "حیات اقبال کے چند مخفی گوشے" میں "آ نکلا" کی جگہ "نکلا اک" تحریر کیا گیا ہے۔

۹۹۔ "نیرنگ خیال" میں "دور صلوٰۃ" اور "مہک" میں "ورد صلوٰۃ" لکھا گیا ہے۔

۱۰۰۔ "نیرنگ خیال" اور "مہک" میں "خدا و بندہ کے راز و نیاز" کی جگہ "رکوع و سجدہ و التحیات" رقم ہے۔

۱۰۱۔ "نیرنگ خیال" میں "سینہ" تحریر ہے۔

۱۰۲۔ "نیرنگ خیال" میں "جس میں" لکھا گیا تھا۔

۱۰۳۔ "نیرنگ خیال" میں "ایسا" کی جگہ ''ایسی'' لکھا گیا تھا۔

۱۰۴۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (بال جبریل)، ص ۴۴۳

۱۰۵۔ محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص ۴۱۸

۱۰۶۔ محمد عبداللہ قریشی نے "معاصرین اقبال کی نظر میں" کے صفحہ ۴۲۰-۴۲۱ پر "خطیب" میں سراسرار خودی کی اشاعت کا سن سہواً جنوری کے بجائے جون تحریر کیا ہے حالانکہ اقبال نے ۴ر فروری ۱۹۱۶ء کے خط میں اس مضمون کے "خطیب" میں شائع ہونے کا ذکر کیا ہے۔

۱۰۷۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)، ص ۵۲

۱۰۸۔ ادبی دنیا، ماہنامہ، "اقبالؒ سے میرے تعلقات" از مولانا حسن نظامی، مئی ۱۹۶۵ء، ص ۱۱

۱۰۹۔ (i) سید نذیر نیازی، دانائے راز، ص ۱۶۸

(ii) عبدالرؤف عروج (مؤلف)، رجال اقبال، ص ۲۷۸

۱۱۰۔ سید نذیر نیازی، دانائے راز، ص ۱۶۷

۱۱۱۔ فقیر سید وحید الدین، انجمن، کراچی، لائن آرٹ پریس لمیٹڈ، ۱۹۶۶ء، ص ۱۲۶

۱۱۲۔ ایضاً

۱۱۳۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۱۱۴۔ اقبال، سہ ماہی، پیش لفظ "تبصرہ بر اسرار خودی" از محمد اسماعیل پانی پتی، اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص ۳-۴

۱۱۵۔ سید نذیر نیازی، دانائے راز، ص ۱۶۷

۱۱۶۔ صوفی، ماہنامہ، "کلام اقبال" از اقبال، مئی ۱۹۱۲ء، ص ۸

۱۱۷۔ اقبال، سہ ماہی، اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص ۴

۱۱۸۔ خان بہادر مرزا سلطان احمد، النظر (ڈاکٹر محمد اقبال کی مثنوی "اسرار خودی" پر عالمانہ تنقید)، لاہور، مرغوب ایجنسی، ۱۹۱۹ء، سرورق

۱۱۹۔ اقبال، سہ ماہی، اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص ۱-۳۹

۱۲۰۔ یہ مصرعہ صحت کے ساتھ درج نہیں ہو سکا۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۱۰۱) میں یہ مصرعہ یوں درج ہے ع "ماز حکم نسبت او ملتیم"

۱۲۱۔ سہواً "خداست" درج ہو گیا ہے۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۱۰۲) کے مطابق "خدا است" ہونا چاہئے۔

۱۲۲۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۹۲) میں یہ مصرعہ یوں ہے ع "رشتہ اش شیرازہ افکار ما"۔

۱۲۳۔ محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص ۳۹۲

۱۲۴۔ رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۴۶۷-۴۶۸

۱۲۵۔ محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص ۳۹۲

۱۲۶۔ ایضاً، ص ۳۹۸

۱۲۷۔ ثاقف نفیس (مرتب)، مکتوبات اقبال (بنام چودھری محمد حسین)، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰

۱۲۸۔ (i) انقلاب، روزنامہ، "علامہ اقبال کی مدراس روانگی" (خبر)، ۵ر جنوری ۱۹۲۹ء، ص ۳

(ii) رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، خطوط اقبال، ص ۲۳۹

۱۲۹۔ محمد حنیف شاہد (مرتب)، اقبال چودھری محمد حسین کی نظر میں، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۵ء

۱۳۰۔ محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، ص ۴۰۰

۱۳۱۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۱۳۱

۱۳۲۔ ہزار داستان، ادبی مجلّہ، "پیغام مشرق" از محمد حسین، فروری ۱۹۲۳ء، ص ۱۲

۱۳۳۔ (i) ایضاً، ص ۴-۱۵

(ii) "ہزار داستان" کی اسی اشاعت میں "خودنگرے" کے عنوان سے اقبال کا فارسی کلام اور اقبال سے عقیدت رکھنے والے سردار امراؤ سنگھ بہادر مجیٹھیہ کے ہاتھوں کھینچی جانے والی اقبال کی ایک تصویر بھی شائع ہوئی ہے۔

۱۳۴۔ ہزار داستان، ادبی مجلّہ "دریا بہ حباب اندر (صفحہ ادارت)" از ایڈیٹر، فروری ۱۹۲۳ء، ص ۲

۱۳۵۔ محمد حنیف شاہد (مرتب)، اقبال چودھری محمد حسین کی نظر میں، ص ۱۲۵

۱۳۶۔ ایضاً، ص ۱۲۷-۱۴۴

۱۳۷ اقبال ریویو، سہ ماہی، "اقبال پر نیا مواد" از بشیر احمد ڈار، جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۹۰

۱۳۸ رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، خطوط اقبال، ص ۱۷۸

۱۳۹ اقبال ریویو، سہ ماہی، جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۸۹

۱۴۰ ایضاً، ص ۹۰

۱۴۱ معارف، ماہنامہ، اعظم گڑھ، "فلسفہ اقبال" از اکرام الحق سلیم، جنوری ۱۹۲۶ء، ص ۴۲-۵۳

۱۴۲ پروفیسر سید وقار عظیم (مرتب)، اقبال معاصرین کی نظر میں، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء، ص ۲۰۱-۲۱۶، ۴۶۵-۴۷۰

۱۴۳ صوفی، ماہنامہ، "حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کا ایک ادنیٰ غلام" از چوہدری دِلّو رام کوثری، مارچ ۱۹۱۶ء، ص ۳

۱۴۴ (i) ایضاً، "فاتح بیت المقدس" از دِلّو رام کوثری، جولائی ۱۹۱۸ء، ص ۱۶-۱۷

(ii) ایضاً، "ظہور مہدئ" از دِلّو رام کوثری، جنوری ۱۹۲۹ء، ص ۳۴

۱۴۵ ایضاً، "ہندی اسلامی ریاست" از سید نذیر نیازی، اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۵۲-۵۳

۱۴۶ مفہوم میں ربط پیدا کرنے کے لئے "کو" کی جگہ "میں" ہونا چاہئے-

۱۴۷ یہاں "دلائل" کی مناسبت سے "کیں" غلط ہے- "کئے" ہونا چاہئے-

۱۴۸ یہ حاشیہ "صوفی" میں درج کردہ ہے-

۱۴۹ یہاں "جن مصلحتوں" کے بجائے "ان مصلحتوں" ہونا چاہئے-

۱۵۰ سہواً "پ" کے تین نقطے درج ہونے سے رہ گئے ہیں-

۱۵۱ یہاں "کے" کی جگہ "کو" ہونا چاہئے-

۱۵۲ اقبالیات، سہ ماہی، "سید نذیر نیازی" از ڈاکٹر وحید عشرت، جولائی ۹۰ء- جنوری ۹۱ء، ص ۲۷۹

۱۵۳ عبداللہ شاہ ہاشمی (مرتب)، اقبالیات نذیر نیازی، ص ۶

۱۵۴ اقبالیات، سہ ماہی، جولائی ۹۰ء- جنوری ۹۱ء، ص ۲۸۰

۱۵۵ ایضاً، ص ۲۷۹-۲۸۰

۱۵۶ ایضاً، ص ۲۸۱

۱۵۷ صوفی، ماہنامہ، "جرم اور تعزیر" از دستفیکی، مترجم: سید نذیر نیازی، مارچ ۱۹۲۸ء، ص ۲۷-۳۱

۱۵۸۔ ایضاً، "تماشائے روح" از یفر مکینوف، مترجم: سید نذیر نیازی، اپریل و مئی ۱۹۲۸ء، عید نمبر، ص ۸-۱۶

۱۵۹۔ عبداللہ شاہ ہاشمی (مرتب)، اقبالیات نذیر نیازی، ص ۲۰۹-۲۳۴

۱۶۰۔ K.K. Aziz (Editor), The All India Muslim Conference 1928-1935 —— A Doucumentary Record, P.25

۱۶۱۔ ایضاً، ص ۶۹-۷۵

۱۶۲۔ یہ حاشیہ "صوفی" میں درج شدہ ہے۔

۱۶۳۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کا نیو دہلی ۵/اپریل ۱۹۳۱ء کا یہ ریزولیوشن جس کی طرف گاندھی نے اشارہ کیا ہے، کے۔ کے عزیز کی کتاب "The All India Muslim Conference 1928-1935—— A Documantary Record" میں صفحہ ۷۲ تا ۷۵ موجود ہے۔

۱۶۴۔ (i) رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، کتابیات اقبال، ص ۹۴، ۱۲۵، ۱۶۲

(ii) اورینٹل کالج میگزین، سہ ماہی، "اقبالیات پر نئی کتابیں" از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، شمارہ خاص ۱۹۸۱ء اقبال نمبر، ص ۸۲

۱۶۵۔ مولوی عبدالحق (مرتب)، اقبال، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۴ء، ص ۲۵۷

۱۶۶۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۱۲) کے مطابق "اسرار خودی" کی جگہ "آثار خودی" ہونا چاہئے تھا۔

۱۶۷۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۱۴۲) میں اسے "اے کہ از" تحریر کیا گیا ہے۔

۱۶۸۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۱۴۳) کے مطابق "برار" کو "برآر" لکھنا چاہئے تھا۔

۱۶۹۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۶۷۴) کے مطابق یہاں "نبری" کی جگہ "بزی" ہونا چاہئے۔

۱۷۰۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۲۶۴) میں "چوں" نہیں بلکہ "چو" ہے۔

۱۷۱۔ ایضاً

۱۷۲۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۲۶۴) کے مطابق "کافرے" نہیں "کافری" ہونا چاہئے۔

۱۷۳۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۲۶۴) کے مطابق "گرست" غلط ہے "گراست" لکھنا چاہئے تھا۔

۱۷۴۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۲۶۴) کے مطابق "کم گناہ" نہیں "کم نگاہ" ہونا چاہئے۔

۱۷۵۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۳۲) کے مطابق "خرماں" غلط ہے "فرماں" ہونا چاہئے۔

۱۷۶۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص ۳۶۴) کے مطابق "سمرد" کے بجائے "شمرد" ہونا چاہئے۔

۱۷۷۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۳۶۴) میں "بنائش" کو "بنالیش" لکھا گیا ہے۔

۱۷۸۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۳۶۴) کے مطابق یہ "شور" نہیں "سوز" ہے۔

۱۷۹۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۳۶۴) میں "بدل" کو "بہ دل" تحریر کیا گیا ہے۔

۱۸۰۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۳۶۵) میں "برار" کو "برآر" تحریر کیا گیا ہے۔

۱۸۱۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۳۶۵) کے مطابق یہ "زخار" نہیں "بہ خار" ہے۔

۱۸۲۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۲۲۲) کے مطابق صحیح لفظ "تمیز رنگ" ہے یہاں غلط درج ہوا ہے۔

۱۸۳۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۳۰۵) میں "انسانی" نہیں بلکہ "انسانے" درج ہے۔

۱۸۴۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۴۱۰) کے مطابق یہاں "جنیدی وار دشیری" ہونا چاہئے۔

۱۸۵۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۱۶۰، ۱۶۳-۱۶۴

۱۸۶۔ مولوی عبدالحق نے "اقبال" (ص ۲۵۷) میں سید بشیر الدین احمد کی تعلیمی قابلیت "بی-ای" بیان کی ہے جبکہ "صوفی" میں "بی-اے" تحریر کیا گیا ہے۔

۱۸۷۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۲۲۲) میں "نوائے کودک" نہیں بلکہ "تو اے کودک" ہے۔

۱۸۸۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۷۰) کے مطابق "آہ زیں" غلط ہے "آہ از یں" تحریر ہونا چاہئے تھا۔

۱۸۹۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۸۱۷) میں "پاکیزہ خویش" نہیں بلکہ "پاکیزہ کیش" تحریر ہے۔

۱۹۰۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۸۱۹) کے مطابق "زار وزبوں" نہیں بلکہ "خوار وزبوں" ہونا چاہئے۔

۱۹۱۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۸۱۹) کے مطابق "ناحق پذیر" کے بجائے "حق ناپذیر" ہونا چاہئے۔

۱۹۲۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۸۲۰) کے مطابق "رہ کردہ" نہیں بلکہ "ردکردہ" ہونا چاہئے۔

۱۹۳۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (۸۲۰) کے مطابق یہاں "دولت" نہیں بلکہ "رحمت" آنا چاہئے۔

۱۹۴۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۸۲۳) کے مطابق "عبدہٗ" نہیں بلکہ "عبدۂ" ہونا چاہئے۔

۱۹۵۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۸۳۲) کے مطابق "ژرف بیکراں" درست نہیں اسے "ژرف وبیکراں" ہونا چاہئے۔

۱۹۶۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (ص ۸۳۲) کے مطابق "بے یقیپیاں" نہیں بلکہ "بے یقیناں" آئے گا۔

۱۹۷۔ "کلیاتِ اقبال فارسی" (۸۳۳) کے مطابق "خوالم" غلط ہے اسے "خوانم" ہونا چاہئے۔

۱۹۸۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص۸۳۶) کے مطابق "می گیرد" نہیں بلکہ فقط "گیرد" ہونا چاہیے۔ گویا "می" اضافی ہے۔

۱۹۹۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص۸۴۱) کے مطابق "کردست" کے بجائے "کرداست" لکھنا درست ہے۔

۲۰۰۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص۸۴۲) کے مطابق "بیندق" کے بجائے "بیذق" ہونا چاہیے۔

۲۰۱۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص۸۴۸) کے مطابق صحیح لفظ "گوھرینم" ہے۔

۲۰۲۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص۸۴۸) کے مطابق یہاں "کورا" نہیں بلکہ "راکو" آنا چاہیے۔

۲۰۳۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص۸۴۵) کے مطابق یہاں "دیں" کے بجائے "دین" ہونا چاہیے۔

۲۰۴۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص۸۴۵) کے مطابق "خفائے" کے بجائے "فضائے" ہونا چاہیے۔

۲۰۵۔ "کلیات اقبال فارسی" (ص۸۷۲) کے مطابق یہاں "وی" نہیں "دی" ہونا چاہیے۔

ماحصل

کسی بھی عہد کی تاریخ کو مرتب کرنے میں جہاں بہت سی عصری شہادتوں سے کام لیا جاتا ہے وہاں اس دور کے آثار کو محفوظ رکھنے والی دستاویزات سے بھی بھرپور استفادہ کیا جاتا ہے- اخبارات و رسائل کو بھی زمانے کے آثار محفوظ کرنے میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت حاصل ہے- گویا کسی بھی عہد کی تاریخ کو ترتیب دیتے ہوئے اخبارات و رسائل سے پہلو تہی ممکن نہیں- بصورت دیگر خود ایسی تاریخ کی استنادی حیثیت خطرے میں پڑ جاتی ہے- مجلّہ "صوفی" بھی عصر اقبال کا شاہد ہونے کی بناء پر ایک اہم دستاویز ہے-

مجلّہ "صوفی" کا شمار برصغیر کے اہم اور وقیع رسائل میں ہوتا ہے- اپنے موضوع، مسلم سیاست میں دلچسپی اور بدلتے حالات کا ساتھ دینے والی مخصوص پالیسی اپنانے کے سبب یہ برصغیر کے مسلم عوام میں ایسا مقبول ہوا کہ رفتہ رفتہ قارئین کا ایک وسیع حلقہ اسے میسر ہوا اور یہ کثیرالاشاعت مجلّہ بن گیا- چوٹی کے علماء، شعراء اور ادباء کا تعاون اسے حاصل رہا- کئی "نمبر" شائع کئے- حق بات کی پاداش میں کئی حکومتی تادیبی کارروائیوں کا سامنا رہا- اس کے مدیر ملک محمد الدین اعوان نمایاں سماجی مقام کے حامل شخص تھے- وہ ایک صالح دیندار اور تہجد گزار ہستی تھے- اپنی ذات میں ایک تحریک تھے- انہوں نے علاقے میں مسلم تشخص کو اجاگر کرنے کے لئے بہت سے دینی، فلاحی اور سماجی کارہائے نمایاں انجام دیئے- بچپن سے ہی ذہین وفطین اور نمایاں طالب علموں میں شمار کئے جاتے تھے- بچپن سے ہی پڑھنے لکھنے کا ذوق وشوق تھا- کئی کتابیں تصنیف کیں- اشاعتی ادارہ قائم کیا تو ثقہ، مستند اور معیاری کتب شائع کیں- تصوف کی تشہیر واشاعت سے خوش ہو کر نظام حیدر آباد دکن اور خواجہ حسن نظامی نے اپنے اپنے انداز میں سراہا- چھوٹے سے گاؤں سے مجلّہ "صوفی" کا آغاز کر کے اسے عظمت کی انتہاؤں تک پہنچانے کا سہرا ملک محمد الدین اعوان جیسے باصلاحیت مدیر کے ہی سر ہے- ان کی کاردانی اور معاملہ فہمی کا اعتراف خود علامہ اقبال نے بھی کیا ہے- تصنیف وتالیف اور مجلّے کی ادارت سے وابستگی کے باعث برصغیر کی بزرگ اور علمی وادبی ہستیوں سے ان کے تعلقات تھے- علامہ اقبال سے بھی ان کے گہرے مراسم تھے بلکہ علامہ اقبال کے کئی احباب کو مدیر "صوفی" کا قرب حاصل رہا اور مدیر "صوفی" پر شفقت فرمانے والی کئی بزرگ ہستیاں علامہ کے نزدیک محترم تھیں-

مدیر "صوفی" بچپن سے شاعری کرتے آئے تھے، باذوق تھے اور عمدہ شعری ذوق کی بناء پر علامہ اقبال کے کلام سے انہیں بے حد لگاؤ تھا- ان کی اکثر تصانیف میں کلام اقبال کے نمونے درج ہوتے- جس زمانے میں مجلّہ "صوفی" کا اجراء عمل میں آیا اقبال ان دنوں انگلستان سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس لوٹ چکے تھے- وہ نمایاں علمی وادبی رتبے پر فائز تھے لیکن شعر اشعار چھوڑ ساری توجہ پیشہ وکالت پر مرکوز کئے ہوئے تھے- ایسی صورت حال میں بھی مدیر "صوفی" کلام اقبال سے غافل نہ رہے اور "صوفی" کے پہلے شمارے میں کلام اقبال کے مطبوعہ نمونوں کو ہی پیش کر دینا بہتر خیال کیا- اقبال نے بھی مجلّہ "صوفی" کے اجراء کا خیر مقدم کیا اور قلمی تعاون کا وعدہ کیا-

عصر اقبال میں صحافتی میدان گو کہ وسیع تھا لیکن اس کی وسعت کو حد بندی وحلقہ سازی نے چاٹ لیا تھا- یہ صحافتی میدان سب سے پہلے مسلم وغیر مسلم صحافت میں تقسیم ہوتا تھا پھر اس حد بندی کے اندر ہر مشرب ومسلک کے چھوٹے چھوٹے حلقے موجود تھے- انہی چھوٹے چھوٹے دائروں سے مل کر ایک وسیع

صحافتی منظر تشکیل پاتا تھا- اس دائرے کا حلقہ فکر چونکہ الگ تھا، اس لئے قارئین کا ایک مخصوص طبقہ اس کے گرد جمع تھا- لہذا ہر رسالہ اپنے اپنے مخصوص قارئین کی فکری راہنمائی، قلبی آسودگی اور ظرافت طبع کا سامان بہم پہنچانا اپنا فرض سمجھتا- مدیر "صوفی" بھی اپنا یہ فریضہ انتہائی مخلصانہ طور پر انجام دیتے- "صوفی" میں تصوف خصوصاً رہبانیت سے پاک اسلامی تصوف جس میں دین کے ساتھ ساتھ دنیاداری کی ترغیب بھی شامل ہوتی اور دیگر عصری مسائل کو اس پیرائے میں پیش کیا جاتا کہ پرانے بزرگوں کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کا پڑھا لکھا طبقہ بھی اس کے حلقہ کا اسیر بن گیا-

مدیر "صوفی" اقبال کی مفکرانہ صلاحیتوں اور قابلیتوں کے قائل اور کلام اقبال کے والہ وشیدا تو تھے ہی اب ادارتی ذمہ داریاں بھی کلام اقبال کی پیش کش کا سبب بن گئیں- چنانچہ مدیر "صوفی" نے بڑے ذوق وشوق سے اقبال کے کلام کو "صوفی" کی زینت بناتے ہوئے حلقہ قارئین "صوفی" کی ذہنی پرورش و پرداخت کا سامان فراہم کیا- وہ ہر دم کلام اقبال کی تلاش وجستجو میں رہتے اور جلد یا بدیر کلام اقبال کے نمونے قارئین "صوفی" تک پہنچاتے رہتے- مختلف رسائل کے قارئین عموماً ایک دوسرے کے حلقے سے الگ تھلگ رہتے تھے اس لئے اس زمانے میں مختلف حلقوں کی نمائندگی کرنے والے رسائل ایک دوسرے سے اخذ واستفادہ کی روایت پر عمل کرتے- مدیر "صوفی" بھی کلام اقبال کو مختلف رسائل سے اخذ کرنے میں جھجک محسوس نہ کرتے- بالواسطہ ہی نہیں "صوفی" کے لئے بلاواسطہ بھی کلام اقبال کے "تازہ ترین" نمونے حاصل کئے جاتے، بلکہ بعض اوقات کلام اقبال سے شیفتگی کا یہ عالم جنون کی حدوں کو چھوتا نظر آتا کہ جب اقبال سے بالا بالا، اقبال کی اجازت کے بغیر ہی کلام اقبال کے نمونے "صوفی" میں شائع ہو جاتے- "صوفی" میں آغاز سے ہی کلام اقبال کو شدومد اور تواتر کے ساتھ پیش کیا جاتا رہا- یہی وجہ ہے کہ اقبال کی تخلیقات کی کثرت "صوفی" میں نظر آتی ہے- "صوفی" کے دستیاب رسائل میں کلام اقبال کے کل ایک سو آٹھ نمونے منظر عام پر آئے ہیں، جن میں سے ستتر اردو اور اکتیس فارسی کلام سے متعلق ہیں- ان کے متنی موازنے سے بہت سے حقائق سامنے آتے ہیں- یہ معلوم ہوتا ہے کہ منظومات کی تعمیر وتشکیل میں اقبال کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا تھا- اصلاحات، ترمیمات، اضافے، اشعار کی ترتیب میں تبدیلی اور اغلاط وغیرہ سب کھل کر سامنے آجاتے ہیں- گویا "صوفی" میں شامل اقبال کی تخلیقات سے ان کے شعری عمل پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے- ''صوفی'' میں شامل دیگر رسائل سے اخذ کردہ کلام اقبال کے نمونے بھی اس صورت میں اہمیت اختیار کر جاتے ہیں کہ وہ رسائل جن سے استفادہ کیا گیا ہے دستیاب نہیں یا ان کے بارے میں "صوفی" میں کوئی معلومات فراہم نہیں- مجموعی طور پر دیکھا جائے تو "صوفی" میں کلام اقبال کا اچھا اور معیاری انتخاب پیش کیا گیا- اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ "صوفی" میں شائع ہونے والے اردو کلام کے کثیر نمونوں کو اقبال نے اپنے پہلے اردو مجموعہ کلام "بانگ درا" میں شائع کرنے کے قابل سمجھا- "صوفی" میں شائع ہونے والے اردو کلام کے کل ستتر نمونوں کی تفصیل یوں ہے کہ اٹھاون کا تعلق "بانگ درا"، پانچ کا "بال جبریل" اور تین کا "ضرب کلیم" سے ہے جبکہ نو عدد غیر متداول، ایک عدد غیر متداول غیر مدون اور ایک عدد الحاقی کلام کے نمونے ہیں- فارسی کلام کے نمونوں کی کثیر تعداد کا تعلق اقبال کے بہت جلد عالمگیر شہرت حاصل کر جانے والے مجموعہ کلام یعنی "پیام مشرق" سے ہے- فارسی کلام کی تفصیل یوں ہے کہ کل اکتیس نمونوں میں سے اٹھارہ کا تعلق ''پیام مشرق'' سے، دو کا تعلق "جاوید نامہ" سے اور "اسرار خودی"، "رموز بے خودی"، "زبور عجم" اور "مسافر" سے متعلق محض ایک ایک

نمونہ ہے جبکہ فارسی کلام کے سات عدد نمونے غیر متداول کلام کا حصہ ہیں۔ "صوفی" میں شائع ہونے والے کلام اقبال میں جہاں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ دیگر رسائل میں اشاعت کے بعد کلام کے یہ نمونے ''صوفی'' میں شائع ہوئے وہاں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ جب کلام اقبال کی اشاعت میں سرعت کا مظاہرہ کرنے والے رسائل میں سے "مخزن" اور "صوفی" میں کلام اقبال کے نمونے بیک وقت اشاعت پذیر ہوئے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ "صوفی" میں کلام اقبال کے بعض ایسے نمونے بھی ہیں کہ جو "صوفی" کے علاوہ اس زمانے کے دستیاب رسائل میں کہیں نظر نہیں آتے۔

اقبال کی نثری تحریریں بھی "صوفی" میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ "صوفی" کے دستیاب شماروں میں اقبال کی نثر کے چھوٹے بڑے کل گیارہ نمونے موجود ہیں۔ یہ آراء، خطبات، تقاریر، مضامین کی صورت میں ہیں۔ ان کی اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ ان میں سے کئی اقبال کی نثر کے مجموعوں میں شامل نہیں۔ اقبال کی انگریزی نثر کے اردو تراجم بھی "صوفی" میں دستیاب ہیں۔ ان کی تعداد تین ہے۔ ان میں برصغیر کی مسلم سیاست کو نئے مراحل میں داخل کرنے والے خطبہ الٰہ آباد کا ترجمہ بھی شامل ہے جس میں مدیر "صوفی" نے خوب دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ مدیر "صوفی" اقبال کے موقف کو ترجیح دیتے آئے تھے جیسا کہ تحریک خلافت میں حصہ لینے کے باوجود ان کا دل اقبال کے ساتھ دھڑکتا تھا۔ خطبہ الٰہ آباد کے موقعہ پر بھی وہ اقبال کے دل کی دھڑکنوں کا ساتھ دیتے نظر آئے۔ خطبہ الٰہ آباد کا ترجمہ انہوں نے خاص طور پر سید نذیر نیازی سے کرایا جو بہت مقبول ہوا۔ "صوفی" کے ذریعے اس ترجمے کی پہلی اشاعت سامنے آتی ہے۔

"صوفی" میں مختلف موقعوں پر اقبال کی شخصیت، افکار و تصورات اور کلام کو نثری و شعری پیرائے میں موضوع بنایا گیا ہے۔ ان میں اقبال کی مخالفت و موافقت دونوں پہلو نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں "صوفی" کے صفحات پر کل چھبیس نمونے سامنے آئے ہیں جن میں اقبال کی شخصیت اور افکار و تصورات کو موضوع بنانے والی نو عدد منظومات، دس عدد نثر کے نمونے اور سات عدد منظوم تراجم و تضمینات کے نمونے ہیں۔ اقبال کی اس مخالفت کا ایک بڑا سبب "اسرار خودی" میں حافظ پر اقبال کے اعتراضات ہیں۔ ایسے موقعے پر "صوفی" خود خاموش نظر آیا اور اس نے فقط ادباء و شعراء کی تصنیفات و تخلیقات کو پیش کر دینا ہی کافی سمجھا کیونکہ مدیر "صوفی" کے اقبال سے بھی گہرے مراسم تھے اور ان شخصیات سے بھی جو اقبال کی مخالفت پر آمادہ تھے۔ ان میں خواجہ حسن نظامی کا نام سرفہرست تھا۔ ایسے موقعے پر اقبال کا رویہ اعلیٰ ظرفی کا حامل رہا اور انہوں نے "صوفی" میں شائع ہونے والی مخالفانہ تحریروں سے برا محسوس نہیں کیا اور کلام اقبال اور نثر اقبال کے نمونے تواتر سے منظر عام پر آتے رہے بلکہ بعد ازاں اقبال کی تصانیف پر صوفی کے آراء، اشتہارات، ریویو اور خطبہ الٰہ آباد کے ترجمے میں دلچسپی اور اس پر بھرپور نوٹ نے "صوفی" کی موافقت ظاہر کر دی۔ اقبال کو موضوع بنانے والی ان شعری و نثری کاوشوں کی اہمیت یہ ہے کہ اقبال کے افکار و نظریات پر کئی شخصیات کی رائے پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی ہے۔ گویا "صوفی" میں شائع ہونے والے کلام اقبال، نثر اقبال اور اقبالیاتی نظم و نثر کے نمونے عصری شہادت ہونے کے علاوہ وقعت اور اہمیت کے لحاظ سے بھی نہایت بلند رتبے کے حامل ہیں۔ جو کلام اقبال اور نثر اقبال کے متنی تجزیے میں مطبوعہ بنیادی ماخذ کی حیثیت سے ایک اہم اور مستند حوالہ بن جاتے ہیں۔ لہٰذا بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اقبالیات میں مجلّہ "صوفی" کی حیثیت ناگزیر ہے، جس سے صرف نظر ممکن نہیں۔

مآخذ

کتب:

(۱) ابوسلمان شاہجہان پوری، ڈاکٹر، کتابیات پاکستان کے اخبارات ورسائل ۱۹۴۷ء تک، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء

(۲) اجی فراجی، حمید الدین (مرتبین)، مولوی کا غلط مذہب، لاہور، التذکرہ، ۱۹۷۹ء

(۳) احمد دین، مولوی، اقبال، مشفق خواجہ (مرتب)، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۹ء

(۴) اختر راہی (مرتب)، تذکرہ علمائے پنجاب (جلد دوم)، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۸۱ء

(۵) اسحاق آشفتہ، لیاقت علی شفقت (مرتبین)، گجرات کی بات، لالہ موسیٰ، اسحاق آشفتہ، ۱۹۹۱ء

(۶) اعجاز احمد، مظلوم اقبال، کراچی، شیخ شوکت علی پرنٹرز، ۱۹۸۵ء

(۷) اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، پیام مشرق، لاہور، مطبع کریمی، ۱۹۲۳ء

(۸) اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، پیام مشرق، لاہور، کریمی پریس، ۱۹۲۴ء

(۹) اقبال، ڈاکٹر شیخ محمد، خضر راہ، لاہور، کریمی سٹیم پریس، ۱۹۲۲ء

(۱۰) اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، خضر راہ، لاہور شیخ مبارک علی تاجر کتب، ۱۹۴۵ء

(۱۱) اقبال، ڈاکٹر سر محمد، خطبہ عید الفطر، لاہور، انجمن اسلامیہ پنجاب، ۱۳۵۰ھ

(۱۲) اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۷ء

(۱۳) اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال فارسی، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵ء

(۱۴) اقبال، ڈاکٹر سر محمد، مسلم انڈیا (آل انڈیا مسلم لیگ اجلاس منعقدہ الہٰ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء خطبہ صدارت)، پنڈی بہاؤ الدین، صوفی منزل، ۱۹۳۱ء

(۱۵) اقبال احمد صدیقی (مترجم)، علامہ اقبال - تقریریں، تحریریں اور بیانات، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۹ء

(۱۶) اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام (حصہ اول)، پنڈی بہاؤ الدین، ایڈیٹر صوفی، پانچواں ایڈیشن، (س-ن)

(۱۷) اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، مولانا، تاریخ اسلام (حصہ سوم)، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۲ء

(۱۸) امداد صابری، تاریخ صحافت اردو (جلد چہارم)، دہلی، صابری اکیڈمی، ۱۹۷۴ء

(۱۹) انجمن ترقی اردو پاکستان (مرتب)، قاموس الکتب اردو [(جلد دوم) تاریخیات]، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۴/۷۵ء

(۲۰) انور سدید، ڈاکٹر (مرتب)، اقبال شناسی اور ادبی دنیا، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۸ء

(۲۱) بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، کراچی، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۶۷ء

(۲۲) ثاقف نفیس (مرتب)، مکتوبات اقبال (بنام چودھری محمد حسین)، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

(۲۳) جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود (حیات اقبال کا تشکیلی دور)، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء

(۲۴) جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود (حیات اقبال کا وسطی دور)، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۱ء

(۲۵) جلیل قدوائی، تنقیدیں اور خاکے، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۲ء

(۲۶) حسن علی جامعی شرقپوری، ملک (مولف)، تعلیمات مجددیہ، حافظ مسعود عالم (تصویب وتبویب جدید)، شرقپور، ادارہ اشاعت التوحید والسنۃ، ۱۹۹۵ء

(۲۷) راشد الخیری، مصور غم حضرت علامہ، جوہر قدامت، دہلی، عصمت بک ایجنسی، ۱۹۳۲ء

(۲۸) رحیم بخش شاہین (مرتب)، اوراق گم گشتہ، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۷۵ء

(۲۹) رضیہ فرحت بانو (مرتب)، خطبات اقبال، دہلی، حالی پبلشنگ ہاؤس "کتاب گھر"، ۱۹۴۶ء

(۳۰) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اقبال کی طویل نظمیں، لاہور، گلوب پبلشرز، (۱۹۷۰ء)

(۳۱) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۲ء

(۳۲) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر (مرتب)، خطوط اقبال، لاہور، مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۶ء

(۳۳) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر (مرتب)، کتابیات اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء

(۳۴) زیب النساء، اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۷ء

(۳۵) زیب النساء (مرتب)، نگارشات اقبال، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۳ء

(۳۶) سعید انصاری، مولینا، سیر الصحابہؓ (جلد اول)، پنڈی بہاؤالدین، صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ، (س-ن)

(۳۷) سعید انصاری، مولینا، سیر الصحابہؓ (جلد دوم)، پنڈی بہاؤالدین، صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ، ۱۹۲۵ء

(۳۸) سلطان احمد، خان بہادر مرزا، النظر، لاہور، مرغوب ایجنسی، ۱۹۱۹ء

(۳۹) سلیم اختر، ڈاکٹر (مرتب)، اقبال شناسی اور فنون، لاہور، بزم اقبال، (س-ن)

(۴۰) سلیم خاں گمی، اقبال اور کشمیر، لاہور، یونیورسل بکس، ۱۹۸۵ء

(۴۱) شیر محمد خان، ملک، تذکرۃ الاعوان، کالا باغ، ادارہ تصنیف وتالیف، ۱۹۷۷ء

(۴۲) صابر کلوروی (مرتب)، اشاریہ مکاتیب اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۴ء

(۴۳) صابر کلوروی، پروفیسر (مرتب)، اقبال کے ہم نشیں، لاہور، مکتبہ خلیل، ۱۹۸۵ء

(۴۴) ظفر علیخان، مولانا، نگارستان، لاہور، یونائیٹڈ پبلشرز، باراول (س-ن)

(۴۵) عبدالحق، مولوی (مرتب)، اقبال، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۴ء

(۴۶) عبدالرزاق، مولوی محمد (مرتب)، کلیات اقبال، حیدرآباد دکن، عماد پریس، ۱۳۴۳ھ

(۴۷) عبدالرؤف عروج (مولف)، رجال اقبال، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۸ء

(۴۸) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، سرگزشت اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء

(۴۹) عبدالغفار شکیل (مرتب)، اقبال کے نثری افکار، دہلی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۷ء

(۵۰) عبدالغفار شکیل (مرتب)، نوادر اقبال، علی گڑھ، سرسید بک ڈپو، ۱۹۶۲ء

(۵۱) عبدالغنی، ڈاکٹر محمد (مولف)، امیر حزب اللہ، جلالپور شریف، ادارہ حزب اللہ، ۱۳۸۴ھ

(۵۲) عبدالغنی (مولف)، مجمع البحرین، (جہلم، عبدالغنی، ۱۹۸۰ء)

(۵۳) عبداللہ شاہ ہاشمی (مرتب)، اقبالیات نذیر نیازی، لاہور، اقبال اکیڈمی پاکستان، ۱۹۹۶ء

(۵۴) عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۳ء

(۵۵) عبدالمجید سالک، سرگزشت، لاہور، قومی کتب خانہ، ۱۹۵۵ء

(۵۶) عبدالمجید سالک، یاران کہن، لاہور، مطبوعات چٹان، (۱۹۵۵ء)

(۵۷) عبدالواحد معینی، سید (مرتب)، باقیات اقبال، دہلی، اردو پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۲ء

(۵۸) عبدالواحد معینی، سید (مرتب)، مقالات اقبال، لاہور، شیخ محمد اشرف، ۱۹۶۳ء

(۵۹) عبدالواحد معینی، سید، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، باقیات اقبال، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۶۶ء

(۶۰) عطاء اللہ، شیخ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ اول)، لاہور، شیخ محمد اشرف، (۱۹۴۵ء)

(۶۱) عطاء اللہ، شیخ (مرتب)، اقبالنامہ (حصہ دوم)، لاہور، شیخ محمد اشرف، ۱۹۵۱ء

(۶۲) عطیہ بیگم، اقبال، مترجمہ ضیاء الدین احمد برنی، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۱ء

(۶۳) غلام دستگیر رشید (مرتب)، آثار اقبال، حیدرآباد دکن، ادارہ اشاعت اردو، ۱۹۴۶ء

(۶۴) غلام رسول مہر، اقبالیات، مرتبہ امجد سلیم علوی، لاہور، مہر سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۱۹۸۸ء

(۶۵) غلام رسول مہر، صادق علی دلاوری (مرتبین)، سرود رفتہ، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۹ء

(۶۶) فاران پبلی کیشنز (مرتب)، اسد معاشرتی علوم- ضلع منڈی بہاؤالدین (تیسری جماعت کے لئے)، لاہور، فاران پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء

(۶۷) فیض اللہ خاں، مرزا، لسان الغیب، پنڈی بہاؤالدین، رسالہ صوفی، (س-ن)

(۶۸) کرم الٰہی، تاریخ اسلام یعنی تذکرہ بہادران اسلام، لاہور، علمی پرنٹنگ پریس، (س-ن)

(۶۹) کرم الٰہی ڈنگوی، تذکرہ بہادران اسلام الملقب بہ اصلاح امت، لاہور، عبدالرحیم، عبدالرحمان تاجران کتب، (س-ن)

(۷۰) گوہر نوشاہی، (مرتب)، مطالعہ اقبال، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۷۱ء

(۷۱) لطیف احمد شروانی (مرتب)، حرف اقبال، لاہور، المنار اکادمی، ۱۹۴۷ء

(۷۲) محبوب عالم، مولوی، سفر نامہ یورپ- بلاد روم- شام و مصر، لاہور، پیسہ اخبار، ۱۹۰۰ء

(۷۳) محمد اجمل خاں نیازی، ڈاکٹر، فوق الکشمیر، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۰ء

(۷۴) محمد اسلم، پروفیسر، خفتگان کراچی، لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، ۱۹۹۱ء

(۷۵) محمد الدین، ملک، تذکرہ مولوی نذیر احمد، پنڈی بہاؤالدین، ایڈیٹر صوفی، (س-ن)

(۷۶) محمد الدین، ملک (مولف)، خاتون جنت، پنڈی بہاؤالدین، صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ، ساتواں ایڈیشن، ۱۳۴۳ھ

(۷۷) محمد الدین، ملک (مولف)، ذکر حبیب، پنڈی بہاؤالدین، صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ (۱۹۲۳ء)

(۷۸) محمد الدین، ملک (مولف)، ذکر حبیب، لاہور، القمر بک کارپوریشن، ۱۴۰۴ھ

(۷۹) محمد الدین، ملک، سرسید مرحوم، پنڈی بہاؤالدین، ایڈیٹر صوفی، (۱۹۱۴ء)

(۸۰) محمد الدین، ملک (مولف)، سیرۃ صدیقہؓ، پنڈی بہاؤالدین، ایڈیٹر صوفی، (۱۹۱۸ء)

(۸۱) محمد الدین فوق (مولف)، اخبار نویسوں کے حالات، لاہور، رفاہ عام سٹیم پریس، ۱۹۱۲ء

(۸۲) محمد الدین فوق، کلام فوق، لاہور، ظفر برادرس تاجران کتب، ۱۹۳۳ء

(۸۳) محمد انور حارث (مرتب)، رخت سفر، کراچی، محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ، ۱۹۷۷ء

(۸۴) محمد بشیر الحق دسنوی (مرتب)، اصلاحات اقبال، پٹنہ، مکتبہ دین و دانش، ۱۹۵۰ء

(۸۵) محمد بشیر الحق دیسنوی (مرتب)، تبرکات اقبال، دہلی، عارف پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۹ء

(۸۶) محمد حمزہ فاروقی (مرتب)، حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، ۱۹۸۸ء

(۸۷) محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، لاہور، کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، ۱۹۷۶ء

(۸۸) محمد حنیف شاہد (مرتب)، اقبال چودھری محمد حسین کی نظر میں، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۵ء

(۸۹) محمد حنیف شاہد، مفکر پاکستان، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۲ء

(۹۰) محمد رفیق افضل (مرتب)، گفتار اقبال، لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، ۱۹۸۶ء

(۹۱) محمد زمان کھوکھر، گجرات تاریخ کے آئینے میں، گجرات، یاسر اکیڈمی، ۱۹۹۶ء

(۹۲) محمد صدیق، علامہ اقبال اور ان کے بعض احباب، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۸ء

(۹۳) محمد طفیل، مکرم، ادارہ فروغ اردو، ۱۹۸۶ء

(۹۴) محمد عبداللہ قریشی (مرتب)، اقبال بنام شاد، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۶ء

(۹۵) محمد عبداللہ قریشی، اقبال معاصرین کی نظر میں، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء

(۹۶) محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۲ء

(۹۷) محمد عبداللہ قریشی (مرتب)، روح مکاتیب اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء

(۹۸) محمد عبداللہ قریشی (مرتب)، مکاتیب اقبال بنام گرامی، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۱ء

(۹۹) محمد عدیل عباسی، قاضی، تحریک خلافت، لاہور، پروگریسو بکس، ۱۹۹۱ء

(۱۰۰) محمد فضل شاہ، سید، حزب اللہ، لاہور، رفیق عام پریس، ۱۳۴۷ھ

(۱۰۱) محمد فضل شاہ، سید، درس محبت، پنڈی بہاؤالدین، ایڈیٹر صوفی، (س-ن)

(۱۰۲) محمد منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر، اقبال اور گجرات، گجرات، سلیچ پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

(۱۰۳) محمود عاصم (مرتب)، اقبال کے ملی افکار، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۷ء

(۱۰۴) مظفر حسین برنی، سید (مرتب)، کلیات مکاتیب اقبال (جلد اول)، لاہور، ترتیب پبلشرز، (س-ن)

(۱۰۵) مسکین علی حجازی، ڈاکٹر، پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء

(۱۰۶) ندیم شفیق ملک، علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء ایک مطالعہ، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۹۸ء

(۱۰۷) نذیر نیازی، سید، دانائے راز، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۸ء

(۱۰۸) نذیر نیازی، سید (مرتب)، مکتوبات اقبال، کراچی، اقبال اکیڈمی، ۱۹۵۷ء

(۱۰۹) نور عالم، صوفی (مولف)، ملفوظات حیدری، ڈاکٹر عبدالغنی (مترجم)، لاہور، القمر بک کارپوریشن، ۱۴۰۴ھ

(۱۱۰) نیاز الدین خاں، خان محمد (مرتب)، مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء

(۱۱۱) نیاز فتحپوری، صحابیات، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۲ء

(۱۱۲) وحیدالدین، فقیر سید، انجمن، کراچی، آرٹ لائن پریس لمیٹڈ، ۱۹۶۶ء

(۱۱۳) وحیدالدین، فقیر سید، روزگار فقیر (جلد اول)، لاہور، آتش فشاں پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء

(۱۱۴) وحیدالدین، فقیر سید، روزگار فقیر (جلد دوم)، لاہور، آتش فشاں پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء

(۱۱۵) وقار عظیم، پروفیسر سید (مرتب)، اقبال معاصرین کی نظر میں، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء

(۱۱۶) یونس جاوید (مرتب)، صحیفہ اقبال، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۶ء

(117) Abdul Vahid, Syed (Editor), Thoughts and Reflections of Iqbal, Lahore, Sheikh Muhammad Ashraf, 1964

(118) Aziz, K.K. (Editor), The All India Muslim Conference 1928-1935 —— A Documentary Record, Karachi, National Publication House Ltd., 1972

(119) Shamloo (Editor), Speeches and Statements of Iqbal, Lahore, Al-Manar Academy, 1948

بیاضیں، مقالات:

(۱۲۰) اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، بیاض اقبال (عکسی - مشتمل بر اقتباسات بانگ درا، پیام مشرق، مسافر، زبور عجم وغیرہ)، نمبری AIM.1977.213 مخزونہ اقبال اکادمی پاکستان لائبریری، لاہور

(۱۲۱) اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری AIM.1977.207 مخزونہ اقبال اکادمی پاکستان لائبریری، لاہور

(۱۲۲) اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری AIM.1977.214 مخزونہ اقبال اکادمی پاکستان لائبریری، لاہور

(۱۲۳) اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، بیاض بانگ درا (عکسی)، نمبری AIM.1977.219 مخزونہ اقبال اکادمی پاکستان لائبریری، لاہور

(۱۲۴) صابر حسین کلوروی، باقیات شعرا قبال کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، مقالہ برائے پی-ایچ-ڈی، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، (۱۹۹۰ء)

رسائل:

(۱۲۵) آجکل، ادبی مجلہ، دہلی، یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء

(۱۲۶) انجمن حمایت اسلام لاہور کے بارہویں سالانہ جلسے کی روئداد، لاہور، فروری ۱۸۹۷ء

(۱۲۷) انجمن حمایت اسلام لاہور کے پندرہویں سالانہ جلسے کی روئداد، لاہور، اپریل ۱۹۰۰ء

(۱۲۸) انجمن حمایت اسلام لاہور کے انیسویں سالانہ جلسے کی روئداد، لاہور، جون ۱۹۰۴

(۱۲۹) ادبی دنیا، ماہنامہ، لاہور، مئی ۱۹۶۵ء

(۱۳۰) ادبی دنیا، ماہنامہ، لاہور، دورششم، شمارہ نمبر ۲۴ (۱۹۶۶ء)، اقبال نمبر

(۱۳۱) ادبی دنیا، ماہنامہ، لاہور، اپریل مئی ۱۹۷۱ء، اقبال نمبر

(۱۳۲) اعوان، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر واکتوبر ۱۹۳۵ء

(۱۳۳) افکار، ادبی مجلہ، کراچی، اپریل مئی ۱۹۶۹ء، خاص نمبر

(۱۳۴) اقبال، سہ ماہی، لاہور، اکتوبر ۱۹۵۳ء

(۱۳۵) اقبال، سہ ماہی، لاہور، اپریل ۱۹۵۶ء

(۱۳۶) اقبال، سہ ماہی، لاہور، اپریل ۱۹۶۶ء

(۱۳۷) اقبال، سہ ماہی، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۷ء

(۱۳۸) اقبال، سہ ماہی، لاہور، جولائی ۱۹۸۴ء

(۱۳۹) اقبال، سہ ماہی، لاہور، جنوری اپریل ۱۹۹۰ء

(۱۴۰) اقبال، سہ ماہی، لاہور، اکتوبر ۱۹۹۱ء، جنوری ۱۹۹۲ء

(۱۴۱) اقبال ریویو، سہ ماہی، لاہور، جنوری ۱۹۶۳ء

(۱۴۲) اقبال ریویو، سہ ماہی، لاہور، جنوری ۱۹۷۰ء

(۱۴۳) اقبال ریویو، سہ ماہی، لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء

(۱۴۴) اقبال ریویو، سہ ماہی، لاہور، جنوری ۱۹۸۴ء

(۱۴۵) اقبالیات، سہ ماہی، لاہور، جنوری مارچ ۱۹۸۸ء

(۱۴۶) اقبالیات، سہ ماہی، لاہور، جولائی ۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء

(۱۴۷) اقبالیات، سہ ماہی، لاہور، جولائی ۱۹۹۰ء- جنوری ۱۹۹۱ء

(۱۴۸) اورینٹل کالج میگزین، سہ ماہی، لاہور، (حصہ اول)، اگست ۱۹۴۷ء

(۱۴۹) اورینٹل کالج میگزین، سہ ماہی، لاہور، شمارہ خاص، ۱۹۸۱ء، اقبال نمبر

(۱۵۰) اورینٹل کالج میگزین، سہ ماہی، لاہور، شمارہ خاص، (حصہ دوم)، ۱۹۸۳ء

(۱۵۱) برگ گل، سالنامہ، کراچی، ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر

(۱۵۲) برہان، ادبی مجلّہ، دہلی، دسمبر ۱۹۶۰ء

(۱۵۳) جامعہ، ماہنامہ، دہلی، جولائی ۱۹۶۶ء

(۱۵۴) حمایت اسلام، مجلّہ، لاہور، ۱۶/اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۵۵) راوی، سالنامہ، لاہور، اپریل ۱۹۷۴ء، صد سالہ اقبال نمبر

(۱۵۶) زمانہ، ماہنامہ، کانپور، ستمبر ۱۹۲۰ء

(۱۵۷) زمانہ، ماہنامہ، کانپور، دسمبر ۱۹۲۲ء

(۱۵۸) زمانہ، ماہنامہ، کانپور، جنوری ۱۹۲۳ء

(۱۵۹) زمانہ، ماہنامہ، کانپور، فروری ۱۹۲۳ء

(۱۶۰) زمانہ، ماہنامہ، کانپور، مئی ۱۹۲۳ء

(۱۶۱) زمانہ، ماہنامہ، کانپور، اکتوبر ۱۹۲۴ء

(۱۶۲) سلسبیل، ماہنامہ، لاہور، مئی ۱۹۶۷ء

(۱۶۳) سیارہ، ماہنامہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، اقبال نمبر

(۱۶۴) صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، دسمبر جنوری ۱۹۵۹ء

(۱٦۵) صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، تیرہواں شمارہ، ۱۹٦۰ء

(۱٦٦) صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۳ء

(۱٦۷) صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، مارچ اپریل ۱۹۷۷ء

(۱٦۸) صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، نومبر دسمبر ۱۹۷۷ء، جنوری فروری ۱۹۷۸ء، اقبال نمبر (حصہ دوم)

(۱٦۹) صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، اکتوبر دسمبر ۱۹۸٦ء، اقبال نمبر

(۱۷۰) صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، جنوری مارچ ۱۹۸۸ء

(۱۷۱) صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، جولائی ستمبر ۱۹۹۳ء

(۱۷۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۰۹ء

(۱۷۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۰۹ء

(۱۷۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۰۹ء

(۱۷۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۰۹ء

(۱۷٦) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۰۹ء

(۱۷۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی ۱۹۰۹ء

(۱۷۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۰۹ء

(۱۷۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۰۹ء

(۱۸۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۰۹ء

(۱۸۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۱۰ء

(۱۸۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۱۰ء

(۱۸۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۱۰ء

(۱۸۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۱۰ء

(۱۸۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۱۰ء، عرس نمبر

(۱۸٦) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۱۰ء

(۱۸۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۱۱ء

(۱۸۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۱۱ء

(۱۸۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۱۱ء

(۱۹۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۱۱ء

(۱۹۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۱۱ء

(۱۹۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۱۱ء

(۱۹۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۱۲ء

(۱۹۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۱۲ء

(۱۹۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۱۲ء

(۱۹۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۱۲ء، عرس نمبر

(۱۹۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۱۲ء

(۱۹۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی ۱۹۱۲ء

(۱۹۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۱۲ء

(۲۰۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۱۲ء

(۲۰۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۱۲ء

(۲۰۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۱۳ء

(۲۰۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۱۳ء

(۲۰۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۱۳ء

(۲۰۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۱۳ء

(۲۰۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۱۳ء

(۲۰۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۱۳ء

(۲۰۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی ۱۹۱۳ء

(۲۰۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۱۳ء

(۲۱۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۱۳ء

(۲۱۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۱۳ء

(۲۱۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۱۳ء

(۲۱۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۱۴ء

(۲۱۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۱۴ء

(۲۱۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۱۴ء

(۲۱۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۱۴ء

(۲۱۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۱۵ء

(۲۱۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۱۵ء

(۲۱۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۱۵ء

(۲۲۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۱۵ء، عرس نمبر

(۲۲۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۱۵ء

(۲۲۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۱۵ء

(۲۲۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۱۵ء

(۲۲۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۱۵ء

(۲۲۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۱۶ء

(۲۲۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۱۶ء

(۲۲۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۱۶ء

(۲۲۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۱۶ء، عرس نمبر

(۲۲۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۱۶ء

(۲۳۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۱۶ء

(۲۳۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۱۶ء

(۲۳۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری و مارچ ۱۹۱۷ء، عرس نمبر

(۲۳۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۱۷ء

(۲۳۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۱۷ء

(۲۳۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر و دسمبر ۱۹۱۷ء

(۲۳۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۱۸ء

(۲۳۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۱۸ء

(۲۳۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۱۸ء، عرس نمبر

(۲۳۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۱۸ء

(۲۴۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۱۸ء

(۲۴۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۱۸ء

(۲۴۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی ۱۹۱۸ء

(۲۴۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۱۸ء

(۲۴۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۱۸ء

(۲۴۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۱۸ء

(۲۴۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۱۸ء، رسولؐ نمبر

(۲۴۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۱۹ء، عرس نمبر

(۲۴۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۱۹ء

(۲۴۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۱۹ء

(۲۵۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۱۹ء

(۲۵۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۱۹ء

(۲۵۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی ۱۹۱۹ء

(۲۵۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۱۹ء

(۲۵۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۱۹ء

(۲۵۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۱۹ء، رسولؐ نمبر

(۲۵۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۲۰ء، عرس نمبر

(۲۵۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۲۰ء

(۲۵۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۲۰ء

(۲۵۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی و جون ۱۹۲۰ء

(۲۶۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۲۰ء

(۲۶۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۲۰ء

(۲۶۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۲۰ء

(۲۶۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری و فروری ۱۹۲۱ء، عرس نمبر

(۲۶۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۲۱ء

(۲۶۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۲۱ء

(۲۶۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۲۱ء

(۲۶۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۲۱ء

(۲۶۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۲۱ء

(۲۶۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۲۱ء

(۲۷۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۲۱ء

(۲۷۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۲۲ء، عرس نمبر

(۲۷۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۲۲ء

(۲۷۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۲۲ء

(۲۷۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۲۲ء

(۲۷۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۲۲ء

(۲۷۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۲۲ء

(۲۷۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۲۳ء

(۲۷۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۲۳ء

(۲۷۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۲۳ء

(۲۸۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۲۳ء

(۲۸۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۲۳ء

(۲۸۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی ۱۹۲۳ء

(۲۸۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۲۳ء

(۲۸۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۲۳ء

(۲۸۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۲۳ء

(۲۸۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۲۴ء

(۲۸۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری و مارچ ۱۹۲۴ء

(۲۸۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۲۴ء

(۲۸۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۲۴ء

(۲۹۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی ۱۹۲۴ء

(۲۹۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۲۴ء

(۲۹۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۲۴ء

(۲۹۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۲۴ء

(۲۹۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۲۵ء

(۲۹۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۲۵ء

(۲۹۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۲۵ء

(۲۹۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۲۵ء

(۲۹۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۲۵ء

(۲۹۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی ۱۹۲۵ء

(۳۰۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۲۵ء

(۳۰۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۲۶ء

(۳۰۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۲۶ء

(۳۰۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۲۶ء

(۳۰۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۲۶ء

(۳۰۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۲۷ء

(۳۰۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۲۷ء

(۳۰۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۲۷ء

(۳۰۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۲۷ء

(۳۰۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون و جولائی ۱۹۲۷ء

(۳۱۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۲۷ء

(۳۱۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۲۷ء

(۳۱۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۲۷ء

(۳۱۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۲۷ء

(۳۱۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۲۸ء

(۳۱۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۲۸ء

(۳۱۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل و مئی ۱۹۲۸ء، عیدنمبر

(۳۱۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۲۸ء

(۳۱۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی ۱۹۲۸ء

(۳۱۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۲۸ء

(۳۲۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۲۸ء، عرس نمبر

(۳۲۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۲۸ء

(۳۲۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۲۹ء

(۳۲۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۲۹ء

(۳۲۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۲۹ء

(۳۲۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۲۹ء

(۳۲۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۲۹ء

(۳۲۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر و دسمبر ۱۹۲۹ء

(۳۲۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۳۰ء، ماتمی نمبر

(۳۲۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۳۰ء

(۳۳۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی و جون ۱۹۳۰ء

(۳۳۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۳۰ء

(۳۳۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۳۰ء

(۳۳۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۳۱ء

(۳۳۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۳۱ء

(۳۳۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۳۱ء

(۳۳۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی ۱۹۳۱ء

(۳۳۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۳۱ء

(۳۳۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۳۱ء

(۳۳۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۳۱ء

(۳۴۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۳۲ء

(۳۴۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۳۲ء

(۳۴۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۳۲ء

(۳۴۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۳۲ء

(۳۴۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۳۲ء

(۳۴۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۳۲ء

(۳۴۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۳۳ء

(۳۴۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۳۳ء

(۳۴۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی و اگست ۱۹۳۳ء

(۳۴۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۳۴ء

(۳۵۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل ۱۹۳۴ء

(۳۵۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون و جولائی ۱۹۳۴ء

(۳۵۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۳۴ء

(۳۵۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۳۴ء

(۳۵۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۳۴ء

(۳۵۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۳۵ء

(۳۵۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۳۵ء

(۳۵۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست و ستمبر ۱۹۳۵ء

(۳۵۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۳۶ء

(۳۵۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مئی ۱۹۳۶ء

(۳۶۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۳۶ء

(۳۶۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۶ء

(۳۶۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۳۶ء

(۳۶۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، دسمبر ۱۹۳۶ء

(۳۶۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۳۷ء

(۳۶۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، فروری ۱۹۳۷ء

(۳۶۶) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۳۷ء

(۳۶۷) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جون ۱۹۳۷ء

(۳۶۸) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اگست ۱۹۳۷ء

(۳۶۹) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، ستمبر ۱۹۳۷ء

(۳۷۰) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۳۷۱) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۷۲) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جنوری ۱۹۳۸ء

(۳۷۳) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، نومبر ۱۹۳۸ء

(۳۷۴) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، مارچ ۱۹۴۱ء

(۳۷۵) صوفی، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، اپریل و مئی ۱۹۴۷ء

(۳۷۶) طریقت، ماہنامہ، لاہور، مئی ۱۹۱۸ء

(۳۷۷) علم کی دستک، سہ ماہی، اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۳ء، علامہ اقبال نمبر

(۳۷۸) ماہِ نو، ماہنامہ، لاہور، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر

(۳۷۹) ماہِ نو، ماہنامہ، لاہور، اپریل ۱۹۸۵ء

(۳۸۰) مخزن، ماہنامہ، لاہور، اکتوبر ۱۹۰۱ء

(۳۸۱) مخزن، ماہنامہ، لاہور، فروری ۱۹۰۲ء

(۳۸۲) مخزن، ماہنامہ، لاہور، مئی ۱۹۰۳ء

(۳۸۳) مخزن، ماہنامہ، لاہور، ستمبر ۱۹۰۳ء

(۳۸۴) مخزن، ماہنامہ، لاہور، نومبر ۱۹۰۳ء

(۳۸۵) مخزن، ماہنامہ، لاہور، فروری ۱۹۰۴ء

(۳۸۶) مخزن، ماہنامہ، لاہور، جون ۱۹۰۴ء

(۳۸۷) مخزن، ماہنامہ، لاہور، جولائی ۱۹۰۴ء

(۳۸۸) مخزن، ماہنامہ، لاہور، ستمبر ۱۹۰۴ء

(۳۸۹) مخزن، ماہنامہ، لاہور، دسمبر ۱۹۰۴ء

(۳۹۰) مخزن، ماہنامہ، لاہور، اگست ۱۹۰۶ء

(۳۹۱) مخزن، ماہنامہ، لاہور، دسمبر ۱۹۰۶ء

(۳۹۲) مخزن، ماہنامہ، لاہور، جنوری ۱۹۰۷ء

(۳۹۳) مخزن، ماہنامہ، لاہور، مارچ ۱۹۰۷ء

(۳۹۴) مخزن، ماہنامہ، لاہور، اگست ۱۹۰۸ء

(۳۹۵) مخزن، ماہنامہ، لاہور، اکتوبر ۱۹۰۸ء

(۳۹۶) مخزن، ماہنامہ، لاہور، جولائی ۱۹۰۹ء

(۳۹۷) مخزن، ماہنامہ، لاہور، جون ۱۹۱۰ء

(۳۹۸) مخزن، ماہنامہ، لاہور، جولائی ۱۹۱۰ء

(۳۹۹) مخزن، ماہنامہ، لاہور، مئی ۱۹۱۱ء

(۴۰۰) مخزن، ماہنامہ، لاہور، جون ۱۹۱۱ء

(۴۰۱) مخزن، ماہنامہ، لاہور، اکتوبر ۱۹۱۱ء

(۴۰۲) مخزن، ماہنامہ، لاہور، دسمبر ۱۹۱۱ء، دربار نمبر

(۴۰۳) مخزن، ماہنامہ، لاہور، جنوری ۱۹۱۲ء

(۴۰۴) مخزن، ماہنامہ، لاہور، جون ۱۹۱۲ء

(۴۰۵) مخزن، ماہنامہ، لاہور، دسمبر ۱۹۱۲ء

(۴۰۶) مخزن، ماہنامہ، لاہور، اپریل ۱۹۱۷ء

(۴۰۷) معارف، ماہنامہ، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۲۶ء

(۴۰۸) مہک، سالنامہ، گوجرانوالہ، ۱۹۷۵-۱۹۷۴ء، اقبال نمبر

(۴۰۹) نظام المشائخ، ماہنامہ، دہلی، محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

(۴۱۰) نقوش، ادبی مجلّہ، لاہور، ستمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر

(۴۱۱) نقوش، ادبی مجلّہ، لاہور، نومبر ۱۹۷۷ء، نیرنگ خیال اقبال نمبر

(۴۱۲) نورتن، ماہنامہ، پنڈی بہاؤالدین، جولائی ۱۹۰۹ء

(۴۱۳) نیرنگ خیال، ماہنامہ، لاہور، جنوری ۱۹۲۷ء، لاہور نمبر

(۴۱۴) نیرنگ خیال، ماہنامہ، لاہور، ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۲ء، علامہ اقبال نمبر

(۴۱۵) ہزار داستان، ادبی مجلّہ، لاہور، اکتوبر ۱۹۲۲ء

(۴۱۶) ہزار داستان، ادبی مجلّہ، لاہور، فروری ۱۹۲۳ء

(417) Islamic Culture, Quarterly, Hyderabad Deccan, April 1929

اخبارات:

(۴۱۸) الهلال، ہفتہ وار، کلکتہ، ۲۶ر فروری ۱۹۱۳ء

(۴۱۹) امروز، روزنامہ، لاہور، ۲۱ر دسمبر ۱۹۶۴ء

(۴۲۰) امروز، روزنامہ، لاہور، ۹ر نومبر ۱۹۸۳ء

(۴۲۱) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۹ر اپریل ۱۹۲۷ء

(۴۲۲) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۱۰ر جون ۱۹۲۷ء

(۴۲۳) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۱۵ر دسمبر ۱۹۲۷ء

(۴۲۴) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۲۰ر دسمبر ۱۹۲۷ء

(۴۲۵) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۶ر نومبر ۱۹۲۸ء

(۴۲۶) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۸ر نومبر ۱۹۲۸ء

(۴۲۷) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۲۱/نومبر ۱۹۲۸ء

(۴۲۸) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۲۵/نومبر ۱۹۲۸ء

(۴۲۹) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۲۸/نومبر ۱۹۲۸ء

(۴۳۰) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۸/دسمبر ۱۹۲۸ء

(۴۳۱) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۵/جنوری ۱۹۲۹ء

(۴۳۲) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۸/جنوری ۱۹۲۹ء

(۴۳۳) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۹/فروری ۱۹۲۹ء

(۴۳۴) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۱۰/فروری ۱۹۲۹ء

(۴۳۵) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۱۶/فروری ۱۹۲۹ء

(۴۳۶) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۱۷/فروری ۱۹۲۹ء

(۴۳۷) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۱۹/فروری ۱۹۲۹ء

(۴۳۸) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۲۰/فروری ۱۹۲۹ء

(۴۳۹) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۶/اگست ۱۹۲۹ء

(۴۴۰) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۲۲/فروری ۱۹۳۰ء

(۴۴۱) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۱۷/جون ۱۹۳۰ء

(۴۴۲) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۳۰/دسمبر ۱۹۳۰ء

(۴۴۳) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۳۱/دسمبر ۱۹۳۰ء

(۴۴۴) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۱۸/مارچ ۱۹۳۱ء

(۴۴۵) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۲۶/جون ۱۹۳۱ء

(۴۴۶) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۷/فروری ۱۹۳۲ء

(۴۴۷) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۸/فروری ۱۹۳۲ء

(۴۴۸) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۱۱/فروری ۱۹۳۲ء

(۴۴۹) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۱۲/فروری ۱۹۳۲ء

(۴۵۰) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۱۰/ مارچ ۱۹۳۲ء

(۴۵۱) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۲۱/ مارچ ۱۹۳۲ء

(۴۵۲) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۲۳/ مارچ ۱۹۳۲ء

(۴۵۳) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۲۴/ مارچ ۱۹۳۲ء

(۴۵۴) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۳۰/ مارچ ۱۹۳۳ء

(۴۵۵) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۹/ جون ۱۹۳۵ء

(۴۵۶) انقلاب، روزنامہ، لاہور، ۲۹/ جولائی ۱۹۳۷ء

(۴۵۷) پیسہ اخبار، روزنامہ، لاہور، ۲۷/ فروری ۱۹۰۹ء

(۴۵۸) پیسہ اخبار، روزنامہ، لاہور، یکم جولائی ۱۹۱۱ء

(۴۵۹) پیسہ اخبار، روزنامہ، لاہور، یکم نومبر ۱۹۱۱ء

(۴۶۰) پیسہ اخبار، روزنامہ، لاہور، ۱۶/ دسمبر ۱۹۱۱ء

(۴۶۱) پیسہ اخبار، روزنامہ، لاہور، ۱۰/ اپریل ۱۹۲۰ء

(۴۶۲) پیسہ اخبار، روزنامہ، لاہور، یکم ستمبر ۱۹۲۷ء

(۴۶۳) پیسہ اخبار، ہفت روزہ، لاہور، ۲۲/ مئی ۱۸۹۷ء

(۴۶۴) پیسہ اخبار، ہفت روزہ، لاہور، ۲۶/ جون ۱۸۹۷ء

(۴۶۵) پیسہ اخبار، ہفت روزہ، لاہور، ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء

(۴۶۶) پیسہ اخبار، ہفت روزہ، لاہور، ۱۸/ اپریل ۱۹۱۲ء

(۴۶۷) زمیندار، روزنامہ، لاہور، ۴/ جنوری ۱۹۲۳ء

(۴۶۸) زمیندار، روزنامہ، لاہور، ۶/ جنوری ۱۹۲۳ء

(۴۶۹) زمیندار، روزنامہ، لاہور، ۲۲/ ستمبر ۱۹۲۶ء

(۴۷۰) ستارہ صبح، روزنامہ، لاہور، ۲۴/ نومبر ۱۹۱۷ء

(۴۷۱) سیاست، روزنامہ، لاہور، ۶/اکتوبر ۱۹۲۶ء

(۴۷۲) سیاست، روزنامہ، لاہور، ۱۶/نومبر ۱۹۲۸ء

(۴۷۳) مشرق، روزنامہ، لاہور، ۲۱/اپریل ۱۹۸۳ء

(۴۷۴) منادی، ہفت روزہ، دہلی، ۱۶/جون ۱۹۴۶ء

سرکاری ریکارڈ (مطبوعہ و غیر مطبوعہ):

(475) Gujrat District - 1934 (Gazetteer) Part B., Punjab Government (Editor), Lahore, Government Printing Punjab, 1935

(476) Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch up to the 30th September 1918, Press Branch (Editor), Lahore, SGPP, 1918

(477) Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch up to the 31st December 1920, Press Branch (Editor), Lahore,SGPP, 1921

(478) Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch Corrected up to the 31st Dec. 1921, Press Branch (Editor), Lahore , SGPP, 1921

(479) Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch Corrected up to the 31st December 1925, Press Branch (Editor), Lahore, SGPP , 1926

(480) Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch Corrected up to the 31st August 1931,. Press Branch (Editor), Lahore, SGPP, 1931

(481) Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press branch corrected up to the 31st December 1932, Press Branch (Editor), Lahore, SGPP , 1933

(482) Newspapers and Periodicals on the Examination List of the Press Branch Corrected up to the 31st December 1935, Press Branch (Editor), Lahore, SGPP , 1936

(483) Police Abstract of Intelligence Punjab 3rd April 1920, R.H. Fooks (Editor), Lohore,

SGPP , 1920

(484) Police Abstract of Intelligence Punjab 04th Dec.0 1920, R.H. Fooks (Editor), Lahore, SGPP, 1920

(485) Police Abstract of Intelligence Punjab 25th Dec. 1920, R.H. Fooks (Editor), Lahore, SGPP , 1920

(486) Punjab Archives, File No. 224, B.Proceedings 1934, Notified Area, Branch Committee Local Self-Government, Lahore, Punjab Government Civil Secretariat.

(487) Report on the Indian- owned Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1930 and on the working of Acts xxv of 1967, xiv of 1922 and xxxvi of 1926 during the Same Period, punjab Government (Editor), Lahore, SGPP, 1930

(488) Report on the working of Panchayats in the Punjab during the year 1928-29, PunjabGovernment (Editor), Lahore, Govt. Printing Punjab, 1930.

(489) Report on the working of Panchayats in the Punjab during the year 1930-31, Punjab Government (Editor), Lahore, Govt. Printing Punjab, 1932

(490) Report on the working of Panchayats in the Punjab during the year 1936-37, Punjab Government (Editor), Lahore, Govt. Printing Punjab, 1939

(491) Selections from the Indian Newspapers Published in the Punjab Examined up to the 21st June 1913, J.Misich (Editor), Simla, Punjab Govt. (Branch), Press, 1913

(492) Selections from the Indian Newspapers Published in the Punjab Examined up to the 5th September 1914, H.St.J.B. Philby (Editor), Simla, Punjab Government Branch Press, 1914

(493) Selections from the Indian Newspapers Published in the Punjab Examined up to the

19th Dec. 1914, H.St.J.B.Philby (Editor), Lahore, SGPP, 1914

(494) Selections from the Indian Newspapers Published in the Punjab Examined up to the 1st Jan. 1916, A.V. Askwith (Editor), Lahore, SGPP, 1916

(495) Selections from Newspapers Published in the Punjab Dated 7th November 1918, Mukh Dial (Editor), Lahore, SGPP, 1918

(496) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1911, H.St.B. Philby (Editor), Lahore, SGPP, 1912

(497) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1914, H.St.B.Philby (Editor), Lahore, SGPP, 1915

(498) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1917, HE.C.Beaver (Editor), Lahore, SGPP, 1918

(499) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1920, Abdul Aziz (Editor), Lahore, SGPP, 1921

(500) Statement of News Papers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1921, Abdul Aziz (Editor), Lahore, SGPP, 1922

(501) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1924, Abdul Aziz (Editor), Lahore, SGPP, 1925

(502) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1926, Abdul Aziz (Editor), Lahore, SGPP, 1927.

(503) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1927, Abdul Aziz (Editor), Lahore, SGPP, 1928

(504) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year

1932, Muhammad Hussain (Editor), Lahore, SGPP, 1933

(505) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1933, Muhammad Hussain (Editor), Lahore, SGPP, 1934

(506) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1934, Muhammad Hussain (Editor), Lahore, SGPP, 1935

(507) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1936, Muhammad Hussain (Editor), Lahore, SGPP, 1937

(508) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1938, Muhammad Hussain (Editor), Lahore, SGPP, 1939

(509) Statement of News papers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1940, Muhammad Hussain (Editor), Lahore, SGPP, 1941

(510) Statement of Newspapers and Periodicals Published in the Punjab during the year 1950, S.Nur Ahmad (Editor), Lahore, SGPP, 1951

مکتوبات واحوال (غیر مطبوعہ):

(۵۱۱) مکتوب، بنام ڈاکٹر محمد عبدالغنی، مرقومہ ملک محمد الدین اعوان مدیر "صوفی"، ۲۱/مارچ ۱۹۶۲ء

(۵۱۲) مکتوب، بنام ڈاکٹر محمد عبدالغنی، مرقومہ ملک محمد الدین اعوان مدیر "صوفی"، ۲۲/اپریل ۱۹۶۲ء

(۵۱۳) حالات زندگی مدیر "صوفی"، مصنفہ ملک محمد اشرف اعوان نبیرۂ مدیر "صوفی" (قلمی)، مشتمل بر پانچ صفحات۔

روایات وانٹرویو:

(۵۱۴) زبانی روایت، انصر محمود اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ ڈگری کالج منڈی بہاؤ الدین (راوی)، بمقام منڈی بہاؤ الدین، ۳۰/دسمبر ۱۹۹۶ء

(۵۱۵) انٹرویو، افتخار حسین فخر، حکیم (شاعر)، بمقام منڈی بہاؤ الدین، ۲۲/دسمبر ۱۹۹۶ء

(۵۱۶) انٹرویو، امان اللہ، ملک (رشتہ دار مدیر "صوفی")، بمقام پنڈی بہاؤالدین، ۲۹؍دسمبر ۱۹۹۶ء

(۵۱۷) انٹرویو، سراج قادری (بزرگ صاحب علم ہستی)، بمقام بادشاہ پور، ضلع منڈی بہاؤالدین، بزبان پنجابی، ۳۰؍دسمبر ۱۹۹۶ء

(۵۱۸) انٹرویو، غلام حیدر (خدمت گار مدیر "صوفی" آخری لمحات کا چشم دید گواہ)، بمقام پنڈی بہاؤالدین، بزبان پنجابی، ۲۹؍دسمبر ۱۹۹۶ء

(۵۱۹) انٹرویو، غلام رسول، ملک (فرزند منشی سلطان علی مینیجر "صوفی")، بمقام منڈی بہاؤالدین، ۲۸؍دسمبر ۱۹۹۶ء

(۵۲۰) انٹرویو، غلام غوث مہروی، پیر، بمقام شہیداں والی ضلع منڈی بہاؤالدین، ۲۹؍دسمبر ۱۹۹۶ء

(۵۲۱) انٹرویو، محمد اصغر اعوان، ملک (رشتہ دار مدیر "صوفی")، بمقام پنڈی بہاؤالدین، بزبان پنجابی، ۲۸؍دسمبر ۱۹۹۶ء

(۵۲۲) انٹرویو، محمد اکرام بھٹی (ریٹائرڈ ڈپٹی ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز، سابق استاد ایم-بی ہائی سکول، منڈی بہاؤالدین)، بمقام منڈی بہاؤالدین، ۲۹؍دسمبر ۱۹۹۶ء

(۵۲۳) انٹرویو، محمود فیضانی، ڈاکٹر مرزا (سابق طالب علم اسلامیہ ہائی سکول منڈی بہاؤالدین، سابق ایگزیکٹو ممبر ایم-ایس-ایف منڈی بہاؤالدین)، بمقام فیضانی ملی لائبریری، ایبٹ آباد، ۱۲؍اکتوبر ۱۹۹۵ء

(۵۲۴) انٹرویو، مراد علی، حاجی (خدمت گار مدیر "صوفی")، بمقام پنڈی بہاؤالدین، بزبان پنجابی، ۲۹؍دسمبر ۱۹۹۶ء

(۵۲۵) انٹرویو، مظفر حسن ملک، ڈاکٹر (ماہر تعلیم، دانشور)، بمقام گجرات، ۳۰؍اگست ۱۹۹۵ء